قومی سیرت کانفرنس ۱۹۹۷ء اور ۱۹۹۸ء

مقالات سیرت

۱- قومی سیرت کانفرنس ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء
۲- قومی سیرت کانفرنس (۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء)

پیش کردہ :

شعبہ تحقیق و مراجع۔ وزارت مذہبی امور
حکومت پاکستان۔ اسلام آباد

قومی سیرت کانفرنس ۱۹۹۷ء اور ۱۹۹۸

مقالات سیرت

- قومی سیرت کانفرنس ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء

۱- قومی سیرت کانفرنس (۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء)

پیش کردہ :

شعبہ تحقیق و مراجع۔ وزارت مذہبی امور

حکومت پاکستان۔ اسلام آباد

فہرست

"حصہ اول"

(i) خطبات ۱۹۹۸ء

مقالات سیرت ۱۹۹۷ء

اسمائے گرامی مقالہ نگار

صفحہ نمبر

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

پاکستان کا نظریاتی اور اسلامی مملکت ہونے کے ناطے یہ بنیادی فرض ہے کہ وہ سیرت طیبہ کی نشر و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کرے۔ اپنے اس کردار اور شاندار روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ۱۹۹۸ء میں بائیسویں قومی سیرت کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ افتتاحی اجلاس میں وزیر اعظم جناب محمد نواز شریف نے شرکت فرمائی اور خطبہ پیش کیا اور اختتامی اجلاس سے جناب محمد رفیق تارڑ صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان نے خطاب فرمایا اس طرح سیرت طیبہ کے بہترین مقالہ نگاروں اور کتب و نعت کے لیے انعام یافتگان کو انعامات تقسیم کیے گئے۔

کتاب ہذا میں دو سالوں یعنی ۱۹۹۷ء اور ۱۹۹۸ء کے مقابلہ مقالات سیرت کے سلسلے میں موصول ہونے والے معیاری اور انعام یافتہ مقالات کو اس کتاب میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ۱۹۹۷ء میں "استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ سے حاصل ہو سکتی ہے" کے موضوع پر پیش کیے جانے والے صرف معیاری مقالہ جات سیرت اور کانفرنس کے موضوع پر دیئے گئے خطبات پیش خدمت ہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ سال ۱۹۹۸ء میں اگرچہ سیرت کانفرنس کا موضوع "خود انحصاری تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں" تھا تاہم مقابلہ مقالات سیرت کے لیے موضوع مقرر نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ اوپن ہی تھا تاکہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف رسائل و مجلات میں مختلف موضوعات پر بہترین نگارشات بھی ہدیہ قارئین ہو سکیں۔ امید ہے کہ اس کتاب میں سیرت النبی ﷺ پر مختلف حوالوں سے پیش کی گئی نگارشات سے صاحبان طلب و شوق کی سیرابی کا سامان میسر ہو گا۔ ترتیب کے اعتبار سے

کتاب ہذا کے حصہ اول میں پہلے سال ۱۹۹۸ء کے خطبات پیش کیے جا رہے ہیں اور کتاب کے دوسرے حصے میں سال ۱۹۹۷ء کے صرف معیاری اور انعامی مقالات سیرت ہی پیش خدمت ہیں۔

دعا ہے کہ رب کریم وزارت کی اس کاوش کو منظور فرماتے ہوئے قارئین کرام کو سیرت طیبہ سے مستفید ہونے کی سعادت اور ہمت و توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اس پر عمل پیرا ہو کر استحکام پاکستان کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

سیکرٹری

وزارت مذہبی امور' اسلام آباد

حصہ (الف)

خطبات

قومی سیرت کانفرنس ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء

موضوع سیرت کانفرنس

"خود انحصاری تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں"

قومی سیرت کانفرنس ۱۹۹۸ء افتتاحی اجلاس کے موقع پر سیکرٹری وزارت مذہبی امور سعید احمد صدیقی صاحب کے

تعارفی کلمات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عالی مرتبت محترم محمد نواز شریف صاحب

وزیر اعظم' پاکستان

محترم راجہ محمد ظفر الحق صاحب وفاقی وزیر مذہبی امور' وزرائے کرام

سفرائے کرام

علماء و مشائخ عظام

حاضرین کرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پروردگار عالم کا بے حساب شکر ہے جس نے ہمیں ایک بار پھر سعادت بخشی ہے کہ ہم محسن انسانیت سید المرسلین اور رحمۃ للعالمین ﷺ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ جن کی دلآویز تعلیمات دینی و سیاسی ارشادات کی روشنی سے یہ دنیا منور ہوئی۔ میں آج آپ سب کو اس محفل پاک میں شرکت میں خوش آمدید کہتا ہوں اور اس مقدس محفل میں شرکت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

جناب والا!

کائنات میں بسنے والے انسان کا سب سے مقدم فرض کہ انسانی اخلاق و مقصد کی اصلاح کی جائے۔ یعنی ہر قسم کے فضائل' زہد و تقویٰ' عصمت و عفت' عظمت و استوار ایثار و لطف' غیرت و استغنی اور خود انحصاری کے اصول

جزئیات صحیح طریقے سے قائم کیے جائیں۔ اور پھر عالم میں ان کی عملی تعلیم دی جائے اس ضمن میں سب سے ساده کامل اور عملی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے اور نہ جبر ضرور سے کام لیا جائے بلکہ فضائل واخلاق پیکر مجسم خود سامنے آجائے جو خود ہمہ تن آئینہ عمل ہو۔ جس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ ہزاروں تصانیف کا کام دے۔ اس ضمن میں بالاتفاق جامعیت کبریٰ کے حامل ایک ہی ذات مقدسہ ہے۔ جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حضور ﷺ کی مستند یا جامع سوانح عمری کی ضرورت صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایک عملی ضرورت ہے اخلاقی ضرورت ہے ایک تمدنی ضرورت ہے اور ایک سیاسی ضرورت ہے اور مختصر یہ کہ مجموعہ ضروریات دین و دنیا ہے۔

جناب والا!

اس سال سیرت کانفرنس کا موضوع آپ کی منظوری سے خود انحصاری کی ضرورت تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں منتخب کیا گیا ہے۔ جو حالات حاضرہ کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس سال سیرت و نعت پر نو مقابلوں کا اعلان کیا گیا۔ ان میں چار کتب سیرت دو کتب نعت مقابلہ کتب برائے خواتین کے علاوہ سیرت و نعت' کے رسائل و مجلات کے خصوصی نمبر کا مقابلہ شامل ہیں۔ ان مقابلوں کا اعلان ملک بھر کے اخبارات کے ذریعہ کیا گیا۔ جن کے جواب میں وزارت کو کل ۹۴ درخواستیں برائے شمولیت مقابلہ کتب سیرت و نعت اور مقالات موصول ہوئے اور ان کتب و مقالات کا وزارت کی سطح پر ابتدائی فنی جائزہ لیا گیا اس جائزے کے بعد ۴۶ کتب اور جملہ مقالات کو مقابلے کے قابل سمجھا گیا۔ جن کو بعد ازاں نامور اہل علم حضرات کو برائے تفصیلی جانچ پڑتال ارسال کیا گیا۔ ان جج صاحبان نے جن کتب اور مقالات کو معیاری قرار دیا ان کی رپورٹس کو اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کے معزز ارکان کے سامنے برائے حتمی فیصلہ پیش کیا گیا۔ جن کا اعلان آج کیا جائے گا۔ میں اس جگہ آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ وزارت نے سیرت مقدسہ کے فروغ میں ان مقابلوں کا جو انتظام کر رکھا ہے۔ صرف انتظامی اور فنی پہلو پیش نظر رکھتی ہے جب کہ کتب یا مقالات کا معیاری یا غیر معیاری ہونے کے باوصف انعام کا حقدار قرار دینا یا نہ دینا منصفین اور اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کا کام ہے۔ وزارت اس میں کسی قسم کا دخل نہیں دیتی۔ کتب مقالات کی جانچ پڑتال کا عمل تین سطح پر ہونا بھی اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ ان مقابلوں میں حصہ لینے والوں سے کوئی زیادتی نہ ہو۔

بہر حال میں ان مقابلوں میں انعام پانے والے خوش نصیب حضرات کو پیشگی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ان گذارشات کے بعد میں اپنی وزارت کے اسکالر حضرات' جائزہ کمیٹی اور اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کے معزز اراکین کا شکریہ ادا

کرتا ہوں۔ میں عالی مرتبت وزیراعظم پاکستان محترم محمد نواز شریف صاحب کا سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے اس محفل کو سجانے کے لیے ہماری سرپرستی فرمائی اور بنفس نفیس تشریف لا کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ شکریہ۔

وفاقی وزیر مذہبی امور راجہ محمد ظفر الحق صاحب کا

خطبہ استقبالیہ۔ قومی سیرت کانفرنس ۱۹۹۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم' الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی خاتم النبیین

ناب محمد نواز شریف صاحب

یر اعظم' پاکستان

رائے گرامی

ترم اراکین پارلیمنٹ

عزز و محترم سفرائے کرام

عزز علماء گرامی و مشائخ کرام

ترم حاضرین کرام اور

زیز طلباء و طالبات

سلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ہمارے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آج ہم یہاں اللہ تعالیٰ کی بہترین تخلیق کی یدائش کا دن منا رہے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل اور بہتر مخلوق میں اور کوئی مخلوق نہیں ہے۔ وہ امع صفات ایسی ابدی صفات کے مالک تھے کہ آج بھی جہاں کہیں بزرگی' جہاں کہیں شرافت' جہاں کہیں عظمت ظر آتی ہے اور قیامت تک رہے گی وہ انہی کی ذات اقدس کا پرتو ہوگا۔ ان کو ان ساری صفات میں صرف ایک صفت واس دفعہ موضوع بحث بنایا گیا ہے وہ ہے خود انحصاری۔ خود انحصاری وہ صفت ہے جس پر رسول اکرم ﷺ کی ذات قدس نے نہ صرف دوسروں کو یہ تلقین فرمائی بلکہ بدرجہ اتم خود اس پر بھی عمل فرمایا۔ اور یہ اعجاز ہے ان کی ذات قدس کا کہ قرآن حکیم کی تعلیمات میں سے ایک بھی تعلیم ایسی نہیں ہے جس پر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل نہ فرمایا ہو۔ اس کی بے شمار مثالیں ہیں اور ساری ان کی حیات طیبہ اس کی تفسیر ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے گو آپ کو معلوم ہے کہ مدینہ شریف ایک زرعی معاشرہ تھا۔ کھیتی باڑی کے اوپر لذر بسر تھی لیکن مکہ شریف میں سنگلاخ چٹانیں ہونے کی وجہ سے وہ لوگ تجارت کو اپنا مشغلہ بناتے تھے اسی سے وزی کماتے تھے۔ لیکن جب مہاجرین مدینہ شریف تشریف لائے تو پھر ان کے پاس کام کرنے کو کچھ نہیں تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارا نہیں ہوا کہ مہاجرین کی یہ تعداد مدینہ شریف کی نئی ریاست اور ا
معاشرے کے اوپر بوجھ بنے۔ لہذا حضور اقدس نے مواخات کا نظام قائم کیا۔

مہاجر کا اس انصاری کے ساتھ بھائی چارہ کر دیا جس کی زرعی زمین تھی۔ وہ دونوں اس پر محنت کرنے
اور دنیا نے دیکھا کہ اس سے نہ صرف ایک مربوط و مضبوط معاشرہ قائم ہوا بلکہ مدینہ شریف کی زراعت اور معیشت
نے وہ ترقی کی کہ جب مکہ میں قحط پڑا اور مشرکین مکہ کا چارہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھجوا دیا۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ سے یہ وعدہ کرلے کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ نہیں
پھیلاءے گا تو میں اسے جنت کی ضمانت دوں گا۔ رسول اکرم ﷺ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی حاضر ہوئے او
فرمایا کہ ضروریات زندگی پورا کرنے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ا
سے سوال کیا کہ آپ کے پاس کچھ تو ہوگا انہوں نے فرمایا کہ گھر کے اندر کچھ بھی نہیں ہے ماسوائے ایک ٹوٹے ہو
لکڑی کے پیالے کے۔ حضور اقدس نے اس کے پیالے کو لیا اور لوگوں کو دعوت دی کہ کوئی ہے جو اسے خرید
صرف برکت کی خاطر۔ کسی صاحب نے وہ چند سکوں میں خرید لیا۔ وہ سکے دے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اس صحابی سے فرمایا کہ جاؤ بازار جا کر کلہاڑی کا پھل لے آؤ۔ اور پھر جب وہ لے کر آگئے تو پھر خود اپنے دست مبار
سے اس میں دستہ لگایا اور ان سے کہا کہ جنگل میں جاؤ اور لکڑیاں کاٹو اور کاٹ کر مدینہ شریف میں بیچو اور پندرہ دن
بعد میرے پاس واپس آنا اور وہ شخص جو بالکل کچھ بھی نہیں رکھتا تھا جب پندرہ دن کے بعد آیا تو اپنے خاندان
اخراجات پورے کرنے کے بعد پندرہ درہم اس کے پاس تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کو
شخص بے کار ہے تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ محنت کرے جنگل سے لکڑیاں کاٹے یہ اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ
لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے خواہ لوگ اسے دیں یا نہ دیں۔ اس لحاظ سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک مزدور جس
ہاتھ میں مزدوری کر کے گھٹے پڑے ہوئے تھے رسول اکرم ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہا کہ یہ جنتی کے ہاتھ
ہیں۔ الکاسب حبیب اللہ' جو محنت کرتا ہے مزدوری کرتا ہے خودداری سے زندگی بسر کرتا ہے وہ اللہ کے ہاں
بہت حبیب ہوتا ہے یہ بات جہاں معاشرے کے افراد کے لیے ضروری ہے وہاں پورے معاشرے کے لیے بھی
ضروری ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ معاشرہ تو درست ہو اور افراد درست نہ ہوں۔ افراد تو معاشرے کی اینٹیں ہیں جن
ملا کر معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ لہذا ہم جب آج کے دور میں دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس اپنے وسائل موجود ہیں
لیکن ان کا استعمال صحیح طریقے سے نہیں کیا گیا تو کیفیت قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق یہ ہوئی "فمن اعرض ع
ذکری فلۃ معئیتا ضنکا" کہ جس نے میرے ذکر کو چھوڑ دیا۔ جس نے میری تعلیمات پر عمل نہ کیا جس
خودداری اور خود انحصاری کو چھوڑ دیا اس کی معیشت کبھی درست نہیں ہو سکتی وہ کبھی سرخرو نہیں ہو سکتا وہ کبھی د

باعزت گزارہ نہیں کر سکتا۔

جناب وزیر اعظم!

جب آپ خود انحصاری کی بات کرتے ہیں تو یہ ساری تعلیمات ہماری آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہیں۔ صرف پاکستان کے لیے ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے لیے بھی ایک پیغام ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر خودداری سے زندگی بسر کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے سرخرو ہوا جا سکے۔ اسی کیفیت کو سامنے رکھ کر آپ نے ایک پروگرام دیا۔ آپ نے اس قوم کو ایک ایسی سیاسی آزادی دی جس کا پاس سال کے بعد نکتہ آغاز ۲۸ مئی کی وہ صبح تھی جب آپ نے باوجود دنیا کی مخالفت کے 'آپ نے ایٹمی دھماکے کیے آپ نے پاکستان کو ایک محفوظ ملک کے طور پر آئندہ صدی میں داخل کیا۔ اور یہ کیفیت پیدا کر دی کہ پاکستان یقین جیئے آج دنیا کے نقشے پر ایک سیاسی قوت کے طور پر آیا ہے۔ لیکن اس کی بھی ذمہ داریاں ہیں جو صرف وزیر اعظم پاکستان یا صدر پاکستان نے ادا نہیں کرنی بلکہ اس کی ذمہ داری پاکستان کے ایک ایک فرد نے پورا کرنی ہے۔ اور یہ صرف اسی صورت میں پورا ہو سکتی ہے جب ہمیں احساس ہو کہ ہم نے معاشی خود مختاری بھی حاصل کرنی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاسی خود مختاری اور سیاسی آزادی کا تصور بھی ممکن نہیں ہے اگر کوئی معاشرہ 'معاشی طور پر خود مختار اور آزاد نہیں ہے۔ لہذا پاکستان کا یہ ایک کڑا امتحان بھی ہے اور سرخرو ہونے کا ایک بہترین موقع بھی ہے۔

دنیا کے سامنے ہم نے یہ ثابت کرنا ہے کہ اس ذات اقدس کے ساتھ تعلق ہونے کی بناء پر ہمارے ہاتھ کسی کے سامنے پھیلنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم کسی کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں ہیں۔ صرف یہی کیفیت ہے جو ہمیں زندہ قوموں کی صف میں کھڑا کر سکتی ہے۔ اور یہ کوئی مشکل ایجنڈا نہیں ہے۔ صرف اس کی ترتیب کے لیے پاکستانی قوم کے ہر فرد کو Motivate کرنا پڑے گا۔ اور اس میں سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے علماء کرام پر ان کا ملک و معاشرہ کے اندر ایک اثر ہے۔ آج آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہم نے اسلام آباد اور اس کے گردونواح کے طلبہ و طالبات کو بھی دعوت دی ہے۔ اساتذہ کرام کو پہلی بار دعوت دی ہے کہ وہ بھی اس مجلس میں تشریف فرما ہوں اور وہ بھی اس ذات اقدس کے پر تولے کر واپس جائیں۔ صرف علماء کرام کو یہاں جمع کرنے سے وہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور پچھلے سال اسی موقع پر میں نے دو خواہشات کا اظہار کر دیا تھا ایک یہ کہ ریڈیو اور ٹیلی وژن کے اوپر صرف قرآن چینل قائم کیا جانا چاہیے الحمد للہ ۲۷ رمضان المبارک جس دن پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی عطا فرمائی تھی اسی دن ریڈیو کے اوپر پانچ گھنٹے صوت القرآن شروع ہوا۔ اور ریڈیو پاکستان والے کہتے ہیں کہ ان کے سب پروگراموں میں سے ہر دل عزیز اور سنا جانے والا پروگرام صوت القرآن ہے۔ ٹیلی وژن والوں نے بھی صوت القرآن پروگرام شروع کر دیا ہے۔ مجھے خوشی ہوتی ہے کہ سڑکوں کے اوپر بھی کاروں میں 'ٹرکوں میں بسوں

میں اور ویڈیوں میں قرآن حکیم کی تلاوت ہوتی ہے۔ مجھے خوشی ہوتی ہے کہ لوگ قرآن حکیم سامنے رکھ کر صو
القرآن کے ذریعے اپنی تصحیح فرما رہے ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی برکات کے نزول کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کی توفی
کے بغیر کوئی چیز نہیں ہو سکتی اسی طریقے سے خواہش یہ تھی کہ پاکستان کے اندر حضور اقدس ﷺ کی سیرت طیب
کی قومی سیرت لائبریری قائم کی جائے اور اس کے لیے ہم شکر گزار ہیں کہ وزیر اعظم جناب میاں محمد نواز شریف
صاحب نے اس کے قیام کے لیے ابتدائی طور پر دو کروڑ روپے کی رقم دی اس لائبریری کی ابتدا آج ہو چکی ہے۔ می
شکر گزار ہوں اپنی دو محترم شخصیات کا ایک جناب ڈاکٹر ایس ایم زمان صاحب چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل او
دوسرے ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری صاحب ڈائریکٹر جنرل ادارہ تحقیقات اسلامی کے کہ انہوں نے ہماری رہنما
فرمائی اور آج میں اللہ تعالیٰ کے سامنے شکر ادا کرتا ہوں کہ جناب وزیر اعظم اس لائبریری کا افتتاح فرمائیں گے۔
ہماری خواہش ہے کہ دنیا بھر کی زبانوں کے اندر جس قدر سیرت کے اوپر کتابیں ہیں وہ ساری رکھی جائیں کہ پاکستا
وہ مرکز ہو' اسلام آباد وہ مرکز ہو کہ دنیا کے کسی کونے میں سے اگر اس کامل ترین اور اکمل ترین ہستی کی حیات طیبہ
اگر کسی کو ریسرچ کرنی ہو تو وہ کہیں اور جانے کی بجائے اسلام آباد کا رخ کرے اور یہ لائبریری اس کی اعانت کرے
یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور میں زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا میں وزیر اعظم صاحب کا شکر گذار ہوں آپ سب کا شک
گزار ہوں۔ ہم نے قومی سیرت کانفرنس کو ایک نئی ترتیب دینی شروع کی ہے۔ آئندہ سالوں میں ہماری خواہش یہ ہو
گی کہ اس سے بھی بہتر نتائج حاصل کرنے کے لیے اس کی ترتیب کو آپ کی آراء کی روشنی میں بہتر کرنے کی کوشش
کریں گے۔ میں انہی الفاظ کے ساتھ آپ سے اجازت لیتا ہوں اور وزیر اعظم صاحب سے گذارش کرتا ہوں کہ جن
احباب کی کتب کو انعام کا حقدار قرار دیا گیا ہے ان میں انعامات تقسیم کریں اور اس کے بعد آپ سے خطاب فرمائیں۔

وما علینا الا البلاغ

قومی سیرت کانفرنس ۱۹۹۸ء کے افتتاحی اجلاس سے
وزیر اعظم پاکستان جناب محمد نواز شریف کا خطاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب راجہ ظفر الحق صاحب وزیر مذہبی امور

محترم صدیقی صاحب سیکرٹری مذہبی امور

معزز علماء کرام،

معزز مہمانان گرامی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں اپنی گفتگو شروع کرنے سے پہلے جناب اختر ہوشیارپوری صاحب کے جذبے کی تعریف کرنا چاہتا ہوں جن کی صاحبزادی یہاں تشریف لائی ہیں اور جنہوں نے اپنے والد صاحب یعنی اختر ہوشیارپوری صاحب کا خط مجھے دیا ہے جس میں تحریر ہے کہ ان کی کتاب پر ملنے والے انعام کی ساری رقم خود انحصاری فنڈ میں جمع کرادی جائے۔ میں جناب اختر ہوشیارپوری صاحب کے جذبے کی تعریف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو خیر وعافیت کے ساتھ رکھے اور صحت کاملہ عطا کرے۔

ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کو بائیس برس سے قائم رکھے وزارت مذہبی امور جس سلیقے سے نبھا رہی ہے وہ یقیناً قابل تعریف ہے۔ میں اس مقدس محفل کے انعقاد پر راجہ ظفر الحق صاحب اور ان کی وزارت کے کارکنوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میں ان علماء اور مشائخ اور دانشوروں کو بھی خوش آمدید کہتا ہوں جو دور دراز کا سفر کر کے اس کانفرنس میں شرکت فرمارہے ہیں۔ میں وزارت مذہبی امور کا شکر گزار ہوں کہ اس نے ہمیں یہ موقع فراہم کیا کہ ہم یہاں مل بیٹھیں ذکر پاک کی روشنی میں اپنا محاسبہ کریں اور اس بات پر غور کریں کہ ہم اپنے دکھوں کے مداوے کے لیے کس طرح اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت صرف اسلام ہی نہیں پوری انسانی تاریخ کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ اس عالم رنگ وبو میں یہ ایک ایسی شخصیت کی تشریف آوری تھی جس کے بعد

وحی کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جانے تھے۔اب قیامت کی صبح تک انسانوں کے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہدایت اور رہنمائی کے لیے آپ ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کی طرف رجوع کریں۔اس صفحہ ہستی پر اب قرآن مجید وہ واحد کتاب ہے جو حرف بہ حرف اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے۔رسول اکرم ﷺ انسانی تاریخ کی وہ واحد شخصیت ہیں جن کے شب و روز جن کے معمولات جن کی تعلیمات اور جن کی سیرت کا لمحہ بہ لمحہ محفوظ ہے۔آج کا انسان مسائل اور مصائب کا شکار ہے دل کی بے چینی قابو میں نہیں آتی۔اس کی پیاس ہے کہ بجھتی ہی نہیں آج بھٹکتے ہوئے انسانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ قرآن و سنت کے سرچشمے سے اپنی پیاس بجھائیں اور ان کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کریں۔آپ ﷺ کی قیادت میں اس صفحہ ہستی پر وہ معاشرہ وجود میں آیا۔چاروں طرف امن تھا ہر ایک کی عزت نفس محفوظ تھی اس سے قبل جو لوگ غلام تھے اب انسانوں کے سردار تھے۔اب انسانی شرف کا پیمانہ اور تھا اب معاشرے میں اس کی عزت تھی جو اللہ کا خوف رکھنے والا اور اس کی حدود کا احترام کرنے والا تھا۔

معزز خواتین و حضرات!

یہ حسن اتفاق ہے کہ ہم ایک ایسے موقع پر حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ پاک کا ذکر کرنے جمع ہوئے ہیں جب پاکستان اپنی تاریخ کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہا ہے۔ ہمیں ایک نئے نظام کی تشکیل کا چیلنج درپیش ہے۔یعنی ایک ایسا نظام جو مظلوم کی دادرسی کرنے والا ہو اور جس میں جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دی گئی ہو۔

اس کانفرنس کے لیے خود انحصاری تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں کے موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ہماری مالی زندگی کے متعلق اس کے پس منظر میں جو تصور کار فرما ہے وہ میانہ روی کا ہے۔نہ ضرورت سے زیادہ خرچ ہو اور نہ ضرورت سے کم صرف ہو۔یہ میانہ روی ان بنیادی ضرورتوں پر بھی صادق آتی ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پیدائش کے وقت اعلان فرمادیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

"بلاشبہ تمہارا یہ حق ہے کہ تم نہ بھوکے رہو نہ ننگے رہو اور یہ کہ تم نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کی تپش اٹھاؤ"۔

ان حقوق کو پورا کرنے کے وسیلے میں اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں مرحمت فرمایا اور ہمیں یاد دلایا۔

"بے شک ہم نے پانی برسایا پھر ہم نے زمین کا سینہ پھاڑا پھر ہم نے اس میں اناج اگایا اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارہ یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے لیے بنایا"۔

خود انحصاری کے تصور کو اگر تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں سمجھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان وسیلوں کو استعمال کرنے کی حکمت خود رسول اکرم ﷺ نے امت کو بتلائی اور ان میں خودداری کا وہ جذبہ پیدا

کیا کہ حضور ﷺ کے صحابیؓ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کو اپنے لیے باعث عار سمجھتے تھے۔ اس طرح کے واقعات سے سیرت کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ ایک واقعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہے۔

"ہجرت کے بعد 'مواخات کے سلسلے میں آپؐ حضرت سعد بن ربیع کے بھائی قرار پائے۔ حضرت سعدؓ نے انہیں اپنے کام میں برابر کا شریک کرنا چاہا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے یہ بات قبول نہ کی اور کہا تو صرف یہ کہ مجھے بازار کا راستہ بتلا دیجئے۔ انہوں نے پنیر کی تجارت شروع کر دی اور اپنی اہلیت اور قابلیت کے باعث تھوڑے ہی دنوں میں دولت مند ہو گئے اسی طرح کچھ دیگر مہاجرین نے بھی اپنے ہاتھوں کی کمائی سے اپنی مالی حالت درست کرلی۔

خواتین و حضرات!

حضرت محمد ﷺ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کی حقیقت اور گہرائی سے مکمل آگاہی ایک مشکل امر ہے۔ میں اسلامی دنیا کے دانشوروں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ان مباحث پر ایک جدید علمی انداز سے روشنی ڈالیں۔ ایسا انداز اختیار کیا جائے جو حقیقت سے بہت قریب ہو اور جدید ذہن کو اپیل بھی کرے اور متاثر بھی۔

سیرت طیبہ کے گوشوں کو ہم جتنا بھی اجاگر کریں کم ہے یہ دیکھ کر ہم خود حیران رہ جائیں گے کہ آپ کی سیرت زندگی کے لیے راہبر بھی ہے اور راہ نجات بھی۔ تحقیق کا عمل ثواب کا عمل ہے۔ حقائق تک پہنچنے کے لیے تحقیق ضروری ہے۔ اس کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص صدق دل سے دین اسلام میں تحقیق کرتا ہے اور صحیح نتیجے تک پہنچتا ہے اس کے لیے ایک ایک نیکی ہے۔ اور اگر وہ صحیح نتیجے تک پہنچے تو اس کے لیے دو نیکیاں ہیں"۔ گویا اسلامی افکار پر تحقیق کسی طرح بھی ضائع نہیں جاتی۔ آج ضرورت ہے کہ ہم اس تحقیق اور اجتہاد کا راستہ اپناتے ہوئے خود انحصاری اور عزت و وقار پر مبنی ایک نیا نظام تشکیل دیں۔ لہٰذا یہ امت کے اہل علم و دانش کی ذمہ داری ہے کہ وہ اجتہاد اور تحقیق کی روشنی روش اپنا کر ہماری رہنمائی فرمائیں۔

اسلامی افکار کی یہ خوبی ہے کہ اگر انہیں جدید تحقیق کی روشنی میں پیش کیا جائے تو ان کی مدد سے ہمیں کائنات اور خالق کائنات کے انسان سے روابط کے بارے میں آگاہی ہو سکتی ہے۔ یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اسرار اور حکمتیں پوشیدہ ہیں اگر وہ علم اور تحقیق کا موضوع بن جائیں تو امت کے جذبہ عمل میں ایسا انقلاب آئے گا جس سے مادہ پرستی کا سیلاب رک جائے گا اور انسان کی فلاح و بہبود کے راستے کھل جائیں گے۔

معزز خواتین و حضرات!

آپ ﷺ کی نجی زندگی بھی اسی طرح سادی تھی جس طرح آپ ﷺ کی عوامی زندگی۔ سادگی اور خود انحصاری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد دس لاکھ مربع میل کا وسیع و عریض علاقہ

آپ ﷺ کے زیر نگیں تھا۔ مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتیاں خود مرمت فرماتے اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے۔ آپ ﷺ کے آخری دنوں میں سارے مدینے میں مال و دولت کی فراوانی تھی لیکن آپ ﷺ کے گھر چولہا جلے ہفتوں گذر جاتے۔ آپ ﷺ کی عام خوراک کھجور' جو اور پانی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا قناعت تھے۔ دن بھر کام کاج کرنے کے بعد کھجور کی چٹائی پر آرام فرماتے۔ آپ ﷺ نے جب دنیا سے رخت سفر فرمایا تو آپ ﷺ کا کل اثاثہ چند سکے تھے۔ جس کا کچھ حصہ ایسے قرض کی ادائیگی پر صرف ہوا جو مستحقین کی ضرورت کے لیے لیا گیا تھا۔ باقی حاجت مند سائلوں کو دے دیا گیا۔

مہمانان گرامی!

رسالت مآب ﷺ کی تعلیمات کا پہلا نکتہ توحید ہے۔ توحید تمام جھوٹے خداؤں سے آزادی کا اعلان ہے۔ توحید خود کو ایک ذات واحد کی غلامی میں دینے کا اقرار ہے۔ اسی ذات واحد کی استقامت پر انحصار ہمارا ایمان ہے۔ توحید کی سب سے خوبصورت تعلیم خود انحصاری ہے۔ جو ہمارے قومی ایجنڈے کا اہم نکتہ ہے۔ آج پتھر کے خداؤں کی جگہ معیشت کے خداؤں نے لے لی ہے پرانے دور میں لوگ اپنی حاجتوں کے لیے بتوں کے سامنے حاضر ہوتے تھے۔ آج لوگ اپنی ضرورتوں کو لے کر عالمی اداروں اور عالمی قوتوں کے دربار میں کھڑے ہوتے ہیں۔ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی صلاحیتوں کو کام میں لائیں اور خود کو معاشی خداؤں کی غلامی سے آزاد کریں۔

تعلیمات نبوی ﷺ کے انہی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر آپ کی حکومت نے عوام کی خدمت کا عزم کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صرف ۱۶ ماہ کے عرصے میں ہم نے کئی رکاوٹوں کے باوجود قوم سے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے کا آغاز کر دیا ہے۔ تباہ حال قومی معیشت کی بحالی' ملکی استحکام کا قیام' جمہوری اداروں کی سربلندی اور آئینی اصلاحات ایسے چند اقدامات ہیں۔ قومی سلامتی اور دفاع کو ناقابل تسخیر بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے۔ الحمد اللہ آج غذائی خود کفالت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ممکن ہو رہی ہے۔ اسی طرح قومی امنگوں کی ترجمانی کا فریضہ ادا کیا گیا۔ غوری کا کامیاب تجربہ کر کے ہم نے جنوبی ایشیاء میں میزائل ٹیکنالوجی میں اپنی برتری کا لوہا منوایا۔ مجھے اس بابرکت محفل میں یہ بتاتے ہوئے بھی فخر ہو رہا ہے کہ پاکستان اللہ کے فضل و کرم سے ایٹمی قوت بن کر اقوام عالم کی صف میں باوقار مقام حاصل کر چکا ہے۔ میں نے اس اعزاز کے حصول کے فوراً بعد بیت اللہ اور مسجد نبوی میں شکرانہ کے نوافل ادا کیے دل کو یہ اطمینان ہوا کہ ہمارا دفاع الحمد اللہ ناقابل تسخیر بن چکا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں گھوڑے تیار رکھنے کا حکم دیا ہے۔ دشمن جان چکا ہے کہ پاکستان کے خلاف اب کھلی جارحیت ممکن نہیں ہے۔ وہ دوسرے طریقوں سے گھات لگانے کی کوشش کرے گا۔ ہماری کامیابیوں کو دوسروں کی نظر میں کم کرنے سے باز

نہیں آئے گا۔ تربیت یافتہ تخریب کاروں کا سہارا ڈھونڈے گا آپ اس سے ہوشیار رہیں تو دشمن کی کوئی چال ان شاء اللہ کارگر نہیں ہوگی۔ مالی سازوسامان کی کمی بھی ہماری راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔ ہمارا پختہ ایمان ہے اور ہمیں مصورِ پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ کا وہ پیغام یاد ہے کہ ؂

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

دفاعی کام کے نتیجے میں ہم پہ پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ پابندیاں ہمارے لیے کوئی نئی بات نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے ابتدائی عہد میں پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ جرات، صبر و استقامت کے ساتھ اس مرحلے سے گزرے۔ اور اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے بالآخر انہیں انعام و اکرام سے نوازا۔ آج ہمیں بھی ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہے۔ مغرب کے دانشوروں کا کہنا ہے کہ پاکستان پر ان پابندیوں کا اثر ضرور پڑے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اثر پڑا ہے کیونکہ اب ہمیں اپنی منزل صاف نظر آرہی ہے۔ اب کشمیر کا مسئلہ اقوام عالم کی توجہ کا مرکز بن گیا ہے۔ اب حکومت اور عوام کے فاصلے ختم ہو چکے ہیں اب ہم سراپا عمل بن رہے ہیں۔ اب پاکستان اپنے کندھوں پر کھڑا ہو رہا ہے ان شاء اللہ۔ اب روشن مستقبل ہمیں ہر طرح کی آزادی کی امید سنائے گا۔ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندیوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا جو درس دیا ہے وہ ہمیں یاد آگیا ہے۔ ہمارے سائنس دانوں کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے سیاہ پہاڑ کو روشن کر دیا۔ اب تاریخ منتظر ہے کہ ہمارے عوام کس طرح ہمارے مستقبل کو تابناک بناتے ہیں۔ میں ملک میں اور ملک سے باہر جہاں بھی پاکستانیوں کو ملا ہوں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ پابندیوں نے ان کا حوصلہ اور بھی بلند کر دیا۔ ان کا یہ تعمیری جذبہ ملک و قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔

ہم نے قوم کے سامنے جو ایجنڈا پیش کیا ہے۔ اس پر عمل کر کے پاکستان ان شاء اللہ ایک معاشی قوت بن کر ابھرے گا۔ کچھ مشکلات آئیں گی لیکن ان شاء اللہ ہم ان مشکلات کو عبور کریں گے۔ زرعی اصلاحات پر عمل ہو گا۔ زمینیں ان شاء اللہ بے زمینوں کو ملیں گی ساڑھے بارہ لاکھ ایکڑ زمین ایک لاکھ بے زمین کسانوں میں مختصر سے عرصے میں تقسیم کر دی جائے گی۔ میں نے قرضہ جات کی واپسی اور سرکاری اخراجات میں کمی کی ہدایات جاری کر دی ہیں۔ نوجوانوں کے لیے خود روزگار سکیم پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے۔ اور ان شاء اللہ سرکاری واجبات کی وصولی بھی اب زور و شور سے شروع ہو رہی ہے۔

خواتین و حضرات!

ہماری غذائی خود کفالت آبی وسائل کی ترقی سے مشروط ہے۔ اسی لیے میں نے کالاباغ ڈیم کی ضرورت و

اہمیت کا احساس دلایا ہے اور تمام پاکستانیوں کو یقین دلایا ہے کہ اس ڈیم کی پہلی اینٹ اتفاق رائے سے رکھی جائے گی۔
اس ڈیم کے ضمن میں جو غلط فہمیاں ہیں وہ ایک شفاف طریقے سے دور کرنے کے عمل کا آغاز ہو چکا ہے۔ ماہرین اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ یہ ایک فنی معاملہ ہے اسے حقائق کی روشنی میں ہی حل کیا جائے گا۔

میں سیرت رسول ﷺ کی اس محفل میں نہایت دردمندی کے ساتھ یہ کہنا چاہوں گا کہ اب تعصبات کی آبیاری کا وقت نہیں ہے۔ ہمیں علاقائی اور عالمی حالات کے تناظر میں 'ذاتی اور گروہی مفادات سے بالاتر ہو کر' پاکستان کے بارے میں سوچنا ہو گا۔ ہمیں اخوت اور رواداری کو اپنانا ہو گا۔ ملک کو امن و امان کا گہوارہ بنانا ہو گا۔ اللہ کے نام پر قائم ہونے والے ملک کو اللہ کی مخلوق کی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز بنانا ہو گا۔ ہم سب اللہ کے آخری رسول ﷺ کے نام لیوا ہیں جنہیں اللہ نے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ جن کا وجود صرف انسانوں ہی کے لیے نہیں دیگر مخلوقات کے لیے بھی باعث رحمت تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"تمہارا خون' تمہارا مال اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے کے لیے حرام ہیں۔ سنو! میرے بعد کہیں تم گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔ لوگو! میری باتیں سنو اور جان رکھو کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے"۔

آج یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو اور ساتھ ہی ساتھ اپنے مسلمان بھائی پر گولی چلاتا ہو۔ وہ آپ ﷺ کی محبت کا دم بھرتا ہو اور مسلمان بھائیوں کے حقوق پامال کرتا ہو۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت اور یہ رویہ ایک مسلمان کے کردار میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

معزز سامعین کرام!

میں آخر میں ان تمام انعام پانے والوں کو مبارکباد دیتا ہوں۔ جنہوں نے سیرت پاک مختلف پہلوؤں پر تحقیقی نگاہ ڈالی اور سیرت کے ادب میں گرانقدر اضافہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام اور سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اس کے دین کا پرچم سربلند کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔ پاکستان پائندہ باد۔

قومی سیرت کانفرنس ۱۹۹۸ء

خطبہ اختتامیہ

عزت ماب جناب محمد رفیق تارڑ صاحب

صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محترم راجہ محمد ظفر الحق صاحب' وفاقی وزیر مذہبی امور

سفرائے کرام

علماء و مشائخ عظام

محترم مندوبین و حاضرین کرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس مقدس تقریب میں شرکت میرے لیے سعادت و افتخار کا باعث ہے۔ میں وزارت مذہبی امور کا شکر گزار ہوں کہ مجھے محسن انسانیت نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم باسعادت کے حوالے سے منعقد کی جانے والی سیرت کانفرنس میں شرکت اور اپنے خیالات کے اظہار کا موقع فراہم کیا۔

وزارت مذہبی امور گذشتہ ۲۲ سالوں سے ۱۲ ربیع الاول کے بابرکت دن اس پاکیزہ محفل کا اہتمام کرتی ہے۔ ان تقریبات میں پڑھے گئے خیال آفرین تحقیقی مقالات کا پیش کرنا سیرۃ النبی ﷺ کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے بیش قیمت اثاثہ ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے اور ہم بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں خراج عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی زندگیاں حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھالنے کی عملی تدابیر کرتے رہیں۔ میں ان حضرات کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں جنہیں انعامات کا مستحق گردانا گیا۔

معزز حاضرین کرام!

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں خود انحصاری آج کی تقریب سعید کا خصوصی موضوع ہے جسے میں نہایت بر محل خیال کرتا ہوں۔ اس موضوع پر معزز علمائے کرام اور محققین نے جو فکر انگیز خیالات افکار پیش کیے۔ وہ ہم سب کی توجہ کے مستحق ہیں ان کی روشنی میں ہمیں اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر ایسی پر عزم کوششیں کرنی چاہیں کہ جس سے ہم ہر شعبہ زندگی میں دوسروں کی محتاجی سے آزاد ہو کر اپنے وسائل پر انحصار کرنے والی خوددار قوم کا مقام حاصل کر سکیں۔ اسلام کی تعلیمات اور ان تعلیمات میں ڈھلے کامل ترین نمونہ حیات یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ نکتہ پوری طرح آشکار ہو جاتا ہے کہ خالق کائنات پر پختہ اور غیر متزلزل ایمان' اسلام کے نظام فکر کی مرکزی روح ہے۔ اسلامی تعلیمات کے تمام شعبے اسی سرچشمہ حکمت سے پھوٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان کامل وہ سرمایہ عظیم ہے جو انسان کو بندوں اور فانی قوتوں کی احتیاج سے نکال کر صرف خدائے بزرگ و برتر کے سامنے سربسجود ہونے کا سلیقہ عطا کرتا ہے۔ ہزار سجدوں سے نجات دلانے والا ایک عظیم سجدہ صرف انہی افراد کی پیشانیوں کا مقدر بنتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو خالق اور رازق مانتے ہیں۔ جن کا ایمان ہے وہی عزت دینے والا اور وہی ذلت دینے والا ہے۔ جن کا عقیدہ ہے کہ وہی ذات واحد افراد اور اقوام کی تقدیروں کی صورت گری کرتی ہے۔ جن کا ایمان ہے کہ تمام جہانوں پر صرف اسی کا حکم چلتا ہے۔ جنہیں اس بات کا غیر متزلزل یقین ہے کہ کائنات کی واحد ازلی اور ابدی سپر پاور اللہ کی ذات ہے۔

فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شی و الیہ ترجعون

عقیدے اور سوچ کی یہی پختگی مرد مسلمان کو ایمان کی لازوال دولت عطا کرتی ہے۔ جس کے بعد وہ اسلام کے انسان مطلوب کے سانچے میں ڈھل کر مثالی حیثیت اختیار کرتا ہے ایسے ہی انسان مطلوب کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے :

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

معزز حضرات!

اسلام کی بنیادی تعلیم ہی یہ ہے کہ انسان فانی قوتوں اور عارضی سہاروں سے رشتہ توڑ کر اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کردے کہ کامل اطاعت گذاری مسلمان کو خودی' غیرت اور عزت نفس کے ارفع ترین مقام پر فائز کر دیتی ہے۔ جس کے سامنے مادی قوتیں حشرات الارض سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہی وہ فکر ہے جو مسلمان کو خود اپنے قوت بازو پر انحصار کرنے اور خود اپنے پروں پر پرواز کی طاقت پر فضاؤں میں پرواز کرنے کا

سلہ دیتی ہے۔ اسی فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے شاعر مشرق نے کہا تھا:

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

لام کا پیروکار ہونے کا دعویٰ اور دوسروں کا دست نگر دو بالکل متضاد باتیں ہیں۔ اور یہی بنیادی تعلیم ہے جو حضور م صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے ہر پہلو سے عیاں ہے۔ مکہ کی ابتلاء و آزمائش سے لے کر سلطنت اسلامیہ کی نروائی تک کوئی موڑ بھی ایسا نہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی اس اساسی فکر کا درخشاں نمونہ پیش یا ہو۔ شعب ابی طالب کی (Sanctions) پابندیوں سے لے کر بدر و حنین کے معرکوں تک صبر و استقامت' م و جوانمردی کی جو تابناک مثالیں نظر آتی ہیں وہ قیامت تک امت مسلمہ کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے روشن ر ہیں۔

آپ ﷺ کی انفرادی زندگی کے معمولات بھی خود انحصاری کے قابل رشک حوالے ہیں۔ آپ ﷺ ہ جس انقلاب عظیم کی بنا ڈالی اس کا دستور العمل یہی تھا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھتے ہوئے جہادِ زندگانی ، اپنے دست و بازو پر بھروسہ کریں اور ان قوتوں سے کسی خیر کی توقع نہ رکھیں جن کے دلوں میں اسلام اور اہل لام کے بارے میں بغض بھرا ہے۔ علامہ اقبالؒ حضور ﷺ کے اسی پیغام کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی

انحصاری کے حوالے سے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ پاکستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں انتہائی بت رکھتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پاکستان کی تخلیق اسلام کے نام پر ہوئی پاکستان کا مطلب کیا' لا الہ الا اللہ کے ے کی گونج ابھی تک برصغیر کی فضا میں رچی بسی ہے افسوس ہے کہ جس ملک نے مصنوعی خداؤں کی نفی اور ف خالق حقیقی کی وحدانیت پر ایمان کے تصور سے جنم لیا وہاں عملاً مصنوعی خداؤں کی نفی کا تصور جگہ نہ پا سکا۔ شتہ نصف صدی میں کسی نہ کسی طور بتوں سے امیدیں اور خدا سے ناامیدی کا چلن عام رہا۔ ایک زندہ' بیدار' رک اور پر عزم قوم کی توانائیوں کو کام میں لانے کی بجائے ہم قرض کی مے پیتے رہے اور یہ سوچتے رہے کہ ایک نہ ے دن ہماری فاقہ مستی ضرور رنگ لائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ طرح طرح کی مصلحتیں ہمارے پاؤں کی زنجیر بنتی ں۔

ہمارا نظام سیاست' نظام تعلیم' نظام معیشت اور نظام قانون قومی تقاضوں سے دور ہوتا گیا اور غیروں کی اجی کے اثرات بد زندگی کے ہر شعبے کو مفلوج کرتے گئے۔ دوسروں پر انحصار کی اس روش نے ہماری قومی تاریخ

کے جسم پر ایسے زخم لگائے جن سے ابھی تک لہو رس رہا ہے۔ یعنی۔

اک دروازے کو اے آزاد جب چھوڑا تو پھر
کیا بتاؤں کتنے دروازوں پہ رسوائی ہوئی

وقت گزاری کے اس طرز عمل کے باعث لاتعداد قدرتی وسائل اور جفاکش افرادی قوت سے مالا مال ہونے کے باوجود پاکستانی ترقی و خوشحالی کی منزل سے کوسوں دور رہا۔ غیر ملکی قرضوں اور شرائط میں جکڑی اقتصادی اور آکاس بیل کی طرح ہمارے وطن کی ہریالی چاٹتی چلے گئی اور ہم قومی شاعر کا یہ درس بھول گئے کہ۔

سوال مے نہ کروں ساقی فرنگ سے میں
کہ یہ طریقہ رندان پاک باز نہیں

حاضرین کرام!

۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کا دن اس اعتبار سے قیام پاکستان کے بعد کی تاریخ کا سب سے اہم دن ہے کہ اس دن قوم کو ایک بار پھر اپنے تشخص سے روشناس کیا اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم رخ موڑنے کا احساس دلایا۔ اہل پاکستان نے اچانک یہ محسوس کیا جیسے افق سے روشنی کی ایک کرن نمودار ہوئی ہو اور وطن کے در و دیوار نئی آب و تاب سے جگمگا اٹھے ہوں۔ قوموں کی تاریخ میں ایسے لمحے کم کم ہی آتے ہیں۔ اور وہ لوگ یقیناً خوش نصیب ہوتے ہیں جو ایسے لمحوں کو وقت کے سیلاب میں غرق ہونے سے بچا لیتے اور اپنی تاریخ کی پیشانی کا جھومر بنا لیتے۔

مجھے یقین ہے کہ پاکستان کا ہر فرد سربلند رہنے کی تمنا رکھتا ہے اور اس سربلندی کے لیے وہ ہر قربانی دینے کے عزم سے بھی سرشار ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے یہ تمنا اور یہ عزم' کردار و عمل کے سانچے میں ڈھل جائے ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اپنے وسائل پر بھروسہ اور اپنے زور بازو پر اعتماد کرنے کا سامان کریں۔ یہ سوچ صرف اسی وقت کردار و عمل کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے جب ہم اپنی قوت کے اصل سرچشمے کی طرف لوٹ جائیں۔ وہ سرچشمہ ہے اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان اور حضور ﷺ کا اسوہ حسنہ۔ جب ہمارے دل اس قوت ایمانی سے سرشار ہو جائیں گے تو دنیا کی ساری شان و شوکت ہمارے قدموں میں ڈھیر ہو جائے گی۔

ولایت 'بادشاہی' علم اشیاء کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں

معزز خواتین و حضرات!

محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کی عقیدت و محبت کے تو صد ہا رنگ ہیں۔ ہر رنگ کی اپنی رعنائی اور اپنی خوشبو ہے میرے خیال میں اس عقیدت و محبت کا بنیادی تقاضا ہے کہ ہم قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں انہ

م تر ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر جدید ترین عصری علوم سے آراستہ ہوں۔ اپنی تمام امیدیں
زوئیں اور امنگیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ رکھیں۔ غیر اللہ سے بے نیازی اور بے سرد کاری اور حضور
م صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر متزلزل وناداری کو اپنا جزو وایمان بنائیں۔ اگر ہم ایسا کرلیں توان خوابوں کی تعبیر میں
ہ دیر نہیں لگے گی۔ جو لاکھوں شہداء پاکستان کی آنکھوں میں بسے تھے اور آج بھی آرزو بن کر کروڑوں پاکستانیوں
، دلوں میں دھڑکتے ہیں :

عقل ہے تیری سِپَر عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تیری
تو مسلمان ہے تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

پاکستان پائندہ باد

حصہ (ب)

مقالاتِ سیرت

۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء

عنوان :

استحکامِ پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی
سیرتِ طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی' لاہور

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جس کی بنیاد دو قومی نظریہ پر ہے۔ مسلمانان پاک و ہند ہمیشہ اس کاوش میں رہے کہ ایک ایسی مملکت معرض وجود میں آئے جہاں مسلمان اسلام کی تہذیب و ثقافت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ بقول فرانسس روبنسن:

"Indian muslims were a separate community. We cannot ignore the unifying force of Islam."
(FRANCIS ROBINSON. Separatism Among Indian Muslims, Cambridge Univesity Press, Cambridge, 1974, p.356)

ایچ وی ہڈسن (H.V. HODSON) امبیڈکر (AMBEDKER) ایان سٹیفنز (IAN STEPHENS) کو بھی یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑی کہ پاکستان کی تخلیق میں اسلام کا بڑا کردار ہے۔ پاک دھرتی سر سید کے خوابوں کی پھلواڑی' پاک اجالوں کی وارث' قائداعظمؒ کے درد کی امین' اقبال کا وطن' خوشحال خان کی زمین' بولانیوں کے دھن اور سرائیوں کے فن کی آئینہ دار ہے۔ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔

عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ

(علامہ اقبالؒ)

پاکستان ان گنت زخموں اور دکھوں کی دھرتی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں اجڑی بہنیں بچھڑی مائیں' جلتے گھر' کٹے سر ایک عظیم ہجرت کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ یہ دھرتی ہم نے بڑی قربانیاں دے کر حاصل کی تھی۔ اس مملکت کو تعلیمات لولاک علیہ السلام کا ایک عظیم مرکز بنتا تھا اور اسلام کا ایک مضبوط حصار' شمع رسالت کے بے شمار پروانوں نے اس خطہ میں تبلیغی سرگرمیاں سرانجام دیں۔ مثلاً شیخ صفی الدین حقانیؒ' حضرت علی ہجویریؒ' خواجہ معین الدین اجمیریؒ' بابا فرید گنج شکر وغیرہ۔ اس دھرتی کے ذرے ذرے میں شاہ اسماعیل شہیدؒ اور اس جیسے ہزاروں اسلاف کا لہو رچا ہوا ہے۔ افسوس یہ دھرتی اب اخلاق کا مرقد و مدفن بنی ہوئی ہے۔ افسوس اب وہ قافلہ نہیں جس میں سید امیر علیؒ' علامہ اقبالؒ' شبلی نعمانیؒ' سید احمدؒ' سلیمان ندویؒ' مولانا ابوالکلام آزادؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جیسی نابغہ روزگار ہستیاں تھیں جنہوں نے پاکستان کی فکری تشکیل میں حصہ لیا تھا۔

آج پاکستان بے شمار سیاسی' معاشرتی اور معاشی مسائل اور ان گنت خطرات سے نبرد آزما ہے۔ غربت' صوبائی اور علاقائی تعصبات' لسانی وگروہی تعصبات' فرقہ واریت' دہشت گردی' لاقانونیت' بیروزگاری' مہنگائی' بیماریاں' بیرونی قرضہ جات کا بوجھ' جاگیردارانہ نظام اور سرمایہ دارانہ نظام' رشوت' بددیانتی' خیانت' اسراف' ماحولیاتی آلودگی' فساد فی الارض' سفارش' منشیات کا استعمال' گداگری' قحبہ گری' کلاشنکوف کلچر' قتل و اغوا' اغوا برائے تاوان' گینگ ریپ' جوا' شراب نوشی و دیگر رذائل' نوجوان طبقے میں عریانی اور بدکاری' فحاشی کا فروغ اور میڈیا کے ذریعے تشہیر' میڈیا کے ذریعے ثقافتی یلغار' سودی کاروبار' ویڈیو کا ناجائز استعمال' ذخیرہ اندوزی' ناجائز منافع خوری' ملاوٹ' جعلی ادویات' دھوکہ دہی' منافقت' غیبت اور جھوٹ' طبقاتی کشمکش معاشرتی اونچ نیچ' شادی بیاہ کی فضول رسمیں' جہیز وغیرہ' زیورات کی نمائش' پتنگ بازی اور آتش بازی کا استعمال بالخصوص شادیوں اور شب برات کے موقع پر' تعلیم برائے فیشن' مہنگے ترین سکولوں میں بچوں کو داخل کرانا' موت فوت کی فضول رسمیں' اتحاد کا فقدان' اقربا پرستی' عدل وانصاف کا فقدان اور میرٹ کا فقدان...... یہ وہ معاشرتی اور سماجی برائیاں ہیں جو معاشرے کو دیمک زدہ کر دیتی ہیں' ملک کمزور ہو جاتا ہے اور مستحکم نہیں ہو پاتا۔ دندناتی ہوئی بیوروکریسی' بدعنوانی اور حب الوطنی کے جذبے سے عاری ٹیکنوکریسی' دیمک زدہ کلیروکریسی اور بدعنوان اور ملک دشمن سیاست دان معاشرے کی بنیادوں کو اکھیڑ رہے ہیں۔ اگر پاکستان کو مستحکم کرنا ہے تو ویران راستوں کے ہر درندے اور غول بیابانی پر ضرب کاری لگانا ہو گی۔ استحکام پاکستان کے لیے ہمیں بہترین راہنمائی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے حاصل کرنا ہو گی۔

راہنمائے کاروان انسانیت' رحمۃ للعالمین' عدیم المثال سوشل ریفارمر' عظیم ترین معمار انسانیت' آفتاب درخشاں' مونس دل شکستگاں' ہادی اعظم' فخر عالم' مصلح اعظم' معلم اعظم' در نجف' ناشر حکمت اور عظیم ترین

اور ماہر سیاست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہمارے لیے آئیڈیل' عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے۔ محسن انسانیت دانائے سبل' مولائے کل اور ختم الرسل ﷺ نے رنگ و نور اور خوشبو کا ایک سرچشمہ جاری فرمادیا۔ سالکان رہ صدق و صواب اسی روشنی اور خوشبو کی متحرک لپٹوں کی راہنمائی میں آپ ﷺ کے نقوش قدم پر چل رہے ہیں۔ نبی آخر الزمان ﷺ نے بطور ماہر سیاست سنہری اصولوں اور قدروں کے فانوس روشن کیے۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی سے پھوٹنے والی کرنیں چار دانگ عالم میں پھیل رہی ہیں۔ آپ ﷺ کی صدق و صفائی درخشاں تہذیبی قدریں اور جہاں بانی کے سنہری اصول نسل انسانی کی راہنمائی کررہے ہیں۔ آپ ﷺ کے سیاسی' معاشی اور معاشرتی اسوہ حسنہ کی تقلید میں ہماری نجات ہے۔ قرآن حکیم اعلان کررہا ہے :

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ و الیوم الاخر و ذکر اللہ کثیرا O

(سورۃ الاحزاب :۲۱)

ریاست مدینہ کے خدوخال

حضور اکرم ﷺ عرب کی مذہبی' ثقافتی' معاشرتی' معاشی' اخلاقی اور سیاسی نظام میں تبدیلی لائے۔ بچپن اور جوانی میں ہی آپ ﷺ کو سچائی اور دیانت داری کی بدولت الصادق اور الامین کا لقب مل گیا۔ تجارت میں نہایت دیانت داری کی وجہ سے آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا۔ آپ ﷺ نے جوانی کے اوائل میں حلف الفضول میں شرکت فرمائی۔ یہ مظلوم لوگوں کی مدد کرنے کی ایک فقید المثال تنظیم تھی۔ آپ ﷺ نے زندگی کے ترپن سال مکہ مکرمہ میں گزارے اور پھر ہجرت مدینہ کے اور دس سال کے بعد رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ میثاق مدینہ کے ذریعے آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو امن و آشتی کا گہوارہ بنادیا۔ ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور اس میں دنیا کا پہلا دستور جو تحریری تھا' نافذ فرمایا۔ اس معاہدے کے ذریعے آپ ﷺ نے یہود اور مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کردیا کہ مدینہ پر حملے کی صورت میں یہود اور مسلمان ایک دوسرے کی مدد کریں گے یہ معاہدہ آپ ﷺ کے تدبر اور حسن سیاست کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مواخاۃ کے نظام سے مسلمانوں کی وحدت مربوط فرمائی۔ حتیٰ کہ ولیم میور کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ مواخاۃ جیسی قربانی کم ہی تاریخ عالم میں ملتی ہے۔

(ملاحظہ ہو William Muir, Life of Muhammad. London 1984)

صلح حدیبیہ میں حضور ﷺ کے تدبر کی وجہ سے خونریزی رک گئی اور اسلام کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ فتح مکہ کے موقع پر عفو کا اعلان آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت کا ثبوت ہے۔ غزوہ خندق میں آپ ﷺ نے بطور مزدور کام کیا جیسے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں خود حصہ لیا تھا۔ یہ غزوہ آپ ﷺ کے دفاعی تدبر اور حکمت عملی کے ثبوت ہیں۔ آپ ﷺ نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ آپ ﷺ نے ۲۷ غزوات میں

حصہ لیا اور آپ ﷺ کے دور میں سرایا کی تعداد ۴۷ ہے۔ ان تمام غزوات اور سرایا میں مقتولین کی تعداد تین ہز

سے زیادہ نہیں بنتی۔ اتنی کم خونریزی کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے اپنے مشن کو جاری رکھنے کے لیے

صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر جماعت تیار فرمائی' جنہوں نے اللہ کے پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلایا۔ آپ ﷺ

انقلاب جلد ہی تین براعظموں میں پھیل گیا۔ آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت کی بدولت دس سال کے قلیل عرصے میں

جزیرہ نمائے عرب میں ایک مستحکم مملکت قائم ہو گئی۔ اس مختصر عرصے میں بارہ لاکھ مربع میل کا وسیع رقبہ مطیع

گیا۔ حضور ﷺ نے دنیا کی عظیم الشان مملکت قائم فرمائی جو مہذب ترین تھی۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ:

"گاندھی جیسے کٹر ہندو بھی اسے انسانیت کا دور زریں سمجھتے اور کانگریسی ہندو حکومتوں کو مشورہ دیتے

اسی کو اپنے لیے نمونہ بنائیں" (ملاحظہ ہو رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۱۶)

حکمت' فراست اور سیاست میں دنیا کا کوئی مدبر بھی آپ ﷺ کے برابر نظر نہیں آتا۔ جان ڈریپر جیسے

سکالر کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ حضور اکرم ﷺ کی تدابیر اور حکمت عملی نے نسل انسانی پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں

(ملاحظہ ہو- John Draper, A History of the Intellectual Development of Europe

سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کس قسم کے سیاسی نظام حکومت کا تصور دیا تھا۔ بقول علامہ اقبال

آپ ﷺ کا نظام سلطنت روحانی جمہوریت پر قائم تھا جو شورائی بھی تھی اور فلاحی بھی۔ اس ریاست کے مقاصد سورۃ

الحج کی آیت ۴۱ میں بیان فرمائے گئے:

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر

وللہ عاقبۃ الامورO

بقول ابراہیم لنکن جمہوریت کی حکومت ہے' عوام کے لیے ہے اور عوام کے ذریعے ہے۔ اس کے برعکس

سلطنت' امارت اور حکومت کے کاروبار میں اہل رائے مسلمانوں سے مشورہ لینے کا معاملہ آپ ﷺ کی سیاست کا

حصہ تھا۔ مولانا حامد انصاری اپنی کتاب 'اسلام کا نظام حکومت کے صفحہ نمبر ۲۰۳ پر رقمطراز ہیں:

"اسلام کے سیاسی نظام میں بادشاہت کی مرکزی شان اور اقتدار' اعیانی حکومت کی یکجہتی'
جمہوریت کی ہمہ گیر حقوق پسندی اور فرض شناسی' اشتراکیت کا ہمہ گیر جذبہ مساوات اور
احساس دردمندی' ڈکٹیٹر شپ (آمریت) کی مرکزیت اور طاقت کمال اعتدال کے ساتھ جمع
ہیں"۔

بخاری شریف میں درج ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ شریف میں بہتر منصوبہ بندی کے لیے مردم

شماری کروائی۔ آپ ﷺ نے سماجی اور معاشی تحفظ کے لیے نظام معاقل نافذ فرمایا۔ اگر کوئی حادثہ رونما ہو جا

عاقلہ یعنی برادری مل کر مظلوم کے نقصان کی تلافی معاوضہ کی شکل میں دیتی۔ آپ ﷺ مسجد میں صدقات' خیرات اور مال غنیمت بھی تقسیم فرماتے۔ آپ ﷺ نے بلدیاتی نظام بھی قائم فرمایا۔ شہری منصوبہ بندی کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا: ''شہر کے اندر تم گلیوں کو اتنا چوڑا رکھو کہ دو لدے ہوئے اونٹ باسانی آمنے سامنے سے گزر جائیں''۔ بلدیاتی نظام میں آپ ﷺ نے عامل السوق کا عہدہ قائم فرمایا تاکہ مارکیٹ کی بدعنوانیوں کو روکا جا سکے۔ عورتیں بھی اس عہدہ پر فائز نظر آتی ہیں جن کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا۔ آپ ﷺ نے عوام پر احسان بھی فرمایا اور ان کے معاش کا خیال رکھا اور رعایا سے محبت اور نرمی فرمائی۔ حضور ﷺ غیر ملکی سفیروں کا احترام کرتے۔ آپ ﷺ نے اپنے سفراء کو تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا مثلاً حضرت عمرؓ بن امیہ الضمری کو حبشہ تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا۔ زندگی کی آخری وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ بھی تھی جو آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ بن زید کو فرمائی۔

''سفیروں اور وفدوں کو اسی طرح تحفے دیتے رہنا جیسے میں دیتا رہا ہوں''۔

حضور ﷺ کا غیر مسلموں سے سلوک فیاضانہ تھا۔ غیر قوموں کے ساتھ ظلم نہ روا رکھنا آپ ﷺ کا بنیادی اصول سیاست تھا' شاہانہ حکومتوں اور بادشاہی خاندانوں کے افراد قانون کی زد سے مستثنیٰ ہوتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے یہ تصور دیا کہ سربراہ مملکت قانون سے بالاتر نہیں نہ ہی اس کے افراد خانہ۔ ایک دفعہ ایک مخزومی خاتون فاطمہ بنت قیس نے چوری کی۔ آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے حضرت اسامہؓ بن زید کو سفارش کے لیے بھیجا۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا:

''تم سے پہلے قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ جب کوئی معمولی آدمی جرم کرتا تھا تو اس کو سزا دے دی جاتی تھی مگر جب وہی جرم بڑے مرتبے کے لوگ کرتے تھے تو ان کو چھوڑ دیتے تھے'' پھر فرمایا اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی یہ جرم کرتی تو میں یقیناً اس کا ہاتھ کاٹتا''۔ (بخاری: کتاب الحدود' ابواب نمبر ۱۲-۱۱)

سیاسی شخصیات کے ہاں طمطراق' بلند نعرے' جلوس' سلامیاں' مخصوص بری' بحری اور ہوائی سواریاں' شاہی ٹھاٹھ باٹھ' اونچے ایوان اور دربان ہوتے ہیں۔ یہ پروٹوکول سیاسی کلچر کا حصہ ہیں لیکن حضور ﷺ کے ہاں یہ طمطراق نظر نہیں آتا۔ دنیوی کروفر کے بجائے آپ ﷺ پر خدمت خلق اور ان کی محبت کا جمال نظر آتا ہے۔ سادگی' فقر اور درویشی کے باوجود جو کوئی آتا مرعوب ہوتا۔ ایک دفعہ ایک شخص دربار اقدس میں حاضر ہوا اور حضور ﷺ کے رعب سے کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ڈرو نہیں۔ میں تو اس عورت کا لڑکا ہوں جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی''۔

آپ ﷺ نے بددیانتی اور خیانت سے روکا۔ اپنے لیے' اہل خانہ اور حلیف قبیلہ بنو عبدالمطلب کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زکوٰۃ حرام قرار دی۔ ایک دفعہ ایک محصل زکوٰۃ نے واپسی پر کہا یہ سرکاری مال ہے اور یہ مجھے تحفہ

دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ منبر پر چڑھ کر ارشاد فرمایا:

"ایسے لوگ کیوں نہ اپنے گھر بیٹھے رہیں اور دیکھیں کہ انہیں کتنے تحفے آتے ہیں"۔

حضور ﷺ سے ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ نے لونڈی مانگی تاکہ وہ گھر کے کام کاج میں مدد کرے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں پر چکی پیسنے کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"بدر کے یتیم تم سے زیادہ اس کے مستحق ہیں" (ابو داؤد)

آپ ﷺ کی سیاست کے اصول یہ تھے یعنی فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ کو جماعت اپنی مرضی کا آئین یا قانون بنانے کی مجاز نہیں ہے قانون اللہ کی طرف سے ہے 'حق آزادی پیدا فرعون' ہامان اور قارون کی اسلامی معاشرے میں کوئی گنجائش نہیں' سیاسی حقوق' شورائیت' رعایا پر اپنے او (حاکم) کی اطاعت لازم ہے' جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قتل انسانی حرام ہے 'امن وامان کا قیام' فتنہ و فساد افراد کی اسلامی' اخلاقی' صنعتی و حرفتی' فنی اور عسکری تربیت حکومت کی ذمہ داری ہے 'اقامت صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا قائم کرنا' حکمران اللہ کا خلیفہ ہے' تبلیغ' قانونی مساوات' مال' عزت اور جان کی حفاظت اور فی الفور انصاف۔

حضور اکرم ﷺ نے سیاست کا ایک پاکیزہ تصور عطا فرمایا جسے آپ ﷺ نے رائج کر کے دکھا شبلی نعمانی و علامہ سید سلیمان ندویؒ۔

احادیث میں متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت ہے کہ:

السلطان على الله فى الارض ياوى اليه كل مظلوم من عباد الله

(سیرۃ النبی ﷺ ج ۷، ص ۵۹۔۵۸)

"یعنی صالح حکومت زمین میں اللہ کے امن کا سایہ ہے"

شتربانی کے مقام سے جہاں بانی کے مقام پر

حضور ﷺ کی رحلت کے دس سال بعد مملکت کا رقبہ تیس لاکھ مربع کلومیٹر تک پھیل گیا۔ آ نے عرب قوم کو شتربانی کے مقام سے جہاں بانی کے مقام پر پہنچادیا۔ آج بھی ہم اس شمع سے اکتساب کر سکے اسی میں ہماری حقیقی نجات اور رہنمائی ہے۔ آخر اس سیاسی نظام میں کیا خوبیاں تھیں؟ اس کا تاریخ کے آ مطالعہ کرنا ہوگا۔ حضور ﷺ نے دنیا و دین دونوں کی بہ یک وقت بھلائی کے حصول کا تصور دیا۔ روحانی ترقی نفس...... تقویٰ' اخلاص' توکل' صبر' شکر' اپنے دشمنوں سے پیار کرنا' صدق یعنی دل کی سچائی' زبان کی سچائی سچائی' سخاوت' عفت و پاک بازی' دیانت داری اور امانت' رحم' شرم و حیا' سادگی' عدل و انصاف' عہد کی احسان' عفو و درگزر' صلح اور بردباری' رفق و ملاطفت' تواضع و خاکساری' خوش کلامی' ایثار' اعتدال و م

شجاعت اور بہادری' استقامت حق گوئی اور استغناء...... یہ وہ صفات ہیں جو ہمیں حضور ﷺ کے سیاسی اسوہ میں نظر آتی ہیں۔ بطور حکمران اور مدبر آپ ﷺ میں یہ صفات عالیہ دنیا کے ہر حکمران کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔

فحشاء' منکر' بغی سے اجتناب' جھوٹ' وعدہ خلافی' خیانت اور بددیانتی' غداری اور دغابازی' منافقت' خل' حرص' طمع' بے ایمانی' چوری' ناپ تول میں کمی' چالبازی اور لوگوں کے حقوق غصب کرنا' رشوت' سود خوری' شراب نوشی' ظلم' خود نمائی اور فضول خرچی وہ رذائل ہیں جن سے اقوام کمزور ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ کی سیاست اور جہاں بانی کے اصولوں نے ان رذائل کی بیخ کنی کی۔

حضور اکرم ﷺ نے اس سیاسی نظام میں مسجد کو سطوت اسلام کا مظہر بنایا۔ بطور مرکز عبادت' بطور سیاسی مرکز' بطور تعلیمی مرکز' بطور انتظامی مرکز اور بطور عدلیہ کا مرکز' مسجد مسلمانوں کی تمدنی زندگی میں ایک مرکز و محور بن گئی۔ آپ ﷺ منبر پر بیٹھ کر مشورہ طلب فرماتے۔ ہر قبیلے کے سردار یا نمائندہ سے توقع کی جاتی کہ وہ تائید یا اختلاف کے لیے ضرور رائے دے گا۔

نہ صرف آپس کے لین دین بلکہ میدان سیاست میں بھی جو اخلاقی جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ دیانتداری اور امانت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

"جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں"(کنزالعمال: ج ۲)

حضور اکرم ﷺ کی سیاست میں سادگی کے ساتھ ساتھ امانت داری بڑی نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص ہماری حکومت کے کسی منصب پر فائز ہو وہ اگر بیوی نہ رکھتا ہو تو شادی کر لے' اگر خادم نہ رکھتا ہو تو ایک خادم حاصل کر لے' اگر گھر نہ رکھتا ہو تو ایک گھر لے لے' اگر سواری نہ رکھتا ہو تو ایک سواری لے لے' اس سے آگے جو شخص قدم بڑھاتا ہے وہ خائن ہے یا چور"۔ (کنزالعمال: ج ۶ ص ۳۶۴)

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"کوئی حکمران جو مسلمانوں میں کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو اگر اسی حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس کے لیے جنت حرام کر دے گا"(مسلم' کتاب الامارہ' باب ۵)

حضور ﷺ نے اقتدار کی طلب و حرص کو بھی ممنوع قرار دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سب سے بڑھ کر خائن ہمارے نزدیک وہ ہے جو اسے خود طلب کرے"۔

(ابوداؤد' کتاب الامارہ باب ۲)

حضور ﷺ نے اسراف سے بھی منع فرمایا۔ اسی طرح تبذیر کی بھی ممانعت ہے۔ حضرت مولانا مناظر

احسن گیلانی نے اپنی تصنیف "اسلامی معاشیات" کے صفحہ نمبر ۴۴۰ پر تبذیر کی یوں تعریف کی ہے:

"مال کو ناجائز خواہشوں اور غیر قانونی افعال واعمال پر خرچ کرنا"۔

اس کی ایک مثال رضا شاہ پہلوی کی ہے جس نے ایران میں Persepolis کے کھنڈرات میں ہزار سالہ جشن منایا تو ۴۰۰ ملین امریکن ڈالر خرچ کیے۔ حضور ﷺ نے جب خطبہ حجۃ الوداع دیا تھا تو آپ ﷺ کی اونٹنی کا کجاوہ خستہ حالت میں تھا اور اس پر پڑی ہوئی چادر کی مالیت صرف چار درہم تھی یہ تھی ایک کونین ﷺ کی سادگی کی!

حضور ﷺ کا رویہ عوام سے انتہائی مشفقانہ تھا۔ دیہات کے اعرابی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور نہایت بے تکلفی اور بے باکی سے سوال جواب کرتے۔ حضور ﷺ نرمی سے پیش آتے۔ ایک بدو نے ایک دفعہ آپ ﷺ کی چادر پکڑ کر کھینچی۔ آپ ﷺ اس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے اور اس کو عطیہ دیا"۔ (بخاری ج ۲)

← آپ ﷺ کے نظام حکومت کی ایک اور بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ ﷺ قرض کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ غریبوں کو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے کے بجائے محنت اور جدوجہد کی تلقین فرماتے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے"۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۷۱۷)

← آپ ﷺ غیر اقوام سے قرضے نہ مانگتے۔ حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجلس میں موجود چند صحابہ کرامؓ سے اس پر بھی بیعت لی کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے۔ (بحوالہ مسلم شریف ج ۲، ۶۲۱، حدیث ۱۰۴۳)

← حضور ﷺ سوال کرنے کی بجائے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانے اور بازار میں فروخت کر کے کمانے کی ترغیب دلاتے۔ (البخاری ۱: ۳۷۳، الزکوۃ باب ۵۰)

← کفایت شعاری بھی آپ ﷺ کی سیاست اور نظام حکومت کا ایک نمایاں پہلو ہے، آپ ﷺ نے عتاب ابن اسید کو گورنر مکہ مقرر فرمایا اور ان کی تنخواہ ایک درہم یومیہ رکھی۔ (ملاحظہ ہو نعیم صدیقی، محسن انسانیت ﷺ اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۲ء صفحہ نمبر ۵۲۹)

یہ تھے حضور ﷺ کے نظام حکومت کے نمایاں خدوخال، یہ تھا آپ ﷺ کا دیا ہوا ماڈل!

کسی ملک کی بقا، سالمیت اور پائیداری کا انحصار اس کے سیاسی استحکام، مضبوط معیشت، قومی یکجہتی، صالح معاشرتی اقدار پر ہوتا ہے۔ ریاست مدینہ کے خدوخال اور حضور ﷺ کے نظام حکومت پر ہم نے

کی۔پاکستان میں ہمہ جہتی ترقی کے لیے ہمیں بہترین راہنمائی سیرت طیبہ سے حاصل کرنی ہوگی۔اب سیرت طیبہ کی روشنی میں ہمیں اپنی منزل طے کرنی ہوگی۔پاکستان کو مندرجہ ذیل شعبوں میں استحکام کی ضرورت ہے :

۱۔ سیاسی استحکام

۲۔ معاشی استحکام

۳۔ معاشرتی استحکام

پاکستان میں سیاسی استحکام

یہ پاکستان کی بدنصیبی ہے کہ اس میں ذاتی مفادات بالاتر رہے۔اور سیاسی استحکام قائم نہ ہو سکا۔ قائداعظمؒ اور تحریک پاکستان کے جاںنثاروں کی انتھک کاوشوں سے پاکستان معرض وجود میں آیا۔ قائداعظمؒ نے مہاجرین کی آباد کاری 'معیشت کے رہنما اصولوں کے تعین اور خارجہ حکمت عملی سے اس نوزائدہ مملکت کے استحکام کے لیے کاوشیں کیں لیکن ۱۹۴۸ء میں قائداعظمؒ کی رحلت اور چند سالوں میں لیاقت علی خان جیسے عظیم لیڈرز کی وفات سے پاکستان کو دھچکا لگا۔ ۵۸۔۱۹۴۷ء کا دور پاکستان کے لیے ابتلا کا دور تھا۔ خواجہ ناظم الدین غلام محمد اور اسکندر مرزا کے دور میں ذاتی مفادات کی وجہ سے استحکام پیدا نہ ہو سکا۔ آئین ساز اسمبلی توڑ دی گئی۔ (۶۹۔۱۹۵۸) کے دوران مارشل لاء نافذ رہا تاہم معاشی ترقی ہوئی۔۷۱۔۱۹۶۹ء کے دوران ملک کربناک دور سے نبرد آزما رہا۔ یحییٰ خان کے دور میں سقوط ڈھاکہ کا سانحہ پیش آیا۔۷۷۔۱۹۷۲ء کے دور میں ۱۹۷۳ء کا آئین بنا۔۸۸۔۱۹۷۷ء کے دوران مارشل لاء نافذ رہا۔۹۶۔۱۹۸۸ء کا دور عجیب سیاسی کشمکش کا دور تھا۔ معیشت اس دور میں بری طرح متاثر ہوئی۔

یہ تھی ہماری زبوں حالی کی مختصر تاریخ۔سب تاریخ نویسوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ پاکستان کی نظریاتی جڑیں اسلام میں ہیں مگر افسوس کا مقام کہ پاکستان کا سیاسی کلچر بدترین قسم کا کلچر رہا جس کی وجہ سے شریعت مصطفوی ﷺ کا نفاذ نہ ہو سکا۔(ملاحظہ ہو BARBARA DAILY METCALF (Islamic Revival in British India, Deoband, 1860-1990, Princeton University Press, 1982, pp316-317)

مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو :

(K.K. AZIZ , The Making of Pakistan, Islamic Book Service, Lahore, 1986)

پاکستان کی قرارداد مقاصد میں یہ درج ہے کہ حکمرانی اللہ کی ہوگی مگر ایسا نہ ہوا۔ ۱۹۶۲ کے آئین میں لفظ اسلامک ریپبلک ہٹا دیا گیا۔ ۱۹۶۱ء میں مسلم فیملی لاز آرڈیننس کا نفاذ ہوا۔اسلامی نظریاتی کونسل اور اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ معرض وجود میں آئے۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں (جولائی ۱۹۸۴۔۱۹۷۷ء) عشر اینڈ زکوٰۃ آرڈیننس ۱۹۷۹ء پی ایل ایس سکیم اور شریعت بل نفاذ شریعت کی طرف چند قدم تھے۔ فیڈرل شریعت کورٹ 'بین الاقوامی

اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کا قیام' وزارت مذہبی امور کا قیام' آرڈیننس آف قاضی کورٹس' شفعہ کا قانون' قصاص و دیت آرڈیننس ۱۹۹۰ء' حدود آرڈیننس' احترام رمضان آرڈیننس جیسے اقدام بھی قابل ذکر ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت نے ۱۹۹۱ء میں پاکستان میں سودی نظام کو اسلام کے خلاف قرار دیا لیکن اس حکم کے خلاف سپریم کورٹ کے شرعی بنچ میں اپیل کر دی گئی۔ مولانا محمد عبدالستار خان نیازی وزیر مذہبی امور حکومت پاکستان کی سربراہی میں نفاذ شریعت کمیٹی کا کام بھی ادھورا رہ گیا۔ الغرض پاکستان میں جو بھی قانون نافذ ہوا وہ عوام کو فی الفور انصاف نہ دلا سکا کیونکہ اس کا تمام مسودہ Lord Macaulay لارڈ میکالے کا ترتیب دیا ہوا تھا۔ قیمتی قالین میں ٹاٹ کے پیوند کیسے بھلا لگ سکتا ہے؟ عوام اسلام کا نفاذ چاہتے رہے لیکن انہیں ہمیشہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح ملک میں ایک بے چینی کی کیفیت رہی اور ملک مستحکم نہ ہو سکا۔

اگر پاکستان سے جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کو باہر نکال دیا جاتا تو پاکستان میں سیاسی استحکام آجاتا۔ جاگیردار حکومت کے منصب پر براجمان رہے۔ سیاست دانوں کا یہ طبقہ نہ تو اسلام کا نفاذ چاہتا تھا اور نہ ہی حب الوطن تھا۔ بدترین قسم کی خیانت اور اسراف سے جو سیاست دانوں اور بیوروکریسی نے کیا' پاکستان بیرونی قرضوں کے بوجھ تلے دب گیا۔ وکیل انجم کی ۴۶۹ صفحات پر بکھری ہوئی کتاب "سیاست کے فرعون" پنجاب کے جاگیرداروں کے عروج و زوال کی کہانی ہے جو اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ جاگیردارانہ نظام نے (چاہے وہ پنجاب میں تھا یا پاکستان کے دوسرے صوبوں میں) ہمیں استحکام نہ پہنچایا۔ ۱۸۹۹-۱۸۷۱ کے بندوبست کے دوران انگریز نے سرداروں نوابوں اور منصب داروں کو خوب نوازا۔ اس طبقے نے بھلا پاکستان کو کیونکر مستحکم بنانا تھا۔ یہ مملکت حضور اکرم ﷺ کے سیاسی اصولوں سے راہنمائی حاصل نہ کر سکی۔ حالانکہ حضور ﷺ نے شورائی نظام سے اہل تقویٰ کو حکومت کی مشینری میں شامل کیا اور آپ ﷺ کے دور میں تقویٰ اور خدمت خلق ہی سیاست کا معیار رہا نہ کہ جاگیردارانہ وجاہت یا دولت۔ آپ ﷺ نے نقابت' عرافت' نظارت اور عمالت کے ذریعے بہترین سول سروس کا نام قائم فرمایا جس سے عرب میں انتظامی اور سیاسی استحکام پیدا ہوا۔ پاکستان میں سول سروس کو عوام کا خادم بننا ہوگا نیز تمام مذہبی فرقوں کو اعتماد میں لے کر چلنا ہوگا۔ تمام فرقوں اور مکاتب فکر کے پرسنل لاز کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ملک میں استحکام پیدا ہو۔

ہماری اسمبلیاں اور سینٹ بھی سیکولر ادارے ہیں۔ ان اداروں کو بھی اسلام کے شورائی نظام میں ڈھالنا ہوگا تاکہ متقی اور پرہیزگار لوگ سیاست میں آئیں۔

قائد اعظمؒ نے اتحاد' ایمان اور تنظیم جیسے سنہری اصول قوم کو دیئے تھے۔ اور یہی سبق ہمیں سیرت طیبہ سے ملتا ہے حضور اکرم ﷺ نے اتحاد کا درس دیا اور مسلم امہ کو ایک جسد واحد سے تعبیر فرمایا:

المومن اخو المومن کالجسد الواحد ان اشتکی شیئا منه وجد الم ذلك فی سائر جسده

(مسلم' ترمذی' مسند احمد بن حنبل)

حضور اکرم ﷺ کے اس پیغام کو ہم بھول گئے۔ ہم صوبائیت کے ہاتھوں پارہ پارہ ہو گئے۔ حضور ﷺ نے اسلامی عقائد اور عبادات کے ذریعے ہمیں عظیم ورثہ دیا مگر ہم ایمان کی دولت سے محروم رہے۔ ہم نے اپنی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت نہ کی اور اسلام کے فیوض و برکات سے محروم رہے۔ اور نظم و اتحاد سے عاری رہے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۷۱ء میں ہم مشرقی پاکستان گنوا بیٹھے۔ بقول ڈیوڈ لیوشاک نظریہ پاکستان سقوط ڈھاکہ کے بعد ختم ہو گیا۔

ملاحظہ ہو (David Loshak, Pakistan Crisis, William Heinemann Ltd. London 1971)

حالانکہ یہ اسکالر اور مغربی نقاد غلط ہے۔ مشرقی پاکستان اب بھی ایک اسلامی مملکت ہے۔ نظریہ پاکستان ختم نہیں ہوا۔ اس سانحہ سے ہمیں بہت گہرا سبق سیکھنا چاہیے اور باقی ماندہ پاکستان کو سیاسی اور فکری لحاظ سے مستحکم بنانا چاہیے۔

پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین کا (Preamble) ملاحظہ ہو جس میں لکھا ہے :

"Whereas sovereignty over the entire Universe belongs to Almighty Allah alone, and the authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust."

اس آئین کا آرٹیکل نمبر ۶۲ بھی ملاحظہ ہو جس میں ممبران پارلیمنٹ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان خصوصیات کے حامل ہوں :

"He is of Good Character. He is sagacious, righteous and nonprofligate and honest and ameen....."

کیا واقعی ہم نے اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کے تصور کو قبول کیا اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے شریعت کے نفاذ کا کام سرانجام دیا؟ کیا حکومتی عہدوں کو ہم نے اللہ کی طرف سے ایک دی ہوئی امانت سمجھا؟ کیا ہمارے سیاسی راہنما راست گو دیانت دار اور امین بنے؟ افسوس کہ الیکشن لڑنا جائے خود ایک بہت بڑی تجارت بن گئی۔ ایک الیکشن میں ایک امیدوار کا خرچ ۲۰۔۱۵ لاکھ روپے سے لے کر ڈھائی تین کروڑ روپے تک ہوتا ہے۔ کیا اس جمہوری نظام میں ایک متقی اور اہل رائے شخص الیکشن جیت سکتا ہے۔ ظلم' رشوت' ناجائز پرمٹ اور پلاٹ' سیاسی بلیک میلنگ اور ہارس ٹریڈنگ' ناجائز سفارش' بددیانتی' جھوٹ' فریب' جھوٹے وعدوں' اسراف' لسانی بنیادوں پر گروہ بندیاں' اقربا پرستی' عصبیتیں اور قانون شکنی اس سیاسی کلچر کا شعار رہی۔ ملک میں کیونکر سیاسی استحکام پیدا ہوتا؟ انہی بدترین راہنماؤں کے

بارے میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

"تمہارے بدترین سردار وہ ہیں جو تمہارے لیے مبغوض ہوں اور تم ان کے لیے مبغوض ہو۔ تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں......" (مسلم شریف)

ان سیاست دانوں نے قومی خزانے کو بری طرح لوٹا۔

پاکستان میں اب آئین میں تیرہویں ترمیم کی منظوری کے بعد جس سے آٹھویں ترمیم کی متنازعہ شقیں ختم ہو گئیں' پاکستان میں انشاء اللہ سیاسی استحکام پیدا ہونے کی امید ہے۔ ہمیں ہمہ جہتی ترقی کی ضرورت ہے حکومتی' انتظامی' سیاسی اور سماجی اتحاد اور تعاون کی ضرورت ہے۔ ہمیں انقلاب ایران' سوڈان' ملائیشیا' الجزائر اور افغانستان سے سبق سیکھنا ہو گا۔ ان ممالک نے غلط رسوم کو ختم کرنے کی کاوشیں کیں اور معاشی تبدیلیاں لانے کی سعی کی۔ مغرب کی تقلید کو چھوڑ اور خود انحصاری اختیار کی۔

پاکستان میں معاشی استحکام اور حضور ﷺ کا معاشی اسوہ حسنہ

اسلامی ریاست بنیادی طور پر ایک فلاحی ریاست ہوتی ہے۔ آج کل کی جدید فلاحی ریاستوں میں جو نمایاں خد و خال نظر آتے ہیں وہ تصورات ہمیں آج سے ۱۴۰۰ سال سے زیادہ عرصہ قبل نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے دیئے۔ ایسا معاشرہ قائم ہوا جس میں مروت' اخوت' مودت' موانست' خیر سگالی اور کفالت عامہ کا جذبہ تھا۔ آج یورپ کو فخر ہے کہ لارڈ بیورج Lord Beveridge نے کفالت عامہ کا تصور دیا جبکہ یہ تصور صدیوں سے موجود ہے (حضور اکرم ﷺ نے بے روزگاروں' معذوروں' یتیموں' بیوگان اور غرباء و مساکین کی امداد اور بحالی کا انتظام عطا فرمایا) یہ حضور اکرم ﷺ کا فیض تھا کہ نہ صرف خلفائے راشدین کے دور میں بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد مبارک میں لوگ اس قدر خوشحال اور معاشی لحاظ سے خود کفیل ہو گئے کہ لوگ زکوٰۃ کا مال لیے پھرتے تھے اور کوئی انہیں وصول کرنے والا نہ ملتا تھا۔

اہل مکہ روزانہ دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ بازار میں جا رہے ہیں اور ان کے دونوں کندھوں پر بوجھ رکھا ہوا ہے۔ یہ ان کمزور اور محتاج عورتوں کا سامان ہوتا تھا جو خود بازار جا کر اپنی ضرورت کی چیزیں نہیں خرید سکتی تھیں۔

حضور اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کو بطور اجتماعی سوشل سیکورٹی سسٹم رائج کیا۔ ۸ ہجری میں زکوٰۃ فرض ہوئی حضور ﷺ نے ایک مکمل معاشی نظام رائج فرمایا۔ ذخیرہ اندوزی' ناپ تول میں کمی' سود' اسراف' بخل' وغیرہ سے منع فرمایا۔ مضاربہ' مشارکہ' بیع مؤجل' اجارہ' مرابحہ' قرض حسنہ اور بیت المال سے سود کا متبادل نظام رائج فرمایا۔ آپ ﷺ نے صدقات' انفاق فی سبیل اللہ کو بڑھایا۔ آپ ﷺ نے تجارت کو فروغ دینے کی تلقین فرمائی۔ اسلام کے نظام حکومت کا یہ اخلاقی اثر تھا کہ ہر شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتا' صدقات پیش کرتا اور برکت

میز دعاؤں سے اپنے دامن کو بھرتا۔ بخاری شریف (کتاب الزکوٰۃ ص ۲۰۳) میں درج ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی روایت کرتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جب کوئی قوم اپنا صدقہ لے کر حاضر ہوتی تو آپ ﷺ فرماتے تھے: یا اللہ فلاں کی آل پر رحمت فرما۔ چنانچہ میرے باپ بھی صدقہ لے کر آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ابو اوفی کی آل پر رحمت بھیج"۔

حضور اکرم ﷺ نے غربت کو اسلام کے معاشی نظام کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی۔ اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست بن گئی۔ آپ ﷺ کے بارے میں ترمذی شریف (ج ۴، ۷ ۳۴۳ حدیث ۱۹۵۱) میں درج ہے:

"الساعی علی الارملة والمسكين كالمجاهد فی سبيل الله او كالذی يصوم النهار و يقوم الليل"

حضور ﷺ نے سود کو بدترین استحصالی عنصر قرار دیا۔ قرآن حکیم میں اسے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کھلی جنگ قرار دیا گیا۔ آج دنیا میں ۱۶۰ اسلامی بینک قائم ہیں جن میں ۱۰۰ ارب ڈالر جمع ہیں یہ حضور ﷺ کا احسان ہے کہ اب اسلامی بنکاری یورپ، ملائیشیا اور مشرق وسطیٰ میں مقبول ہو رہی ہے۔ اسلامی ترقیاتی بنک جدہ جو ۱۹۷۵ء میں قائم ہوا مضاربت اور مرابحہ وغیرہ کے ذریعے بے شمار اسلامی ممالک میں ترقیاتی منصوبوں پر کام کر رہا ہے۔

آپ ﷺ کا معاشی اسوہ حسنہ یہ ثابت کرتا ہے کہ سادگی، کفایت شعاری، دیانت داری اور خود انحصاری کی وجہ سے اقوام ترقی کرتی ہیں۔ شمائل ترمذی اور دیگر سیرت کی کتب سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کا ایک لباس ہوتا آپ ﷺ پہنتے حتیٰ کہ سفراء سے بھی اسی لباس میں ملاقات فرماتے۔ آپ ﷺ نے اسراف اور خیانت سے منع فرمایا۔ یہ رذائل کسی ملک کو مستحکم نہیں ہونے دیتیں۔ آپ ﷺ نے قرض مانگنے سے منع فرمایا۔ اس سے اقوام کی عزت نفس جاتی رہتی ہے۔ بیرونی قرضہ جات لعنت ہیں۔

سورۃ التوبۃ کی آیت نمبر ۶۰ اسلامی ریاست کے بجٹ کے اخراجات کے قواعد کی اساس ہے:

انما الصدقٰت للفقراء والمسكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم و فی الرقاب والغارمين و فی سبيل الله و ابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم○

حضور ﷺ اکرم نے واضح طور پر فرمایا تھا: "جو شخص قرض چھوڑے یا ایسے پس ماندگان چھوڑ جائے جن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو وہ میرے پاس آئیں، میں ان کا سرپرست ہوں" (بحوالہ اسلامی ریاست ص ۲۹۳)

قائداعظمؒ نے پاکستان کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ ایک فلاحی ریاست ہوگی مگر افسوس ایسا نہ ہو سکا۔

غربت' بے روزگاری' مہنگائی' ذخیرہ اندوزی' سمگلنگ' رشوت' انتہادرجہ کی بددیانتی' خیانت' اسراف اور رشوت بیرونی قرضہ جات اور سودی نظام نے پاکستان کی معیشت برباد کر دی ہے۔ ہم نے اسوہ حسنہ سے راہنمائی حاصل کی۔ وفاقی شرعی عدالت نے سود کو حرام قرار دیا لیکن ہم نے اللہ کے اس قانون کے خلاف اپیل سپریم کورٹ میں دی۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف کھلی جنگ تھی۔ ہم نے قرآن کی معاشی تعلیمات اور حضور اکرم ﷺ کے معاشی اسوہ حسنہ کو پس پشت ڈال دیا اور اب ہماری معاشی زبوں حالی خیانت واسراف اور کرپشن کی حالت مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے عیاں ہے:

پاکستان کی آبادی	۱۳ کروڑ
ٹیکس ادا کرنے والوں کی تعداد	۱۰ لاکھ
انتظامیہ کے اخراجات	۱۴۷ ارب روپے
بیرونی قرضہ جات	۳۰ ارب ڈالر
اندرونی قرضہ جات	۲۵ ارب ڈالر
جو قرضے سیاست دان ہڑپ کر گئے	۱۴۰ ارب روپے
بیوروکریسی جو رقم سالانہ کھا جاتی ہے	۴۰ ارب روپے
سالانہ ٹیکس جو چوری ہوتے ہیں	۱۵۰ ارب روپے

(ماخذ نیوز ویک' ۱۴ اپریل ۱۹۹۷ء ص ۱۴)

پاکستان میں رشوت' بددیانتی اور خیانت کی چند بدترین مثالیں ملاحظہ ہوں

واپڈا پاور ونگ میں فراڈ (مئی ۱۹۹۶)	۲ ارب ۸۲ کروڑ روپے
سالانہ رشوت میں ضائع ہونے والی رقم	۶۸۰ ارب روپے
حکمرانوں کے ایوانوں کے لیے درآمد شدہ پینے کا پانی (۱۹۹۶-۱۹۹۵)	۶ کروڑ روپے
ایک لانگ مارچ پر خرچ	۹۶ لاکھ روپے
نیشنل بنک نے جو قرضے معاف کیے (۱۹۹۶)	ساڑھے چوبیس کروڑ روپے
حکمران طبقے کی گاڑیوں پر خرچ شدہ رقم	۷ ارب ۵۱ کروڑ روپے

(ماخذ' منہاج' سہ ماہی' اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۶ء لاہور' ص ۹۲-۹۱)

اگر پاکستان کو ایشین ٹائیگر بنانا ہے تو ہمیں سیرت طیبہ ﷺ سے راہنمائی حاصل کرنا ہو گی۔ پاکستان

زراعت، صنعت، صحت اور تعلیم کے میدان میں ترقی کرنا ہوگی۔ بیرونی تجارت کو بہتر بنانا ہوگا۔ بیرونی تجارت کے فروغ کے لیے ہمیں حضور ﷺ کے بطور تاجر اسوہ حسنہ کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے نظام تعلیم میں صفہ کے طلباء کو سائنسی علوم بھی پڑھوائے، زرعی علوم بھی پڑھوائے۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ کے دور میں عرب نے گندم باہر بھجوائی۔ جزیدہ نما عرب گندم میں خود کفیل ہو گیا۔ طب نبوی ﷺ بہت بڑا شعبہ ہے۔ اس پر بھی ریسرچ کی ضرورت ہے۔ اور اس شعبے کو بھی اجاگر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ عوام الناس اس بابرکت شعبہ طب سے فیض حاصل کر سکیں۔

زراعت، صنعت اور تجارت

ہماری پیداوار میں زراعت کا حصہ ۲۴ فیصد ہے۔ یہ ہماری بد نصیبی ہے کہ زرعی ملک ہونے کے باوجود ہم نے ۱۹۹۶ء۔ ۱۹۹۵ء میں حسب ذیل درآمدات کیں۔

گندم	۱۵ارب روپے
خوردنی تیل	۲۲ارب روپے
چائے	۴ارب روپے
کل برآمدات	۸۷۰۷ ملین ڈالر

امریکہ کے ایک زرعی تحقیقاتی ادارے کے مطابق پاکستان کو ۲۰۰۰ء میں ۷۷ لاکھ ٹن گندم، ۲۰ لاکھ ٹن خوردنی تیل، چاول اور چینی کافی مقدار میں درآمد کرنا پڑے گی۔ اس طرح پاکستانی معیشت کو ایک عظیم خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ یہ کتنی بد نصیبی ہے کہ ۲۵ ملین ایکڑ فٹ پانی سمندر میں پھینک کر ضائع کر دیا جاتا ہے۔ صحیح استعمال سے ہم اپنی پیداوار چھ گنا بڑھا سکتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ، جنگ فورم، بحث، مباحثہ، سیمینار سروے لاہور ایڈیشن ۱۴ اپریل ۱۹۹۷ء ص ۹)

اگر ملک میں اتحاد کی فضا پیدا ہو معاملات اور مسائل شورائی انداز میں طے ہوں تو زراعت ترقی کر سکتی ہے۔ کالاباغ ڈیم بن سکتا ہے۔

ہیوی مکینیکل کمپلیکس ٹیکسلا، پاکستان سٹیل مل اور اس قسم کی دیگر صنعتیں پاکستان کی معاشی حالت کو مستحکم بنا سکتی ہیں بشرطیکہ محنت اور دیانت داری سے کام کیا جائے۔ ان صنعتوں میں کرپشن کو روکا جائے اگر نجی شعبوں کو صنعتیں دینی ہیں تو اس میں رشوت اور بددیانتی کا عنصر نہ ہو۔ ہماری برآمدات کم اور درآمدات زیادہ ہیں۔ ۱۹۸۹ کے دوران قومی خسارہ ۲ارب ۴۵ کروڑ ڈالر تھا۔

صحت اور تعلیم کا شعبہ

۹۰۔۱۹۸۹ء کے دوران ہم نے تین ارب ستر کروڑ ڈالر روپے کی ادویات باہر سے منگوائیں۔ اسپرین کی گولی کے لیے بھی ہم دوسروں کے محتاج ہیں۔ ساڑھے سات ہزار ادویات مختلف برانڈ ناموں سے باہر سے منگوائی جاتی ہیں۔ حکام اور سیاست دانوں کا طبقہ سرکاری اخراجات پر باہر سے علاج کرواتا ہے۔ یہ بھی بدترین قسم کی خیانت ہے۔

۱۹۸۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں شرح خواندگی ۲۶ فیصد تھی۔ اقوام متحدہ کی Human Development Report U.N.O) کے مطابق تعلیم کے میدان میں دنیا کے ۱۱۹ ممالک پاکستان سے بہتر حالت میں ہیں جبکہ پاکستان صرف ۴۰ ممالک سے بہتر حالت میں ہے۔ ہماری قومی آمدنی کا صرف ۲ فیصد قریباً تعلیم پر ۱۹۹۰ء میں خرچ ہوا جو دنیا میں کم ترین سطح پر گنا جا سکتا ہے۔ زندہ قومیں تعلیم پر بہت رقم خرچ کرتی ہیں مثلاً

انگلینڈ نے تعلیم پر خرچ کیا (۱۹۹۵ء)	۲۰ ہزار ملین ڈالر
فرانس نے اس شعبہ پر خرچ کیا (۱۹۹۰ء)	۲ لاکھ تیس ہزار ملین فرانک
۱۹۹۵ء میں فرانس کی اسمبلی میں ریٹائرڈ اساتذہ کی تعداد بطور ممبر	۴۰ فیصد

۱۹۴۷ء کی پہلی تعلیمی کانفرنس میں یہ اعلان کیا گیا کہ پاکستانی نظام تعلیم مذہبی بنیادوں پر استوار ہو گا۔ ہمیں ورثہ میں لارڈ میکالے کا نظام تعلیم ملا جس نے ہمارے دماغوں میں غلامی کے جراثیم داخل کر دیئے۔

ہمارا نظام تعلیم مغربی ثقافت و تمدن اور لادینی افکار کا عکاس ہے۔ فنی اور سائنسی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ کے نظام تعلیم (صفہ ماڈل) کے مطابق اخلاقی اور روحانی قدروں کو فروغ دیا جائے تاکہ پاکستان نظریاتی طور پر مستحکم ہو۔

جنوبی ایشیاء میں انسانی وسائل کی ترقی کی رپورٹ (۱۹۹۷)

(استحکام پاکستان کے تناظر میں)

یہ رپورٹ اقوام متحدہ نے Human Development Centre and U.N.D.P. کے تعاون سے شائع کی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق جنوبی ایشیاء کے مجموعی دفاعی اخراجات کا ۹۳ فیصد حصہ صرف بھارت اور پاکستان کے دفاعی اخراجات پر مشتمل ہے۔ ان حالات میں بھلا پاکستان کیسے مستحکم ہو سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ڈاکٹر محبوب الحق جنوبی ایشیاء میں انسانی وسائل کی ترقی کا چیلنج' (مضمون) روزنامہ جنگ' لاہور' ۱۱ اپریل ۱۹۹۷ء)

مستحکم دفاع: پاکستان کو مضبوط اور مستحکم دفاع کی ضرورت ہے۔ انڈیا اپنی افواج بڑھا رہا ہے اور دفا

بجٹ میں اضافہ کر رہا ہے۔ ان حالات میں ہم خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ حضور اکرم ﷺ ساری زندگی اپنے
اصولوں پر قائم رہے اسی طرح ہم بھی کشمیر کے مسئلے میں اپنا موقف نہیں بدل سکتے۔ گزشتہ ۵۰ سالوں سے ہمارا وہی
موقف رہا جو آج بھی ہے۔ ہمیں وسطی ایشیائی۔ مسلمان ملکوں سے نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے میدان میں تعاون حاصل
کرنا چاہیے۔ اور اتحاد بین المسلمین کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اس طرح ہم دفاعی لحاظ سے مستحکم ہو جائیں گے۔
حضور ﷺ نے اپنے دور مبارکہ میں بے شمار غزوات لڑے۔ بوزنطیہ جیسی عالمی طاقت سے حضور ﷺ نے غزوہ
تبوک کے ذریعے ٹکر لی۔ ہمیں حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کا بھی مطالعہ کرنا ہوگا۔ حتی الوسع آپ ﷺ نے تصادم
سے کنارہ کشی فرمائی مگر موقع آنے پر طاغوتی طاقتوں کا بھرپور مقابلہ فرمایا۔ پاکستان کی دفاعی پوزیشن اور بری فوج کی
تعداد ملاحظہ ہو:

انڈیا (بری فوج)	1100000
پاکستان (بری فوج)	500000

Brian Hunter The Statesman Year Book, 1995-96 Macmillan Press, London, 1995

ایک طرف پاکستان کی معیشت پر دفاعی اخراجات کا بوجھ ہے اور دوسری طرف کرپشن نے تباہی مچائی
ہوئی ہے۔ امریکہ نے پاکستانی سیاست دانوں، اعلیٰ سول و غیر سول فوجی افسروں اور تاجروں کی فہرست شائع کی ہے
جن کا تعلق منشیات کی سمگلنگ سے ہے۔ اس فہرست کے مطابق ایسے افراد کی تعداد ۸ ہزار ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی
اخبار دی نیوز مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۹۶ء اپریل ۱۹۹۷ء میں پاکستان ایئر فورس کا ایک آفیسر پی اے ایف کے جہاز میں
ہیروئن لاتے ہوئے امریکہ میں پکڑا گیا ہے۔ ہمارے لیے کس قدر ذلت کا مقام ہے۔ اپریل ۱۹۹۷ء میں وزیراعظم
پاکستان کے بیان کے مطابق ایک بیوروکریٹ نے تحقیقاتی عمل سے بچنے کے لیے متعلقہ افراد کو ۲۰ کروڑ روپے
رشوت دینے کی پیشکش کی ہے۔

خاک ہے اب بھی چمن میں اڑتی ہے
موسم گل اور یہ خزاں...... افسوس

ایک طرف کرپشن کا سیلاب اور دوسری طرف غربت کا ریگ رواں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے بجٹ کا ۳۵
فیصد قرضوں کی ادائیگی میں گزرتا ہے۔ دفاع پر اخراجات ۴۰ فیصد ہیں۔ انتظامیہ پر اخراجات ۱۵ فیصد ہیں۔ باقی ۱۰
فیصد سے خاک ترقی ہوگی۔ پاکستان میں ہر پیدا ہونے والا بچہ ۱۶ ہزار روپے کا مقروض ہے اور ہر خاندان اوسطاً ایک
لاکھ روپیہ کا مقروض ہے۔ (حوالہ جنگ، لاہور، صفحہ اول، یکم اپریل ۱۹۹۷)

جاگیرداروں کی یہ حالت ہے کہ ان کے ۲۴۵۷ افراد نے ۱۹۹۶ء میں ۲۸ لاکھ روپے بطور دولت ٹیکس

ادا کیے جبکہ تنخواہ دار طبقے نے سی بی آر کی رپورٹ کے مطابق ۵ ارب ۲۰ کروڑ روپے بطور ٹیکس ادا کیے پاکستان میں غربت کی ایک جھلک ان اعداد و شمار سے واضح ہوتی ہے۔ اور پھر آبادی کا مسئلہ دیکھیں :

	ملک	آبادی	سالانہ آمدن فی کس (امریکی ڈالر)
۱۔	ڈنمارک (۱۹۹۲)	۵ء۲ ملین	۲۵۹۳۰
۲۔	اسرائیل (۱۹۹۲)	۵ء۴۶ ملین	۱۳۲۳۰
۳۔	انڈیا (۱۹۹۴)	۹۱۳ء۰۷ ملین	۳۱۰
۴۔	پاکستان (۹۴۔۱۹۹۲)	۱۳۱ء۵ ملین	۴۱۰

(Brian Hunter: The Statesman Year Book 1995 Edition)

تقابلی مطالعہ کے لیے کوریا اور پاکستان کی سابقہ آمدن اور موجودہ آمدن ملاحظہ ہو۔ زندہ اقوام کس طرح ترقی کرتی ہیں (یہ آمدن فی کس سالانہ ہے)

	۱۹۶۱ء کے دوران	۱۹۹۶ء کے دوران
پاکستان کی آمدن	۱۲۰ ڈالر	۴۳۰ ڈالر
کوریا کی آمدن	۶۳ ڈالر	۱۵۰۰ ڈالر

پاکستان میں معاشرتی استحکام

معاشرتی استحکام کے بغیر ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ معاشرتی ناہمواریاں' طبقاتی کشمکش' آزادی نسواں مسئلہ' عائلی نظام میں شکست و ریخت' شراب نوشی' سمگلنگ' دولت کی ریل پیل اور دوڑ' روحانیت سے دوری' دہشت گردی' لاقانونیت' انصاف کے حصول میں تاخیر' تعلیمی اداروں میں غنڈہ گردی' کرپشن' مذہب سے بے زاری' الحاد دہریت' معاشرے میں بے سکونی' امن کا فقدان' اخلاقی تنزل' ثقافتی یلغار بذریعہ اخبارات اور میڈیا اور تقلید مغرب پاکستان کے استحکام میں رکاوٹ ہیں۔ پاکستان میں فرقہ واریت بھی خطرے کی گھنٹی ہے۔ انسانی بنیادی حقوق کی پامالی بھی قابل مذمت ہے۔ فضول رسموں کی بھی بیخ کنی ضروری ہے۔

فرقہ واریت کی آگ نے پاکستان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ علماء کرام کا قتل' علماء کی تکفیر' عبادت گاہوں میں معصوم لوگوں کا قتل اور بڑھتی ہوئی نفرتوں کی خلیج حضور ﷺ کی تعلیمات کے برعکس ہے۔ ان حالات میں غیر ملکی طاقتیں اور دشمن فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وفاقی اور صوبائی سطح پر فرقہ واریت کو ختم کرنے کے لیے حکومت فی الفور کام کرے مشائخ عظام اور میڈیا وغیرہ کی مدد سے اس مشن کو شروع کیا جائے۔ وگرنہ اس کے نتائج اور زیادہ بھیانک ہوں گے۔

امت مسلمہ کا مقصد وجود امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ حضور ﷺ اکرم کی ساری زندگی آپ ﷺ
یہی مشن رہا۔ حکومت کا فرض ہے کہ شراب کا کاروبار بند کرائے' سینما' کنسرٹ ہال' قحبہ خانے' ناچ گھر' وڈیو سنٹر
ر فحاشی کے اڈے بند کرائے۔ ٹیلی وژن اور اخبارات کے ذریعے اور ڈش انٹینا کے ذریعے بیرونی ثقافتی یلغار اور فحاشی
کے امڈتے ہوئے سیلاب کو قانون سازی سے فوراً بند کرائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے اسے چاہیے کہ اس کو ہاتھ سے روکے' اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے
کے' اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے برا سمجھے (اور روکنے کی خواہش رکھے) اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے"۔
مسلم' کتاب الایمان' باب ۲۰)

حضور ﷺ کی سیاست اور تدبر کا یہ اعجاز ہے کہ آپ ﷺ نے عرب ایسے ملک میں امن و عدل کی
کومت قائم فرمادی جہاں لاقانونیت کا دور دورہ تھا۔ جرائم کی روک تھام کے لیے حضور ﷺ اکرم نے حدود و
زیرات کا نظام قائم فرمایا۔ آپ ﷺ نے قصاص و دیت کا بھی مکمل قانون نافذ فرمایا۔ زنا' سرقہ' حرابہ' قذف
تداد اور حد خمر کے مقدمات میں آپ ﷺ نے کڑی سزائیں دے کر معاشرے کی تطہیر فرمائی۔ نبی عکل کے
ندمے میں حضور ﷺ نے قتل کی سزا سنائی تھی یہ راہزنی کا مقدمہ تھا۔ آپ ﷺ نے ڈاکوؤں کے ہاتھ اور پاؤں
اکر قتل کروادیا تھا۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳۶ میں ایسے سنگین جرائم کو فساد فی الارض اور اللہ سے جنگ کہا گیا
ہے۔ ارشاد ہے :

انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ ویسعون فی الأرض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع
یهم و ارجلهم من خلاف او ینفوا من الارض ذلك لهم خزی فی الدنیا و لهم فی الاخرة عذاب عظیم

پاکستان میں حال ہی میں گینگ ریپ کی سزائے موت قابل تحسین عمل ہے۔ ایسے بھیانک جرائم فساد فی
ض کے زمرے میں آتے ہیں اور ان کی سزا قتل ہے۔ فقہ میں پھانسی پانے والے راہزن کی لاش کو تین دنوں تک
ی کے تختے پر چھوڑ دیا جائے تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ پاکستان میں شریعت کو سپریم لاء قرار دیا جائے اور
اسلامی فوراً نافذ کیا جائے تاکہ لوگوں کو فی الفور اور سستا انصاف ملے۔

نظام تعلیم کسی قوم کے نظریے' امنگوں اور تہذیب و تمدن کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کے نظام
یم سے راہنمائی حاصل کر کے ہم ملک کے نظریاتی' مذہبی' معاشی' ثقافتی' سیاسی اور سماجی مقاصد حاصل کر سکتے
ں۔ اس نظام سے ہم سچے مسلمان اور مفید شہری بن سکتے ہیں۔

پاکستان میں انسانی بنیادی حقوق بری طرح پامال ہوتے ہیں۔ ہماری پولیس بدترین پولیس ہے یہ ان حقوق
سلب کرتی ہے۔ حضور ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کا منشور اعظم Magna Carta ہے۔ اس پر عمل

پیرا ہو کر ہم معاشرے میں استحکام پیدا کر سکتے ہیں۔ ہم معاشرے میں پھیلی ہوئی فضول رسموں سے بھی نجات حاصل کر سکتے ہیں اگر حکومت اس ضمن میں کاوش کرے۔ شادی میں کھانوں کے موقعوں پر اسراف حکومت نے بند کیا۔ یہ ایک مستحسن قدم ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں سادگی کو شعار بنانا ہوگا۔ اسوہ حسنہ بھی یہی درس دیتا ہے۔

پاکستان کے استحکام کے لیے تجاویز (سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں)

سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۵۳ میں ارشاد ہے کہ اللہ کسی قوم کی زندگی میں تبدیلی اس وقت تک نہیں کرتے جب تک اس کے نفوس کے انداز بدل نہیں جاتے اور وہ اپنے اندر تبدیلی نہیں لاتے:

ذلك بان الله لم يك مغيرا نعمة انعمها على قوم حتى يغيروا ما با نفسهم و ان الله سميع عليم

پاکستان کی فکری جڑیں اسلام کی تعلیمات میں ہیں۔ یہ مملکت آزادی کے ہر ننھے ٹمٹماتے چراغ کی روشنی ہے۔ یہ ملک آزادی کے قافلے کے ہر لٹ پٹے مہاجر کی قربانیوں کا ثمر ہے۔ یہ خطہ پنجاب' یہ سرزمین سرحد' شاہراہ ریشم' یہ رفعتوں والا قراقرم' یہ فلک بوس چوٹیاں' یہ رفعتوں کے نشان' یہ وادی مہراں' یہ وادی فاراں' عروس البلاد اسلام آباد' وادی کوئٹہ کی دھرتی پر سرخ سیبوں سے لدے ہوئے باغات' یہ خطہ سندھ' چولستان کا تھل' بابائے ملت کے شہر آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہوئے بھرے پانیوں میں سفینے' نگر نگر قریہ قریہ بکھری رنگینی ہر رنگ ہر آہنگ ہر سنگ دامن کشاں نظارے اور خوشبوء وطن کے گداز جھونکے حب الوطنی کی صدا دیتے ہیں۔ قربانی مانگتے ہیں اور قربانی کا تقاضا کرتے ہیں۔ سفید فام آقا تو بدل گئے مگر افسوس وہ اپنے ذوق کے لوگ چھوڑ گئے۔ انگریز نے ہمارے سیاسی' معاشرتی' معاشی' اقتصادی اور مذہبی ادارے بری طرح متاثر کیے۔ لارڈ میکالے نے کہا تھا ہندوستان میں ہم ایسی تعلیم چاہتے ہیں جس کے فارغ التحصیل لوگ نسل اور رنگ کے اعتبار سے دیسی ہوں مگر ذوق خیالات' عقائد' اخلاقیات اور جملہ ذہنی میلانات کے اعتبار سے انگریز ہوں۔ لارڈ میکالے کے الفاظ میں:

"We must at present do our best to from a class of persons, Indian in blood and colour but English in taste, in opinions, in morals and in intellect."

(Macaulay's Minutes on Education in India, Calcutta, 1862, p.115)

انگریز کی اس پالیسی نے ہماری ثقافتی' مذہبی اور تہذیبی بنیادوں کو متزلزل کر دیا:

میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی
لکھ دیا منجملہ اسباب ویرانی مجھے

آج بر ہمیت 'اشتمالیت' لادینیت اور دیگر طاغوتی طاقتیں پاکستان کے درپے ہیں وہ اس مملکت کو ہرگز مستحکم نہیں دیکھنا چاہتیں۔ اخوت' بے مثال ربط و ضبط' ایثار اور قربانی کے جذبے مجروح ہو رہے ہیں۔ داغہائے غم چراغ سینہ کتنے ہیں۔ افسوس اب وہ قافلہ نہیں جس میں شمع نبوت کے پروانے ٹیپو سلطان' شاہ اسماعیل شہید' علامہ اقبال' سید امیر علی' مولانا شوکت علی' مولانا محمد علی جوہر' مولانا ظفر علی خان' حالی اور شبلی نعمانی اور اس قسم کی نابغہ روزگار ہستیاں تھیں جنہوں نے اس مملکت کی تشکیل میں حصہ لیا۔ اب پھر نئے مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ضرورت ہے جو تصور باطل پر کاری ضرب لگائے۔ کشمیر کے مسلمانوں کا لہو کتنا ارزاں ہے۔ افسوس اب اس قافلے میں کوئی صلاح الدین ایوبی نہیں۔ افسوس اب اپنے ہی ڈاکو اور رہزن بن گئے۔ آج پھر ہمیں نئے نوجوان سالار عرب محمد بن قاسم کی ضرورت ہے۔ جس نے ساحل مالابار سے ہوتے ہوئے سرزمین سندھ میں ایک مسلمان بیٹی کی آواز پر لبیک کہا تھا۔ صلیبی طرز فکر' حب الوطنی کا فقدان' مجرمانہ تغافل' لاقانونیت اور کرپشن نے زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔ من حیث القوم ہم روح محمد ﷺ کے آگے شرمندہ ہیں۔ نظام مصطفوی ﷺ کا نفاذ قوم کا نعرہ تھا' نظریہ پاکستان کی بنیاد تھی۔ اساس بھی ہے اور راہ نجات بھی۔ اگر پاکستان کو بچانا ہے اور مستحکم کرنا ہے تو ہمیں عمر بن عبدالعزیز کے نقش قدم پر چلنا ہوگا جو ذاتی کام کے وقت سرکاری چراغ بجھا دیا کرتے تھے۔ اگر ہمیں مضبوط پاکستان درکار ہے تو ہمیں حضرت عمرؓ جیسے درویش منش خلیفہ وقت کی اتباع کرنا ہوگی جن کی قمیض پر دس دس پیوند لگے ہوتے تھے ان خلفاء میں اور دیگر خلفاء راشدینؓ میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا پرتو نظر آتا ہے۔ اگر ہمیں پاکستان کو سیاسی' معاشی اور معاشرتی طور پر مستحکم کرنا ہے تو ہمیں حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرنا ہوگی جنہوں نے "اس حالت میں رحلت فرمائی کہ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی مالدار کے پاس تیس صاع جوع کے عوض رکھی ہوئی تھی (صحیح بخاری' باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ) وفات کے بعد حضرت عائشہؓ نے صحابہ کرامؓ کو پیوند لگی ہوئی ایک چادر اور پیوند لگا ہوا ایک تہمد دکھایا کہ تمہارے رسول اللہ ﷺ نے یہ ترکہ چھوڑا ہے۔ حضور ﷺ کے سیاسی اور معاشی اسوہ حسنہ میں پاکستان کے امیر لوگوں اور سربراہان مملکت کے لیے اسباق ہیں اگر پاکستان کو ایک فلاحی مملکت بنانا ہے۔ گزشتہ صفحات پر اسوہ حسنہ سے متعلق واقعات دراصل قیامت تک آنے والے حکمرانوں کے لیے سبق ہیں جو عوام کی فلاح و بہبود اور اپنے ممالک کا استحکام چاہتے ہیں۔ پاکستان کے استحکام کے بارے میں تجاویز تو کافی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان تجاویز کو روبعمل کیونکر لایا جائے۔ وہ قوت کہاں ہے جو اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کی راہ کی رکاوٹوں کو دور کر سکے؟ ہمارا پورا نظام اسلام کے خلاف ہے اور خود اس کا وجود ہی اسلامی نظام کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ پاکستان کی تعمیر نو اور استحکام کے لیے سیرت طیبہ کی روشنی میں حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ سیاسی نظام میں تبدیلی لائی جائے۔ اہل تقویٰ اس شورائی نظام میں منتخب ہوں۔ قرآن و سنت کو ملک کا سپریم لاء بنایا جائے۔

۲۔ بیرونی قرضوں کی واپسی کے لیے تبوک طرز پر ہنگامی فنڈ کا قیام عمل میں لایا جائے۔ الحمد للہ اس ضمن میں پیش رفت قابل تحسین ہے۔ نادہندگان سے لوٹی ہوئی رقوم کی فوری واپسی کا اہتمام کیا جائے۔ ٹیکس کے نظام میں اصلاح کی جائے۔ صدقات، زکوٰۃ اور عشر کی وصولی کا انتظام بہتر بنایا جائے۔ بیت المال کو موثر بنایا جائے۔ ضلع کی سطح پر زکوٰۃ اور عشر وغیرہ کی وصولی سے مفلوک الحال کے لیے لوگوں گھریلو صنعتیں بنائی جائیں۔

۳۔ ملکی مصنوعات کے استعمال کی مہم چلائی جائے۔ کفایت شعاری اور سادگی کو اپنا شعار بنایا جائے۔ شادی وغیرہ میں کھانوں پر پابندی اور اسراف سے اجتناب حکومت کا مستحسن قدم ہے۔ نیز دینی اقدار کو فروغ دیا جائے۔ اتحاد بین المسلمین وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ مسلم امہ کی مشترکہ منڈی تشکیل دی جائے اس طرح پاکستان کی اقتصادی حالت بہتر ہوگی۔ سائنس اور نیوکلیئر ٹیکنالوجی کی تعلیم دلائی جائے۔ بیرون ملک پاکستانیوں کو پاکستان میں سرمایہ کاری کی ترغیب دلائی جائے۔ بیرون ملک پاکستانیوں کے پاس ۳۸ بلین ڈالر کی بچتیں ہیں۔

۴۔ سودی کاروبار کو ختم کیا جائے۔ ورک کلچر اور حب الوطنی کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

۵۔ کراچی کا مسئلہ حضور ﷺ کے نظام مواخاۃ کو سامنے رکھ کر حل کیا جائے۔ مہاجرین کا سیاسی حل تلاش کیا جائے۔ علاقائی عصبیتیں، صوبائی تعصب اور فرقہ واریت کو ختم کرنے کی کاوشیں کی جائیں۔

۶۔ دہشت گردی اور لاقانونیت کو ختم کرنے کے لیے حضور اکرم ﷺ کی نافذ کردہ سزائیں دی جائیں۔ خیانت اور کرپشن کو ختم کرنے کے لیے حضور ﷺ کا دیا ہوا نظام احتساب صحیح طور پر نافذ کیا جائے۔

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی دنیا کے عظیم ترین مدبر اور نبی آخر الزمان ﷺ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اللھم صل علیٰ محمد النبی الامی و علی آلہ وسلم

فہرست کتب

(اس مقالے کی تیاری میں حسب ذیل کتب اور مضامین سے استفادہ کیا گیا)

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ ابن جوزی' حیات فاروق اعظم (اردو ترجمہ علامہ شاہ حسین عطا) نفیس اکیڈمی' کراچی ۱۹۸۳ء

۳۔ ابن کثیر' تفسیر ابن کثیر' (اردو ترجمہ) مکتبہ تعمیر انسانیت' لاہور' طبع اول

۴۔ ابن ہشام' سیرت ابن ہشام' مقبول اکیڈمی' لاہور' ۱۹۸۵ء

۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹' (مقالہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دانش گاہ پنجاب' لاہور ۱۹۸۶ء

۶۔ الماوردی' الاحکام السلطانیہ اردو ترجمہ از سید محمد ابراہیم) نفس اکیڈمی' کراچی' ۱۹۶۳ء

۷۔ پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری' نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی' مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور' ۱۹۸۸ء

۸۔ جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن' اسلامی قوانین حدود و قصاص دیت و تعزیرات' قانونی کتب خانہ' لاہور' اشاعت اول

۹۔ جنگ (روزنامہ) اسلامی مشترکہ منڈی کا مرس سپیشل رپورٹ از منذر الٰہی' لاہور ۲۹ مارچ ۱۹۹۷ء

۱۰۔ حامد انصاری (مولانا) اسلام کا نظام حکومت' الفیصل ناشران' لاہور' سال اشاعت نا معلوم

۱۱۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن' النظم الاسلامیہ (اردو ترجمہ' مسلمانوں کا نظم مملکت از مولانا علیم الدین صدیقی' دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۵ء

۱۲۔ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ' اسلامی معاشیات' دارالاشاعت کراچی سال اشاعت نا معلوم

۱۳۔ روزنامہ جنگ' حکمران طبقے کی لوٹ کھسوٹ کے باعث مہنگائی میں اضافہ جاری رہے گا' خصوصی رپورٹ از سعید قاضی' لاہور ۲۹ مارچ ۱۹۹۷ء

۱۴۔ روزنامہ جنگ' ڈاکٹر محبوب الحق' جنوبی ایشیاء میں انسانی وسائل کی ترقی کا چیلنج (مضمون) لاہور ایڈیشن ۱۱ اپریل ۱۹۹۷ء

۱۵۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ' اسلامی ریاست' اسلامک پبلی کیشنز' لاہور ۱۹۹۳ء

۱۶۔ علامہ شبلی نعمانیؒ و علامہ سلیمان ندویؒ' سیرت النبی ﷺ جلد پنجم' الفیصل ناشران' لاہور ۱۹۹۱ء

۱۷۔ کمانڈر (ریٹائرڈ) محمد ذاکر جاوید' اسلامی تعلیمات اور اسلامی ریاست' غلام مصطفیٰ شیخ (ناشر) لاہور ۱۹۹۱ء

۱۸۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ رحمۃ اللعالمینؐ' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۴۶ء

۱۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ' خطبات بہاولپور' ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد ۱۹۸۵ء

۲۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی' دار الاشاعت' کراچی' ۱۹۸۷ء

۲۱۔ ڈاکٹر محمد فاروق خان' اکیسویں صدی اور پاکستان' المورد (ادارہ علم و تحقیق ناشر لاہور ۱۹۹۰ء

۲۲۔ منہاج (سہ ماہی) اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۶ء مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری ٹرسٹ بیل' لاہور

۲۳۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر" پیغمبر اعظم ﷺ و آخر' فیروز سنز' لاہور' اشاعت اول

۲۴۔ نعیم صدیقی' محسن انسانیت ﷺ اسلامی پبلی کیشنز لاہور' ۱۹۸۲ء

۲۵۔ نقوش (رسول ﷺ نمبر) زیر ادارت محمد طفیل' جلد سوم' ادارہ فروغ اردو لاہور ۱۹۸۳ء

۲۶۔ وکیل انجم' سیاست کے فرعون' فیروز سنز لاہور ۱۹۹۲ء

27. Abdul Hameed Siddiqui, The Life of Muhammad, Islamic Publications Ltd. Lahore 1975

28. Justice Munir Ahmad, Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, Being A Commentary on the Constitution of Pakistan, Vol. I. P.L.D. Publishers, Lahore, 1996

29. Barbara Daily Metcalf, Islamic Revival in British India, Deoband, 1860-1900 Princeton University Press Princeton U.S.A 1982

30. Brian Hunter The Statesman Year Book 1995, Macmillan Press, London, 1995

31. David Loshak, Pakistan Crisis, William Heinemann Ltd. London, 1971

32. Francis Robinson, Separatism Among Indian Muslims, Cambridge University Press Cambridge, 1974

33. Ibn Khaldun, Al-Muqaddima, (English translation by Franz Rosenthal), Routledge & Kegan Paul Ltd, London, 1967

34. K.K. Aziz , The Making of Pakistan, Islamic Book Service, Lahore 1986

35. Macaulay, Minutes on Educaton in India, Calcutta, 1862

36. Newsweek, April 14, 1997

37. Pakistan An Official Handbook (1995) Directorate General of Films ■ Publications, Ministry of Information & Broadcasting, Government of Pakistan, Islamabad, 1995

38. Robin Jeffery, What is Happening to India, Macmillan Press, London, 1994

39. The News Lahore, September 3, 1996

40. William Muir, Life fo Muhammad , London, 1894

استحکام پاکستان کا حصول (سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں)

حافظ محمد سعد اللہ، لاہور

پاکستان یا کسی بھی ملک میں داخلی خارجی حقیقی اور پائیدار استحکام اسکی بنیادی فطری اور اولین ضرورت ہے۔ پھر انسانی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ یہ استحکام رب کریم کے اس پسندیدہ یا مقرر کردہ دین (۱) (نظام زندگی) کے کلی اور ہمہ جہتی نفاذ کے بغیر ممکن نہیں (۲) جو اس نے اپنے برگزیدہ اور منتخب انبیاء علیہم السلام کی معرفت سارے انسانوں کی دنیوی واخروی فلاح کے لیے عنایت فرمایا (۳) اور جس کی تکمیل اس نے اپنے آخری پیغمبر رحمت اور رسول کریم کے ذریعے فرمادی (۴) پھر یہ بھی عقلاً نقلاً اور تجربتاً ضروری ہے کہ مطلوبہ نتائج کے حصول کے لیے اس کے واسطے متعین راستوں کو اپنایا جائے۔ (۵)

ترجوا النجاة ولم تسلك مسالكها ان السفينة لا تجری علی الیبس

ورنہ

ترسم کایں راہ تو میروی بکعبہ نرسد اے اعرابی

والی بات ہوگی

اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اپنے استحکام اور بقاء کے لیے دین اسلام (اسلامی نظام یا نظام مصطفیٰ) کو کلی طور پر (نہ کہ جزوی طور پر) اختیار کرنا بوجوہ لازمی ہے

اولاً: یہ اس کی بنیادی اور فطری ضرورت ہے۔

ثانیاً: حثیت مسلمان ایمانی و مذہبی تقاضا ہے۔

ثالثاً: قیام پاکستان کا مقصد ہی لا الہ الا اللہ (اسلامی نظام کا نفاذ) تھا اور اس چیز کی صراحت بانیان پاکستان نے تحریک پاکستان کے دوران اور بعد میں کئی مرتبہ فرمائی (۵)

رابعاً: پاکستان کے موجودہ آئین کی دفعہ نمبر ۲ (جزء نمبر ۱) میں ہے:

Islam shall be the state religion

ان تمہیدی کلمات کے بعد اب ہم اپنے اصل موضوع "استحکام پاکستان کا حصول' سیرت طیبہ کی روشنی میں" کی طرف آتے ہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ پاکستان میں پائیدار اور حقیقی استحکام (داخلی و خارجی امن' معاشرتی سکون' عوام کی جان و مال کا تحفظ' سرحدوں کی حفاظت' سیاسی و معاشی خود مختاری' اقتصادی ترقی اور خوشحالی کے لیے حکومت پاکستان کو ریاست مدینہ منورہ کے نبوی ﷺ طرز حکومت پر خلوص دل' ایمانداری' دیانتداری ملک و قوم کی تعمیر و ترقی کے واقعی جذبہ کے تحت (نہ کہ سیاسی بلیک میلنگ' ذاتی شہرت اور ڈنگ ٹپاؤ طرز پر) درج ذیل اقدامات پر عمل کرنا ہوگا ورنہ یہ مقالات سیرت اور قومی سیرت کانفرنس "نشستند و گفتند و برخاستند" کے سوا کچھ نہیں۔ دل میں خلوص اور ملک و قوم کی خدمت کا واقعی جذبہ ہوگا تو ان شاء اللہ استحکام پاکستان کی منزل چند قدم پر ہے۔

اے جذبہ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کی طرف دو گام بڑھوں اور منزل سامنے آجائے

جرأت مند اور مخلص قیادت کی ضرورت

کسی بھی ملک کی داخلی و خارجی سلامتی کے لیے چند لازمی عناصر ہوتے ہیں جن کا گراف جس قدر اونچا ہوتا ہے ملک اسی قدر مضبوط و مستحکم ہوتا ہے اور جتنا گراف نیچے آتا ہے ملک اتنا ہی کمزور ہوتا ہے۔ ان میں سب سے پہلی چیز یا راس العناصر جرأت مند' نڈر اور مخلص قیادت ہے جو نامساعد حالات میں بھی قوم میں مایوسی پیدا نہ ہونے دے۔ قوم کے سامنے ایسا بلند نصب العین پیش کرے جو اتنا واضح ہو کہ قوم کو اس کی حقانیت میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ پھر قیادت اس نصب العین کے ساتھ اتنی مخلص ہو کہ قوم کا کوئی فرد اس کے اخلاص پر انگلی نہ رکھ سکے۔ قیادت میں اگر یہ چیزیں موجود ہوں تو قوم کی طرف سے وفا ہمیشہ غیر مشروط ہوتی ہے اور قوم و قیادت کے درمیان اس طرح کا وفادارانہ تعلق ملکی استحکام میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے موجود ہے اعلان نبوت کے بعد کون سی ایسی اذیت اور مصیبت ہے جو مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کو پیش نہیں آئی۔ مگر آنجناب ﷺ نے ان کٹھن حالات میں بھی نہ خود ہمت ہاری نہ پستی دکھائی نہ اپنے مشن سے پیچھے ہٹے۔ (۶) نہ اپنے ماننے والوں (صحابہؓ) کا حوصلہ پست ہونے دیا بلکہ کلمہ طیبہ کی برکت سے انہیں عرب و عجم کے باجگزار ہونے کا مژدہ سنایا۔ (۷) لوگوں کے ساتھ مخلصانہ ہمدردی خیر خواہی اور غمخواری کی چشم دید گواہی آپ ﷺ کی قریب ترین شخصیت یعنی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ

نے دی ہے۔(۸) اپنی قوم کے ساتھ اخلاص اور خیر خواہی کا بے مثال طرز عمل آپ نے اس وقت بھی نہ چھوڑا جب آپ ﷺ دس لاکھ مربع میل کے واحد حکمران تھے (۹) اور جب رب کریم نے آپ ﷺ کے واسطے زمین کے خزانے کھول دیئے بلکہ زمین کے خزانوں کی چابیاں عنایت فرمادی تھیں (۱۰) جب آپ ﷺ کے سامنے ہدایا خمس جزیہ اور مال غنیمت کا ڈھیر لگ جاتا تھا (۱۱) اور جب آپ ﷺ کے لیے پہاڑوں کو سونا بنادینے کی پیشکش کی گئی تھی۔(۱۲)

اپنی لیڈری چمکانے کے لیے عوام کی ہمدردی خیر خواہی اور خدمت کے نعرے لگانے والے بہت مل سکتے ہیں مگر چشم فلک نے آج تک ایسا قائد نہیں دیکھا جس پر ہن برس رہا ہو اقتدار قدم چوم رہا ہو عیش و آرام کے تمام مواقع میسر ہوں مگر وہ یہ دعا کر رہا ہو اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین۔(۱۳)

المختصر پاکستان کے استحکام کے لیے سب سے پہلے جرات ایمانی اور اخلاص کی حامل قیادت کی ضرورت ہے جو ملک و قوم کے لیے عملی طور پر اخلاص کا ثبوت دے۔

عوام کی ذہن سازی

۳/ سیرت طیبہ ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض قانون اور ڈنڈے کے زور سے لوگوں کی اصلاح نہیں فرمائی بلکہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے لوگوں کے ذہن، سوچنے کے انداز اور ان کے غور و فکر کے اسلوب کو بدلا ہے۔ یہ چیز آپ ﷺ کے فرائض نبوت میں بھی داخل تھی۔(۱۴) اور یہی چیز ایمان ہے۔ اس ذہن سازی یا تربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ ﷺ کا تربیت یافتہ اور صحبت یافتہ ہر فرد آسمان ہدایت کا درخشندہ ستارہ قرار پایا۔(۱۵)

اسی انداز میں پاکستانی قوم کو اپنی اصلیت کی پہچان کرانے اور یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ﷺ ہاشمی

اغیار کے مقابلے میں احساس کمتری اور مرعوبیت کو ختم کر کے احساس برتری یا احساس خود شناسی اور خود اعتمادی پیدا کرنا ضروری ہے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
میری آنکھ کا سرمہ ہے خاک مدینہ و نجف

باہمی اتحاد و اتفاق اور بھائی چارہ کی ضرورت

ملک کے اندرونی اور بیرونی استحکام کے لیے عوام کے درمیان اتحاد و اتفاق اور بھائی چارہ کا ہونا لابدی امر ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مسلمانوں کو قومی اتحاد اور یکجہتی کی طرف متوجہ کیا گیا اور انتشار کے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے۔(۱۶)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا۔(۱۷)

ایک دوسرا ارشاد نبوی یوں ہے:

تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمّٰی۔(۱۸)

عام مشاہدہ ہے کہ جس مکان یا دیوار کی اینٹیں باہم مربوط نہ ہوں لوگ وہ اینٹیں ہی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ عرب قبائل میں جنگ و جدال اور پشت در پشت عداوت تاریخ انسانی کا ایک تاریک باب ہے مگر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باہمی عداوتوں اور نفرتوں کو ختم کر کے بھائی بھائی بنایا۔(۱۹) اور ان کے درمیان ایسی مواخات قائم فرمائی جس کی نظیر چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھی۔

پاکستان کا قیام کسی ایک صوبے کسی ایک مکتبہ فکر اور مسلک کی جدوجہد کا نتیجہ نہیں۔ تحریک پاکستان میں تمام مکاتب فکر اور جملہ مسالک کے لوگ آزادی کی جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں مگر قیام پاکستان کے بعد بعض خود غرض اور مفاد پرست عناصر نے صوبائی لسانی اور پھر مذہبی و مسلکی جزوی و فروعی اختلافات کو ہوا دے کر تشدد و تعصب اور فرقہ واریت کو جنم دیا ہے۔ اتمام حجت کے طور پر ایسے لوگوں کو حکومت سمجھائے اور انہیں اپنے رویے پر نظر ثانی کرنے کی طرف توجہ دلائے۔ اس کے باوجود اگر کوئی فتنہ پرداز ملی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرے تو بلا خوف و خطر اس کی زبان کو گدی سے کھینچ لیا جائے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

ایما رجل خرج یفرق بین امتی فاضربوا عنقہ رواہ النسائی۔(۲۰)

(جو آدمی بھی میری امت میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرے اس کی گردن ماردو)

تقریباً اسی مفہوم کا دوسرا ارشاد نبوی ہے:

من اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا ما کان۔(۲۱)

دیانت دار، اہل اور خادم انتظامیہ کا تقرر

ملکی استحکام کے لیے حکومت کے چھوٹے بڑے تمام عہدوں پر انتہائی دیانتدار' اہل' باصلاحیت اور خادم (نہ
کہ حاکم) بن کر قوم کی خدمت کرنے والے افراد کا تقرر ازبس ضروری ہے۔(۲۲) بددیانت کرپٹ اور نااہل لوگ
صرف ملک کا وقار بلند نہیں کر سکتے بلکہ ملکی سالمیت وبقاء کو بھی خطرے میں ڈال سکتے ہیں۔ اسلام میں کوئی بھی
حکومتی عہدہ ایک امانت اور انتہائی ذمہ داری کی چیز ہے دوسرے لفظوں میں کانٹوں کی سیج ہے نہ کہ پھولوں
کی۔(۲۳) کوئی حکومت اگر کسی نااہل آدمی کو کسی منصب پر فائز کرتی ہے تو قرآن مجید اسے خیانت قرار دیتا
ہے۔(۲۴) ابن تیمیہؒ نے زیادہ اہل اور مستحق شخص کے مقابلے میں کسی بھی وجہ سے دوسرے آدمی کے تقرر کو اللہ
رسول اور مومنوں کے ساتھ غداری اور بے وفائی قرار دیا ہے۔(۲۵)

عہد نبوی میں عمال اور حکومتی کارندوں کا تقرر ہمیشہ ان کی ذاتی اہلیت اور تقویٰ کی بنیاد پر کیا گیا
حضور ﷺ عمال کی تقرری سے قبل ان کا امتحان لیا کرتے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کا گورنر بنا کر
روانہ فرمانے لگے تو پوچھا تم کس طرح لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو گے ؟ انہوں نے حسب منشا جواب دیا تو انہیں
شاباش دی۔(۲۶) آگے چل کر خلیفہ راشد سیدنا فاروق اعظمؓ نے تو عمال کو تقرری سے قبل کئی چیزوں کا پابند
بنایا۔(۲۷)

پاکستان میں اب تک سرکاری ملازمتیں میرٹ اور ذاتی اہلیت کی بجائے زیادہ تر اقرباء پروری جماعتی وسیاسی
وابستگی ذاتی پسند وناپسند سفارش اور رشوت کی بنیاد پر دی گئیں اور ایسے نااہل لوگوں کو دی گئیں جن کی نااہلی کی وجہ
سرکاری ادارے تباہ ہو گئے۔ ملک میں لوٹ مار اور کرپشن اتنی عروج پر پہنچی کہ پاکستان دنیا کے کرپٹ ممالک
دوسرے نمبر پر آگیا۔(اداریہ روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۹ جولائی ۹۶) اور یہ دوسرا نمبر بھی مک مکا کر
کرایا گیا ورنہ پاکستان کرپشن میں پہلے نمبر پر تھا۔(روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۹۶) مختلف بڑے
بڑے حکومتی اداروں میں دو ارب روپے کی روزانہ کرپشن خورد برد اور ان کی زیرو بلکہ نقصان دہ اور خسارہ
کارکردگی کا اعتراف وزیراعظم پاکستان جیسے باخبر اور ذمہ دار نے علی الاعلان کیا ہے۔(۲۸) لہذا ملکی استحکام کے
ناگزیر ہے کہ حکومتی عہدوں پر صرف اور صرف میرٹ کی بنیاد پر اہل اور ایسے بے لوث لوگوں کا تقرر کیا جائے
"حکمران اور محکوم" کی سامراجی ذہنیت کی جگہ "خادم اور مخدوم" کی اسلامی سوچ رکھتے ہوں۔

تعیشات پر پابندی

ملکی عدم استحکام بلکہ زوال کا ایک بڑا سبب وہاں کی رعایا بالخصوص اہل حکومت واقتدار کا تعیشات اللّوں
تللوں شاہ خرچیوں اور رنگ رلیوں میں پڑ جانا ہے علامہ اقبالؒ نے متنبہ فرمایا تھا۔

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

سلامی نقطہ نگاہ سے کوئی آدمی حتیٰ کہ سربراہ مملکت بھی عام لوگوں کے مقابلے میں بودوباش کھانے پینے اور دوسرے سانی حقوق میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔(۲۹) وی آئی پی اور وی وی آئی پی کی تقسیم غیر اسلامی ہے۔ ی رحمت ﷺ سے بڑھ کر کون دنیا میں وی آئی پی ہو سکتا ہے اس کے باوجود اس شاہ دو عالم کے دولت کدہ میں دو دو ہینے آگ نہیں جلتی تھی۔(۳۰) آپ ﷺ کے لیے کبھی کپڑوں کا کوئی جوڑا تہہ کر کے نہیں رکھا گیا۔(۳۱) دس کھ مربع میل کے حکمران (۳۲) کی رہائش جس "ایوان صدر" یا "وزیر اعظم ہاؤس" میں تھی اس کا طول و عرض آج بھی "گنبد خضرا" سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور اس قدسی صفات سید العرب والعجم کی رہائش گاہ کے "سامان تعیش" ر "کل دنیا" کی تفصیل اور چشم دید گواہی آج بھی پڑھی جاسکتی ہے۔(۳۳)

اس کے برعکس اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمران' عوامی نمائندے' نوکر شاہی اور بیوروکریسی تو امراجی دور کی یادگار کوئی "آسمانی مخلوق" نظر آتی ہے۔ ملک عزیز میں حکمرانوں عوام کے نمائندوں اور پبلک کے میان معاشی و معاشرتی حقوق کے اعتبار سے کتنا تفاوت پایا جاتا ہے اس کی تفصیل روزنامہ نوائے لاہور مورخہ ۱۳ نوری ۹۶ء مورخہ ۲۴ جنوری ۹۶ء روزنامہ خبریں لاہور مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۹۵ء اور ہفت روزہ تکبیر مورخہ ۲ ن ۹۶ء میں دیکھی جاسکتی ہے۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۵ مارچ ۹۷ء کے مطابق پرائم منسٹر سیکرٹریٹ ے لیے پیچھے جو ایک فانوس منگایا گیا اس پر ایک کروڑ روپیہ خرچ آیا۔ یہ خبر تو مشتے از خروارے کے طور پر ہے کیونکہ ستانی حکمرانوں کی شاہ خرچیوں اور خرمستیوں کی تفصیل کا حامل یہ مضمون نہیں ہو سکتا جبکہ حضور ﷺ نے ارشاد مایا تھا: ایاك و التنعم فان عباد الله ليس بالمتنعمين۔(۳۴)

بنابریں پاکستان میں وی آئی پی کلچر کا ختم کیا جانا انتہائی ناگزیر ہے۔ ورنہ حکمرانوں کے جداگانہ اور نمایاں طرز دگی سے عوام کے ذہن میں ان کے خلاف حقارت اور نفرت میں مزید شدت آئے گی جس سے داخلی اتحاد مضمحل گا۔

عاشی و اقتصادی ترقی

آج کے دور کو معاشیات کا دور کہا جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں معاشیات کی حیثیت ہمیشہ مسلمہ رہی ہے سلام جو ایک فطری مذہب ہے' نے بھی اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ اس نے مال کو انسانوں کے لیے "مایہ زندگی" ار دیا اور فضول ضائع کرنے سے منع کیا ہے۔(۳۷) فقہاء اسلام نے آیات قرآنی کے استدلال سے حفظ مال و عدم نیع مال کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔(۳۸)

معاشی ترقی اور خود انحصاری ہی وہ چیز ہے جس کے باعث دیگر اقوام کو جو معاشی میدان میں ترقی یافتہ ہیں کسی ملک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازنہ ہونے کا موقع نہیں مل سکتا۔ پاکستان میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کی کھلم کھلا مداخلت اور معاشی پالیسیوں میں دخل اندازی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اس کی واحد وجہ ہماری احتیاج ہے۔

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

کسی ملک کی معاشی تعمیر وترقی اس ملک کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کی بنیاد اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط ہے۔ لہذا معاشی واقتصادی ترقی اور خود کفالت کے لیے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔

زرعی ترقی

کسی ملک کی خوشحالی کا راز اس کی ترقی میں پوشیدہ ہے کیونکہ روز مرہ کی غذائی ضروریات زراعت اور باغبانی ہی کی مرہون منت ہیں۔ ملک عزیز میں آٹے کا حالیہ بحران اس کا واضح ثبوت ہے۔ اس لیے ارشاد نبوی ہے۔

اطلبوا الرزق فی خبایا الارض۔(۳۹) (رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود بھی مقام جرف میں کاشتکاری کر کے امت کو زراعت کی ترغیب دی۔(۴۰)

آپ ﷺ نے آلات زراعت کو گھروں میں بند رکھنے کو ذلت وبدحالی قرار دیا۔(۴۱) کیونکہ گھروں میں آلات زراعت کو بند کرنے سے زراعت کا سلسلہ موقوف ہوگا اور قومی معیشت تباہ ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں زراعت وباغبانی کے لیے متعدد اشارات ملتے ہیں۔(۴۲) زرعی ترقی کے لیے درج ذیل اصلاحات مفید ہو سکتی ہیں۔

الف۔ موات (بنجر بے کار سرکاری زمینوں) کو آباد کرنے اور قابل کاشت بنانے کے لیے ایسے لوگوں کو مفت الاٹ کی جائیں جو انہیں آباد کریں۔ اسلام بنجر زمینوں کو کسی فرد کی ملکیت بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک تو حکومت کی ملکیت بھی تسلیم نہیں کرتا۔(۴۳) بلکہ وہ اسے اس شخص کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ جو اسے آباد کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

جو آدمی کسی مردہ (بنجر) زمین کو زندہ (آباد) کرے وہ اس کی ہے۔(۴۴)

حضور اکرم ﷺ نے خود بھی کئی صحابہ کو آباد کاری کے لیے زمینیں (جاگیریں) عنایت فرمائیں۔(۴۵)

ب۔ جن جاگیرداروں کو انگریز حکومت کے ساتھ وفاداری اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کے صلے میں

اروں ایکڑ اراضی ملی تھیں وہ بحق سرکار ضبط کر کے بے زمین کاشتکاروں کو دی جائیں۔

۔ جس زمیندار کے پاس کوئی زمین تین سال تک بے کار پڑی رہے یعنی تین سال تک آباد نہ کرے تو وہ زمین ں سے واپس لے لی جائے کیونکہ ارشاد نبوی ہے:

"اگر کوئی زمین تین سال تک خالی پڑی رہتی ہے تو اب محجر (روک رکھنے والے) کا اس پر کوئی حق یں"(۴۶)

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت بلالؓ جیسے عظیم المرتبت صحابی اور موذن رسول سے وہ زمین واپس لے تھی جو انہیں خود حضور اکرم ﷺ نے عطا کی تھی مگر دور فاروقی تک وہ اسے آباد نہیں کر سکے تھے۔(۴۷)

یوں تمام غیر مزروعہ زمینیں آباد ہو سکتی ہیں اور جاگیر داری نظام کو بھی توڑا جا سکتا ہے۔

زراعت کے میدان میں بہتر نتائج کے لیے نظام آبپاشی کی اصلاح و ترقی کی طرف بھی خصوصی توجہ درکار ہے۔ زراعت اور انسانی زندگی میں پانی کی انتہائی اہمیت کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ نے پانی کو سارے مسلمانوں کی ترکہ ملکیت قرار دیا ہے۔(۴۸) سمندروں دریاؤں قدرتی چشموں حوضوں اور کنوؤں کے پانی پر کسی کی ملکیت ں۔(۴۹) جن صورتوں میں پانی پر شخصی ملکیت کو جائز رکھا گیا ہے وہاں بھی زائد از ضرورت پانی کو روک رکھنے پہنچنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔(۵۰)

۔ زرعی ترقی کے لیے کاشتکاروں کو ضروری اور مناسب سہولتیں فراہم کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ زرعی مقاصد کے لیے قرضے، آلات زراعت (ٹریکٹر وغیرہ) اور بیجوں کی فراہمی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکومت میں آلات زراعت اور بیجوں کی فراہمی حکومت کی طرف سے کی گئی۔(۵۱) زرعی اجناس کی فروخت ے لیے آڑھتیوں کا واسطہ ختم ہونا چاہیے۔

نعت و حرفت

معاشی استحکام اور وسائل معیشت میں صنعت و حرفت کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں صنعت رفت جو عمرانی اور تہذیبی لحاظ سے نہایت قابل اعتماد اور مستحکم ذریعہ معیشت ہے، کو ذریعہ معاش بنانے کے ارات ملتے ہیں۔(۵۲) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا ں۔(۵۳) آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس مسلمان کو پسند کرتا ہے جو صنعت و حرفت کرتا اور کماتا ہے۔(۵۴)

غذائی اجناس اور ضروری مصنوعات میں دوسرے ملکوں کی محتاجی کسی حالت میں بھی کسی ملک کے لیے ش آئند امر نہیں یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسلام نے ہر ایسی چیز کی تعلیم اور اس کی تیاری (صنعت) کو فرض (فرض یہ) قرار دیا ہے جو مسلمانوں کی دنیوی ضروریات اور مادی زندگی کے لیے لابدی ہے۔(۵۵) موجودہ دور میں صنعتی

ترقی اس لیے بھی ناگزیر ہے کہ آج کل دفاعی قوت کا دارومدار صنعتی ترقی پر ہے اور جدید آلات حرب اور دفاعی سا
کی تیاری صنعتی ترقی ہی سے وابستہ ہے اور اسلام مسلمانوں کو دفاعی قوت واستحکام کے لیے ہر قسم کی تیاری کا حکم
ہے۔(۵۶) چونکہ یہ مقصد صنعتی ترقی فولاد ایٹمی توانائی اور بجلی کی طاقت جیسی بنیادی صنعتوں کو فروغ دیے بغ
حاصل نہیں کیا جاسکتا اس لیے ان چیزوں (صنعتوں) کا اہتمام بھی لازم قرار پائے گا۔ کیونکہ فقہی قاعدہ ہے کہ "
کسی شرعی فریضہ کی ادائیگی اگر کسی دوسرے کام پر موقوف ہو تو وہ کام بھی فرض ہو جاتا ہے"۔(۵۷)

لہذا صنعتی یونٹ میں ترقی کے لیے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کو ہر ممکن سہولت اور تحفظ فراہم ک
انتہائی ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملکی مصنوعات پر خریدار کے اعتماد کو بحال کرنے کے لیے مصنوعات
معیار پر کڑی نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

تجارت میں فروغ

تجارت (تبادل منافع)(۵۸) تحصیل مال اور اقتصادی ترقی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں
آیات میں تجارت کی ترغیب دی گئی ہے۔(۵۹) تجارت کے فروغ اور اس میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے نبی ا
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بے شمار دنیوی فوائد اور برکات بتائی ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں "کتاب البیوع" و
اس پر شاہد ہیں۔ خود بھی تجارت فرما کر اس پیشہ کو اعزاز بخشا۔(۶۰) اسلام میں تجارت سے مقصود محض نفع ک
نہیں بلکہ انسانی ہمدردی باہمی تعاون اور خدمت خلق ہے مادی منفعت ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے
رحمت ﷺ نے تجارت میں ان تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے جن میں لوگوں کا استحصال ہوتا اور ان کے
کسی قسم کی زیادتی یا دھوکہ ہوتا ہو تفصیل کے لیے صحاح ستہ اور مشکوٰۃ وغیرہ میں کتاب البیوع کو دیکھا جاسکتا ہے۔

المختصر معاشی ترقی واستحکام کے لیے ضروری ہے کہ :

i۔ اندرون و بیرون ملک تجارت کے فروغ کے لیے کاروباری لوگوں کو تمام ممکنہ مراعات اور تحفظ فراہم
جائے اور ان پر ناروا ٹیکس عائد کرنے سے گریز کیا جائے کیونکہ ٹیکس کی زد بھی بالآخر صارفین پر ہی پڑتی ہے۔

ii۔ کاروباری معاملات کی نگرانی اور ہر قسم کی بدعنوانیوں اور استحصال کے خاتمہ کے لیے دیانتدار افرا
مشتمل ایک ادارہ قائم کیا جائے جو ناپ تول میں کمی ملاوٹ ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع خوری وغیرہ جیسی خرابیو
ازالہ کرے۔ مصنوعات کے مطلوبہ معیار اور ان کی تیاری کے طریقوں پر کڑی نگاہ رکھے اور بدعنوانی کے مرتک
افراد کا سختی سے محاسبہ کرے۔

iii۔ ہر قسم کے معاہدوں سے پیدا ہونے والی اجارہ داریوں کو ممنوع قرار دیا جائے جن کے ذریعے بڑ
صنعتکار اور تاجر باہم سمجھوتہ کر کے اشیاء کی من مانی قیمتیں مقرر کرتے ہیں اور عوام آزاد مقابلہ سے مستفید نہیں

سامان تعیش اور شرعی نقطہ نگاہ سے ناجائز اور حرام اشیاء کی تیاری اور درآمد پر پابندی عائد کی جائے۔

...ت کی منصفانہ تقسیم

معاشی ترقی واستحکام کے لیے لازمی ہے کہ ملک میں دولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام کیا جائے۔ اسلامی ... نظر سے مال ودولت خواہ کسی شکل میں ہو اللہ کا پیدا کردہ اور اصلاً اسی کی ملکیت ہے۔(٦١) انسان کے پاس جو کچھ ... دولت زمین اور گھربار ہے اس میں اس کی حیثیت نائب اور خلیفہ کی ہے نہ کہ خود مختار مالک کی۔(٦٢) پھر اللہ ... نے معاش کے اندر جو تفاوت اور اونچ نیچ رکھی ہے اس کے اندر کئی تکوینی مصلحتیں اور بندوں کا امتحان ...۔(٦٣) ایک روایت کے مطابق بعض لوگوں کی غربت اور تنگ دستی اس لیے نہیں کہ (العیاذ باللہ) ان کے دینے ... لیے اللہ کے پاس کچھ چانہیں بلکہ اس سے مالداروں کی آزمائش مقصود ہے کہ وہ اپنے مال میں اللہ کی طرف سے ... کردہ غرباء ومساکین کے حقوق کو کہاں تک پورا کرتے ہیں۔(٦٤) پتہ چلا کہ مال کے اندر تفاوت تکوینی مصالح ... تحت ہے نہ کہ تشریعی حکم کے تحت اور ہم تکوینی نظام کے نہیں بلکہ تشریعی نظام کے مکلف ہیں۔ شریعت کہتی ... کہ دولت کو کسی خاص طبقہ یا چند ہاتھوں میں محدود اور سمٹ کر نہیں رہ جانا چاہیے۔(٦٥) بلکہ یہ دولت ایسے ... تک بھی پہنچنی چاہیے جو پیدائش دولت کے عمل میں اگرچہ براہ راست تو حصہ نہیں لیتے مگر دولت کے حقیقی اور ... مالک رب کریم نے ان کے حقوق بھی دولت میں رکھے ہیں۔(٦٥ الف) ایسے افراد ماں باپ اولاد قریبی رشتہ ... یتیم محتاج فقراء ومساکین سائل مسافر اور مقروض وغیرہ شامل ہیں۔(٦٦)

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے شریعت مصطفوی نے ایک طرف تو ان راستوں کو محدود کرنے کا حکم دیا ... جن کے ذریعے دولت کا بہاؤ کسی فرد واحد یا معاشرے کے ایک مخصوص طبقہ کی طرف مڑ جائے۔ دوسری ... زکوٰۃ صدقات نفقات کفارات وصیت وراثت وقف اور ھبہ وغیرہ جیسے واجبی اور نفلی احکام دیے ہیں جن کے ... یعے دولت مستحقین اور ضرورتمندوں تک پہنچتی رہتی ہے۔ یہ بات عدل وانصاف اور اسلامی مزاج کے خلاف ہے ... نسانی معاشرے میں لوگوں کی صورتحال کچھ یوں ہو کہ۔

ہے اُدھر بھی آدمی' ہے ادھر بھی آدمی
اس کے جوتے پر چمک' اس کے چہرے پر نہیں

... کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ مضر کے ننگے پاؤں ننگے جسم اور افلاس زدہ لوگوں کو دیکھا تو پریشان ہوگئے اور اس ... تک چین نہ آیا جب تک کہ ان کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات کا اہتمام نہ ہو گیا(٦٧) آپ ﷺ نے ... امر کو ایمان کے منافی قرار دیا ہے کہ ایک آدمی خود تو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی رات بھوکے ہی

گزارے۔(٦٨)ایک دفعہ ایک ضرورت مند کو دیکھ کر فرمایا"جس آدمی کے پاس فاضل سواری ہو وہ اس آدمی کو دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل زادراہ ہے وہ اس بھائی کو دے دے جس کے پاس زادراہ نہیں۔ راوی (حضرت ابو سعید خدریؓ) کہتے ہیں: آپ نے اسی طرح مختلف احوال کا ذکر کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے فاضل (زائد) مال میں کوئی حق نہیں۔(٦٩)

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے دو کام بنیادی اہمیت کی حیثیت رکھتے ہیں ایک تو معاشی نظام سے سود کا خاتمہ۔ شرعی نقطہ نگاہ سے ہر طرح کا سود احرام اور اللہ ورسول سے جنگ تو ہے ہی۔(٧٠) عقلی اعتبار سے بھی ایسی قباحت "ام الخبائث" یا ایسا "مردار" ہے کہ جب تک اس کو نہیں نکالا جائے گا نظام معیشت کا "کنواں" پاک نہیں ہوگا۔ موجودہ اضطراری حالات میں ایک خاص وقت تک تو سودی نظام کی گنجائش ہو سکتی ہے مگر مستقلاً اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی نہ شرعاً نہ قانوناً نہ اخلاقاً۔

دوسرا کام نظام زکوٰۃ کا موثر بھرپور اور دیانتدارانہ نفاذ ہے۔ لنگڑے لولے اور برائے نام نظام زکوٰۃ سے معاشی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ پروردگار عالم نے مسلمانوں پر اس کو ایسے ہی فرض قرار نہیں دیا۔ یہ ملک کے اندر غربت افلاس تنگدستی اور معاشی بدحالی کا سب سے بڑا علاج (یا آپریشن) ہے ارشاد نبوی ہے:

"یہ زکوٰۃ اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور (اسی علاقے کے) فقراء پر خرچ کی جائے گی"(٧١)

پاکستان میں پائے جانے والے حد درجہ معاشی تفاوت کو ختم کرنے اور ضرورت مندوں کی کم از کم بنیادی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے موجودہ نظام زکوٰۃ میں اصلاح پھر دیانتدارانہ وصولی اور دیانتدارانہ تقسیم ضروری ہے۔ باقی سارے اقدامات ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ اس لیے کہ ۔

کس نہ گردد درجہاں محتاج کس
نکتہ شرع مبیں ایں است و بس

قانون کی بالادستی اور بے لاگ انصاف

ملکی استحکام میں قانون کی بالادستی اور بے لاگ انصاف کو بھی کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ حکومت افراد کی نہیں بلکہ قانون کی ہونی چاہیے۔ قرآن مجید کے مطابق نفاذ قانون میں مجرمین کی ذاتی اور معاشرتی حیثیت کو نہیں دیکھا جانا چاہیے۔(٧٢) ازوشیر شہنشاہ ایران نے اپنے بیٹے سے کہا تھا:

ان الملك و العدل اخوان لاغنى باحدهما عن الآخر فا لملك اس و العدل حارس۔(٧٣)

بے شک ملک اور عدل آپس میں بھائی ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے ملک بنیاد ہے تو عدل نگہبان۔

King can do no wrong انگریزی قانون کا اصول ہے اسلامی قانون کا اصول نہیں۔ اسلام میں

ے سے بڑا آدمی اور عالی منصب قانون سے بالاتر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خود اپنی ذات کے خلاف ...رٹ اور دیوانی دونوں قسم کے متعدد مقدمات سنے اور مدعیوں کے حق میں فیصلے فرمائے۔ (۷۴) نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد یہود اور دوسرے قبائل سے جو ایک تحریری معاہدہ "میثاق مدینہ" مرتب فرمایا ...ما اس کی دفعہ نمبر ۱۳ یہ تھی کہ "متقی ایمان والوں کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی ...ے یا استحصال بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے اور ان کے ہاتھ ...ب مل کر ایسے شخص کے خلاف اٹھیں گے خواہ وہ ان میں کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو"۔ (۷۵)

یہ دفعہ صرف کاغذی اور زبان کی حد تک نہ تھی بلکہ آپ نے زندگی بھر اس پر عمل بھی فرمایا۔ فتح مکہ کے ...قع پر قریش کی ایک معزز خاتون پر چوری کا جرم ثابت ہونے پر اسے سزا سے بچانے کے لیے آپ کے محبوب ترین ...ام زادے حضرت اسامہؓ نے سفارش کی تو فرمایا تم سے پہلی امتیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ بڑوں کو قانون سے بالاتر ...جھا جاتا تھا اور چھوٹے لوگوں کو پکڑ لیا جاتا تھا۔ پھر فرمایا:

"لو سرقت فاطمة بنت محمد ﷺ لقطعت يدها" (۷۶) اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس ...ہاتھ کاٹ دیتا حضور ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور خلفائے اسلام نے قانون کی بالادستی اور قانونی مساوات کی ...مثالیں قائم کیں۔ پاکستان میں بعض حکام بالا کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہونے سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ ...ون شکن لوگ اپنے سیاسی منصبی یا مالی اثر و رسوخ سے قانون کی زد سے بچ جاتے ہیں جس کی وجہ سے مجرمین کی ...صلہ شکنی کی جائے حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک عزیز میں نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال نہ ...ت۔ قتل ڈکیتی لوٹ مار اور عصمت دری کے واقعات سے روزانہ کے اخبارات بھرے ہوتے ہیں حالانکہ نبی ...ب ﷺ نے ان چیزوں کو اسی طرح قابل احترام قرار دیا ہے جس طرح بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کا شہر قابل احترام ...ہے۔ (۷۷)

پھر اگر کوئی کہیں عدالت میں پہنچ جاتا ہے تو حصول انصاف اتنا پیچیدہ مشکل مہنگا اور صبر آزما ہے کہ اس ...ے لیے مولانا حامد الانصاری کے الفاظ میں "قارون کا خزانہ، جھوٹے گواہوں کی فوج، رشوت کی تھیلیاں، عمر نوح اور ...رایوب کی ضرورت ہے" (۷۸)

لہٰذا قانون کی بالادستی اور بے لاگ انصاف کے لیے عدالتوں میں جہاں دیانتدار اور جرات مند ججوں کا ...ر ضروری ہے وہاں عدالتوں کو ہر قسم کے سیاسی دباؤ اور حکومتی مداخلت سے آزاد ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں ...نظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی بھی ضروری ہے۔ اور عدالتی فیصلوں پر عملدرآمد کرنا اور کرانا بھی حکومت کا فرض ہے۔

مضبوط دفاعی و حربی قوت

کسی بھی ملک کے استحکام اور باعزت بقاء کے لیے اس کے نظام دفاع و حرب کا مضبوط ہونا ہر زمانے میں ایک لازمی تقاضا رہا ہے۔ کیونکہ انسانی نفسیات ہے کہ کسی حملہ آور انسان کو اگر یہ معلوم ہو کہ جس آدمی یا ملک پر وہ حملہ کرنے لگا ہے وہ غافل کمزور اور چوڑیاں پہن کر نہیں بیٹھا ہوا بلکہ پوری طرح مسلح مضبوط اور تیار ہے تو وہ حملہ کرنے سے پہلے دس بار سوچے گا اور اگر کوئی ملک دفاع کی ذاتی قوت و صلاحیت نہیں رکھتا تو بقول حکیم مشرق

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

اس لیے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دفاعی میدان میں دشمن کے مقابلے میں بھرپور تیاری حفاظتی تدابیر اور تمام ممکنہ وسائل اپنانے کی تاکید کی ہے تاکہ کسی دشمن اسلام کو مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھنے کی بھی جرات نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

یایھا الذین امنوا خذوا حذر کم (۷۹) (اے ایمان والو اپنی احتیاط کر لو یا اپنے ہتھیار تیار رکھو)

مفسرین کے مطابق "حذر" کا مفہوم بہت وسیع و جامع ہے ہر وہ چیز جو دشمن سے بچاؤ کے کام میں آتی ہے اس میں شامل ہے۔ دفاع اور جنگی تیاریوں کے سلسلے میں حکم الٰہی ہے:

"اور ان (دشمنان اسلام) سے مقابلہ کے لیے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان درست رکھو طاقت سے اور جہاد کے لیے پلے ہوئے گھوڑوں سے جس کے ذریعے تم خوف زدہ رکھ سکو اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کو جن کو تم نہیں جانتے ہو مگر اللہ انہیں جانتا ہے" (۸۰)

زمخشری بیضاوی راضی اور ابوبکر جصاص وغیرہ حضرات مفسرین کرامؒ نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں "ما" اور "قوۃ" کا لفظ عام ہے جس میں قیامت تک تیار ہونے والے ہر زمانے کے جنگی تقاضوں کے مطابق جدید آلات حرب اور سامان جنگ داخل ہے جو اپنے زمانے میں دشمن کے خلاف طاقت حاصل کرنے اور اس پر خوف طاری رکھنے کا ذریعہ بن سکے۔ اسی طرح "رباط الخیل" سے مراد وہ تمام اسباب و وسائل ہیں جن سے میدان جنگ میں دشمن کو نیچا دکھایا جا سکے۔

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے دس سال دشمنان اسلام سے عملاً جہاد یا جہاد کی تیاری میں گزرے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ فرماتے ہیں:

"آپ ﷺ ہمیشہ لوگوں کو ورزش کی ترغیب دیتے تھے۔ نشانہ بازی کی مشق بھی دلاتے، خود بھی وہاں جاتے اور اپنے سامنے گھڑ دوڑ کراتے۔ مقریزی نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانچ اول آنے والے

گھوڑوں کو انعام دیا کرتے تھے...... اس کے ساتھ آپ ﷺ نے ہتھیاروں گھوڑوں اور اونٹوں کے خریدنے کی طرف بھی توجہ فرمائی"(۸۱)

آپ ﷺ نے اپنے زمانے کے جدید آلات حرب مثلاً دبابہ منجنیق اور حسق وغیرہ کا بھی استعمال فرمایا۔(۸۲)

دور جدید کے جنگی ہتھیاروں میں ایٹم بم سب سے زیادہ طاقتور ہتھیار تصور کیا جاتا ہے۔ ایٹمی طاقتیں بالخصوص امریکہ آج کل اپنے نیو ورلڈ آرڈر کے تحت ایٹمی تجربات پر پابندی کے جامع سمجھوتہ (CTBT) پر تمام ممالک سے دستخط کرانے کی مہم چلا رہا ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان کو بھی دستخط کرنے پر سبز باغات دکھائے جارہے ہیں جبکہ یہ دستخط درحقیقت قومی سلامتی اور ملکی و دفاعی تقاضوں کو پیش نظر اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ پاکستان نے اگر ایٹمی طاقت بننے کی صلاحیت حاصل کرلی ہے تو یہ کون سا جرم ہے کیونکہ ایٹمی طاقت بننا اگر اصلاً جرم ہے تو امریکہ سب سے بڑا مجرم ہے روس بھی مجرموں کی صف میں شامل ہے۔ اسرائیل بھی اسی کٹہرے میں کھڑا ہے۔ برطانیہ چین اور فرانس بھی اس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں بھارت بھی ایٹمی تجربہ کرکے بیٹھا ہوا ہے۔ بھارت پاکستان پر تین مرتبہ جارحیت کا مرتکب ہو چکا ہے۔ بھارت کی کھلم کھلا جارحیت کے باوجود انسانی حقوق اور امن عالم کا کوئی چیمپئن پاکستان کی مدد کے لیے نہ آیا۔ ایسے حالات میں "وٹہ سٹہ" کی طرح "بھارت دستخط کرے تو ہم بھی دستخط کردیں گے"۔ کی رٹ قطعاً قرین مصلحت نہیں۔ صاف اعلان کردینا چاہیے کہ بھارت دستخط کرے یا نہ کرے پاکستان کسی صورت میں بھی سی ٹی بی ٹی پر دستخط نہیں کرے گا۔

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

حوالہ جات

۱۔ سورۃ آل عمران: ۹۱

۲۔ سورۃ البقرۃ: ۸۵۔۲۰۸

۳۔ سورۃ الشوریٰ: ۱۳ سورۃ النساء ۱۶۳۔۱۶۵

۴۔ سورۃ المائدۃ: ۳

۵۔ A) Muhammad Iqbal "Speeches and statements of Iqbal"

B) Muhammad Ali Jinnah "Some Recent Speeches and writting

of Mr. Jinnah" Lahore P.18,366,367

۶۔ عامہ کتب سیرت ابن ہشام ابن کثیر ابن سعد وغیرہ

۷۔ (الف) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ۱: ۲۰۲ بیروت ۱۹۶۰ء

(ب) تاریخ طبری: ۲: ۳۲۴ طبع مصر ۱۹۶۱ء

۸۔ صحیح بخاری: ۱: ۳ طبع کرزنی پریس دہلی

۹۔ ڈاکٹر حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۲۴۴ کراچی

۱۰۔ "قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض" صحیح بخاری: ۲: ۹۵۱ طبع دہلی

۱۱۔ (الف) خفاجی: نسیم الریاض شرح الشفاء: ۱: ۷۴ تا ۷۴ مصر

(ب) ماوردی: اعلام النبوہ: ۲۱۱ طبع مصر

(ج) واقدی: کتاب المغازی: ۳: ۹۴۳ آکسفورڈ

۱۲۔ (الف) الفتح الربانی ترتیب مسند احمد: ۲۲: ۸ بیروت

(ب) مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۴ طبع سعید کمپنی کراچی

(ج) قسطلانی: المواہب اللدنیہ: ۲: ۸۹ بیروت

(د) طبقات ابن سعد: ۱: ۸۱ بیروت

۱۳۔ (الف) جامع ترمذی ص ۳۴۰ طبع نور محمد کراچی

(ب) قسطلانی: المواہب اللدنیہ: ۲: ۹۱ بیروت

۱۴۔ سورۃ آل عمران: ۱۶۴، سورۃ الجمعۃ: ۲

۱۵۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۴ طبع سعید کمپنی کراچی

۱۶۔ سورۃ آل عمران: ۱۰۳۔۱۰۵، سورۃ الانعام ۱۶۰، سورۃ الانفال ۴۶، سورۃ الشوریٰ: ۱۳

۱۷۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲۴ طبع کراچی

۱۸۔ ایضاً ص ۲۲۴

۱۹۔ سورۃ آل عمران: ۱۰۳

۲۰۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰۸ طبع سعید کمپنی کراچی

۲۱۔ ایضاً ص ۳۲۰

۲۲۔ ایضاً ص ۳۴۰ (سید القوم خادمہم)

۲۳۔ (الف) صحیح مسلم (باب کراہۃ الامارۃ) ۲: ۱۲۱ طبع کراچی
(ب) امام ابو یوسف: کتاب الخراج: ۹ طبع بیروت
(ج) کنز العمال جلد ششم حدیث نمبر ۶۸۔۱۲۲

۲۴۔ سورۃ الانفال: ۲۷

۲۵۔ ابن تیمیہ: سیاست الہیہ (اردو) ص ۷ الاہور طبع اول

۲۶۔ جامع ترمذی (کتاب الاحکام) ص ۲۱۰ طبع نور محمد کراچی

۲۷۔ کتاب الخراج لامام ابی یوسف: ۱۱۶ طبع بیروت

۲۸۔ ریڈیو ٹی وی پر قوم سے خطاب مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۹۷ء

۲۹۔ (الف) ابو عبید: کتاب الاموال (اردو) ۱: ۳۴۷ طبع اسلام آباد
(ب) دربار قیصر میں معاذ بن جبل کی تقریر (فتوح الشام ازدی ص ۱۰۵ کلکتہ)

۳۰۔ (الف) صحیح بخاری: ۲: ۹۵۶ طبع دہلی
(ب) صحیح مسلم: ۲: ۴۰۱ طبع کراچی
(ج) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳: ۴۲۹ طبع کراچی
(د) صحیح ابن حبان: ۹: ۸۸ طبع شیخوپورہ پاکستان

۳۱۔ (الف) سیرت النبویہ لابن کثیر: ۴: ۳۱۷ طبع قاہرہ
(ب) سیرت حلبیہ: ۳: ۴۵۱، ۴۵۲ طبع مصر
(ج) امام احمد بن حنبل: کتاب الزہد: ص ۶۹ دار الفکر
(د) الماوردی: اعلام النبوہ: ۱۹۹ طبع ازہر مصر
(ہ) ابن جوزی کتاب الحدائق: ۲۹۷ بیروت

۳۲۔ ڈاکٹر حمید اللہ: عہد نبوی میں حکمرانی ص ۴۴ طبع کراچی

۳۳۔ (الف) صحیح بخاری: ۱: ۴۴۵ طبع دہلی
(ب) صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱: ۴۸۰ طبع کراچی
(ج) امام احمد کتاب الزہد: ص ۹۷ دار الفکر
(د) مسند ابی یعلی: ۱: ۱۱۱، ۱۱۲
(ہ) بیہقی: دلائل النبوۃ: ۱: ۳۳۵ بیروت مکتبہ اثریہ لاہور

۳۴۔ مشکوۃ (باب فضل الفقراء) ۴۴۹ طبع کراچی

۳۵۔ سنن ابی داؤد (کتاب الادب) ۲ : ۷۱۱ اصح المطابع کراچی

۳۶۔ سنن ابی داؤد (کتاب اللباس) ۲ : ۵۷۲ طبع کراچی

۳۷۔ سورۃ النساء : ۵

۳۸۔ جصاص : احکام القرآن تحت آیت

۳۹۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد للہیثمی (باب الکسب والتجارۃ والحث علی طلب الرزق) جلد چہارم، قاہرہ

۴۰۔ المبسوط للسرخسی : ۲۲ : ۲

۴۱۔ بخاری : کتاب الزراقہ

۴۲۔ سورۃ الکہف : ۳۲_۳۳ سورۃ الواقعہ ۶۳_۶۴

۴۳۔ مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۲۸ : ۵۸۶

۴۴۔ (الف) صحیح بخاری : ۱_۳۱۴ طبع کراچی

(ب) کتاب الخراج للامام ابی یوسف ص ۶۵_۶۴ بیروت

(ج) المحلی لابن حزم ۸_۲۳۶ مسئلہ ۱۳۴۸ مصر

(د) سنن ابی داؤد ۲ : ۴۳۷ طبع کراچی

(ہ) زیلعی : نصب الرایہ (کتاب الغصب)

۴۵۔ (الف) کتاب الخراج لیحیی ابن آدم ص ۹۳ طبع بیروت

(ب) ابو عبید : کتاب الاموال (اردو) ۱ : ۴۶۱ طبع اسلام آباد

(ج) سنن ابی داؤد ۲ : ۴۳۵ طبع کراچی

۴۶۔ بدائع الصنائع للکاسانی۔ ۶ : ۱۹۴

۴۷۔ (الف) سنن ابی داؤد۔ ۲ : ۴۳۵ طبع کراچی

(ب) کتاب الاموال (اردو) ۱ : ۴۶۱ اسلام آباد

(ج) یحییٰ ابن آدم : کتاب الخراج ص ۹۳ بیروت

۴۸۔ (الف) سنن ابی داؤد ۲ : ۴۹۲ طبع کراچی

(ب) المبسوط للسرخسی ۱۲ : ۱۶۴

۴۹۔ کاسانی : بدائع الصنائع (کتاب الشرب) ج ۶

۵ـ (الف) صحیح مسلم ۲ : ۱۸ طبع کراچی
(ب) سنن ابی داؤد ۲ : ۴۹۲ طبع کراچی
(ج) جامع ترمذی ص ۲۰۴ طبع کراچی
(د) یحییٰ ابن آدم کتاب الخراج ص ۱۰۷ بیروت

۵ـ طحاوی : شرح معانی الآثار ۲ : ۲۶۱ طبع دہلی

۵ـ سورۃ الحدید ۲۵ ' سورۃ الاعراف ۲۶ ' سورۃ النمل ۴۴ ' سورۃ سبا : ۱۱ـ۱۰

۱۵ـ مشکوۃ ص ۲۴۱ طبع کراچی

۵ـ امام غزالی ـ احیاء علوم الدین (باب فضل الکسب) ۲ : ۶۳

۵ـ شاہ ولی اللہ : حجۃ اللہ البالغہ (ابواب طلب الرزق) جلد ۲

۵ـ سورۃ الانفال : ۶۱

۵ـ الآمدی : الاحکام فی اصول الاحکام ۱ : ۱۵۸

۵ـ مجلۃ الاقتصاد الاسلامی عدد ۷ ۴ ص ۶ شوال ۱۴۱۵ھ

۵ـ سورۃ الجمعۃ : ۱۰ ' سورۃ النساء : ۲۹ ' سورۃ الفاطر : ۱۲ ' سورۃ البقرۃ : ۱۶۴ـ۱۹۸ـ۲۷۵

۲۰ـ (الف) سیرت حلبیہ ۱ : ۱۲۱ تا ۱۲۳ طبع مصر
(ب) طبقات ابن سعد ۱ : ۱۲۱ طبع بیروت

ـ سورۃ المومنون ۸۴ ' ۸۵ ' ۸۸ ' سورۃ البقرۃ : ۲۸۴ ' سورہ نور : ۳۳

۲۲ـ سورۃ الحدید : ۷ : (ب) تفسیر کبیر للرازی : ۲۹ : ۲۱۶ مصر

۲۳ـ سورۃ الانعام آخری آیت سورۃ الزخرف : ۳۲

۲۴ـ کنز العمال : ۳ : ۲۹۳ حدیث نمبر ۴۸۶ حیدر آباد

۲۵ـ (الف) سورۃ الحشر : ۷

۲۵ـ (ب) سورۃ الذاریات : ۱۹

۲۶ـ سورۃ البقرۃ : ۸۳ ' ۱۷۷ ' ۲۱۵ ' سورۃ التوبۃ : ۶۰

۲۷ـ صحیح مسلم ۱ : ۳۲۷ قدیمی کتب خانہ کراچی

۲۸ـ مشکوۃ ص ۴۴۴ طبع سعید کمپنی کراچی

۲۹ـ صحیح مسلم ۲ : ۸۱ ابو داؤد کتاب الزکوۃ باب حقوق المال

۷۰۔ سورۃالبقرۃ: ۲۷۹

۷۱۔ صحیح بخاری (کتاب الزکوۃ) ۱: ۲۰۳ طبع دہلی

۷۲۔ سورۃالنساء: ۱۳۵ 'سورۃالبقرۃ: ۱۷۸ '۱۷۹ المائدۃ ۳۳۔۳۸

۷۳۔ ابن عبدربہ: العقد الفرید ۱: ۲۷

۷۴۔ ڈاکٹر حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۱۱۶۔ ۱۷۵ طبع اردو اکیڈمی سندھ کراچی

۷۵۔ ایضاً ص ۱۰۱۔۱۰۰

۷۶۔ صحیح بخاری: ۱: ۴۹۴ دہلی

۷۷۔ (الف) سنن ابن ماجہ (ابواب الفتن) ص ۲۹۰ طبع دہلی

(ب) جامع ترمذی ص ۲۹۷ کراچی

(ج) مشکوۃ ص ۲۲۵ کراچی

۷۸۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۳۸۶ مکتبہ الحسن لاہور

۷۹۔ سورۃالنساء: ۷۱

۸۰۔ سورۃالانفال: ۶۰

۸۱۔ خطبات بہاولپور ص ۲۴۲۔ ۲۴۳ طبع اسلام آباد

۸۲۔ (الف) السہیلی: روض الانف فصل ذکر تعلیم اہل الطائف

(ب) مقریزی 'امتاع الاسماع ص ۱۸۴ مطبعۃ التالیف ۱۹۴۱ء

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ سے حاصل ہو سکتی ہے

معین الدین ہاشمی، راولپنڈی

کسی بھی عمارت کے استحکام کے لیے سب سے اہم بنیادی تقاضا اس کی بنیاد کی مضبوطی اور استحکام کا ہوتا ہے۔ بنیادوں سے بے نیاز عمارتیں اپنی تزئین و آرائش کے حوالے سے کتنی ہی دلکش کیوں نہ ہوں مستحکم نہیں ہوتیں یہ ایک ایسا جامع اصول ہے کہ اسے ظاہری عقل و منطق کے حوالے سے پرکھا جائے یا باطنی بصیرت اور وجدان کے حوالے سے، اپنی حقانیت ثابت کرتا ہے۔

پاکستان کے حصول کا مقصد نہ تو ایک جغرافیائی خطہ تھا اور نہ ہی لسانی و نسلی بنیادیں بلکہ اس کے حصول اور مقصد میں وہی قدر مشترک تھی جو عہد نبوی ﷺ میں اسلامی ریاست کی تھی۔ چنانچہ پاکستان کے حصول اور استحکام کے لیے کوئی بنیاد ممکن ہی نہیں سوائے اس کے کہ اسے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بنیاد پر استوار کیا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ تصور پاکستان سے لے کر حصول پاکستان تک ہر جگہ اسی کو بنیاد بنایا گیا اور جس چیز کو تصور پاکستان سے قیام پاکستان تک بنیاد سمجھا گیا اسی کا کھوکھلا ہونا عدم استحکام اور اس کا مضبوط ہونا استحکام پاکستان کی بھی واحد صورت ہے اور یہ بات اصولی طور پر کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ نہ صرف بہترین رہنمائی بلکہ واحد بہترین رہنمائی صرف اور صرف سیرت طیبہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر\
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

رسول اللہ ﷺ نے انتہائی نامساعد حالات میں ایک مملکت کی بنیاد رکھی اور پھر انتہائی قلیل عرصہ میں اس

مملکت کو معاشرتی' اقتصادی' سیاسی' اخلاقی اور دفاعی استحکام بھی عطا کیا۔ آئندہ صفحات میں ان مثالوں سے استحکام پاکستان کے لیے استفادہ کی صورتیں متعین کی جائیں گی۔

صحت مند معاشرے کا قیام

کوئی ملک اس وقت تک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا جب تک وہاں ایک اچھے اور درست سمت چلنے والے یعنی صحت مند معاشرے کے قیام کو ممکن نہ بنایا جائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسے معاشرے سے پالا پڑا تھا جہاں مادہ پرستی اپنے عروج پر تھی۔ معاشی ترقی کے حصول' سیاسی اقتدار اور ظاہری عزوجاہ کی خاطر لوگ کچھ بھی کرنے کو تیار رہتے تھے۔ عہد حاضر کے معاشرے میں بھی یہ جاہلی اقدار کسی حد تک اس معاشرے سے اپنے ڈانڈے ملانے کے سفر پر ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے معاشرے کو درست سمت پر چلانے کے لیے خصوصی کوششیں کیں۔

معاشرتی صحت واستحکام کے لیے چند بنیادی اصول سیرت النبی ﷺ سے ثابت ہیں جن کی طرف توجہ دینی انتہائی ضروری ہے۔

۱۔ اخلاقی تعلیم وتربیت

۲۔ حقوق وفرائض کا صحیح تعین

۳۔ بلاامتیاز عدل وانصاف

۴۔ مقاصد کا واضح اور درست تعین اور ان کے حصول میں قومی یکجہتی

اخلاقی تعلیم وتربیت

معاشرے میں نافذ کی جانے والی اصلاحات' خواہ ان کا تعلق سیاست ومعیشت سے ہو یا وہ کسی اور قانونی پہلو سے متعلق ہوں۔ اس وقت تک نافذ نہیں کی جاسکتیں جب تک معاشرے سے اخلاقی برائیوں کا خاتمہ نہ کر دیا جائے۔ قانون کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو اور قانون نافذ کرنے والے ادارے کتنے ہی مستعد کیوں نہ ہوں۔ لوگ اس وقت تک نہیں سدھرتے جب تک ان میں ایمانی جذبہ بیدار کر کے اور مادہ پرستی کے رجحان کو خارج کر کے انہیں اچھا انسان نہ بنادیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایک ایسے معاشرے میں ہوئی جس کی حالت ہر اعتبار سے ابتر تھی۔ چنانچہ سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے تمام تر مکی زندگی اور پھر مدنی زندگی میں اخلاقی درستگی کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ اس بات پر آپ ﷺ کا زیادہ زور تھا کہ افراد کی ذہنی واخلاقی تربیت ہو۔ اور قانون وریاست کی کم سے کم

...ات کے ساتھ بھی وہ صحیح راستے پر چلیں(۱) نیز آپ ﷺ کی مساعی کا اولین رخ یہ تھا کہ اولاً لوگوں میں ایمانی ...بیدار کی جائے اور مادہ پرستی کے رجحانات کو دور کیا جائے۔ پھر باہمی ہمدردی' احسان وایثار' شجاعت وبہادری' ...ستقلال' حلم وبردباری' عفو ودرگزر' سخاوت وفیاضی' حسن خلق اور صدق وحیا جیسے صفات پیدا کی جائیں اور ان کا ...ہی تعلیمات کی طرف موڑا جائے جس سے یہ صفات ان میں بدرجہ اتم پیدا ہو جائیں۔(۲)

مذہبی' لسانی اور علاقائی تعصبات وتفرقے ایسے عفریت ہیں جن کے سامنے حکومت عاجز آتی جا رہی ...رسول ﷺ اللہ نے قوم پرستی اور نسل پرستی کو مٹا کر آفاقیت کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ساری مخلوق ...کے کنبے کی طرح ہے۔(۳) آپ ﷺ نے عصبیت پر جان دینے' عصبیت کی طرف بلانے اور عصبیت پر جنگ ...والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں۔(۴) آپ ﷺ نے مومن کی جان' مال اور عزت کی حرمت ...رمائی ہے۔(۵)

...رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم وتربیتِ معاشرہ کی طرف توجہ کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے ...ت کی تمام مشینری کا تعلق دیگر امور کے علاوہ براہ راست تعلیم وتبلیغ اور تزکیہ پر توجہ دینے کے لیے جوڑ رکھا ...چنانچہ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی ریاست کے مقرر کردہ تمام گورنر' عمال' نقباء وعرفاء' غیر' مفتیان و ...ب کے سب عوام کی تعلیم وتربیت کے برابر ذمہ دار تھے اور اس کی طرف خصوصی توجہ دیتے تھے۔(۶)

حکومت کو چاہیے کہ عوام کی اخلاقی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ دے۔ اس سلسلہ میں میڈیا سے ...ام لیا جا سکتا ہے۔

ٹیلی وژن' ریڈیو اور اخبارات سے غیر اخلاقی پروگراموں کو ختم کیا جائے۔ جن سے قوم کی اخلاقی حالت پر ...رات مرتب ہو رہے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا پر ایسے پروگرام ترتیب دیئے جائیں جن سے نبوی اخلاق لوگوں ...ا ہوں اور ان کے دل ودماغ میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ جملہ سعادتوں اور ترقیوں کی ضمانت صرف اور صرف ...رسول کی پیروی میں مضمر ہے۔

...ن وفرائض کا صحیح تعین

جس قوم کو بنیادی حقوق حاصل نہ ہوں اور ان کے فرائض کا صحیح تعین نہ کیا گیا ہو وہ قوم کسی میدان میں ...نہیں ہو سکتی۔ بنیادی ضروریات زندگی' جان' مال اور عزت کی حفاظت اور دیگر سیاسی وسماجی حقوق فراہم کرنا ...ت کی ذمہ داری ہے۔ عہد نبوی ﷺ کی اسلامی ریاست میں اس قسم کے تمام حقوق مسلمانوں کے علاوہ غیر ...ں کو بھی حاصل تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی حکومت میں بہت کم احتجاجی تحریکیں ...۔ معاشرے کے اکثر افراد کو حقوق بلا امتیاز مہیا کیے گئے تھے چنانچہ معاشرے میں امن وسکون کا دور دورہ

تھا۔(۷)

حکومت کو چاہیے کہ حقوق ئی فراہمی میں امتیازی سلوک کا خاتمہ کرے تاکہ معاشرے کے کمزور
محروم نہ رہیں اور کسی طبقے کا استحصال نہ ہونے پائے۔ اجرتوں کا صحیح تعین کیا جائے تاکہ مزدور اور عام طبقہ متاثر
کیونکہ اس طرح کی صورتحال میں طبقاتی کشمکش پروان چڑھتی ہے اور لوگ اپنی جملہ صلاحیتوں کو بطریق احسن ا
نہیں کر سکتے۔

بعض حقوق و فرائض ایسے ہوتے ہیں جو قومی یا علاقائی نوعیت اختیار کر لیتے ہیں اگر ان کی طرف صحیح
نہ دی جائے تو بھی ملک میں داخلی عدم استحکام کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور ملکی ترقی کی راہیں مسدود ہو کر
ہیں۔ اس ضمن میں رسول اکرم ﷺ نے ابتداء ہی سے خصوصی توجہ فرمائی چنانچہ اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ
مختلف قبائل کے درمیان حقوق و فرائض کا صحیح تعین فرمایا۔(۸)

۱۔ پاکستان میں موجود بعض سرحدی قبائل کے درمیان بعض تنازعات صرف اس وجہ سے ہیں کہ
حدود کا تعین موجود نہیں۔ اس ضمن میں حکومت کو چاہیے کہ صحیح علاقائی تقسیم کرے اور ظالمانہ قبضے ختم کر
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل کے درمیان علاقائی تنازعات کو ختم کیا اور ظالمانہ قبضوں کے خاتمہ کے لیے
اہم کردار ادا کیا۔(۹)

۲۔ پاکستان میں بسنے والے تمام قبائل و اقوام کے حقوق کا صحیح اور عادلانہ تعین کیا جائے۔ مثلاً ملازمت
کوٹہ سسٹم اور دیگر حقوق کے صحیح تعین نہ ہونے کی وجہ سے سندھی، پنجابی اور مہاجر عصبیتوں کا مسئلہ سنگین
اختیار کرتا جا رہا ہے اور داخلی امن و استحکام بھی متاثر ہو رہا ہے۔

۳۔ بین الصوبائی انتظامی محکموں کے اختیارات و فرائض کا صحیح تعین کیا جائے۔ صوبوں کے حقوق کی
تقسیم کی جائے مثلاً پانی اور بجلی کی رائلٹی اور اس جیسے کئی دیگر مسائل ایسے ہیں جن کی وجہ سے بین الصوبائی تعص
سیاسی عدم استحکام کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

عدل و انصاف کی بلا امتیاز فراہمی

جس معاشرے میں انصاف کے حصول میں سیاسی و انتظامی مداخلت عام ہو، رشوت و سفارش سے
تبدیل کیے جا سکتے ہوں اور کمزور کے حقوق کو دبایا جا سکتا ہو وہاں پر امن و آشتی کا خواب شرمندہ تعبیر
سکتا۔(۱۰)

مساویانہ عدل کی فراہمی حکومت کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل ہے

مساویانہ انصاف کی فراہمی کے سلسلہ میں اسلام نہایت تاکید کے ساتھ تلقین کرتا ہے۔(۱۱) حق و
انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کو ایمان باللہ کے بعد سب سے زیادہ قوی فرض قرار دیا گیا۔(۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاف رسانی کا انتہائی مستحکم ادارہ قائم فرمایا جس کے تحت' ہر بڑے
چھوٹے' امیر و غریب اور شاہ و گدا کو برابری کی بنیادوں پر انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔ سب کے لیے ایک قانون رکھا گیا
اور قاضی کی عدالت میں بادشاہ پر بھی مقدمہ دائر ہو سکتا تھا۔ اس کی مثال خود نبی ﷺ نے قائم فرمائی چنانچہ ایک
بار اپنی آخری عمر میں آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ مجھ پر کسی کا حق ہو تو وہ طلب کر لے اور جس کسی کو مجھ سے
تکلیف پہنچی ہو وہ مجھ سے انتقام لے لے۔(۱۳)

یہی وہ مساویانہ عدل وانصاف تھا جس کے تحت آگے چل کر خلفائے راشدین اپنے گورنروں اور عمال کا بلا
امتیاز احتساب کرتے اور عام لوگ بھی عدالت کے ذریعے ان سے اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتے تھے۔(۱۴) آپ صلی
اللہ علیہ وسلم نے انصاف رسانی کو ایک مرکزی ادارے کا درجہ عنایت فرمایا جس میں بلا تفریق انصاف مہیا کیا جاتا
تھا۔ چنانچہ لوگوں نے حصول انصاف کے لیے قبیلوں کا سہارا لینا ترک کر کے آپ ﷺ کی طرف رجوع کیا حتی کہ
غیر مسلم بھی آپ ﷺ سے خوشی فیصلے کرانے لگے۔(۱۵) اس طرح عرب میں معاشرتی امن کا دور دورہ ہوا۔

پاکستان میں بلا امتیاز عدل وانصاف کے حصول کو آسان بنایا جائے تاکہ لوگ اپنی قوموں' قبیلوں اور
برادریوں کا سہارا لینا ترک کر دیں۔

پاکستان میں عدلیہ بعض معاملات میں سیاسی نمائندوں اور انتظامیہ کے دباؤ میں ہوتی ہے۔ اس طرح
عدلیہ کا صحیح مقصد یعنی مساویانہ انصاف پورا نہیں ہوتا۔(۱۶) لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ عدلیہ کو سیاسی تصرف اور
انتظامیہ کے دباؤ سے مکمل طور پر آزاد کرے۔ کسی طاقتور کو قانون سے بالاتر قرار نہ دیا جائے موجودہ پاکستانی قانون
میں صدر' وزیر اعظم' وزراء اعلیٰ اور گورنر وغیرہ پر عام آدمی فوجداری مقدمہ دائر نہیں کر سکتا۔(۱۷) ایسے قوانین
کی منسوخی کی جائے۔

ملک میں قرآن و سنت کو سپریم لا کا درجہ دیا جائے۔(۱۸) یہ قانون منظور کیا جائے کہ دستور کی کوئی ایسی
شق معتبر نہ ہو گی جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔

ہر سطح کے ججوں کے لیے قرآن و سنت اور پرانے اسلامی فیصلوں کی تدریس کا مناسب بندوبست کیا

مقاصد کا واضح اور درست تعین اور ان کے حصول میں قومی یکجہتی

جس قوم کے سامنے صحیح اور واضح مقصد نہیں ہوتا اور وہ مکمل یک جہتی سے اپنی منزل کی طرف ر
نہیں ہوتی وہ جلد ہمت ہار جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین کے سامنے اسلامی ریاست
واضح اور صحیح مقصد تھا وہی ہمارا مقصد بھی ہونا چاہیے۔ پاکستان اس لیے قائم کیا گیا کہ یہاں اسلامی تہذیب و تمد
نشو و نما آسانی سے ہو سکے گی اور اسلامی معاشرتی نظام کا قیام ممکن ہوگا۔ اور یہی نظام پوری دنیا میں پھیلایا جائے
دور حاضر میں پاکستانی نظریاتی اساس کو بھلایا جا رہا ہے۔ میڈیا اور نصاب تک سے اس نظریاتی اساس کو ختم کر
سازشیں ہو رہی ہیں۔ نئی نسل کو ظاہری چمک دمک کی گتھیوں میں الجھا کر ان سے حقیقی بنیادوں کو چھینا جا رہا ہے

ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کے تقاضوں اور مقاصد کا بھرپور پرچار کیا جائے۔ ان ع
نظریات اور اخلاقی اقدار سے قوم کے ہر طبقے کو ایک مرتبہ پھر متعارف کرایا جائے جو پاکستان کی نظریاتی بنیاد ک
رکھتے ہیں۔

معاشی استحکام

انسان کی اولین ضروریات اس کی معیشت سے شروع ہوتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت
ہی اللہ تعالیٰ نے ان بنیادی ضرورتوں کے متعلق فرمایا کہ:

"بلاشبہ تمہارا یہ حق ہے کہ تم یہاں نہ بھوکے رہو گے اور نہ ننگے اور یہ کہ تم نہ پیاسے رہو اور نہ ہی
کی تپش اٹھاؤ۔(۱۹)

قومی استحکام و عدم استحکام میں ان کی معیشت نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ علمی و سائنسی ترقی کے م
میں بھی وہی قومیں عروج پر پہنچتی ہیں جن کی معیشت مستحکم اور خوشحال ہو ورنہ بری معیشت انسان کو اپنے اد ز
بھی دور کر دیتی ہے۔(۲۰)

معاشی استحکام کے لیے رسول اکرم ﷺ کے اقدامات سے استفادہ

اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی رسول اکرم ﷺ نے انفرادی اور قومی سطح پر معاشی استحکا
لیے انقلابی اقدامات فرمائے۔ مثلاً

۱۔ غیر مسلموں کے معاشی تسلط سے آزادی

۲۔ تجارتی ترقی کے لیے اقدامات

۳۔ زراعتی ترقی کے لیے اقدامات

۴۔ کفالت عامہ

غیر مسلموں کے معاشی تسلط سے آزادی

عہد نبوی ﷺ کی اسلامی ریاست ابتداء میں معاشی پسماندگی کا شکار تھی۔ مہاجرین مکہ کی تجارت منقطع ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں انصار مدینہ پر پہلے سے یہودیوں کی معاشی بالادستی قائم تھی۔ اس طرح ایک طرف تو مشرکین مکہ سے رابطہ تھا تو دوسری طرف یہود مدینہ سے جو مدینہ کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور سودی کاروبار کرتے تھے۔(۲۱)

آپ ﷺ نے غیر مسلم قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لیے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا۔(۲۲) زرعی پیداوار میں اضافہ کار جحان پیدا کیا اور سودی کاروبار کا خاتمہ کیا۔ علاوہ ازیں مشرکین اور یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لیے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کیے۔(۲۳) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں نے اپنا معاشی اعتبار قائم کر لیا اور غیروں کے تسلط سے آزاد ہو گئے۔

موجودہ حالات میں پاکستان غیر مسلموں کے معاشی تسلط کے زیر بار ہے۔ اس کی معیشت قرضوں پر ٹکی ہوئی ہے۔ معاشی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ قرضوں سے نجات حاصل کی جائے غیر ضروری اخراجات اور شاہی عیاشیوں سے پرہیز کیا جائے۔ پڑوسی ممالک کے ساتھ مضبوط تجارتی تعلقات قائم کیے جائیں۔ حکومت کو چاہیے کہ اسلامی معاشی بلاک اور اسلامک بینک کے قیام کے لیے خصوصی کوششیں کرے۔

تجارتی استحکام کے لیے حضور اکرم ﷺ کے اقدامات سے استفادہ

معاشی ترقی واستحکام کے لیے تجارت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ معیشت کے اس اہم شعبے کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے بلکہ اس کو اپنا فضل قرار دیا ہے۔(۲۴)

عہد نبوی ﷺ میں اسلامی ریاست کے قیام کے وقت مسلمان تاجروں کی ہجرت کی وجہ سے ان کی تجارت منقطع ہو گئی تھی۔ دوسری طرف انصار مدینہ زیادہ تر زراعت کے پیشہ سے منسلک تھے۔(۲۵) نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں میں تجارت کے استحکام کے لیے راہ ہموار فرمائی۔ آپ ﷺ نے تجارت وصنعت وحرفت کی خوب ترغیب دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے صنعت وحرفت کو پاک ترین روزی اور تجارت کو بہترین معاش قرار دیا۔(۲۶) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر وبرکت اور رفاہیت پیدا ہوتی ہے۔(۲۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارتی ترقی واصلاح کے لیے عملی اقدامات بھی فرمائے۔ آپ ﷺ نے

بازاروں اور منڈیوں پر چند افراد کی اجارہ داری کا سدباب فرمایا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے بیع الحاضر للبادی سے منع فرمایا۔(۲۸) آپ ﷺ نے غیر قانونی معاشی اجارہ داری حاصل کرنے والی قوموں کے خلاف عملی اقدامات فرمائے۔(۲۹) آپ ﷺ نے تجارتی بدعنوانیوں کا مکمل سدباب کیا اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے چور بازاری اور احتکار وغیرہ کی سختی سے ممانعت فرمائی۔(۳۰) آپ ﷺ نے بازاروں کی خود بھی نگرانی فرمائی اور تجارتی بدعنوانیوں کی روک تھام کے لیے مختلف افراد کو بازاروں پر نگران مقرر فرمایا۔(۳۱) آپ ﷺ نے ذرائع نقل و حمل کو آسان بنایا اس سلسلہ میں معاہدات فرمائے اور ذرائع نقل و حمل میں مشکلات ڈالنے والوں کے خلاف کارروائی کی۔(۳۲) نبی ﷺ کے ان اقدامات کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں نے تجارتی میدان میں خوب ترقی کی اور اس طرح اسلامی ریاست کی معیشت مستحکم ہوئی۔(۳۳)

عہد حاضر میں تجارتی استحکام کے لیے مندرجہ بالا اقدامات کرنے نہایت ضروری ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ تجارتی بدعنوانیوں، شخصی و گروہی اجارہ داریوں اور بلیک مارکیٹنگ کا سختی سے سدباب کرے۔ علاوہ ازیں سٹہ بازی کے طریق کار کو ختم کرنا چاہیے جس نے باقاعدہ ایک صنعت کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس کی وجہ سے مال کے ذخیروں پر بازار میں آنے سے قبل ہی درجنوں سودے ہو جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بازار میں مال پہنچنے سے قبل ہی اس کے داموں میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح چھوٹے تاجروں اور عوام کو سخت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اس طریق کار کی ممانعت فرمائی ہے۔(۳۴) حکومت کو چاہیے کہ سٹاک مارکیٹ میں سٹہ بازی کی ممانعت کرے اور حصص کی صرف حقیقی خرید و فروخت کی اجازت دے۔

بین الاقوامی تجارت کے فروغ کے لیے جو معاہدے کیے جائیں ان کو قائم رکھا جائے اس سلسلے کے استحکام کے لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اہم سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لے کر تجارتی معاہدے کرے تاکہ دوسری سیاسی پارٹی برسر اقتدار آ کر معاہدے کو یکسر ختم نہ کر دے۔ کیونکہ ایسی صورتحال میں ملک کی تجارتی ساکھ کو سخت دھچکا لگتا ہے۔ (پاکستان میں اس قسم کے تلخ اور نقصان دہ تجربات حال ہی میں موٹروے اور چند دوسرے معاہدوں کی تبدیلی اور تنسیخ کی صورت میں سامنے آئے ہیں)

زرعی ترقی کے لیے اقدامات نبوی ﷺ سے استفادہ

انسانی تہذیبوں کا ابتداء ہی سے زراعت کے ساتھ واسطہ ہے۔ اور یہ بات مسلمہ ہے کہ جو قوم یا ملک زرعی اعتبار سے خود کفیل ہیں وہی معاشی ترقی کی راہ پر گامزن بھی ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زراعت کے تمام شعبوں کی ترقی کے لیے خصوصی اقدامات فرمائے۔ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد جلد ہی آپ ﷺ نے مختلف اقدامات فرمائے۔ ضرورت مند لوگوں کو زمینیں الاٹ

کیں تاکہ وہ انہیں آباد کریں۔(۳۵) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مردہ زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ملکیت ہے۔(۳۶) آپ ﷺ نے بے کار زمینوں کو آباد کرانے کے لیے جو اقدامات کیے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کے لیے باقاعدہ تحریک چلائی گئی۔(۳۷)

پاکستان میں جا بجا ہزاروں ایکڑ اراضی غیر آباد پڑی ہے۔ ان زمینوں کو سرکاری تحویل میں لے کر اور ملکیت کا فطری محرک دے کر انہیں غریب ہاریوں اور کاشتکاروں کو دیا جائے۔ اس طرح ملک میں زرعی خود کفالت کی طرف انقلابی ترقی ممکن ہو سکتی ہے۔ اس آباد کاری کے سلسلے میں کچھ مدت متعین کر دی جائے تاکہ اس مدت کے اندر زمین آباد نہ کرنے والوں سے اراضی واپس لے کر دوسروں میں تقسیم کر دی جائے۔ اس ضمن میں ہمارے سامنے حضرت عمرؓ کی مثالیں کار آمد ہیں۔ آپؓ نے تین سال کی مدت میں زمینیں آباد نہ کرنے والوں سے زمینیں واپس لے لی تھیں۔(۳۸) حکومت کو چاہیے کہ زرعی پیداوار کی نگرانی کرے اور اسے زیادہ واسطوں سے مارکیٹ میں پہنچنے سے روکنے کے لیے اقدامات کرے۔ کاشتکاروں کے لیے مقامی سطح پر بازار لگائے جائیں جہاں وہ اپنی پیداوار کے براہ راست بڑے سودے بھی کر سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زراعت کے ایک دوسرے اہم شعبے یعنی حیوانات کی پرورش کے لیے بھی خصوصی اقدامات فرمائے آپ ﷺ نے خود بھی اس شعبے میں دلچسپی لی اور جانور پالے۔ مدینہ میں آپ ﷺ کے پاس کئی دودھ دینے والی اونٹنیاں اور بکریاں تھیں جن پر آپ ﷺ کے اہل خانہ گذر بسر کرتے تھے۔(۳۹) علاوہ ازیں آپ ﷺ نے اس ضمن میں دوسروں کو بھی ترغیب دی مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا جن لوگوں کے ہاں بکری ہے ان کے ہاں برکت ہے۔(۴۰) اس سلسلے کی ترقی کے لیے آپ ﷺ نے چراگاہوں کی خصوصی حفاظت کا اہتمام فرمایا نئی چراگاہوں کو آباد کرنے کی ترغیب دی۔(۴۱) اس کے علاوہ آپ ﷺ نے حمی (چراگاہ) کے درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا۔(۴۲)

پاکستان ایک زرعی ملک ہونے کے باوجود زراعت میں بہت پسماندہ ہے ملک میں زرعی اجناس کی قلت رہتی ہے حتی کہ ملکی سرمایہ کے دو ارب ڈالر ہر سال باہر ممالک سے زرعی اجناس درآمد کرنے میں خرچ ہو جاتے ہیں زرعی شعبوں میں نبی اکرم ﷺ کے اقدامات سے استفادہ کیا جائے اور اس شعبہ کو ترقی دی جائے تو ملکی معیشت خاصی مستحکم ہو سکتی ہے۔ باصلاحیت نوجوانوں کو قدرتی صنعتوں کے فروغ کے لیے بلا سود قرضے فراہم کیے جائیں۔ سرکاری سطح پر چراگاہوں اور جنگلات کی صحیح حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ کچے کے علاقے میں جانور پالنے والوں اور دیگر قدرتی صنعتوں کو فروغ دینے والوں پر سے ٹیکس ختم کیے جائیں اور انہیں مزید مراعات دی جائیں۔ اس سلسلہ کو ترقی دینے کے لیے میڈیا کے ذریعے اسلامی تعلیمات کے حوالے سے رغبت دلائی جائے۔ ان اقدامات سے ایک

طرف بے روزگاری کی شرح میں کمی ہوگی تو دوسری طرف ملک زرعی آمدنی میں خود کفیل ہو جائے گا اور یہ معاشی

استحکام کے لیے اہم راستہ ثابت ہوگا۔

کفالت عامہ

معاشی میدان میں یہ شعبہ خاصی اہمیت کا حامل ہے اس شعبہ کے تحت معاشرے میں معاشی عدم توازن

آسانی سے خاتمہ کیا جاسکتا ہے کفالت عامہ کے لیے نبی علیہ السلام کے دور میں تین بنیادی اہمیت کے شعبے تھے (۱) زکوٰۃ

(۲) بیت المال (۳) عطیات۔

زکوٰۃ کا اہم مقصد یہ ہے کہ صاحبِ حیثیت لوگوں سے مال لے کر غرباء اور معذورین کی کفالت کی جائے

حکومت کو چاہیے کہ زکوٰۃ کے نظام کو صحیح معنوں میں نافذ کرے اور اس کے ذریعے غریبوں' یتیموں' معذوروں

دیگر حاجت مند افراد کی مکمل کفالت کا بندوبست کرے۔

بیت المال

کفالتِ عامہ کے بندوبست اور دیگر رفاہی امور کی بجا آوری کے لیے نبی علیہ السلام نے بیت المال کی بنیاد

اور حضرت عمرؓ نے اس نظام کو بہت زیادہ ترقی دی۔ (۴۳) مختلف ذرائع سے حاصل شدہ رقوم اور اموال بیت المال

میں جمع کیے جاتے تھے۔ موجودہ دور میں کفالت عامہ کے لیے بیت المال اور اس قسم کے دیگر ادارے قائم کر

انہیں صحیح نہج پر چلایا جائے تو ایک طرف غربت و افلاس کا قلع قمع ہوگا تو دوسری طرف تقسیم دولت میں بہت

تک توازن پیدا ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں بیروزگاری میں بھی کافی حد تک کمی ہوگی۔

عطیات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کفالت عامہ اور قومی مقاصد کے حل کے لیے سب سے

آمدن عطیات کے ذریعے حاصل ہوتی تھی۔ اسلامی ریاست کو درپیش اکثر مسائل کا حل عطیات سے ہوتا تھا۔

و تعلم کا بیشتر سلسلہ بھی عطیات سے چلایا جاتا تھا۔ (۴۴) انفرادی اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیے عطیات بہت

کار آمد ہوتے تھے۔ مثلاً حضرت عثمانؓ کے عطیے پر مدینہ میں میٹھے پانی کا انتظام کیا گیا۔ (۴۵) انصار مدینہ نے مہاجرین

کی امداد کے لیے اپنی زمینیں اور باغات عطیات کی شکل میں دیے (۴۶) اکثر و بیشتر ہنگامی حالات میں عطیات

کام چلایا جاتا تھا مثلاً ہوازن کے چھ ہزار قیدیوں کے لیے کپڑے مسلمانوں کے عطیات کے ذریعے فراہم

گئے۔ (۴۷) غزوہ خیبر کے دوران عطیات سے امداد حاصل کی گئی۔ علاوہ ازیں غزوات کا اکثر خرچ عطیات کے

ذریعہ ہی پورا کیا جاتا تھا۔ (۴۸)

موجودہ دور میں زکوۃ بیت المال اور دیگر عطیات کے ذریعے بے روزگاروں کی امداد و معاونت کی طرف خصوصی توجہ دی جائے تو اس سنگین مسئلہ کی طرف خاصی پیش رفت ممکن ہے۔ تجارتی ترقی کے لیے بیت المال سے قرض دینے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔(۴۹) علاوہ ازیں ان رفاہی اداروں کو ملک سے قرض اتارنے کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بیت المال اور دیگر عطیات کا جائزاور صحیح استعمال کیا جائے تو ان شعبوں میں بہت زیادہ رقم جمع ہونا کوئی انوکھی بات نہیں ہوگی۔

داخلی وخارجی امن واستحکام

ملکی ترقی واستحکام کے لیے یہ ضروری ہے کہ ملک داخلی وخارجی خطرات سے محفوظ جہاں داخلی وخارجی امن کا مسئلہ درپیش ہو وہاں خوشحالی وترقی کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

داخلی استحکام کے لیے دو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

(۱) امن وامان کا قیام (۲) اداروں کی درستگی

۱۔ امن وامان کا قیام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ فرمائی۔ قوموں کے حقوق وفرائض متعین فرمائے۔ فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت سے سخت کارروائی فرمائی۔(۵۰)

۲۔ اداروں کی درستگی

رسول اللہ ﷺ نے ریاست میں قائم کردہ تمام شعبوں کے استحکام کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ زکوۃ کا ادارہ ہو یا بیت المال' احتساب کا معاملہ ہو یا عدل وانصاف کی فراہمی کا' ہر ادارے کو صحیح اور درست سمت میں چلانے اور خدمت خلق کے راستے پر لانے کا اہتمام فرمایا۔(۵۱)

انتظامی معاملات حل کرنے والے اداروں میں عموماً نبی ﷺ مقامی آدمیوں کے تقرر کو بہت اہمیت دیتے تھے۔(۵۲) اس لیے کہ مقامی افراد اپنی جگہ کے حالات و مسائل سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں علاقے سے جذباتی لگاؤ اور سماجی دباؤ کے تحت صحیح کام کرتے ہیں۔

حکومت کو چاہیے کہ داخلی امن وامان کی بحالی کے لیے ہر ممکنہ اقدامات کرے۔ اداروں کے صحیح استحکام کے لیے نظام احتساب کو درست کیئے بغیر چارہ کار نہیں۔ مقامی سطح کے انتظامی اداروں میں اکثر مقامی لوگوں کو کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ داخلی امن وسکون کی بحالی کے لیے سماجی اقدامات بھی ضروری ہیں اس ضمن میں محلہ وار کمیٹیاں بنائی جائیں جن میں اچھی شہرت رکھنے والے پڑھے لکھے ایسے دیانتدار افراد کو رکھا جائے جن کے دل خدمت

خلق اور خوف خدا سے معمور ہوں۔(۵۳)

خارجی امن واستحکام

ریاست کے داخلی استحکام کو حال رکھنے کے ساتھ ساتھ بیرونی خطرات سے مدافعت کا انتظام بھی ضروری ہے۔بیرونی خطرات سے نمٹنے اور جنگ کو کم کرنے کا ایک عام طریقہ یہ ہے کہ فنون حرب میں اتنی ترقی کی جائے کہ دشمن کو حملہ کرنے کی ہمت ہی نہ ہو۔(۵۴) کیونکہ ؎

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

سیرت کے ذخیرے سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے جدید ترین ہتھیار حاصل کیے اور استعمال بھی فرمائے۔(۵۵) علاوہ ازیں آپ ﷺ نے فنون حرب کی طرف خاص توجہ فرمائی۔اس ضمن میں آپ ﷺ نے ان کھیلوں اور ورزشوں کی حوصلہ افزائی فرمائی جو جنگ کے لیے مفید ہو سکتے ہیں مثلاً نیزہ بازی' تیر اندازی' گھوڑ دوڑ' تیراکی وغیرہ۔(۵۶) آپ ﷺ نے مخالفین کی دشمنانہ سرگرمیوں کی اطلاع حاصل کرنے کے لیے جاسوسی کا صحیح انتظام فرما رکھا تھا۔(۵۷)

خارجی امن واستحکام کے سلسلے کی ایک اہم کڑی آنحضرت ﷺ کے وہ معاہدے تھے جو آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کے قیام کے فوراً بعد کیے۔سیرت کے ذخائر سے ثابت ہے کہ دشمن کی ریشہ دوانیوں سے بچنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے اطراف میں اہم قبائل سے امن معاہدات کیے یہ معاہدات اسلامی ریاست کے خارجی استحکام میں بہت ہی کارگر ثابت ہوئے۔(۵۸)

ا۔ دفاعی سلامتی کے لیے حکومت کو جدید ترین ہتھیار نہ صرف حاصل کرنے چاہئیں بلکہ ان کا ملک کے اندر بھی تیار کرنا ضروری ہے۔ ملکی سیکرٹ سروس کو سیاسی اثرات سے بچا کر پیشہ ورانہ مقاصد کے لیے فعال بنایا جائے۔ ہمسایہ ممالک خصوصاً اسلامی ممالک کے ساتھ تعلقات انتہائی بہتر بنائے جائیں اس ضمن میں ملک کی غیر متحکم پالیسیوں کو استحکام دیا جائے تاکہ سیاسی جماعتوں کی تبدیلی کے ساتھ خارجہ پالیسی میں ردوبدل نہ ہو۔

حرف آخر کے طور پر جو بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمارے لیے بہترین معیار ہے۔انفرادی زندگی گذارنے کا سوال ہو یا اجتماعی فلاح وترقی کی منزلیں مقصود ہوں۔ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

تمت بالخیر

حوالہ جات وحواشی

۱۔ البقرة : ۱۷۷'۱۸۸' النساء : ۱۰'۲۹'۳۶' المائدة[?] : ۳۲' الاسراء : ۲۶'۲۷' الھمزۃ : ۱تا۴

۲۔ النساء : ۵۴' آل عمران : ۱۱۴' یوسف : ۹۲' الانبیاء : ۱۰۷' الکھف : ۲۲تا۳۰' الحشر : ۱۴

۳۔ مشکوۃ المصابیح : باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق' طبع لاہور' ص ۴۲۷

۴۔ سنن ابی داؤد : ج ۲' ص ۶۳۵

۵۔ صحیح مسلم : باب تحریمہ ظلم المسلم وخذلہ

۶۔ مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو :
ابن سعد : الطبقات الکبریٰ' دار صادر بیروت ۱۴۰۵ھ' ج ۲' ص ۱۶۵' ۲۱۵' ۳۳۵' ۳۵۰' بلاذری : انساب الاشراف' دارالمعارف مصر' ص ۲۴۳ پر اسعد بن زراہ کی مثال نیز ملاحظہ ہو الکتانی التراتیب الاداریہ احیاء لتراث العربی بیروت ج ۱' ص ۱۱۴'۱۱۸

۷۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق کے لیے ملاحظہ ہو دستور نبوی۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام : السیرۃ النبویہ' طبع مصر ج ۱ ص ۵۰۱ تا ۵۰۴' نیز ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد حمید اللہ : مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ وثیقہ نمبر ۱' غیر مسلموں کے حقوق کے لیے ملاحظہ ہو نبی علیہ السلام کا مکتوب بطرف نجران ابو یوسف کتاب الخراج' طبع بولاق' ص ۷۸ تا ۷۹ نیز مجموعۃ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر ۵۱'۱۰۵'۱۰۹۔

۸۔ ملاحظہ ہو دستور مدینہ۔ مجموعہ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر ۱

۹۔ مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو نبی علیہ السلام کا خط' قبیلہ بنو طے کے نام' قبیلہ بنو اسد کے نام جس میں ان کو سختی سے تاکید کی گئی کہ فلاں فلاں علاقے بنو طے کے ہیں ان میں قطعاً تصرف نہ کیا جائے۔ نیز نبی علیہ السلام کا مکتوب برائے اہل "ایلہ" جس میں سختی سے تاکید کی گئی کہ مقناء[?] والوں کو ان کے اپنے علاقوں میں آباد کیا جائے اور ان کے علاقہ سے تصرف ختم کیا جائے ملاحظہ ہو بالترتیب مجموعہ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر ۱۹۳'۲۰۲' بلاذری فتوح البلدان' طبع لیڈن' ۱۸۶۶ء ص ۶۰

۱۰۔ نبوی اصول کے لیے ملاحظہ ہو بنو مخزوم کی فاطمہ نامی عورت کا واقعہ' صحیح البخاری : کتاب الحدود' باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحدود[?]۔

۱۱۔ النساء : ۱۳۵

۱۲۔ السرخسی' المبسوط' ج ۶' ص ۵۹

۱۳۔ مصنف عبدالرزاق، طبع بیروت ۱۹۷۲ء ج ۹ ص ۴۶۹

۱۴۔ کنزالعمال، طبع بیروت ص ۶۶۲ مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو ج ۱۲، ص ۶۵۹، ج ۱۳، ص ۸۳

۱۵۔ سنن ابوداؤد طبع مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۱۶ھ ج ۲، ص ۱۵۴، ۲۶۲، ۲۹۴

۱۶۔ الشوریٰ: ۱۵، المائدہ: ۴۲

۱۷۔ فاروق اختر نجیب، دستور پاکستان ص ۴۵۳

۱۸۔ النساء ۱۰۵، المائدہ: ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۷

۱۹۔ طٰہٰ: ۱۱۸، ۱۱۹

۲۰۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الستعاذہ

۲۱۔ مدینہ کے بازاروں میں اکثر یہود کا راج تھا، یہودی تاجر ابورافع کو پورے حجاز کے تاجر کا لقب دیا گیا تھا صحیح البخاری، کتاب الغازی، باب قتل ابورافع، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۳۸۱ھ، ج ۲، ص ۵۷۷

۲۲۔ ملاحظہ ہو عبدالرحمٰن بن عوف کی تجارت کی مثال، بخاری: ج ۱، ص ۵۶۱ مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو مسند احمد: ج ۱، ص ۶۲، ج ۳، ص ۲۴۷، ابن سعد: ج ۲، ص ۵۹، ۶۰، ج ۳، ص ۱۳۰

۲۳۔ ابن سعد: جن ۲، ص ۸، ۱۰، بلاذری: فتوح البلدان، ص ۲۸۷

۲۴۔ الجمعہ: ۱۰

۲۵۔ بخاری: کتاب المزارعۃ ج ۱، ص ۳۱۳ نیز کتاب المساقاۃ ج ۱، ص ۳۲۰

۲۶۔ مشکوٰۃ المصابیح: کتاب البیوع باب الکسب

۲۷۔ کنزالعمال: الفصل الثالث فی انواع الکسب واوابہ

۲۸۔ اس طرح شہر کے افراد دیہات سے سستے داموں اشیاء خرید انتہائی مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں۔ صحیح مسلم: کتاب البیوع

۲۹۔ نبی علیہ ﷺ کو جب پتہ چلا کہ عرب کے تجارتی قافلوں کی راہ دومۃ الجندل والے رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں تو آپ علیہ ﷺ نے اس سرحدی علاقے کی طرف مہم بھیجی اور اس سلسلہ کو ختم کرایا۔ ابن سعد: ج ۲، ص ۶۲ نیز مسعودی: التنبیہ والاشراف، دار صعب بیروت، ص ۲۱۵

۳۰۔ صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ مستدرک حاکم: ج ۲، ص ۱۲

۳۱۔ اسد الغابہ: ج ۳، ص ۶، الکتانی: التراتیب الادرایہ، ج ۱، ص ۲۴۱، ۲۸۷، نیز ملاحظہ ہو الاصابہ: ج ۲، ص ۷۴، سیرۃ الحلبیہ: ج ۳، ص ۴۲۴

۱۔ ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۲۹

۲۔ بخاری : ج ۱ ص ۵۶۱ ' مسند احمد : ۱ / ۶۲ ' ۳ / ۲۴۷ ' ابن سعد : ج ۳ ص ۱۳۰ ' ۱۶۰

۔۲ مشکوٰۃ المصابیح : باب النہی عنہا من البیوع

۔۲ ابو عبید کتاب الاموال ' ۲۷۸

۔۲۱ مردہ زمین سے مراد وہ زمین ہے جو زراعت کے قابل ہو نہ تعمیر کے ' سیم و تھور والی زمینیں بھی اسی ضمن میں شامل ہیں۔ ابو یوسف : کتاب الخراج ' ص ۶۵ ' ۶۷ ' سیوہاری : اسلام کا اقتصادی نظام ص ۲۲۷

۔۳ ابو داؤد ج ۲ ص ۸۱ ' ۸۲ ' ابو یوسف ص ۶۵

۔۳ ابو یوسف : ۶۱ ' بیہقی : ج ۶ ص ۱۴۹

۔۲ بخاری : کتاب الاجارہ ' طبری : ۲ / ۴۲۱ ' ۴۲۳

۔ ابن سعد : ج ۲ ص ۲۸۱

۔ ابن ماجہ : باب المزارعہ ص ۱۸۰ ' ابو داؤد : ج ۲ ص ۸۳ ' ابو یوسف : کتاب الخراج ص ۱۲۴

۔۴ مسلم : ج ۲ کتاب المساقاۃ والمزارعہ ' ابو یوسف ص ۱۲۴ ' بلاذری : فتوح البلدان طبع قاہرہ ص ۴

۔۴ ابن قیم : زاد المعاد ' ج ۱ ص ۲۲ ' نیز ڈاکٹر حمید اللہ ' خطبات بہاولپور ادارہ تحقیقات اسلامی ص ۱۸۳

۔۴ خطبات بہاولپور ' ادارہ تحقیقات اسلامی ص ۲۶۹ تا ۲۷۱

۔۴ الکتانی : ج ۱ ' ملاحظہ ہو وقف کا بیان

۔۴ بخاری : باب بنیان الکعبۃ ' ۱ / ۵۶۱ ' نیز یاقوت المعجم البلدان ' دار صادر بیروت ' ج ۵ ' ص ۸۶ ' ابن سعد : ج ۱ ص ۲۳۸

۔۴ واقدی : المغازی ' ص ۹۵۴

۔۴ ایضاً : ص ۲۵۴ ' ۵۰۰ ' ۵۴۷

۔۴ موطا امام مالک : کتاب القراض ' ابن سعد : ج ۳ ص ۲۷۸

۔۵ ملاحظہ ہو دستور نبوی ﷺ ۔ مجموعہ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر ' نیز ابن ہشام : ج ۲ ص ۴۷ ' ۴۹ ' ۳۲۸

۔۵ اداروں کے استحکام و درستگی کے لیے آپ ﷺ احتساب فرماتے تھے۔ ابو داؤد : کتاب القضا ' باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ ' ج ۲ ' ص ۱۴۸ ' صحیح البخاری : کتاب الزکوٰۃ باب قول اللہ والعاملین علیھا ' محاسبۃ المصدقین ' ج ۱ ص ۲۰۲ کنز العمال طبع بیروت ج ۲ ص ۶۵۹

۔۵۲ بلاذری : انساب والاشراف ' ص ۵۳۰ ' ۵۳۱ ' ابن سعد : ج ۱ ص ۳۰۰ ' ۳۴۰ ' ۳۴۱ ' ۳۵۵ ' التراتیب

الادار یہ : طبع بیروت ج ا'ص ۲۴۲'۳۹۲'۳۹۸

۵۳۔ اسی سے ملتا جلتا ایک نظام عہد نبوی ﷺ اور عہد فاروقیؓ میں "عرافہ" اور "نقابہ" کے اداروں کی شکل میں موجود تھا جو داخلی امن واستحکام کے لیے انتہائی کار آمد ثابت ہوا۔ ابن حجر : فتح الباری' دار نشر الکتب السلامیہ لاہور ج ۳'ص ۱۶۹' ابن ہشام : ج ا'ص ۴۴۳' طبری : تاریخ الرسل والملوک' دار المعارف قاہرہ ج ۳'ص ۴۸۸ عہد نبوی ﷺ کے عرفاء کی ذمہ داریوں کے لیے ملاحظہ ہو۔ صحیح البخاری' باب العرفاء للناس' ج ۲'ص ۱۰۶۳۔

۵۴۔ الانفال : ۶۰

۵۵۔ السہیلی : الروض الانف' فصل ذکر تعلیم اہل الطائف' المقریزی : امتاع الاسماء' مطبع التالیف ۱۹۴۱ ص ۴۱۸

۵۶۔ خطبات بہاولپور : ۲۴۲

۵۷۔ التراتیب الاداریۃ : طبع رباط' ج ا'ص ۲۹۲' ۲۹۳' ۳۶۱ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ قبیلہ بنو خزاعہ آپ ﷺ کے لیے جاسوسی بھی کرتا تھا۔ السیرۃ النبویۃ : طبع مصر' ج ۲'ص ۳۱۲۔ شامی میں ہے کہ غزوہ خندق کے محاصرہ میں قریش کی مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں کی اطلاع بھی بنو خزاعہ نے نبی ﷺ تک پہنچائی تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ' رسو اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی' دار الاشاعت کراچی' ۱۹۸۰'ص ۲۸۹۔

۵۸۔ ملاحظہ ہو اہم قبائل مثلاً بنو ضمرہ' بنو مدلج' بنو غفار' بنو اسلم' بنو جہینہ' مزینہ' بنو اشجع' بنو کلب اور بنو خزاعہ کے ساتھ معاہدات نبوی ﷺ ابن ہشام : ج ۲'ص ۳۱۸' ابن سعد : ج ا'ص ۲۷۱' : ج ۲'ص ۸' ۱۰' ۶۲

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

سید عزیز الرحمٰن، کراچی

آنحضرت سرور کونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر تعلیمات کسی خاص شعبے کے
ر مخصوص نہیں۔ آپ کی حیات طیبہ اور تعلیمات مقدسہ کا اعجاز اور کمال یہ ہے کہ وہ ہماری طبعی، اخلاقی، روحانی،
ں، معاشرتی، غرض ہر قسم کی حالتوں اور ضرورتوں کے لیے کامل، غیر مبہم اور نہایت جامع رہنمائی فراہم کرتی
نظام حکومت و مملکت ہو یا نظام معیشت و تجارت، سیاست مدن کا ذکر ہو یا معاشرت و اخلاق کا، ہر معاملے میں
انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری انسانیت کے لیے راہ عمل کو واضح اور روشن فرما دیا ہے۔ اور پھر یہی نہیں
پنی عملی کاوشوں سے اپنے بیان فرمودہ اصول و قوانین کو انفرادی حیثیت میں بھی اور اجتماعی صورت میں بھی
ں و نافذ فرما کر ان کے عملی طور پر ممکن العمل اور ہر طرح سے مفید ہونے کا ثبوت بھی پیش فرما دیا ہے اور یہ بتا دیا
پ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم محض خیالی نظریہ یا تصوراتی خاکہ نہیں، ورنہ اچھے سے اچھا اور عمدہ سے عمدہ نظریہ
ئی بھی شخص پیش کر سکتا ہے۔ اسی لیے انسانی سیرت کے بہترین اور کامل ترین ہونے کی دلیل اس کے
ورت اقوال اور دل فریب و خوش کن نظریات و خیالات نہیں۔ اس کی جانب سے دنیا کے سامنے پیش کیے جانے
ے اعمال اور کارنامے ہوتے ہیں جن کے بغیر کتابی نظریات کاغذی و بے کیف پھولوں سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں
ے۔ اگر اس زاویے سے بھی حضور اکرم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو بھی آپ ﷺ
راہنمایان اقوام اور پیشوایان مذاہب میں نہایت ارفع اور بلند ترین مقام پر متمکن نظر آتے ہیں، صلی اللہ علیہ

آج ایک طرف وطن عزیز مملکت خداداد پاکستان کے قیام کے پچاس سال مکمل ہو رہے ہیں اور اس سلسلے میں تقاریب کا سلسلہ جاری ہے' اور دوسری جانب وطن عزیز انگنت مسائل سے دوچار اور بے شمار مصائب و مشکلات کا شکار ہے۔ داخلی معاملات ہوں یا خارجی مسائل' اسے ہر سمت نئے نئے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ امن و امان اور ملکی استحکام بھی مختلف حوالوں سے ہم سے فوری غور و فکر اور مثبت و تعمیری اقدامات کے متقاضی ہیں۔

آج جبکہ سائنسی ترقی اور تیز رفتار نظام ہائے مواصلات کی بناء پر پوری دنیا سمٹ چکی ہے اور مسابقت کی دوڑ میں ہر ایک آگے نکلنے اور اکیسویں صدی کو نہایت جوش و خروش سے خوش آمدید کہنے کا خواہش مند ہے' یہ امر نہایت ضروری ہے کہ دنیائے عالم کی تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال کا فوری ادراک کرتے ہوئے ملکی ضروریات اور حالات کو مدنظر رکھ کر اپنے مقام کا خود تعین کیا جائے اور اپنی تمام داخلی و خارجی پالیسیوں کا از سر نو جائزہ لے کر انہیں اپنے لیے مفید اور بہتر بنایا جائے۔ اس کے لیے ہم سب پر لازم ہے کہ اپنی اپنی استطاعت اور توفیق ربانی کے مطابق سیرت طیبہ سے راہنمائی حاصل کریں اور آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیں۔ کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ اور ہر طرح کی رکاوٹوں سے مامون ہے اور جہاں کامیابی کی ضمانت خود خداوند کریم دے چکا ہے۔ ارشاد باری ہے:

و ان تطیعوہ تھتدوا (النور: ۵۴) (اور اگر تم آپ ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاجاؤ گے)۔

زیر نظر مضمون پاکستان کے موجودہ مسائل کا حل' سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی' لیکن اس سے قبل ہم یہ دیکھیں گے کہ استحکام کیا ہے؟ اس کی ضرورت و اہمیت کیوں ہے؟ اس سلسلے میں سیرت طیبہ سے راہنمائی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

استحکام کیا ہے؟

استحکام عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی مضبوط و محکم ہونے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے احکمت الشئی فاستحکم ایک چیز محکم ہوئی پس مستحکم ہو گئی۔ (لسان العرب ۱۴۳/۱۲)

استحکام سلطنت و مملکت سے مراد ریاست میں قائم حکومت کا مضبوط ہونا' امن و امان اور قانون کی حکمرانی کے اعتبار سے صورتِ حال کا قابل اطمینان ہونا اور وہاں کے حکمرانوں پر عوام کا اعتماد ہونا ہے۔ یعنی حکومت اور ریاست کو تمام خطرات سے امان و اطمینان حاصل ہو تاکہ وہ اپنے مقاصد اصلی کی جانب پیش قدمی کر سکے اور اس کی تمام تر صلاحیتیں تعمیری اقدامات میں صرف ہوں۔ مضبوط و مستحکم حکومت وہی ہوتی ہے جس کے داخلی اور خارجی معاملات میں کسی قسم کا انتشار و افتراق نہ ہو۔

کام کی ضرورت و اہمیت

اللہ تعالٰی نے انسان کو پیدا کرنے کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون (الذاریت۔۵۶)

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے"

اس آیت میں الا لیعبدون کے الفاظ سے یہ بات مؤکد فرمادی کہ تخلیق انس و جن کا صرف ایک مقصد عبادت۔ عبادت صرف اللہ ہی کی کیوں کی جائے ؟اس کی وضاحت اس آیت کریمہ میں فرمادی۔

و ھوالذی فی السمآء الہ و فی الارض الہ (الزخرف۔۸۴)

"اور وہی (اللہ) آسمان میں لائق عبادت ہے اور وہی زمین میں لائق پرستش ہے"۔

سو جب زمین و آسمان یعنی کل جہاں میں اسی کی حاکمیت اور اسی کی فرمانروائی ہے تو عبادت کا حقدار بھی وہی

ایک اور آیت میں اس سے بھی واضح الفاظ میں عبادت کا حکم یوں دیا :

ان اللہ ھو ربی و ربکم فاعبدوہ ۔ ھٰذا صراط مستقیم (الزخرف۔۶۴)

"بلا شبہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے 'پس تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے"۔

عبادت کے معنی ہیں کہ انسان اپنے خالق اور مالک کی طرف سے عطاء کردہ تمام عملی طاقتوں اور ذہنی توں کو اسی کی فرمانبرداری میں صرف کرے 'اور اس کی عظمت و جلال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی نافرمانی ور رہے 'اور کسی معمولی سی بات میں بھی اس کی حکم عدولی نہ کرے۔ خلاصہ یہ کہ اوامر کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ تعالٰی کے عطاء فرمودہ اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے کردہ نظام عمل کے تحت بسر ہونے والی زندگی سراپا عبادت ہے۔

انسانیت کی تخلیق میں خود انسان کا اپنا مفاد مضمر ہے۔ اللہ تعالٰی نے یہ ساری کائنات 'اس میں موجود ے رنگا رنگ اور دل فریب و دلکش نظر آنے والے یہ ایک نظام مکمل سے مربوط چاند و سورج اور تارے اپنے پر اکمال تخشش کے لیے تخلیق فرمائے ہیں۔ اس سارے عالم کے بنانے میں بھی خود انسان ہی کا فائدہ ملحوظ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں :

واللہ یدعوا الی الجنۃ و المغفرۃ باذنہ (البقرۃ۔۲۲۱)

"اور اللہ تعالٰی تمہیں اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے"۔

یعنی انسان کو اگرچہ اللہ تعالٰی نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے مگر اس میں خود انسان کا فائدہ پوشیدہ کیونکہ اس کے ثمرات سے وہ براہ راست خود مستفید ہوگا۔ مولانا روم فرماتے ہیں :

من نه کردم خلق تا سودے کنم
بلکه بر بندگان جودے کنم

اسلام کی دعوت کا اصل مقصد بھی ایمان و عقائد اور حقوق و فرائض ہیں اور قیام سلطنت اس کے لیے ایک ذریعہ کا حکم رکھتا ہے' تاکہ اہل ایمان اپنے فرائض منصبی اور احکامات الٰہیہ کی بجا آوری بہ اطمینان قلب و بہ سکون خاطر کر سکیں۔ اگر معاشرہ اپنے خالق کے احکامات سے غافل ہو' اس کے عائد کردہ فرائض سے اعراض کر رہا ہو' جہاں نیک کام بے حیثیت ہوں اور برائیوں سے ٹوکنے والا کوئی نہ ہو' ہر شخص کے سامنے ذاتی مفادات ہوں' اجتماعی مسائل اور ملکی و قومی مفادات پس پشت ڈال دیئے جائیں اور مستحقین کی داد رسی کرنے والا کوئی نہ ہو تو ایسی صورت میں استحکام کا خیال' خواب دیکھنے سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ پھر چونکہ اقامت دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انحصار اسلامی ریاست کے مستحکم و پائیدار ہونے پر ہے' اس لیے استحکام کسی بھی اسلامی ریاست کے لیے بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔

استحکام کے لیے سیرت طیبہ ﷺ سے راہنمائی کیوں حاصل ہو سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں :

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر و ذکر اللہ کثیرا (الاحزاب۔۲۱)

(اے مومنو!) "بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے جو اللہ سے ملنے اور یوم آخرت کے آنے کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

ھذہ الایۃ الکریمۃ اصل کبیر فی التاسی برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اقوالہ و افعالہ احوالہ (تفسیر ابن کثیر ۴۷۴ / ۳)

"یہ آیت کریمہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال' افعال احوال کی اقتداء و پیروی نہایت ضروری ہے"۔

اتباع رسول یہ ہے کہ مسلمان آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکامات و فرامین پر دل و جان سے عمل پیرا ہوں اور سیرت طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اپنی زندگی کا جزو لاینفک بنالیں۔ اگر کوئی شخص پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکامات نہ مانے اور آپ ﷺ کے فیصلوں کو پس پشت ڈالے اور ان سے انحراف کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات نہ ماننے کا مطلب خود اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تسلیم

ہ کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

و ما ینطق عن الھوی ان ھوا الا وحی یوحٰی (نجم۔۳۔۴)

"اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے' یہ تو وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے"۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرامین اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل فرمائی جانے والی وحی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس میں آپ ﷺ کی اپنی رائے یا خواہشات کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات بعینہ اسی طرح واجب الاطاعت ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کے احکام۔ یہی مضمون زیادہ واضح الفاظ میں قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ان الفاظ مین آیا ہے۔

فلا و ربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما (النساء۔۶۵)

"پھر (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک وہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حکم (منصف) نہ بنالیں۔ پھر جو فیصلہ آپ ﷺ کر دیں اس سے کسی طرح اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور (خوشی سے) پوری طرح قبول کر لیں"۔

یعنی ایمان کی شرط یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملے میں فیصلہ فرمادیں تو اس کو حق درست جان کر اس پر دل و جان سے راضی رہے اور دل میں تنگی محسوس نہ کرے اور شک کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہ آنے دے۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو دل سے قبول نہیں کرے گا' اس وقت تک اس کا ایمان بھی کامل نہیں ہو سکتا۔ (احسن البیان ۳۰۹/ ۲)

اس کے بعد اسی سورت میں یہ تنبیہ بھی فرمادی:

و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الھدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی و نصله جھنم۔ و ساء ت مصیرا (النساء۔۱۱۵)

"اور جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد بھی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلے گا تو ہم بھی اس کو اسی راستے پر چلائیں گے اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے"۔

اس آیت میں واضح فرمادیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت وبال عظیم ہے۔ تو گویا کہ آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ' سیرت طیبہ اور تعلیمات مقدسہ کی پیروی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ پھر جب آپ ﷺ کی ذات گرامی ایسی جامع کمالات ہے کہ جس نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کے مابین ایسا صحیح توازن قائم کیا کہ افراط و

تفریط کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا۔ اور کوئی دوسرا انسان خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور دنیا کے کسی گوشے میں رہتا ہو ان خوبیوں کا جامع تو کیا پاسنگ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر زندگی کے کسی معاملے میں ہمیں کہیں صحیح راہنمائی اور درست ہدایت مل سکتی ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ لہذا اگر ہمیں استحکام کے لیے اپنا لائحہ عمل وضع کرنا ہے تو نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے دامن رحمت سے اپنی وابستگی کو مضبوط کرنا ہو گا اور آپ ﷺ کی تعلیمات و فرمودات پر سنجیدگی اور پوری وفاداری و خلوص کے ساتھ عمل پیرا ہونا ہو گا۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر ہم فلاح و کامرانی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ بقول اقبال :

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر باؤ نہ رسیدی، تمام بولہبی ست

اسلام کا نظام حکومت

آج کل دنیا میں جتنے نظام ہائے حکومت رائج ہیں، اسلام کا نظام حکومت ان تمام سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام کا پیش کردہ تصور حکمرانی، دین و دنیا میں تفریق نہیں اتحاد پیدا کرتا ہے۔ اس کے نزدیک دین و دنیا، سیاست و حکومت اور عبادت و معاملات میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں۔ دونوں چیزیں باہم یوں متصل ہیں کہ انہیں جدا کرنا ممکن نہیں۔ اسلام کی یہی شان قرآن کریم میں بطور دعا یوں ذکر ہوئی :

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة و قنا عذاب النار (البقرۃ۔۲۰۱)

"اے ہمارے رب، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا"۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں : "اسلام دین و دنیا اور جنت ارضی اور جنت سماوی اور آسمانی بادشاہت اور زمین کی خلافت دونوں کی دعوت لے کر اول ہی روز سے پیدا ہوا۔ اس کے نزدیک عیسائیوں کی طرح خدا اور قیصر دو نہیں ہیں۔ ایک ہی شہنشاہ علی الاطلاق ہے، جس کی حدود میں نہ کوئی قیصر ہے اور نہ کوئی کسریٰ۔ اسی کا حکم عرش سے فرش تک اور آسمان سے زمین تک جاری ہے۔ وہی آسمان پر حکمراں ہے اور وہی زمین پر فرمانروا ہے"۔
(سیرت النبی ۳۲/۷)

مزید لکھتے ہیں : "وہ اسلام دیبیوں اور دیوتاؤں اور نمرودوں اور فرعونوں کو ایک ساتھ ان کے ایوانوں سے نکالنے کے لیے آیا تھا اور اس بات کی منادی کرتا تھا کہ آسمان ہو یا زمین دونوں میں ایک ہی حکومت ہے۔ اس کے آسمان میں نہ کوئی دیبی ہو گی نہ دیوتا، اور نہ زمین پر کوئی قیصر ہو گا اور نہ کسریٰ (ایضاً)

جبکہ دنیا کے دیگر تمام نظام ہائے حکومت، خواہ ان کا تعلق کسی بھی نظریے سے ہو اور وہ کسی بھی

حیثیت کے حامل ہوں' ان کی دیگر انگنت خرابیوں کو نظر انداز کر بھی دیا جائے تب بھی ان کی یہ خرابی مسلم ہے کہ ان کا تعلق زندگی کے صرف ایک پہلو سے ہے۔ ان میں زندگی کے صرف ایک حصہ پر بحث ہوتی ہے' جس کا تعلق دنیا کی بے ثبات و چند ساعتوں کی محدود زندگی سے ہے۔ جبکہ حقیقت اور اصلی زندگی ان کی نظروں سے یکسر اوجھل ہے اور ان کی یہی ایک خرابی ان کے ناممکن العمل ہونے کی کافی شہادت اور دلیل ہے۔ (تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت۔۱۶)

پس مسلمانوں کی زندگی کا مقصد اصل صرف دنیا کی بھلائی نہیں۔ اگر ہم نے دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تو اس سے دنیا تو مل جائے گی مگر آخرت میں ہمارا کچھ حصہ نہ ہوگا۔ اس کے برعکس اگر ہم نے آخرت کی بھلائی کے لیے کوشش کی تو دنیا اس کے طفیل میں خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

من کان یرید ثواب الدنیا فعند اللہ ثواب الدنیا والآخرۃ و کان اللہ سمیعا بصیرا (نساء۔۱۳۴)

"جو کوئی دنیا کا بدلہ چاہتا ہے تو اللہ کے پاس تو دنیا و آخرت دونوں کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا اور دیکھتا ہے"۔

یعنی جو شخص اپنی تمام تر توانائیاں اور کوششیں صرف حصول دنیا کے لیے صرف کرتا ہے تو وہ جان لے کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ وہ دنیا و آخرت دونوں کا مالک ہے۔ جب تم اس سے دنیا و آخرت دونوں کے طلب گار ہو گے تو وہ تمہیں دونوں عطا کر دے گا' کیونکہ تمام خزانوں کی کنجیاں اسی کے قبضے میں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ۵۶۴/۱)

اسلامی نظام حکومت کی اساس

اسلامی نظام حکومت کی اساس اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

ان الحکم الا للہ امر الا تعبدوا الا ایاہ ط ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون O (یوسف۔۴۰)

"اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں' اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرے' یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

یعنی اگرچہ انتظامی مصلحت کے تحت' حکومت و سلطنت کا دنیاوی نظام و انتظام' بندوں کے حوالے کر دیا گیا ہے اور پھر ان بندوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار کچھ عرصہ کے لیے چند لوگوں کو عطا کر دیا ہے۔ لیکن عارضی طور پر ان صاحب اختیار بندوں کو یہ بات ہرگز نہیں بھولنی چاہیے کہ وہ خدا کے بندے ہیں' ان کا مالک و خالق اللہ ہے۔ چنانچہ حکم بھی اسی کا ہے۔ عبادت بھی اسی کی کی جائے اور سلطنت میں قوانین بھی اسی کے رائج ہوں۔ اگر کوئی حاکم

ریاست اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ اختیارات سے تجاوز کرے اور اسلامی ریاست میں من چاہے احکامات کا اجرا
نفاذ کرنے لگے تو وہ درجہ نیابت کے مقام فضیلت سے گر کر "شخصی حاکمیت" کے لقب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت' قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیات میں بیان ہوئی ہے۔ ایک آیت میں یوں ذ
ہے :

الا لہٗ الحکم و ھو اسرع الحاسبین (الانعام۔ ۶۲)

"آگاہ ہو جاؤ بس اسی کا حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے"۔

یعنی اگر اس کے احکامات کو زندگی کے تمام معاملات کی بنیاد نہ بنایا تو یاد رکھو وہ "حاسب" بھی ہے۔ پھر ج
وہ احتساب کرے گا تو تم اس سے بچ کر نہ جا سکو گے۔

احکامات الٰہی کی دو قسمیں ہیں : تشریعی اور تکوینی۔ تشریعی سے مراد وہ احکامات ہیں جو انبیاء کرام ع
السلام کے ذریعے شریعت بن کر نازل ہوتے ہیں اور تکوینی وہ معاملات ہیں جو فطری حیثیت سے مخلوقات عالم
ودیعت رکھے گئے ہیں۔ ان دونوں اقسام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہے۔ دنیا کے سلاطین نہ تشریعی اختیار ر
ہیں نہ تکوینی' زمین سے آسمان تک ساری بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ (سیرت النبی ۱۰۵ / ۷)

حکومت' نعمت خداوندی

دنیا میں حکومت و سلطنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ حتیٰ کہ کتاب اللہ اور نبو
رسالت کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

فقد اتینآ ال ابراھیم الکتاب والحکمۃ و اتینٰھم ملکا عظیما (النساء۔ ۵۴)

"سو بے شک ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان کو کتاب اور حکمت (نبوت) بھی دی اور ہم نے
کو عظیم سلطنت بھی عطا فرمائی"۔

اس آیت میں کتاب اور حکمت (احکام شرعیہ' نبوت اور رسالت وغیرہ) کے بعد حکومت و سلطنت کا
کیا ہے۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان
السلام کو بڑی بڑی سلطنتیں عطا فرمائی تھیں' اسی طرح کچھ بعید نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیو
ان جیسی یا ان سے بھی بڑھ کر سلطنت عطا فرما دے۔ (تفسیر مظہری' النساء ۱۴۴ / ۲)

ایک اور مقام پر فرمایا :

ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (الانبیاء۔ ۱۰۵)

"بلاشبہ زمین کے مالک میرے نیک بندے ہیں"

لیکن دوسرے مقام پر اس امر کی بھی وضاحت فرمادی کہ یہ سلطنت اور حکومت اگرچہ انسان کو عطا ضرور کی گئی ہے مگر یہ کسی کی ملکیت نہیں' اس کے پاس صرف امانت ہے۔ اس کا مالک حقیقی اور اس کا وارث اصلی صرف اور صرف ایک ذات ہے' اللہ تبارک وتعالیٰ۔ ارشاد باری ہے :

انا نحن نرث الارض و من علیها و الینا یرجعون (مریم۔۴۰)

"بلا شبہ ہم ہی زمین اور اس پر بسنے والوں کے وارث ہیں اور ہماری ہی جانب ان کو (مال کار) لوٹنا ہے"۔

یعنی کائنات کی ہر چیز کا مالک و خالق اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کو عارضی طور پر یہ دنیاوی مال و متاع بطور امانت دیا ہے۔ مگر انسان کو پھر اللہ ہی کی جانب لوٹنا ہے۔ لہذا اگر اس نے امانت میں خیانت اور فرائض منصبی سے انصاف نہ کیا تو وہ یہ سوچ لے کہ اصل مالک کو جواب دہی بھی کرنی ہے۔

در حقیقت مالک ہر شے خدا است
ایں امانتِ چند روزہ نزدِ ما است

خلافت یا بادشاہی

قرآن کریم میں ارشاد ہے' اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرماتے ہیں :

یداوُدانا جعلنك خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوی فیضلك عن سبیل الله ط(ص۔۲۶)

"اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ (نائب) بنایا ہے' پس تم انصاف کے ساتھ حکم کیا کرو اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گی"۔

اس آیت میں بتا دیا کہ خلافت و حکومت ہم عطا کرتے ہیں اس کا حقیقی سبب اللہ کی دین ہے یہ اس پر موقوف نہیں کہ کوئی شخص اعلیٰ حسب و نسب کی بنیاد پر اس کی اہلیت و استحقاق رکھتا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں خلیفہ اور امیر کے فرائض کی جانب بھی توجہ دلائی ہے کہ چونکہ خلیفہ اللہ کا نائب ہے' اس لیے اس پر لازم ہے کہ وہ تمام فیصلے انصاف کے ساتھ کرے' کسی بھی معاملے میں عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ امور مملکت و سلطنت میں نفسانی خواہشات کا دخل بالکل نہ ہونے پائے' کیونکہ اگر امور سلطنت میں ان کا دخل ہو گیا تو پھر حکومت چل نہیں سکے گی' مملکت کا نظم و نسق درہم برہم ہو جائے گا اور وہ خواہشات نفسانی آخر کار تمہیں راہ خدا' راہ حق اور صراط مستقیم سے بالکل بھٹکا چھوڑیں گی۔

خلیفہ اور بادشاہ کا فرق حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بڑے عمدہ انداز میں بیان فرمایا۔ ان سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ ؟ سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب

دیا کہ اگر آپ مسلمانوں کی سرزمین سے ایک درہم یا اس سے کم و بیش کچھ بھی وصول کریں اور غیر مستحق مقام پر اس کو دے دیں تو آپ بادشاہ ہیں' خلیفہ نہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس طرح ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت کعب اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟ حضرت سلمانؓ نے جواب دیا کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو رعایا میں انصاف کرے' سب کو معاشی تقسیم ایک جیسی کرے اور رعایا پر ایسی شفقت کرے جیسی آدمی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن حکیم) کے مطابق کرے۔

سلیمان بن عوجاء کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ ایک شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین ان دونوں میں فرق ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا فرق ہے؟ اس نے کہا خلیفہ حق پر لیتا ہے اور حق پر دیتا ہے اور الحمد للہ آپ ایسے ہیں' اور بادشاہ ظلم کرتا ہے اور ظلماً لیتا اور دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری۔ ۸/۱۷۳)

یہ ہے مسلمانوں کے خلیفہ کی تعریف اور یہ ہے اسلام کا عطا کردہ تصور حکمرانی۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خلافت اور بادشاہت میں اسلام کے اعتبار سے عملی فرق ہے جو مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جو امیر خدا کے بندوں پر خدا کی زمین پر خدا کا حکم نافذ کرتا ہے وہ خلیفہ ہے' اللہ کا نائب ہے اور جو مملکت کے فیصلوں کی بنیاد خواہشات نفس پر رکھے اور خدا کے بندوں پر من چاہے قوانین مسلط کرے وہ خلیفہ کے علاوہ کچھ بھی ہو سکتا ہے مگر اسے خلیفۃ اللہ فی الارض قرار نہیں دیا جا سکتا۔

امیر ریاست کے فرائض

امیر ریاست (خلیفۃ اللہ) کے فرائض کی جانب مختصراً اوپر بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ دوسری آیت میں اس کی مزید وضاحت فرمائی گئی ہے۔ سورۃ الحج میں ارشاد ہے:

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و اتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر و للہ عاقبۃ الامور (الحج۔ ۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم ملک پر تسلط بخشیں تو یہ لوگ نمازوں کو قائم کریں گے' زکوٰۃ ادا کریں گے نیک کاموں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے' اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔

اور اس آیت سے قبل فرمایا:

ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز (الحج۔ ۴۰)

"اور اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی حمایت کرتا ہے۔ بیشک اللہ زبردست قوت والا

ہے"۔

یعنی جو لوگ اللہ کے دین کی ترویج اور اس کی اشاعت و نفاذ کا کام کریں گے اللہ تعالیٰ بھی ان کی نصرت اور مدد فرمائیں گے اور ان کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور فرما کر ان کی منزل کو قریب اور ان کا سفر آسان و سہل فرما دیں گے۔ پھر دوسری آیت میں ان لوگوں کی صفات کا ذکر فرمایا جو اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان کی چار صفات مذکور ہیں (۱) اقامت صلوۃ' نماز کا نظام قائم کرتے ہیں۔ (۲) نظام زکوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ (۳) امر بالمعروف' یعنی نیکیوں کا حکم دیتے ہیں۔ (۴) نہی عن المنکر' برائیوں سے روکتے ہیں۔ اور چونکہ وہ یہ تمام کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ہیں اس لیے پھر اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرتا ہے۔

در حقیقت کسی بھی اسلامی حکومت کی یہی چار اساسی اور بنیادی ذمہ داریاں ہیں اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانیت کی فلاح و بہبود انہی چار نکات میں مضمر ہے اور ان کے سیاسی' معاشی' معاشرتی اور سماجی حقوق کا تحفظ انہی چار باتوں کے ذریعے ممکن ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ تمام کام حسن تدبر اور نظم و نسق کے ساتھ انجام پذیر ہونے لگیں تو دنیا کے تمام مسائل خود بخود ختم ہو جائیں اور یہ جہنم زار دنیا جنت نظیر بن جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر روانہ فرمایا تو انہیں چند ہدایات دیں۔ خود حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اگر کوئی فیصلہ طلب امر پیش آئے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا' میں کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلے کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ سے فیصلہ نہ کر سکو (تمہیں اس سے راہنمائی نہ مل سکے تو) حضرت معاذؓ نے عرض کیا تو سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ فیصلہ کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور اگر تم سنت سے بھی فیصلہ نہ کر سکو تو۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا: پھر میں اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا (یعنی اجتہاد کروں گا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس جواب سے اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو ان باتوں کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی ہو۔ (مسند احمد ۳۲۱/۲)

اس حدیث میں حاکم کے چند اور فرائض مذکور ہیں۔ وہ اپنے تمام فیصلے کتاب و سنت کی روشنی میں کرے اور اگر کوئی نیا معاملہ پیش آجائے تو اجتہاد کرے۔ گویا کہ اجتہاد بھی اسلامی حکمران کے فرائض منصبی کا حصہ ہے۔ لیکن یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ مجتہد کے لیے کچھ شرائط ہیں۔ جو ان شرائط کی تکمیل کرے گا فقط وہی مجتہد کے منصب جلیلہ پر متمکن ہونے کا حقدار ہوگا۔ ہر شخص کو یہ عظیم اور اہم ذمہ داری نہیں سونپی جا سکتی۔

اسلام نے امیر ریاست کے اور بھی بہت سے فرائض متعین کیے ہیں۔ امیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ

رعایا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔ معروف کی تاکید اور منکرات کی روک تھام کرے۔ عہدے کی حرص نہ کرے۔ امیر کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنی حکمرانی کو بنیاد بنا کر اپنے لیے ترجیحی سہولیات حاصل نہ کرے' عوام کے لیے امیر تک پہنچنے میں رکاوٹیں نہ کھڑی کی جائیں اور وہ امور سلطنت اپنے ساتھیوں کے مشورے سے انجام دے۔ امیر کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ عوام کی معاشی حالت کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتا رہے تاکہ وہ پر سکون' مطمئن اور آسودہ حال زندگی بسر کر سکیں۔ (ہادی اعظم ۲۹۵۔۲۹۷)

استحکام حکومت

کسی بھی مملکت کے استحکام کے لیے خصوصاً جبکہ وہ ایک نظریاتی مملکت ہو یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کا نظم و نسق چلانے کے اصول و ضوابط ہوں' طریقہ کار ہو اور واضح و غیر مبہم نظام حکومت و سلطنت ہو۔ اسلام نے اس سلسلے میں واضح احکامات بیان کیے ہیں' جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مفصل ذکر فرمایا ہے۔ ان کی روشنی میں کسی بھی اسلامی سلطنت کو استحکام و دوام عطا ہو سکتا ہے۔ ذیل میں ان میں سے چند اہم اصول و قوانین کا وطن عزیز مملکت خداداد پاکستان کی صورتحال کے تناظر اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ ہدایات و طریقہ کار کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔

استحکام حکومت کے ضمن میں جو عوامل بنیادی نوعیت کے حامل قرار دیئے جا سکتے ہیں انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: (۱) خارجی' (۲) داخلی۔ یہاں پہلے داخلی عوامل کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا بعد میں خارجہ امور پر روشنی ڈالی جائے گی۔

داخلی عوامل

ریاستی استحکام میں بنیادی کردار ادا کرنے والے داخلی عوامل مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اس مضمون میں ہم نے ان کو ذیل کے عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے:

(۱) باہمی اتحاد و تنازعات سے اجتناب' (۲) نظام عدل و انصاف' (۳) ملکی دفاع' (۴) مساوات' (۵) علاقائی عصبیت' (۶) حدود و تعزیرات' (۷) انسداد رشوت' (۸) معاشی حالت ذیل میں ان کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیا جائے گا۔

باہمی اتحاد و تنازعات سے اجتناب

ریاست میں امن و استحکام کے لیے باہم اتحاد قائم رکھنا اور آپس کے لڑائی جھگڑوں اور تنازعات سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس عالم آب و گل میں بسنے والے تمام انسان بلا تفریق رنگ و نسل اور قوم

بائل آپس میں مل جل کر رہیں اور ایک دوسرے کے تعاون سے ایک ایسی ریاست تشکیل و ترتیب دیں جہاں تمام معاملات کی بنیاد اخوت و محبت پر ہو اور جہاں تمام فیصلے عدل و انصاف سے کیے جائیں۔ جہالت اور اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت عصبیت کو فروغ دیتی ہے اور عصبیت 'اتحاد و اخوت کی ضد ہے۔ عصبیت کی بنیاد علاقائیت 'لسانیت' بائل و ثقافت پر ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس کی کھلی اور واضح تردید فرماتے ہوئے اتحاد و اخوت کا درس دیا۔ ارشاد ری ہے:

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبآئل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند لله اتقکم ان الله علیم خبیر۔ (الحجرات۔ ۱۳)

"اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے"۔

یعنی قبائل اور برادریاں صرف باہم متعارف ہونے کے لیے قائم کی گئیں۔ ان کو نفرت و حقارت کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا اور قبائلی اونچ نیچ اور ذات پات کی برتری اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر عنداللہ کوئی چیز مقبول ہے 'اگر اللہ کے ہاں کسی بات کی اہمیت ہے تو وہ صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ (تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت۔ ۲۷)

در حقیقت اخوت و اتحاد ہی وہ بنیادی عناصر ہیں جن کو بروئے کار لا کر کسی بھی قوم کی شیرازہ بندی کی جا سکتی ہے۔ اسلام نے بھی اس کو اہمیت دی ہے۔ اور عبادات کو بھی اس کی ترویج کے لیے استعمال کیا۔ خصوصاً نماز کو باجماعت ادا کرنے کی تاکید فرمائی تاکہ لوگ ایک دوسرے سے ملیں اور اتحاد کو فروغ حاصل ہو۔ پھر جمعہ کی نماز ہفتے میں ایک بار فرض قرار دی اور اس کو مسجد و جماعت کے ساتھ مشروط کیا تاکہ عام ایام میں سستی کرنے والے حضرات کو بھی باہم مل بیٹھنے کا موقع مل سکے۔ کیونکہ رنجشیں اور کدورتیں دور رہنے سے بھی زیادہ ہوتی ہیں اور قریب ہونے اور مل بیٹھنے سے انہیں دور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

باہمی تنازعات بھی اتحاد و اتفاق کی فضا کو مسموم کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے ریاست کے استحکام کو نقصان پہنچتا ہے۔ قرآن کریم نے اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ولا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم واصبروا ط ان الله مع الصّٰبرین (الانفال۔ ۴۶)

"(اے ایمان والو!) آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

یعنی اگر تم آپس میں جھگڑا کرنے لگے تو تم استحکام کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اور ترقی نہ کر سکو گے۔ اس آیت میں باہمی تنازع کے دو نقصان بتائے گئے ہیں: (۱) تم آپس کے جھگڑوں میں الجھ کر بزدل ہو جاؤ گے اور دشمن سے مقابلے کی صورت میں تم کامیابی حاصل نہ کر سکو گے۔ کیونکہ تمہاری قوت اور تمام تر توانائیاں' جنہیں ریاست کی حفاظت واستحکام کے لیے کام آنا چاہیے' آپس کے تنازعات میں صرف ہو چکی ہوں گی۔ (۲) تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن پر تمہارا رعب ودبدبہ برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اور دشمن تم پر حملہ آور ہونے کے لیے پر تولنے لگے گا اور یہ امر واقعہ ہے کہ کسی بھی سلطنت پر دشمن قوتوں کو حملہ آور ہونے کا جواز اکثر ریاست کی مختلف قوتوں کے باہمی تنازعات نے فراہم کیا ہے۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اتحاد واتفاق خود ہماری اپنی بقا کی ضرورت ہے' کیونکہ زندگی تنہا نہیں گزاری جا سکتی اور انسان کو اپنے سکون واطمینان کے لیے اتحاد درکار ہے۔ بصورت دیگر وہ اس کائنات کا نظام کا حصہ نہیں بن سکتا۔

اسلام کے عطاء کردہ نظام میں انتشار وافتراق کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ وہ کسی بھی قسم کی تقسیم کا قائل نہیں بلکہ وہ ہر قسم کی تفریق و امتیاز کو ختم کر کے ایک قوم کی صورت عطا کرتا ہے اور المسلم اخو المسلم (مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے) کا فلسفہ اخوت ومحبت پیش کرتا ہے۔ اسلامی ریاست کی ساری عمارت اسی فلسفہ کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے لوث محنت اور تربیت کا ہی فیضان اثر تھا کہ متفرق' منتشر اور ہزاروں قبائلی ٹکڑوں میں منقسم گروہوں کا ہجوم ایک مضبوط قوم اور ناقابل تسخیر قوت میں تبدیل ہو گیا۔

جنگ یرموک کا ناقابل فراموش اور سبق آموز واقعہ ہم سب کو دعوت غور و فکر دیتا ہے۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس جنگ میں میرے بھائی زخمی ہوئے۔ وہ تڑپ رہے تھے اور پیاس کی شدت سے بے تاب تھے۔ انہوں نے اشارے سے مجھ سے پانی طلب کیا۔ میں پانی لے کر ان کے پاس پہنچا تو قریب ہی موجود دوسرے زخمی مجاہد کی کراہ سنائی دی۔ میرے بھائی نے پانی اس مجاہد کو پلانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پہنچا تو تیسرے مجاہد کی آواز آئی۔ دوسرے مجاہد نے انہے پلانے کا اشارہ کیا۔ میں وہاں پہنچا تو چوتھے زخمی مجاہد کی آواز سنی۔ غرض جب میں آخری شخص کے پاس پہنچا تو وہ اپنی جان' جان آفریں کے سپرد کر چکا تھا۔ میں واپس پلٹا تو تیسرے مجاہد کی روح بھی پرواز کر چکی تھی۔ اسی طرح دوسرے مجاہد سے ہوتا ہوا جب واپس اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی دار بقا کو روانہ ہو چکے تھے۔

یہ تھی انما المؤمنون اخوۃ کی عملی تفسیر کہ انہیں حالت نزاع میں بھی اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف گوارا نہ تھی۔

اس واقعے کی روشنی میں ہمیں اپنے طرز عمل کا جائزہ لینا چاہیے' اور اپنی سوچ و فکر کو پرکھنا چاہیے۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ آج وطن عزیز کو ایسے ہی جذبہ ایثار و قربانی اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے اور اتحاد ہی کے بل پر ہم دولت استحکام حاصل کر سکتے ہیں۔

نظام عدل و انصاف

عدل عربی زبان کا لفظ ہے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی کمی بیشی نہ ہو' اسے عدل کہا جاتا ہے۔(المفردات۔ ۳۲۴)

اس اعتبار سے عدل یہ ہے کہ ہم جو کام بھی کریں اور جو بات بھی کہیں اس میں میزان صداقت کسی جانب بھی جھکنے نہ پائے' بلکہ صرف وہی بات کہی جائے اور فقط وہی کام کیا جائے جو انصاف کی کسوٹی پر ہر طرح سے پورا اترے۔

کسی بھی مسلم ریاست یا اسلامی مملکت کے لیے نظام عدل و انصاف کا قیام ابتدائی ضروریات میں سے ہے۔ اس کے بغیر کوئی سلطنت اور مملکت استحکام حاصل نہیں کر سکتی' کیونکہ اس کا تعلق براہ راست عوام سے ہے۔ جب تک ریاست میں بسنے والے تمام افراد کو بلا تفریق اور بلا تاخیر انصاف مہیا نہیں کیا جائے گا ان کو ذہنی طور پر آسودہ نہیں کیا جا سکتا اور جب تک وہ ذہنی طور پر کسی حکومت سے مطمئن و متفق نہیں ہوں گے اس وقت تک وہ حکومت سے تعاون نہیں کریں گے اور عدم اطمینان اور عدم تعاون کی یہ فضا داخلی انار کی اور عدم استحکام کو جنم دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استحکام کی راہ میں رکاوٹ بننے والے اس عامل کی بھی بیخ کنی کی اور فوری اور آسان انصاف مہیا کرنے والا نظام رائج کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین جانی دشمن یہود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل و انصاف کے معترف تھے اور اپنے معاملات اور مقدمات آپ ﷺ کی عدالت میں پیش کرتے اور آپ ﷺ سے فیصلے کرواتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کے عدل و انصاف کی بین اور سب سے بڑی دلیل ہے اور تاریخ انسانی اس کی مثال تو کجا نظیر تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ اسلام کی آمد سے قبل جہاں دوسرے بہت سے معاملات حد سے تجاوز کر چکے تھے' وہیں یہود کے قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ میں عزت و شرف کا بالکل غیر فطری اور نہایت غیر معقول معیار رائج تھا۔ اس کے مطابق بنو قریظہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے فرد کو قتل کر دیتا تو قصاصاً قاتل کو بھی مارا جاتا' لیکن اگر کوئی بنو نضیر کا فرد بنو قریظہ کے کسی شخص کو مار ڈالتا تو قصاصاً اسے قتل نہ کیا جاتا بلکہ اس کا خون بہا سو وسق کھجور کی صورت میں ادا کر دیا جاتا تھا۔ یعنی شرف و مرتبہ کے اعتبار سے بنو نضیر کو بنو قریظہ پر فوقیت حاصل تھی۔ دور اسلام میں جب اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو بنو قریظہ نے سارا قصہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت

کے حکم کے بموجب تمام قبائل میں برابر کا قصاص جاری فرمادیا اور یہ غیر فطری اور غیر اصولی تفریق ختم فرمادی۔ (ابو داؤد۔ کتاب الدیات 'باب النفس بالنفس)

حکمران طبقہ ہمیشہ سے اپنے آپ کو تمام اصول و قوانین سے مبرا ورا تصور کرتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصور کی بھی نفی فرمادی اور ایک موقع پر فرمایا: "اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹتا"۔ (بخاری ۱۲۲ / ۴)

حضرت سرقؓ نامی ایک صحابی رسول نے ایک دیہاتی سے اونٹ خریدا مگر بروقت اس کی قیمت ادا نہ کر سکے۔ وہ انہیں پکڑ کر دربار رسالت میں لے آیا اور واقعہ ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھی اور صحابی ہونے کے لحاظ سے حضرت سرقؓ کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک نہیں فرمایا بلکہ حقدار کا حق ادا کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے رقم نہ ہونے کا عذر پیش کیا آپ ﷺ نے دیہاتی سے کہا کہ انہیں بازار لے جاکر فروخت کردو۔ وہ انہیں بازار لے گیا اور وہاں ایک صحابی نے انہیں خرید کر آزاد کردیا۔ (دار قطنی 'جلد ۲)

آج اگر وطن عزیز پاکستان میں استحکام پیدا کرنا ہے تو اسلام کے تعلیم فرمودہ ان راہنما اصولوں کی روشنی میں کام کرنا ہوگا اور ایسا نظام عدل و انصاف قائم کرنا ہوگا جو بلا امتیاز رنگ و نسل و بلا تفریق عہدہ و حیثیت ہر شہری کو آسان 'فوری اور سستے انصاف کی ضمانت دے سکے۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ خطوط پر ہی نظام عدل استوار کرکے ہی استحکام کی منزل کو قریب تر کرسکتے ہیں۔

ملکی دفاع

کوئی بھی ریاست ملکی دفاع کی جانب سے غفلت کا مظاہرہ نہیں کرسکتی۔ اس کے بغیر استحکام کا تصور نامکمل ہے۔ امن و استحکام کے لیے ایک اہم اصول یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں اپنی فوجی تیاری ہر وقت مکمل رکھی جائے اور ملک کی افواج کو ہر لمحہ دشمن سے فائق اور برتر حالت میں رکھا جائے۔ قرآن کریم اس بنیادی حربی 'فوجی اصول کی جانب یوں اشارہ کرتا ہے:

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل ترهبون به عدو الله و عدوكم (الانفال۔ ۶۰)

"اور (مسلمانو!) جس قدر تم سے ہوسکے (اپنی) قوت سے اور سدھے ہوئے گھوڑوں سے (مقابلے کے لیے) سامان تیار رکھو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر تمہاری دھاک جم جائے"۔

اس آیت میں جنگ کے لیے ہر لحاظ سے اور مکمل طور پر تیار رہنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی دیا کہ تمہاری کامیابی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ تم دشمن کے مقابلے میں ویسا ہی سامان اتنی ہی مقدار میں جمع کرو جتنا کہ تمہارے دشمن کے پاس ہے۔ بلکہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق بھرپور تیاری رکھو 'باقی اللہ پر بھروسہ رکھو

شاء اللہ اس کی نصرت سے کامیابی تمہاری ہی ہو گی۔
اس آیت میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "قوت" کا لفظ استعمال فرمایا ہے' جس میں اس بات جانب اشارہ ہے کہ یہ قوت ہر زمانے میں اور ہر مقام پر مختلف ہو سکتی ہے۔ توپ اور تفنگ کے سامنے جس طرح وار اور نیزے کار آمد نہیں اسی طرح کیمیاوی اور ایٹمی ہتھیاروں کے دور میں عام گنوں اور رائفلوں پر بھروسہ قوت" کی تعریف میں نہیں آتا۔ جو بھی مروجہ ہتھیار اور آلات حرب ہوں ان کی مقدور بھر تیاری رکھنا ضروری ہے۔

باغیوں کے خلاف جہاد

ملکی دفاع اور ریاستی استحکام کے لیے باغیوں کی سرکوبی اور ان کے خلاف جہاد کرنا بھی نہایت ضروری ہے' کہ ملک کے داخلی معاملات بغیر انتشار کے رواں دواں رہیں اور بدامنی و فساد نہ پھیلنے پائے اور اس طرح ریاست رور وافتراق و انتشار کا شکار ہونے سے محفوظ رہے۔
اسلام کی نظر میں بغاوت بدترین جرم ہے۔ خلیفہ اور امیر کے انتخاب کے بعد اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا ر اس کی اطاعت کرنا تمام مسلمانوں کے لیے لازمی ہے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ اپنے عزائم و خواہشات کی تکمیل کے لیے خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کرے اور اس کے احکامات کو تسلیم کرنے سے انکار کرے یا کوئی گروہ منتخب دہ خلیفہ اور امیر کے مقابلے میں اپنا علیحدہ قائد منتخب کرے اور اسلامی ریاست میں افتراق و فساد کا باعث بنے تو خلیفہ قت کو چاہیے کہ وہ ان آمادہ شر و فساد قوتوں کی پوری قوت کے ساتھ سرکوبی کرے تاکہ آئندہ کوئی بغاوت کرنے ر اسلامی سلطنت کو نقصان پہنچانے کا تصور نہ کر سکے۔ (ہادی اعظم۔ ۸۲۳)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وان طائفتٰنِ من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھماج فان ؑبغت احدٰھما علی الأخری فقاتلوا التی
تبغی حتی تفیء الی امر اللہج (الحجرات۔۹)
"اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو' پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے کے خلاف بغاوت کرے تو تم سب بغاوت کرنے والے گروہ کے خلاف لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف لوٹ جائے"۔
یعنی اگر کوئی گروہ صلح کے بعد بغاوت کر کے انتشار کا سبب بنے تو تمام مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس باغی گروہ کے خلاف علم جہاد بلند کریں' حتی کہ وہ اللہ کے حکم اور فیصلے کی طرف لوٹ آئے اور پوری قوم کا فیصلہ تسلیم کرتے ہوئے بغاوت سے باز آجائے۔

جاسوسوں کی سرکوبی

ہر ریاست کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی حکومت اور مملکت کے دفاع کو اس قدر مضبوط کر لے کہ ا
کے دشمن کو اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہ ہو۔ لیکن اس راہ میں ایک رکاوٹ حریف ممالک کی جا
سے بھیجے جانے والے جاسوسوں کی صورت میں پیش آتی ہے جو ملک کے اندرونی معاملات کے راز' خصوصاً ج
امور کا تعلق ملکی دفاع و سالمیت سے ہوتا ہے' وقتاً فوقتاً اپنے ملکوں کو فراہم کرتے رہتے ہیں۔ جس سے ملکی دفا
تحفظ سے وابستہ ساری مشینری مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے اور ملک کے اندرونی معاملات راز نہیں رہتے۔ اسلام نے ا
وجوہ کی بنا پر جاسوسوں کی سختی کے ساتھ سرکوبی کی ہدایت کی ہے۔

فتح مکہ کے لیے جب مدینہ منورہ میں خفیہ طور پر تیاریاں جاری تھیں اور حدیبیہ کا معاہدہ منسوخ ہو چکا تھا
اس وقت ایک بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے ایک عورت کے ہاتھ کچھ معلومات مشرکین مکہ کے
روانہ فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اطلاع ہوئی۔ وہ عورت پکڑی گئی' خط ضبط کیا گیا اور حضر
حاطبؓ سے اصل معاملہ دریافت کیا گیا۔ انہوں نے کہا چونکہ میرے رشتہ دار مکہ میں موجود ہیں اور قریش سے م
کوئی نسبی تعلق نہیں جیسا کہ دوسرے مسلمانوں کا ہے' اس لیے میں نے چاہا کہ ان پر احسان کروں تاکہ وہ میر
رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تائید فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
کہ یارسول اللہ مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن اڑا دوں' مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ غزوہ بدر
شریک رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے بارے میں فرمادیا ہے کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت
دی (بخاری۔ ۳۴/۳) اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

یا ایها الذین امنوا لا تتخذوا عدوی و عدو کم اولیآء تلقون الیهم بالمودة و قد کفروا بما جا
کم من الحق ج (الممتحنة۔۱)

"اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' تم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے
حالانکہ وہ اس دین حق انکار کر چکے ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے"۔

جہاد' اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد دین اسلام کو تمام ادیان پر غال
کرنا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله ط (الفتح۔۲۸)

"وہ خدا ہی تو ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اس دین حق) کو (دنیا کے) تمام ادیان پر غالب کر دے"۔

اس لیے اسلامی ریاست کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ دین اسلام کے غلبے کے لیے جہاد کا قاعدہ نظام قائم کریں' کیونکہ اسلام کو پھیلانے اور عام کرنے کی راہ میں جو رکاوٹیں پیش آئیں گی ان کا ازالہ صرف جہاد ہی سے ممکن ہے۔ اور چونکہ یہ معاملہ حربی امور سے تعلق رکھتا ہے اس لیے جہاد لاعلاء کلمۃ اللہ بھی ملکی دفاع کا یک حصہ ہے اور اسلام میں اس کے اسی مقام کی بناء پر فقہاء کرام نے عام حالات میں جہاد کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ یعنی اگر مسلمانوں میں سے کچھ گروہ سلسلہ جہاد کو قائم رکھیں گے تو یہ فریضہ پوری امت کی طرف سے ادا ہو جائے گا ورنہ بصورت دیگر پوری امت مسلمہ اس فریضہ کی تارک اور گناہگار ہو گی۔ جہاد کی یہ اہمیت اور تاکید قرآن کریم میں مختلف آیات میں بیان ہوئی ہے۔ ایک مقام پر ارشاد خداوندی ہے :

انفروا خفافاً و ثقالا و جاھدوا باموالکم و انفسکم فی سبیل اللہ (توبہ۔۴۱)

"(اے مسلمانو!) تم (جہاد کے لیے) نکل پڑو' خواہ ہلکے ہو یا بھاری اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو"۔

یہاں جہاد کی دو اقسام جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کا ذکر ہے اور پھر چونکہ انسان کے لیے اپنا مال خرچ کرنا بہت شاق ہے اور پھر جان لٹا دینا اور بھی سخت ہے' اس لیے آگے یہ بھی فرمادیا کہ تم چاہے خوشی سے یہ بات تسلیم کرو نہ کرو' در حقیقت تمہارے لیے بہتر یہی ہے جو ہم کہہ رہے ہیں' فرمایا :

ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون (ایضاً)

"تمہارے لیے یہی بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو"

اسلام کے اس عظیم مقصد' دین حق کو سارے عالم میں تمام ادیان باطلہ پر غالب کرنے کے لیے جہاد کی ترغیب اور حکم دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا :

و قاتلو ھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ (الانفال۔۳۹)

"اور تم کافروں سے قتال کرو' حتی کہ فساد ختم ہو جائے اور سارا دین اللہ کے لیے ہو جائے"۔

اوپر تحریر ہونے والی تفصیل سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ آج وطن عزیز پاکستان کو دفاعی اعتبار سے نا قابل تسخیر بنانے کے لیے ایک طرف تو یہ امر نہایت ضروری ہے کہ افواج پاکستان کے لیے مروجہ آلات حرب کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے اور ان کی پیشہ وارانہ صلاحیت و مہارت میں امکانی حد تک اضافہ کیا جائے' دوسری جانب اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ ان افراد پر کڑی نظر رکھی جائے اور ان سے ملک کو پاک کیا جائے جو حریف ممالک کے

مفادات کی نگرانی کرتے ہیں۔ خواہ وہ ان ممالک سے تعلق رکھتے ہوں یا اسی وطن کے باسی ہوں۔ مگر چند سکوں کی خاطر اپنی وفاداری نیلام کر چکے ہوں۔ ایسے تنگ وطن لوگوں سے رعایت وطن کے استحکام وسالمیت کے لیے سخت ضرر رساں ثابت ہو سکتی ہے۔ نیز ایسے حالات پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ کسی کو ملکی نظام سے بغاوت کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ اگر مذکورہ اقدامات کر لیے جائیں تو ملکی دفاع کو بھی ناقابل تسخیر بنایا جا سکتا ہے اور استحکام کے حصول کے لیے کی جانے والی کوششیں بھی بار آور ثابت ہو سکتی ہیں۔

مساوات

اسلامی ریاست کے تمام طبقات اور قوتوں کے مابین ہر اعتبار سے مساوات قائم رکھنا بھی والیان ریاست کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ معاشرتی اونچ نیچ بھی ملکی استحکام کو خطرات سے دوچار کر سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں بھی جامع ترین اسوہ عمل ہمارے لیے چھوڑا ہے۔

ایک ایسے معاشرے میں جہاں عقائد ومذہب کی بنیاد پر تعصب کی جڑیں نہایت گہری تھیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی طرح مساوات کی روح کو متاثر نہیں ہونے دیا' خصوصاً قوانین کے اجراء ونفاذ میں بھی مساوات کا خاص خیال رکھا۔ ریاست کے معاملات میں سب برابر تھے' خواہ امیر ہو یا غریب اور کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم' آپ کا سلوک ان کی انفرادی اور مذہبی حیثیت سے قطع نظر صرف وہی ہوتا تھا جس کا انصاف تقاضا کرتا تھا اور جو عدل کے مطابق تھا یہی وجہ تھی کہ یہود جیسے کٹر دشمنان اسلام تک نے اپنے باہمی تنازعات میں ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر اعتماد کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کے سلسلے میں کبھی اپنے وبے گانے کی تفریق نہیں فرمائی۔ نہ صغیر وکبیر کی بنیاد پر کسی قسم کا امتیاز کیا۔ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ ہر معاملے میں تیمن (دائیں طرف سے ہر کام کے آغاز) کو پسند فرماتے تھے۔ ایک بار آپ کی مجلس میں کبار صحابہؓ کا مجمع تھا۔ اتفاق سے دائیں جانب ایک کم سن صحابی (ابن عباسؓ) بیٹھے ہوئے تھے۔ کہیں سے دودھ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرما کر ان سے پوچھا کہ اگر اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دے دوں؟ کمسن صحابی (ابن عباسؓ) نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اس ہدیے میں ایثار نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ نے انہیں دودھ دے دیا کیونکہ دائیں جانب ہونے کی وجہ سے ازروئے ترتیب مجلس وہی حقدار تھے۔ (بخاری۔ ۲۳۲/ ۳)

امراء اور طبقہ اشرافیہ کا زمانہ قدیم میں یہ دستور چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لیے مختلف روایات قائم کرتے ہیں۔ یہ روش معاشرے میں طبقاتی تضاد کو ابھارتی اور ارا کین سلطنت میں تفریق کو فروغ دیتی ہے' جس سے اتحاد واتفاق اور مساوات کی روح مجروح ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تفریق

کو بھی کبھی پسند نہیں فرمایا۔ (سیرت النبی ۲۰۳ / ۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے بھی عام لوگوں سے نمایاں انداز اختیار نہیں فرمایا۔ ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مل جل کر اور سادہ انداز میں بسر کی' حتی کہ جب صحابہ کرامؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ کے لیے سایہ دار چھپر ڈال دیا جائے تو آپ ﷺ نے اسے بھی ناپسند فرمایا۔ (مسند احمد۔ ۲۶۸ / ۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں خود بنفس نفیس شریک رہتے تھے۔ مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کی داغ بیل کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی' جو مسجد ہونے کے ساتھ ساتھ ایوان حکومت' دربار رسالت' مرکز اسلام اور دار الانصاف وغیرہ سب ہی کچھ تھی۔ آپ ﷺ اس کی تعمیر میں بذات خود شریک رہے اور خود اینٹیں اٹھا کر لاتے رہے۔ (بخاری ۲۲۹ / ۲)

غزوہ خندق کے موقع پر جب مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کا مرحلہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ساتھ قدم قدم پر شریک رہ کر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ آپ ﷺ نے خود کھدائی میں حصہ لیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک پر مٹی جم گئی تھی۔ (بخاری ۲۲ / ۳)

غزوہ بدر میں سواریاں کم تھیں۔ تین افراد کے حصہ میں ایک اونٹ آیا تھا۔ تمام لوگ باری باری سفر کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آنے والے اونٹ میں بھی دو اور صحابیؓ شریک تھے۔ سب نے کہا کہ آپ سواری فرمائیں ہم پیادہ چلیں گے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ چل سکتے ہو' نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں۔ (سیرت النبی ۲۰۳ / ۲)

یہ تھا وہ اسوہ حسنہ جو آپ صلی اللہ علیہ سلم نے ایک حاکم اور امیر سلطنت کی حیثیت سے پیش فرمایا۔ یہ اسوہ ہم سب کو دعوت عمل دے رہا ہے۔ ہمارے یہاں معاشرتی اونچ نیچ بہت بڑھ چکی ہے' حکمرانی کو ایک خاص طبقے کی میراث قرار دے دیا گیا ہے۔ ایک طرف تو عام لوگوں کے لیے ضروریات زندگی قرار دی جانے والی اشیاء بہ افراط دستیاب نہیں ہیں اور دوسری جانب طبقہ اشرافیہ کے اللے تللے تمام حدود سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ کسی بھی قسم کا اختیار رکھنے والے اپنے آپ کو عامۃ الناس کی سطح پر برتر سمجھنے لگتے ہیں۔ قانون کے بارے میں عام تصور یہ قائم ہو چکا ہے کہ اس کا اطلاق اور نفاذ صرف عوام پر ہوتا ہے۔ ایسی سنگین صورت حال میں ضروری ہے کہ ہم اپنے طرز عمل کا از سر نو جائزہ لیں اور اپنے انداز حیات کو تبدیل کریں۔ معاشرے میں بے چینی و بد اعتمادی کا سبب بننے والی مصنوعی تفریق کو ختم کریں اور حکومتی ذمہ داریوں پر فائز ہونے والے حضرات اپنے انداز فکر کو بدلتے ہوئے سب کے ساتھ مساوات پر مبنی سلوک کریں۔ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہر قسم کا امتیاز ہمارے ہاں ختم ہو جائے اور سب مساوات و بھائی چارے کے ساتھ امن و سکون کے ساتھ رہ سکیں اور وطن عزیز کو استحکام حاصل ہو۔

علاقائی عصبیت

ملکی استحکام کے لیے علاقائی اور قبائلی عصبیت سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ ایسا معاشرہ مسلسل طبقاتی کشیدگی اور انارکی کی زد میں رہتا ہے جہاں کسی بھی سطح پر تعصب روا رکھا جاتا ہو' خاص کر جب یہ تعصب باہمی اور ریاستی معاملات میں دراندازہو جائے تو اس کے نتائج نہایت مہلک اور دوررس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قبائلی علاقائی تفریق کا رویہ ارشاد فرما کر بند کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور شرف کا مدار تقویٰ پر ہے' قوم و قبائل پر نہیں۔ ارشاد ہے:

یا ایھاالناس انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبآئل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر۔(الحجرات۔ ۱۳)

"اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو' بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے' یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا باخبر ہے"۔

اس ارشاد میں یہ وضاحت بھی فرمادی کہ قوم و قبائل کی تقسیم صرف باہم متعارف ہونے کے لیے کی گئی اس کو عصبیت کی بنیاد بنانا درست نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی سنگینی کے پیش نظر اس پر توجہ مرکوز کی اور مدینہ منورہ میں ہی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سب سے پہلے انصار و مہاجرین کے مابین رشتہ مواخات قائم کر دیا' جو اپنے بعض احکامات اور ان انصار و مہاجرین کے مابین مثالی تعلقات کی وجہ سے نسبی تعلقات پر بھی فوقیت رکھتا تھا۔ ورنہ انصار و مہاجرین کے قبائلی پس منظر کو دیکھتے ہوئے ان کے مابین کسی بھی موقع پر اختلافات کا خدشہ موجود تھا۔ اس رشتے نے جس کی بنیاد صرف مذہب پر قائم ہوئی' تاریخ انسانیت میں نیا باب رقم کیا۔

اس کے باوجود جب کبھی کسی جانب سے مغایرت یا تفریق کی آواز بلند ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فوراً سدباب کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر صحابیؓ نے ایک انصاریؓ کو تھپڑ مارا۔ انصاری نے کہا یاللانصار' اور مہاجر نے اس کے جواب میں یاللمہاجر کی صدا لگائی (قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ جاہلیت کی پکار کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک مہاجر نے انصاری کو تھپڑ مار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کی پکار چھوڑ دو یہ نہایت ناگوار بات ہے۔(بخاری۔ ۱۴۵ / ۳)

یوں ایک بے مقصد مگر نہایت ضرر رساں لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ ہمارے وطن پاک کے موجودہ حالات کے حوالے سے اس روایت میں راہنمائی کا بہت سا سامان موجود ہے۔ اگر ہم اپنے وطن کو ہر قسم کی عصبیت

سب سے پاک کرنا چاہتے ہیں تو اس حدیث شریف کی روشنی میں عملی اقدامات کرنے ہوں گے۔ وطن عزیز اس وقت جس آزمائش سے دوچار ہے اس سے نکلنے کے لیے ہم سب کو اپنی ذاتی و شخصی خواہشات اور گروہی مفاد کو ملکی مفاد پر قربان کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے جس سے تمام طبقات میں اتفاق واتحاد کا احساس پیدا ہو اور ایسا کوئی قدم ہرگز نہ اٹھایا جائے جس سے کسی امتیاز یا تعصب کی بو آتی ہو۔

حدود و تعزیرات

ریاست کے داخلی امن و استحکام کے لیے ایک چیز جو نہایت مضر ثابت ہوتی ہے وہ اخلاقی جرائم ہیں۔ اسلام بے حیائی' بدکاری و بدکرداری کو سختی کے ساتھ ختم کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اچھی معاشرتی اقدار کو پنپنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاخرۃ (النور۔۱۹)

"جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مومنوں میں بدکاریوں کے چرچے ہوں ان کے لیے دنیا و آخرت (دونوں) میں دردناک عذاب ہے"۔

اس آیت میں خواہشات و منکرات کا تذکرہ تھا' دوسرے مقام پر خاص طور پر زنا کی مذمت و شناعت یوں بیان کی گئی۔

ولا تقربوا الزّنٰی انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا (بنی اسرائیل۔۳۲)

"اور زنا کے قریب (بھی) مت جاؤ یقیناً وہ بے حیائی اور بڑی بری راہ ہے"۔

یعنی معاشرہ بھی اسی سے بگڑتا ہے۔ اور فرد بھی اسی سے تباہ ہوتا ہے۔

معاشرے میں چوری' ڈاکہ بھی افراتفری' بدنظمی' بے یقینی اور عدم اطمینان کی فضا کو جنم دیتے ہیں۔ اسلام نے ان کی بھی بیخ کنی کی ہے۔ اسلام چور کو چوری سے روکنے کے لیے سب سے پہلے ان عوامل کو تلاش کرتا ہے جو اتنے بڑے اقدام کا سبب بنتے ہیں' پھر ان کا سدباب کرتا ہے۔ اس کے فلسفے کے مطابق چور اور ڈاکو کو ضروریات زندگی کی مناسب انداز میں عدم فراہمی اس انتہائی اقدام پر برانگیختہ کرتی ہے۔ اس لیے اسلام ایسے اقدامات کرتا ہے جس سے اسلامی ریاست میں بسنے والے ہر شخص کو اسباب زیست اس قدر وافر مقدار میں دستیاب ہو جائیں کہ کسی کو ایسے ناپاک اقدام کی ضرورت ہی نہ رہے۔ اس کے لیے وہ حکمرانوں میں احساس ذمہ داری بھی پیدا کرتا ہے۔ یہ احساس ذمہ داری ہی تھا کہ جس نے نصف شب کو خلیفہ ثانی کو اپنی پشت پر اناج کی بوری اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا اور یہ بھی احساس ذمہ داری ہی کا صدقہ تھا کہ اربوں میل کے وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی سلطنت کا امیر یہ کہنے پر مجبور

تھا کہ "اگر دریائے فرات کے کنارے پر ایک کتا بھی بھوک سے مر گیا تو اس کی بھی مجھ سے باز پرس ہو گی۔"

لیکن اس کے بعد بھی کوئی چوری کرے' ڈاکہ ڈالے تو یہ اس کی فسادی طبیعت کا اثر ہو گا' جس سے معاشرے کو بچانا ازبس ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی فطرت ہی میں سرکشی ہے۔ وہ اس معاشرے کو نشانہ بنانا چاہتا ہے جس نے اب تک اس کی کفالت و نگہداشت کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ ایسے شخص کو کھلا چھوڑ کر اسے ریاست کا امن تہہ وبالا کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی۔

اسی طرح انسانی جان سے محترم اور قیمتی چیز اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انسانی جان کی حرمت کا قرآن میں صریح الفاظ میں ذکر فرمایا گیا۔ ارشاد باری ہے:

ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق (بنی اسرائیل۔ ۳۳)

"اور جس جان کو مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو مت مارو' مگر جائز طور پر"۔

یعنی سوائے اس صورت کے کہ وہ کسی سنگین جرم کی وجہ سے اپنی حرمت کھو بیٹھا ہو' مثلاً وہ مرتد ہو گیا ہو' اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو' تمہارے لیے انسانی جان کا قتل کرنا حرام ہے۔

انسانی جان کے احترام و حرمت کے پیش نظر اس کے کسی عضو کو تلف کرنے پر بھی سزائیں جاری کی گئیں۔ ان تمام جرائم و قبائح کے سدباب کے لیے اسلام ایک مربوط و مکمل نظام رکھتا ہے' جسے حدود و تعزیرات کہا جاتا ہے۔ یہ تمام انتظام واہتمام معاشرے کو قتل وغارت' فحاشی وبدکاری اور چوری' ڈاکے سے محفوظ رکھنے کے لیے ہے اور جہاں جہاں ان اصولوں پر عمل ہوا وہاں کا مثالی استحکام وامن وامان ان قوانین کے مفید ہونے کی بین دلیل ہے۔ ہم اپنے وطن میں استحکام چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ان اسلامی قوانین کا ان کی روح کے مطابق فوری اطلاق کریں' اور ان پر سختی سے عملدرآمد کرائیں اگر ایسا ہو جائے تو ہم بھی قرون اولیٰ جیسا امن وامان اور استحکام حاصل کر سکتے ہیں۔

انسداد رشوت

ملکی اور ریاستی استحکام کے لیے جو چیزیں سب سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں ان میں سے ایک رشوت کی لعنت بھی ہے۔ رشوت نے اچھے اچھے اور ترقی کرتے ہوئے معاشروں کا قلیل ترین مدت میں شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ جس ملک میں رشوت کا دور دورہ ہو وہاں امن واستحکام کی امید رکھنا عبث ہوتا ہے' کیونکہ یہ ظلم واستبداد کو جنم دیتی ہے' برائیوں اور بدعنوانیوں کو پروان چڑھاتی ہے اور عدل وانصاف کا قلع قمع کرتی ہے۔ جب کہیں پر رشوت کا راج ہو جاتا ہے تو پھر عوام کے جائز حقوق غصب ہونے لگتے ہیں۔ ان کی جان ومال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور حق تلفی' فریب کاری' حرص وطمع' عہد شکنی اور خباثت وبددیانتی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں

تنازعات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو بالآخر حکومت و ریاست کی تباہ کاری پر منتج ہوتا ہے۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے اور دینے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابو داؤد۔ ترمذی) دنیا میں رشوت کے بہت سے طریقے رائج ہیں' لیکن ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ ہر صورت میں صاحب اختیار اپنے اختیار و منصب کی قیمت لگاتا ہے۔ اور اس کی بدترین قسم وہ ہے جس میں ایک شخص کو اپنا جائز حق حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینی پڑے۔ یہ سلسلہ آج کل ہمارے ہاں خصوصیت کے ساتھ رائج ہے اور عوام الناس کے لیے نہایت تکلیف اور پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔

حکومتی مناصب پر فائز حضرات کی ایسی روش خاص طور پر زیادہ مضر ثابت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ایک واقعہ کا ذکر ہے ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بنی سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لیے اپنا عامل مقرر فرما کر روانہ کیا۔ جب وہ مال وصول کر کے لوٹے تو آپ ﷺ نے رقوم کا حساب طلب کیا۔ اس پر وہ کہنے لگا:

هذا مالكم و هذا هدية

"یہ آپ کا مال ہے۔ یعنی وصول شدہ صدقات ہیں اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے"۔

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہوئے اور فرمایا:

فهلا جلست فى بيت ابيك و امك حتى تاتيك هديتك ان كنت صادقاً "یعنی اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو تم کیوں نہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے رہے؟ یہ ہدیہ وہیں تمہارے پاس آجاتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا' جس میں اس عمل کی مذمت فرمائی اور اس کے وبال کا بھی ذکر فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اما بعد! فانى استعمل الرجل منكم على العمل مما ولانى الله' فياتى فيقول هذا مالكم و هذا هدية اهديت لى' افلا جلس فى بيت ابيه و امه حتى تاتيه هدية؟ والله لايا خذاحدمنكم شيئابغيرحقه الا لقى الله يحمله يوم القيامة فاعرفن احدمنكم لقى الله يحمل بعيرا له رغاء او بقرة لها خوار' او شاة تيعر (بخاری۔ ۱۴۶۔ ۴)

حمد و ثنا کے بعد!" میں تم میں سے کسی شخص کو اس کام پر عامل مقرر کرتا ہوں' جس کا اللہ نے مجھے ولی بنایا ہے۔ پھر وہ شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ سو وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا کہ اس کا ہدیہ وہیں پہنچ جاتا۔ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص بھی کوئی چیز ناحق وصول کرے گا وہ

قیامت کے روز اس حال میں اللہ سے ملے گا کہ وہ اس کو اٹھائے ہوئے ہوگا' میں تم میں سے ہر اس شخص کو پہچان لوں گا جو اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اونٹ اٹھائے ہوئے ہوگا' جو بلبلا رہا ہوگا یا گائے اٹھائے ہوئے ہوگا جو ڈکار رہی ہوگی یا بکری اٹھائے ہوئے ہوگا جو ممنار ہی ہوگی"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مبارک خطبے میں کئی باتوں کی وضاحت فرمادی؟(۱) وہ تمام حکام جو کسی بھی قسم کی مالی وصولیوں کے ذمہ دار ہیں' ان کو ملنے والے تمام تحائف سرکاری خزانے کی امانت ہیں۔ ان کا ان تحائف پر کوئی حق نہیں۔(۲) اسی طرح تمام سرکاری حکام اور ذمہ دار حضرات کو ملنے والے تحائف بھی چونکہ ان کے مناصب اور عہدوں کی بناء پر انہیں ملتے ہیں اس لیے وہ ان کے حقدار نہیں۔(۳) ہر قسم کا وہ مال واسباب جو ناحق' زبردستی' دھوکہ دہی کے ذریعے' اپنے منصب کا غلط استعمال کر کے یا کسی بھی ناجائز طریقے سے وصول کیا جائے گا وہ روز قیامت وبال اور شرمندگی کا باعث ہوگا اور قیامت کے دن اللہ کے دربار میں اپنی گردنوں پر اٹھانا ہوگا اور جو چیز اس طرح وصول کی جائے گی وہ خود چیخ چیخ کر اور پکار پکار کے وصول کرنے والے کے ظلم و ستم کا اعلان کرے گی۔ اسی لیے فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ تمام عمائدین حکومت اور والیان سلطنت کو ملنے والے تحائف ان کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتے' اس لیے ان سے نفع اٹھانا جائز نہیں۔ وہ حکومت کی ملکیت ہیں۔ اسی طرح کمیشن کے نام پر لی جانے والی رقوم بھی رشوت کی تعریف میں شامل ہیں' ان کا لینا بھی قطعاً جائز نہیں۔

معاشی نظام

قرآن حکیم کے مطابق اسلامی حکومت کے قیام کے مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ ان نیک کاموں کو فروغ حاصل ہو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالم انسانی کے لیے لازمی و ضروری ہیں اور تمام انسان منکرات و خواہشات سے محفوظ رہیں' جو انسانی زندگی اور انسانی معاشرے میں فساد و تضاد کی بنیاد بنتے ہیں۔ چنانچہ استحکام ریاست کے لیے یہ امر بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ معاشی و اقتصادی اعتبار سے مضبوط و مستحکم ہو' اور دوسرے تمام معاملات کی طرح معاشی استحکام بھی صرف اور صرف اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب ہماری معیشت و اقتصادیات کی عمارت اسلامی خطوط پر استوار ہو۔ دولت کی پیدائش' اس کی گردش' اس کے استعمال کا طریقہ اور اس کی آمد و رفت کا سارا نظام اسلام نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔

دوسرے تمام رائج الوقت نظاموں میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ ان کے ہاں دولت خواہ کسی طرح حاصل کی جائے جب کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو وہ اس کا مالک قرار دے دیا جاتا ہے۔ اور یوں اس کو کھلی من مانیوں کی اجازت مل جاتی ہے۔ جبکہ اسلام کے مطابق ہر قسم کی دولت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور اس کی ملکیت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و اتوھم من مال اللہ الذی اتکم (النور۔ ۳۳)

"اور تم انہیں اللہ تعالیٰ کے اس مال سے دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے"۔

غور کیجئے' مال اگرچہ تمہارے پاس ہے مگر اس کے باوجود وہ اللہ کا ہے اور تمہیں اسی کی جانب سے عطا ہوا ہے۔ سو جب دولت کا حصول کسی کی ذاتی محنت اور کسب پر منحصر نہیں وہ صرف اللہ کی عطاء ہے تو اسے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کا نظام بھی صرف اللہ ہی کا بنایا ہوا قابل عمل اور قابل قبول ہوگا۔

اسلام کے نظام معیشت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے مزاج و اسلوب کے عین مطابق مالی امور میں بھی عدل و توازن بر قرار رکھتا ہے۔ وہ کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مال و دولت کو بنیاد بنا کر کسی کو حقیر سمجھے' یا بنگلوں اور گاڑیوں کی بنا پر تکبر و غرور کا مظاہرہ کرے۔ دوسری جانب وہ اس امر کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کی حلال کمائی اور محنت سے حاصل کردہ مال و دولت پر حملہ کرے اور انہیں ناحق غصب کرنے کی کوشش کرے۔

دولت اللہ کا انعام ہے اور ہر ایک کو اس نے اپنی حکمت اور اس کی حیثیت کے مطابق مال عطا کیا ہے اور جس طرح اس نے نظام عالم کو قائم رکھنے کے لیے مخلوقات میں تفاوت و بلندی اور پستی کا فرق رکھا ہے' اسی طرح اس نے رزق اور دنیوی نعمتوں میں بھی فرق مراتب رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اھم یقسمون رحمت ربك۔ نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا و رفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت لیتخذ بعضھم بعضا سخریا (الزخرف۔ ۳۲)

"کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو (اپنی منشاء کے مطابق) تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟ ہم ہی نے ان کی دنیوی روزی ان کے درمیان تقسیم کی ہے اور درجات کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے تاکہ ایک دوسرے کو محکوم بنائے"۔

پس جن چیزوں میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں ان میں سب کے لیے مساوات ہے اور جن چیزوں میں بعض کو بعض پر فوقیت دی گئی ہے ان میں فرق مراتب اور امتیاز قائم ہے۔ مثلاً تمام انسان 'انسانیت میں مشترک ہیں اس لیے انسانی حقوق سب کے مساوی ہیں۔ لیکن جو اوصاف لوگوں میں امتیاز و تفاوت کا سبب ہیں ان میں سب لوگ مساوی حیثیت کے مالک نہیں ہو سکتے۔ مثلاً حسب نسب' عالم و جاہل' حاکم و محکوم' ہنر مند و بے ہنر وغیرہ۔ جس طرح انسانیت کے اعتبار سے انسانوں میں فرق ظلم ہے اسی طرح فرق مراتب کو ملحوظ نہ رکھنا بھی ظلم ہوگا۔

(ہادی اعظم ﷺ۔ ۸۹۸)

اسلام نے سرمایہ کاری کی بھی صورتیں بیان کی ہیں اور اس نے اختیار دیا ہے کہ مال کا مالک انفرادی' شراکت اور مضاربت وغیرہ صورتوں میں سے کسی بھی طریقے سے اپنے کاروبار کو ترقی دے سکتا ہے۔ لیکن اس کے

ساتھ ساتھ اس نے ارتکاز دولت اور سودی کاروبار کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ اسلام کے مطابق سودی کاروبار کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان جنگ ہے۔ کیونکہ سودی کاروبار سے بھی دولت کا ارتکاز ہوتا ہے اور دولت مٹھی بھر سرمایہ داروں کے ہاتھ میں سمٹ جاتی ہے' جس سے معاشی عدم توازن جنم لیتا ہے جو ریاستی اور ملکی استحکام کے لیے نہایت مضر ہے۔

اس کے علاوہ اسلام نے آمدنی بڑھانے کے ہر ناجائز ذریعہ کو حرام قرار دیا ہے۔ عدل وانصاف کرنے ناپ تول صحیح رکھنے' ذخیرہ اندوزی وملاوٹ کرنے' قسمیں کھا کر مال بیچنے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کی ہر کوشش کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے وطن عزیز پاکستان میں اسلام کی ہدایات کی روشنی میں صحیح اسلامی معاشی نظام فی الفور نافذ کریں' سود کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کریں اور ہر قسم کی ناجائز منافع خوری اور غلط طریقے سے دولت اکٹھا کرنے کی حوصلہ شکنی کریں' اسی صورت میں طبقاتی کشیدگی ختم ہوگی اور ہمیں داخلی اطمینان اور امن واستحکام حاصل ہوگا۔

خارجی امور

کسی بھی ریاست کی تعمیر وترقی کے لیے ضروری ہے کہ اسے داخلی استحکام کے ساتھ ساتھ خارجی معاملات میں بھی استحکام حاصل ہو۔ یہ استحکام بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لیے اسلامی ریاست کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی خارجہ پالیسی بھی اسلامی تعلیمات اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات وفرمودات کی روشنی میں مرتب کرے۔

خارجی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ ریاست کے قرب وجوار میں موجود تمام ممالک کے ساتھ اچھے برادرانہ اور مساوات وانصاف پر مبنی تعلقات استوار کیے جائیں' خصوصاً ان ممالک کے ساتھ جن کے ساتھ ریاست کی سرحدیں ملتی ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سب سے پہلے آس پاس کے عرب قبائل سے معاہدے کر کے ان کے ساتھ حلیفانہ تعلقات قائم کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ضرورت محسوس کی وہاں خود بھی تشریف لے گئے اور قلیل سے عرصے میں مدینہ منورہ سے ینبوع تک کے علاقے میں رہنے والے بہت سے قبائل نے اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود مدینہ منورہ پر حملے کی صورت میں مسلمانوں کی حمایت اور مدد کی ذمہ داری قبول کرلی۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی اس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ مسلمان مضبوط ہوگئے بلکہ اس سے مشرکین مکہ بھی سیاسی طور پر کمزور ہوگئے۔ اس سلسلے میں جن قبائل سے معاہدے کیے ان میں

جہینہ اور اس کی ذیلی شاخیں بنی زرعہ و بنی ربعہ بنی تمیم بنی جرمز عوسجہ بن حرملہ اور بنی غفار اور بنو ضمرہ شامل ہیں۔
(ہادی اعظم ﷺ ۸۴۸ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ۱۹۶۔۱۹۷)
لیکن اگر کوئی فریق معاہدے کے خلاف ورزی کرے تو اسلام کا حکم یہ ہے کہ معاہدے کی اعلانیہ تنسیخ کر دی جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

و اما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سوآء۔ ان اللہ لا یحب الخآئنین (الانفال۔۵۸)

"اور اگر کسی قوم سے خیانت کا خوف ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجئے تاکہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔ بیشک اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا"۔

مگر اسی کے ساتھ ساتھ اسلام نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ اگر فریق ثانی اپنے رویے پر پشیمان ہو اور صلح پر تیار ہو جائے تو پھر مسلمانوں کے لیے بھی خونریزی جاری رکھنا جائز نہیں بلکہ ان کی پیشکش قبول کرتے ہوئے صلح کر لینی چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے:

و ان جنحوا للسلم فاجنح لھا و توکل علی اللہ (الانفال۔۶۱)

"اور اگر وہ کافر صلح کے لیے جھکیں تو آپ بھی جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے"۔

کیونکہ اسلام صلح جو اور امن پسند مذہب ہے۔ لیکن اگر کوئی گروہ قوت یا حکومت امن کی زبان نہ سمجھے اور مسلسل محاذ آرائی، قتل و قتال اور سازشوں و ریشہ دوانیوں پر آمادہ رہے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ ان کے خلاف سخت ترین کارروائی کر کے علاقائی امن و سلامتی کو پہنچنے والے خطرات کا فوری سدباب کیا جائے اور جہاد کی راہ اختیار کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و قاتلو ھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین للہ (البقرہ۔۱۹۳)

"اور کافروں سے قتال کرو حتی کہ فتنہ (فساد) ختم ہو جائے اور (سارا) دین اللہ کے لیے ہو جائے"۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ایک طرف اسلامی ریاست کی توسیع و استحکام کے لیے مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں بسنے والے مختلف قبائل سے معاہدے کیے وہیں دوسری جانب علاقے میں وقتاً فوقتاً اٹھنے والی شورشوں اور سازشوں کا بھی فوری سدباب کیا۔ محرم ۶ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سواروں کو بنی بکر کی ایک شاخ قرطاء کی جانب روانہ فرمایا، پھر ربیع الاول میں آپ ﷺ خود صحابہؓ کی ایک جماعت کے ہمراہ عیینہ بن حصن فزاری کے تعاقب میں نکلے۔ یہ مدینہ کی چراگاہ غابہ پر حملہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ ہنکا کر لے گیا تھا۔ اس کے بعد جمادی الاول کے شروع میں آپ ﷺ نے دو سو صحابہؓ کے ہمراہ بنی لحیان کا پیچھا کیا۔ ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کی تعلیم کے لیے صحابہ کو بھیجنے کی درخواست کی تھی مگر بعد میں

بد عہدی کرتے ہوئے انہیں شہید کر دیا تھا۔(ہادی اعظم ﷺ ۸۵۹۔۸۶۰)

اس کے ساتھ ساتھ بیرونی دنیا میں اسلام کی تبلیغ بھی ضروری ہے کیونکہ جب آس پاس بسنے والے قبائل اور قومیں آغوش اسلام میں آجائیں گی تو اسلامی ریاست کے بیرونی خطرات کم سے کم ہو جائیں گے اور کسی خطرے کی صورت مین دفاع بھی آسان ہو گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ پر بھی خاص توجہ مرکوز کی۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے عرب کے اندرونی حصے تہامہ' حجاز اور نجد وغیرہ میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی' پھر آپ ﷺ نے بیرونی علاقوں کی جانب توجہ مرکوز کی اور قرب وجوار کے سلاطین اور روٗسا کو دعوت اسلام دی۔ ان کی باثر حیثیت کی وجہ سے ان کا اسلام قبول کر لینا ہزاروں لاکھوں افراد کے لیے اسلام قبول کرنے کی ترغیب فراہم کرتا تھا۔ حکمرانوں اور سلاطین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارسال فرمودہ خطوط بھی اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہیں۔ یہ مراسلت کم وبیش تین برس تک جاری رہی اس کے نتیجے میں بحرین' یمن اور عمان وغیرہ جیسے زرخیز خطوں کے حکمران وامراء اسلام میں داخل ہوئے۔(ہادی اعظم۔۸۶۶' رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۔۲۰۲)

آج ہمیں خصوصیت کے ساتھ وطن عزیز پاکستان کے خارجہ امور کا ازسرنو جائزہ لینا ہو گا اور اسے مکمل طور پر اسلامی نظام حکومت کے مرتب کردہ خطوط پر استوار کرنا ہو گا تاکہ ہم عالمی دنیا میں اپنا صحیح مقام حاصل کر سکیں اور اپنے وجود کو منوا سکیں۔

خلاصہ کلام Result

اسلامی نظام حکومت کے جن چیدہ چیدہ نکات پر اوپر گفتگو کی گئی وہ یہ چیزیں ہیں جنہیں اسلامی حکومت کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان اصول و قواعد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین' نیز بعد کے کچھ دور تک عمل ہوتا رہا اور اس دور کے مسلمانوں کی بے مثال سیاسی' معاشی اور معاشرتی کامیابی اور شاندار سائنسی اور صنعتی ترقی سب کے سامنے ہے۔ اور جب خود مسلمانوں نے اپنے ہی نظام حکومت سے روگردانی کی تو ان کا داخلی و خارجی استحکام خطرے میں پڑ گیا اور ان کی ریاست و سلطنت سکڑتی چلی گئی اور جوں جوں اسلامی تعلیمات اور سیرت طیبہ سے بعد بڑھتا گیا تنزلی انحطاط میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آج صورت حال یہ ہے کہ صرف پاکستان نہیں تمام اسلامی ممالک انگنت مسائل اور بے شمار مشکلات کا شکار ہیں اور پوری دنیا میں اکثریت میں ہونے کے باجود غیروں کے محتاج اور ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے آگے بے بس ہیں۔ اس کا واحد سبب سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ سے روگردانی ہے۔ اگر ہم آج بھی اسوہ حسنہ کا دامن رحمت تھام لیں تو ہماری تمام مشکلات دور ہو سکتی ہیں اور ہمارے لیے پھر دونوں جہانوں کی ترقی کے در وا ہو سکتے ہیں۔

و صل اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ و من تبعہم اجمعین و سلم الی یوم الدین

ماخذ و مصادر

۱۔ تفسیر ابن کثیر '(عربی) ابو الفداء عماد الدین ابن کثیرؒ' دار احیاء التراث العربی 'بیروت

۲۔ تفسیر مظہری '(عربی) قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ' مجلس اشاعت العلوم 'حیدر آباد

۳۔ احسن البیان فی تفسیر القرآن (اردو) سید فضل الرحمٰن 'زوار اکیڈمی پبلی کیشنز' کراچی

۴۔ صحیح بخاری شریف (عربی) محمد بن اسماعیل بخاریؒ 'مصطفیٰ البابی الحلبی 'مصر

۵۔ سنن ابو داؤد 'ابو داؤد سلیمان بن اشعث 'ضیاء احسان پبلشرز 'لاہور

۶۔ مسند احمد (عربی) احمد بن محمد بن حنبلؒ 'دار احیاء التراث العربی 'بیروت

۷۔ سنن دار قطنی (عربی) علی بن عمر دار قطنی 'دار نشر الکتب الاسلامیہ 'لاہور

۸۔ سیرت النبی (اردو) شبلی نعمانیؒ سلیمان ندویؒ دار الاشاعت 'کراچی

۹۔ ہادیٔ اعظم (اردو) سید فضل الرحمٰن دار الاشاعت 'کراچی

۱۰۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی 'ڈاکٹر حمید اللہ' دار الاشاعت 'کراچی

۱۱۔ المفردات (عربی) حسین بن محمد 'راغب اصفہانیؒ' اصح المطابع 'کراچی

۱۲۔ لسان العرب (عربی) ابن منظور 'نشر ادب الحوزہ' قم ایران

۱۳۔ تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت (اردو) 'سید عزیز الرحمٰن 'زوار اکیڈمی پبلی کیشنز' کراچی

تحریک پاکستان کے فکری محرکات حیات طیبہ کی روشنی میں

سید فضل الرحمٰن، کراچی

قیام پاکستان اور تقسیم ہند بر صغیر کی تاریخ کا ایک نہایت اہم باب ہے جس نے اس علاقہ کی سیاست و ثقافت پر متعدد گہرے اور انمٹ نقوش ثبت کیے۔ تحریک پاکستان کا بنیادی محرک تو دو قومی نظریہ ہی تھا۔ پھر دیگر عوامل اور بر صغیر کے مخصوص حالات نے اس کو تقویت دی اور یوں ایک خاص اسلامی اور نظریاتی ریاست وجود میں آگئی۔ دو قومی نظریہ کا تعلق خالصتاً اسلام ہی سے ہے۔ اس لیے تحریک پاکستان کے محرکات میں اسلامی تعلیمات اور حیات طیبہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس مضمون میں تحریک پاکستان کے درج ذیل محرکات کا جائزہ لیا جائے گا۔

۱۔ دو قومی نظریہ

۲۔ اسلامی ریاست کا قیام

۳۔ غلامی سے آزادی

۴۔ مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت اور ہندو اکثریت کی وجہ سے ان کی امتیازی حیثیت مجروح ہونے کا اندیشہ

۵۔ انگریزوں کی اسلام اور مسلمان دشمنی

۱۔ دو قومی نظریہ

اسلام دین فطرت ہے۔ دیگر مذاہب کی طرح اسلام صرف چند مذہبی رسومات یا عبادت کے چند طریقوں کا نام نہیں۔ وہ انسان کے دنیا میں آنے سے لے کر پیوند خاک ہونے تک بلکہ اس سے بھی بہت پہلے ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت اور پھر حشر اور جزاو سزا تک پیش آنے والے تمام امور کا مکمل احاطہ کرتا ہے۔ اسلام کی ایک اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایسی قومیت کی بنیاد رکھتا ہے جو قومیت کے عام مغربی تصور سے بالکل جدا اور یکسر مختلف ہے۔ مغربی مفکرین نے قومیت کا جو نظریہ قائم کیا ہے اس کے تحت قوم جغرافیائی حدود سے بنتی ہے۔ اسلام کے فلسفہ قومیت کے اندر اتنی وسعت ہے کہ کسی بھی علاقہ کا رہنے والا ہو، کوئی بھی زبان بولنے والا اور کسی بھی

تہذیب و ثقافت کا پروردہ اس کے دامن رحمت میں بلا توقف اور اجنبیت کے کسی بھی احساس کے بغیر آ سکتا ہے۔
اب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کا تصور قومیت اس قدر سریع الاثر ہے کہ ایک شخص صرف اسلام کا بنیادی کلمہ طیبہ لا اله الا الله محمد رسول الله پڑھتے ہی اپنا سب کچھ بدل ڈالتا ہے۔ اب وہ صرف مسلمان ہوتا ہے' نہ ترکی نہ افغانی' نہ ایرانی نہ ہندوستانی اور نہ عربی نہ عجمی' اس کا نہ اپنی سابقہ تہذیب و ثقافت سے کوئی واسطہ رہتا ہے نہ مذہبی و جغرافیائی رسومات اور طور طریقوں سے' اسلام کا یہ بھی اعجاز ہے کہ کوئی زبان و زمان' کوئی مکان و مقام اور کوئی تہذیب و ثقافت اس کی راہ میں حائل ہونے کی قدرت نہیں رکھتی۔ کلمہ پڑھتے ہی سب مصنوعی دیواریں خود بخود منہدم ہوتی چلی جاتی ہیں۔

اسلام کے فلسفہ قومیت کی بنیاد مذہب پر ہے۔ اس کے نزدیک جو لوگ خدا کو اس کے رسولوں اور انبیاء کو اور اس کے دین کو مانتے ہیں وہ مسلمان ہیں خواہ وہ کہیں رہتے ہوں اور کوئی بھی زبان بولتے ہوں اور جو اس کے دین کو نہیں مانتے وہ کافر ہیں۔ اسلام کا یہ تصور قومیت اس وقت سے موجود ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی نیابت کے منصب جلیلہ سے سرفراز فرما کر دنیا میں بھیجا تھا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

قلنا اهبطوا منها جميعا فاما يأتينكم منى هدى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون O والذين كفروا و كذبوا بآيتنا اولئك اصحب النار هم فيها خلدون O(البقرة : ۳۸'۳۹)

ہم نے کہا کہ تم سب کے سب یہاں سے (نیچے) اترو۔ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے (تو تم اس کی پیروی کرنا) جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو لوگ (اس ہدایت کا) کفر کریں گے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلائیں گے وہی لوگ اہل دوزخ ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن و کافر کی تقسیم اول روز ہی سے قائم ہے اور اس تقسیم کی بنیاد ہدایت الٰہی پر ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی دین حق کے ماننے والوں اور اس کے منکروں کو علیحدہ علیحدہ دو ملتوں سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

قال الملأ الذين استكبروا من قومه لنخرجنك يشعب والذين امنوا معك من قريتنا او لتعودن فى ملتنا' قال اولو كنا كرهين O قد افترينا على الله كذبا ان عدنا فى ملتكم بعد اذ نجنا الله منها وما يكون لنا ان نعود فيها الا ان يشاء الله ربنا وسع ربنا كل شىء علما ء على الله توكلنا ربنا افتح بيننا و بين قومنا بالحق و انت خير الفاتحين O(الاعراف :۸۸'۸۹)

اس کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں

اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہماری ملت میں لوٹ آؤ۔ (حضرت) شعیب نے کہا کہ اگر ہم کراہت کریں تو (بھی لوٹ آئیں ؟) اگر ہم تمہاری ملت میں لوٹ آئیں تو ہم اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے اور ہم سے نہیں ہو سکتا کہ ہم تمہاری ملت میں لوٹ آئیں مگر یہ کہ ہمارا رب ہی چاہے اور ہمارے رب کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہم نے تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کر لیا ہے۔ اے ہمارے رب! ہم میں اور ہماری قوم میں حق کے مطابق فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بھی اسلام اور کفر کو الگ الگ ملتیں بتاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

انی ترکت ملة قوم لا یؤمنون باللہ وھم بالاخرة ھم کفرونOو اتبعت ملة آباء ی ابراھیم و اسحٰق و یعقوب ط (یوسف: ۷ ۳۸٬۳)

واقعہ یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کی ملت چھوڑ دی جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں اور میں نے تو اپنے بزرگوں (حضرت) ابراہیمؑ (حضرت) اسحٰقؑ اور (حضرت) یعقوبؑ کی ملت اختیار کر لی ہے۔

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ چلا ہے اسی وقت سے دو قومیں موجود ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے والے "مسلمان" اور دوسرے الٰہی احکامات کو نظر انداز کرنے والے اور ان کے منکر یعنی کافر۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو منکرین مکہ کی مخالفتوں اور سازشوں کی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے سب سے اہم مسئلہ اپنے ایمان کے بچانے کا تھا۔ اس کے لیے دو بار ہجرت حبشہ ہوئی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اسباب مہیا فرما دیے اور مدینہ منورہ کی فضا سازگار ہوئی اور وہاں اسلام کی ضیاء پاش کرنوں نے ایمان کی روشنی پھیلانی شروع کی تو بہت سے مسلمان مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے رفیق غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت فرمائی اور وہاں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اس ریاست کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس نے دنیا کو ایک تحریری دستور دیا جو غالباً دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ یہ دستور واضح کرتا ہے کہ اسلام اور کفر دو الگ الگ قومیں ہیں۔ اس کے الفاظ ہیں :

انھم امة واحدة من دون الناس (ابن ہشام ۲۴۱/۲)

وہ (مسلمان مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین و متعلقین) دوسرے لوگوں سے ممتاز و علیحدہ ایک امت ہیں۔

سو جب ہندوستان کے مسلمانوں کی جانب سے دو قومی نظریہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس پر ہندوؤں، انگریزوں اور دوسرے تمام غیر مسلموں کی جانب سے کیا جانے والا اظہار تعجب ہر اعتبار سے غلط اور بے معنی ہے۔

صل انہیں غلط فہمی قومیت کی اس تعریف سے ہوئی ہے جو مغربی مفکرین اور دانشوروں کی پیش کردہ ہے' جس
، مطابق قومیت کا تعلق علاقے اور زبان سے ہوتا ہے جبکہ اسلام کا تصور قومیت اس تعریف سے کسی صورت بھی
ں نہیں کھاتا۔ یہ اسی غلط فہمی کا اثر ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے دو قومی نظریہ اور اس کی بنیاد پر الگ وطن
، مطالبے پر اعتراض کرتے ہوئے گاندھی نے کہا تھا کہ "میں یقیناً اس خیال کے خلاف بغاوت کروں گا کہ کروڑوں
وستانی جو کل تک ہندو تھے اپنا مذہب تبدیل کرنے کی وجہ سے اپنی قومیت بھی بدل سکتے ہیں"۔ (اخبار ہری جن
پریل ۱۹۴۰)

تبدیلی مذہب سے گاندھی کا اشارہ ان نو مسلموں کی جانب تھا جو اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر آغوش اسلام میں
ئے تھے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو ان ہندوؤں کی اولاد ہیں
وں نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر پوری امت مسلمہ کو تبدیلی مذہب کرنے والے افراد کی جماعت قرار دینا یقیناً
فہ آرائی ہے۔ کیونکہ ان میں ایک بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو دوسرے ممالک سے ہجرت کر کے یہاں
ہو گئے تھے۔ دوسری جانب گاندھی کا یہ کہنا بھی درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں میں سوائے مذہب کے
تمام چیزیں ہندوؤں کے ساتھ مشترک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں میں چند ہی چیزیں ایسی ہیں جنہیں قدر
ترک قرار دیا جا سکے۔ مکانات' رہن سن' استعمال کی اشیاء عبادت گاہیں' عبادت کے طریقے' لباس اور ادب سب
یں واضح طور پر ان دونوں میں فرق کرتی ہے۔

برصغیر میں جب مسلمان انگریزوں کے محکوم ہوئے اور انگریز نے بعض مصلحتوں کی بنا پر ہندوؤں پر
شات کیں اور مسلمانوں کو ہر میدان میں پیچھے رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تو مسلمان آہستہ آہستہ اس امر پر متفق
تے چلے گئے کہ ہندوؤں اور انگریزوں دونوں کے ساتھ گزارا ممکن نہیں کیونکہ دونوں ہی مسلمانوں کو پنپنے اور ترقی
نے کے مواقع فراہم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ان حالات میں دو قومی نظریہ نے متحدہ ہندوستان میں تقویت پکڑی
وہ مقبولیت حاصل کر لی پھر اس مطالبے کو عوامی مقبولیت عطا کرنے میں سب سے اہم کردار انگریز کی اسلام دشمنی
مسلمانوں سے تعصب کا تھا اس تعصب کا احوال خود ایک انگریز سے لیے۔ معروف فرانسیسی مستشرق گستاؤلیبان
ی مشہور کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے "وہ موروثی تعصب جو ہمیں اسلام اور رہبران اسلام سے ہے اور مدت دراز
ے جمع ہوتا چلا آیا ہے حتیٰ کہ اب یہ ہماری ذہنی ساخت کا جزو بن چکا ہے۔ ہمارے تعصبات اس قدر جبلی' طبعی اور
ید ہیں جیسے یہودیوں کے تعصبات عیسائیوں کے خلاف ہیں"۔ (تاریخ پاکستان از پروفیسر سید محمد سلیم'
فحات ۵۳۔۵۴)

انگریز کا تعصب اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ شدید ہے کیونکہ اسلام اور مسلمان دشمن

میں تو یہودیوں اور عیسائیوں کا اکٹھے ہو جانا ممکن ہے مگر مسلمانوں کے ساتھ تعاون کسی قیمت پر بھی ممکن نہیں۔ دو قومی نظریہ کی مزید وضاحت بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی اس تقریر سے ہوتی ہے جو انہوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قرار داد پاکستان کی تائید میں کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا'

"یہ سمجھنا بہت ہی دشوار ہے کہ ہمارے ہندو دوست اسلام اور ہندومت کی حقیقی نوعیت کو کیوں نہیں سمجھتے۔ وہ مذہب کے لیے لفظ "ریلیجن" "یعنی" "ایک نظام عقائد و عبادات" کے صحیح مفہوم میں 'مذاہب نہیں ہیں بلکہ حقیقتاً دو مختلف اور دو ممتاز معاشرتی نظام ہیں اور یہ ایک خواب ہے کہ وہ کبھی ایک مشترک قومیت پیدا کر سکتے ہیں اور یہ مغالطہ کہ ایک ہندوستانی قوم موجود ہے ہر قسم کی حدود سے بہت زیادہ متجاوز ہو گیا ہے اور ہمارے اکثر مصائب کا سبب ہے اور اگر ہم نے اپنے خیالات پر بروقت نظر ثانی نہ کی تو اس مغالطے کی وجہ سے ہندوستان تباہ ہو جائے گا..... اس قسم کی دو قوموں کو ایک واحد مملکت میں اس طرح جبراً شامل کر دینا کہ ان میں سے ایک عددی اقلیت ہو اور دوسری اکثریت لازماً اس صورتحال پر منتج ہو گا کہ ان میں بے چینی بڑھتی رہے گی اور اس قسم کی مملکت کے لیے نظام حکومت بھی اس طرح بنے گا وہ بالآخر تباہ ہو جائے گا"۔ (جدوجہد پاکستان صفحات ۴۶۱ تا ۴۶۲)

تحریک پاکستان میں بنیادی فکری محرک تو یہی دو قومی نظریہ تھا پھر دیگر حالات و واقعات نے بھی اس کو تقویت دی۔ بالآخر یہ تحریک قیام پاکستان پر منتج ہوئی۔

۲۔ اسلامی ریاست کا قیام

دو قومی نظریے سے مراد اگرچہ مسلمانوں اور کافروں کی علیحدہ اور جداگانہ حیثیت ہی ہے اور مسلمانوں کا فقط دوسروں سے علیحدہ اور ممتاز ایک قوم ہونا بھی ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے مطالبے کو جواز عطا کرتا ہے لیکن اسلام کی دعوت کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں پر عائد کردہ حقوق و فرائض ہیں اور ان کی کما حقہ ادائیگی اسی صورت میں ممکن ہے جب اہل ایمان کو اپنے اسلامی فرائض منصبی اور احکامات خداوندی کی بجاآوری کے لیے پر سکون ماحول میسر ہو۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں۔

"اسلام کے سارے دفتر میں ایک حرف بھی ایسا موجود نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ قیام سلطنت اس کی دعوت کا اصل مقصد تھا' اور عقائد و ایمان' شرائع و احکام و فرائض اس کے لیے بمنزلہ تمہید تھے' بلکہ جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شرائع و حقوق و فرائض ہی اصل مطلوب ہیں"۔ (سیرت النبی ۳۱/ ۷)

اسلامی ریاست کا قیام بنیادی ضرورت ہے تاکہ دنیا میں خدا کی بندگی اور رضاجوئی بے خوف و خطر کی جا سکے۔ ذیل کی آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

وعدالله الذين امنوا منكم و عملوا الصّٰلحٰت ليستخلفنهم فى الارض كما استخلف الذين من

لهم و ليمكنن لهم دينهم الذی ارتضیٰ لهم و ليبد لنهم من بعد خوفهم امنا يعبدوننی لا يشركون بی
شيئا (النور : ۵۵)

"اور اللہ کا وعدہ ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ وہ ان لوگوں کو
ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا کہ وہ ان سے پہلے والے لوگوں کو حاکم بنا چکا ہے اور ان کا دین جس کو اس نے ان کے لیے
پسند کر لیا ہے مستحکم کر دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد (جس سے وہ قومی و معاشرتی زندگی میں دو چار ہیں) ان کو
امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے"۔

قرآن کریم میں اسلامی ریاست کے قیام کے لیے اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے ساتھ جنگ اور قتال تک کا
حکم دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

و قاتلو هم حتی لا تكون فتنة و يكون الدين لله (البقرة : ۱۹۳)

اور تم ان سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ نہ رہے اور (ملک میں) دین (خالص) اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔

اسلامی ریاست کا قیام بھی تحریک پاکستان کا ایک اہم محرک تھا بلکہ تحریک کے قائدین نے متعدد مواقع
پر اسلامی ریاست کے قیام ہی کو اپنا مطمح نظر اور مقصد اولین قرار دیا۔ اس میں تمام بڑے بڑے قائدین کے اسماء گرامی
شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳ اپریل
۱۹۴۸ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں خطاب کرتے ہوئے دو ٹوک اور بالکل غیر مبہم انداز میں فرمایا۔

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا ہے بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ
حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو اپنا سکیں"۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا دیگر قائدین تحریک پاکستان کی طرح قائداعظم بھی ایک اسلامی ریاست کے قیام کو
اصل محرک قرار دیتے تھے۔ مسلم یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے واضح طور پر فرمایا:

"آپ نے غور کیا کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی
وجہ جواز کیا تھی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے"۔

(تقریر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۸ مارچ ۱۹۴۴ء)

قائداعظم اسلام کو صرف ایک عبادات کے طریقوں تک محدود مذہب نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اس بات
کے قائل تھے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر فرمایا:

"ان لوگوں کو چھوڑ کر جو بالکل ہی ناواقف ہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطہ
حیات ہے۔ مذہبی، معاشی عدالتی غرضیکہ ہماری مذہبی رسومات سے لے کر روزمرہ کی زندگی کے معاملات تک روح

کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک 'اجتماعی حقوق سے لے کر انفرادی حقوق تک' اخلاقیات سے لے کر جر
تک ' دنیاوی سزاؤں سے لے کر آنے والی زندگی کی جزاء وسزا تک کے تمام معاملات پر اس کی عملداری ہے
ہمارے پیغمبر نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ ہر شخص اپنے پاس قرآن رکھے اور خود رہنمائی حاصل کرے۔ اس
اسلام صرف روحانی احکام اور تعلیمات اور مراسم تک ہی محدود نہیں ہے۔ یہ ایک کامل ضابطہ ہے جو مسلم معاشر
مرتب کرتا ہے"۔ (تاریخ نظریہ پاکستان صفحہ ۲۱۸)

وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ مسلمانوں کا پروگرام قرآن کریم ہی کی راہنمائی میں بن سکتا ہے۔ چ
ایک موقع پر فرمایا:

"مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور
پڑھیں اور قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی"
(پاکستان ناگزیر تھا ۲۵۳)

دستور پاکستان کے حوالے سے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا:

"پاکستان کا دستور ابھی بنتا ہے اور یہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی بنائے گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس د
کی شکل اور ہیئت کیا ہوگی لیکن اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ دستور جمہوری نوعیت کا ہوگا اور اسلام کے بن
اصولوں پر مشتمل ہوگا۔ ان اصولوں کا اطلاق آج کی عملی زندگی پر بھی اسی طرح ہو سکتا ہے جس طرح تیرہ سو
پہلے ہوا تھا اسلام اور اس کے نظریات سے ہم نے جمہوریت کا سبق سیکھا ہے۔ اسلام نے ہمیں مساوات انصاف
ہر ایک سے رواداری کا درس دیا ہے۔ ہم ان عظیم الشان روایات کے وارث ہیں اور اپنی اور پاکستان کے آئندہ د
کے معمار اور بانی کی حیثیت سے ہم اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے بخوبی آگاہ ہیں"۔ (اخباری انٹرویو فروری ۴۸

قرآن کریم کی اتباع کے بارے میں فرمایا:

قرآن نے انسان کو خدا کا خلیفہ اور نائب کہا ہے۔ اور انسان کی اس تعریف کو اگر کوئی امتیازی حیثیت حا
ہے تو پھر وہ ہم پر قرآن کے اتباع کا فرض عائد کرتی ہے اور دوسرے انسانوں کے ساتھ اس طرح پیش آنے کا
کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ پیش آتا ہے۔ (۱۳ نومبر ۳۹ء آل انڈیا ریڈیو ممبئی سے عید الف
نشری پیغام)

قائداعظم اسلام کو ہر شعبہ زندگی میں عملی طور پر رائج دیکھنے کے خواہشمند تھے۔ ان کی اس خوا
اظہار ان کے اس خطاب میں ہوتا ہے جو اسٹیٹ بنک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب سے کیا تھا۔ آپ نے فرمایا:
"میں آپ کے ادارہ تحقیقات کے اس کام کا بڑی دلچسپی سے مطالعہ کروں گا جو وہ بینکنگ کے طریقہ

اسلام کی معاشی اور معاشرتی زندگی کے مطابق وضع کرنے کے لیے انجام دے رہا ہے۔ مغرب کے نظام اقتصادی نے بنی نوع انسان کے لیے ایسے ناقابل حل مسائل پیدا کر دیے ہیں کہ ہم میں سے بہت سوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی معجزہ ہی اس کو تباہی سے بچا سکتا ہے جو اس وقت دنیا کو درپیش ہے۔ وہ انفرادی طور پر انسانوں کے درمیان انصاف کرنے میں ناکام ہے اور اس سے زیادہ بین الاقوامی میدان میں ناکام رہا۔ اس کے برخلاف گزشتہ نصف صدی کے اندر اس کی وجہ سے دو عالمگیر جنگیں ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود کہ اس کو مشین سے کام کرنے کی اور فنی مہارت کی سہولت حاصل ہے لیکن مغربی دنیا اس وقت ایسی دشواریوں میں مبتلا ہے کہ تاریخ میں کبھی نہیں ہوئی"۔

اس مقصد میں کہ ہم اپنی قوم کی تعمیر اس طرح کریں کہ وہ خوشحال اور مطمئن ہو' ہمیں اس سے بالکل مدد نہیں ملے گی کہ ہم مغرب کے نظام اقتصادی کو اصولاً اور عملاً اختیار کریں۔ ہمیں اپنے مستقبل کی تعمیر اپنے طریقے پر کرنی چاہیے۔ اور دنیا کے سامنے وہ نظام اقتصادی تھنۂ پیش کرنا چاہیے جو اسلام کے سچے تصور مساوات انسانی اور معاشرتی انصاف پر مبنی ہو۔ اس طرح ہم بحیثیت مسلمان اپنا مشن پورا کریں گے اور دنیا کو امن کا وہ پیغام دیں گے کہ صرف وہی انسانیت کو تباہی سے بچا سکے گا اور بنی نوع انسان کی مسرت و فلاح و بہبود کی ضمانت کا باعث ہو گا۔"

(تقریر' قائداعظم محمد علی جناح بطور گورنر جنرل پاکستان ۱۹۴۷۔۱۹۴۸ء ص ۱۵۳۔۱۵۴)

یہ تمام اقتباسات اس امر کی خوبی وضاحت کے لیے کافی ہیں کہ قائداعظم کا اصل مقصد کیا تھا؟ اور ان کی نظر میں تحریک پاکستان کا محرک کونسی چیز تھی؟ اب دیگر رہنماؤں کے خیالات بھی مختصراً پیش کیے جاتے ہیں نواب بہادر یار جنگ اپنا مطمح نظر ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں۔

"میری منزل مسلمان کو منفرداً اور جماعت اسلامیہ کو مجتمعاً منہاج نبوت پر دیکھنا ہے۔ میں مسلم لیگ کے ساتھ اس لیے ہوں کہ غیر شعوری طور پر اس کا قائد اس منزل کی طرف چلا جا رہا ہے۔ اس مقصد کو مقصد حیات سمجھنے والوں کا ایک بڑا گروہ لیگ میں پیدا ہو گیا ہے اور آپ حیران ہوں گے کہ یہ سب کے سب دیوانے ڈاڑھی منڈے اور اصطلاحاً غیر عالم ہیں۔

"پاکستان حاصل کرنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ پاکستان کو پاکستان بنانا اور قائم رکھنا مشکل ہے۔ ہم پاکستان صرف اس لیے نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کے لیے ایک ایسی جگہ حاصل کریں جہاں شیطان کے اہلکار بن کر اپنی ساتیر کا فرانہ پر عمل کریں جن پر آج کی ہماری دنیا کاربند ہے۔ اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو کم از کم میں ایسے پاکستان کا حامی نہیں ہوں۔ یہ ایک انقلاب ہو گا۔ یہ ایک نشاۃ ثانیہ ہو گی۔ یہ ایک حیات نو ہو گی جس میں خوابیدہ تصورات اسلامی ایک مرتبہ پھر آزمائے جائیں گے اور حیات اسلامی ایک بار پھر کروٹ لے گی"

"ہمارے پنڈال سے وہ لوگ اٹھ جائیں جو خدا کے انکار پر اپنے معاشی نظام کی بنیاد رکھتے ہیں۔ قرآن کے

واضح اور اٹل احکامات میں تحریف و اضافہ کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور جو روٹی کپڑے کے بدلے مسلمان کا ضمیر اور اس کا ایمان خریدنا چاہتے ہیں"۔(پاکستان ناگزیر تھا۔ تقریر ۱۹۴۴)

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے جو خود اس کا پیدا کردہ ہے الگ نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر آپ نے ایک کو ترک کر دیا تو بالآخر دوسرے کو بھی ترک کرنا لازم آئے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لیے بھی کسی ایسے نظام سیاست پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہو گا جو ایسے وطنی یا قومی اصول پر مبنی ہو جو اسلام کے اصول و اتحاد کے منافی ہو۔ یہ مسئلہ ہے جو آج ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے ہے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کرے" (خطبہ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد، دسمبر ۱۹۳۰)

• شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریک پاکستان کے مقاصد کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"ہم ایک ایسی اسلامی مملکت تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس کی بنیاد اسلام اور قرآن کے اصولوں پر رکھی جائے۔ جس کی تعمیر میں تقویٰ اور دین شامل ہو۔ ہاں ایک ایسی اسلامی ریاست جو آگے چل کر خلافت راشدہ کا نمونہ کی مثال بن سکے"۔(خطبات عثمانی)

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خان شہید قیام پاکستان کے مقاصد یوں واضح کرتے ہیں:

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان صحیح معنوں میں ایک اسلامی مملکت ہو گا اور اگر نہ ہوا تو حصول پاکستان بے کار ہو جائے گا پاکستانیوں کے اتحاد کے بعد پاکستان میں آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل کے اسلامی اصولوں کی عمل داری ہو گی۔ پاکستانی علاقوں میں تمام نظام و انتظام حکومت قرآن پاک کے احکام اور اصولوں کے بموجب ہو گا"۔(۱۵ جنوری ۱۹۴۸، پشاور میں خطاب)

"حصول پاکستان کی تحریک کا یہ مقصد کبھی نہیں رہا کہ دنیا کے بے شمار ممالک میں ایک اور ملک کا اضافہ کیا جائے یا دنیا کے نقشے کے متعدد رنگوں میں ایک اور رنگ کا اضافہ کیا جائے۔ پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں برصغیر کے مسلمانوں کا مقصد یہ رہا کہ اپنے لیے ایک خطہ زمین حاصل کریں، چاہے وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو

اسلامی تصورات اور اصول حیات پر عمل کیا جائے اور اس کے ثمرات کا دنیا کے سامنے مظاہرہ کر سکیں"۔ (۹ فروری ۱۹۵۱ء کراچی۔ موتمر عالم اسلامی کے اجلاس سے خطاب)

یہ تمام حوالہ جات وضاحت کے ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ پاکستان کے قیام کا ایک اہم بلکہ بعض زعماء کے اپنے بیان کے مطابق اصل محرک ایک اسلامی حکومت کا قیام تھا۔

۳۔ غلامی سے آزادی

اسلام آزادی پسند مذہب ہے۔ اس نے تو غلاموں تک کے حقوق کا تحفظ کیا ہے وہ یہ کیسے قبول کر سکتا ہے کہ وہ خود غلام ہو جائے اور اس پر ان لوگوں کی حکمرانی ہو جو اسلام اور مسلمانوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بڑے یقین کے ساتھ فرماتے ہیں :

متی استعبدتم الناس و قد ولدتهم امهاتهم احراراً (ابن کثیر)

تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام بنالیا؟ حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا ہے۔

اسی لیے پہلے پہل انگریزوں کے رویے اور طرز عمل نیز ہندوؤں کے ساتھ متحدہ ہندوستان میں رہنے کی صورت میں پیش آنے والے حالات وواقعات کے تصور سے جب مسلمانوں کو صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا تو انہوں نے یہی کہا کہ اس غلامی سے نجات کا راستہ یہی ہے کہ ایک علیحدہ ریاست حاصل کی جائے۔ چنانچہ انگریز نے جب لوکل سیلف ایکٹ ۱۸۸۲ء کے تحت ہندوستان میں پارلیمانی نظام کی بنیاد رکھی اور میونسپل کونسل اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کے مخلوط حلقوں کی بنیاد پر انتخابات ہوئے اور اکثریت کی بنیاد پر ہندو غالب رہے تو سر سید احمد خان نے اس ایکٹ کے خلاف زبان کھولی۔ انہوں نے اسے غلامی سے تعبیر کیا۔ انہوں نے کہا :

"جب تک قوم اور مذہب کے اختلاف اور ذاتوں کا امتیاز ہندوستان کی سوشل اور پولیٹیکل حالت میں ایک جزو اعظم رہے گا اور ان معاملات میں جو ملک کے انتظام اور بہبودی سے بیشتر متعلق ہیں ان کے باشندوں پر اثر ڈالتا ہے۔ اس وقت تک الیکشن کا خاص قاعدہ طمانیت کے ساتھ جاری نہیں کیا جا سکتا۔ بڑی قوم چھوٹی قوم کے مطالب پر بالکل غالب آجائے گی"۔ (خطبات سر سید احمد خان جلد اول صفحہ ۴۰۱)

ہندوؤں کی ذہنیت اور مسلمانوں کے لیے اس سے وابستہ خطرات کا ذکر ایک اور ثقہ شخصیت کے قلم سے سنیئے۔ مولانا سعید احمد صاحب سیکرٹری جمعیت العلماء ہند فرماتے ہیں :

"اسلامی حکومت کے زوال پر اس ملک میں ہندوؤں کی حکومت قائم ہو جاتی تو مسلمانوں کو چھٹی کا کھایا یاد آجاتا۔ جو قوم موجودہ غلامی کی حالت میں یہ ستم ڈھا رہی ہے حکمران بن کر خدا جانے مسلمانوں کے ساتھ کیا کرتی"۔ (ماہنامہ الجمیعۃ ۱۰ جنوری ۱۹۳۶)

یہی غلامی سے آزادی کا خیال مسلم لیگ کے قیام کا بھی سبب بنا۔ مسلم لیگ کی تاسیس کے سلسلہ میں ہونے والا پہلا اجتماع نواب وقار الملک کی زیر صدارت ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ کو ڈھاکہ میں ہوا۔ اپنے خطبہ صدارت میں انہوں نے فرمایا:

مسلمان ہندوستان میں دوسری ہمسایہ قوموں کے مقابلے میں ایک خمس کے قریب ہیں اور اس لیے یہ ایک صاف مضمون ہے کہ اگر کسی وقت برٹش حکومت ہندوستان میں قائم نہ رہے تو اس وقت وہی قوم ملک پر حکمران ہو گی جو تعداد میں ہم سے چار حصے زیادہ ہے۔ اور اب صاحبو! ہر ایک شخص کو چاہیے کہ اپنے دل میں اس بات پر غور کرے کہ اس وقت ہماری حالت یہ ہو گی کہ ہمارا امال، ہماری آبرو، ہمارا مذہب، سب خطرے میں ہو گا۔ آج جبکہ برٹش کی زبردست سلطنت اپنی رعایا کی محافظ ہے، جس قسم کی مشکلات بسا اوقات ہم کو اپنے ہمسایہ دوستوں سے پیش آتی ہیں اس کی نظیر کم و بیش ہر صوبہ میں موجود ہے تو وائے اس وقت پر جب ہم کو ان لوگوں کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا جو اورنگ زیب کا بدلہ صدہا برس بعد آج ہم سے لینا چاہتے ہیں۔ (پاکستان ناگزیر تھا صفحہ ۵۴)

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ قیام پاکستان کے دیگر محرکات کے ساتھ غلامی سے آزادی کا جذبہ بھی ایک محرک کے طور پر شامل تھا۔

۴۔ مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت اور ہندو اکثریت کی وجہ سے اس حیثیت کے مجروح ہونے کا خطرہ

مسلمانان برصغیر کو یہ بات واضح طور پر نظر آنے لگی تھی کہ ہندو اکثریت کے ہوتے ہوئے نہ صرف یہ کہ وہ اپنے سیاسی و سماجی حقوق نہیں حاصل کر سکتے بلکہ وہ اپنی امتیازی و جداگانہ حیثیت اور اپنی تہذیب و ثقافت کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے۔ یہ چیز مسلمانوں کے لیے سخت تشویش کا باعث تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریز نے پہلے تو ہندوؤں کے ساتھ مل کر ہندوؤں اور مسلمانوں میں متحدہ قومیت کا پروپیگنڈا کیا تاکہ مسلمانوں کی امتیازی پہچان اور ان کی تہذیب و ثقافت ان سے چھین لی جائے۔ ان کے ماضی کے شاندار ورثے سے ان کا تعلق قطع کر دیا جائے اور انہیں ہندوؤں میں ضم کر دینے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ آگے چل کر کبھی بھی بطور مسلم، متحد نہ ہو سکیں اور اقتدار پر ہندوؤں کا غلبہ ہمیشہ کے لیے قائم ہو جائے۔ اس متحدہ قومیت کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ سارے ہندوستانی ایک قوم ہیں اور مذہب ایک غیر متعلق شے ہے۔ یہ دعوی یورپ کے فلسفہ قومیت کی بنیاد پر تو درست تھا مگر مسلمان اسے کسی طور پر تسلیم نہ کر سکتے تھے۔ اس مہم کے بارے میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"ان کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ ہندوستان میں مختلف قومی امتیازات جو مذہب اور تہذیب کی تفریق پر قائم

ہیں مٹ جائیں اور سارا ملک ایک قوم بن جائے۔ پھر اس قوم کی زندگی کا جو نقشہ ان کے سامنے ہے وہ اشتراکیت اور ہندومت سے مرکب ہے اور اس میں مسلمانوں کے اصول حیات کی رعایت تو درکنار اس کے لیے کوئی ہمدردانہ نقطہ نظر بھی ان کے پاس نہیں ہے"۔ (تحریک آزادی ہند از مولانا مودودی صفحہ ۷۶)

اس متحدہ قومیت کے تصور کو عام کرنے کے لیے گاندھی کی راہنمائی میں ایک تعلیمی اسکیم تیار کی گئی جسے واردھا سکیم" کہتے ہیں۔ اس کے معمار ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسل جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی تھے۔ اس اسکیم کا ہدف متحدہ قومیت پیدا کرنا تھا اس لیے اس میں سارا زور مادی تصور حیات پر صرف کیا گیا۔ اس میں مذہب کی تعلیم صرف چند شخصیتوں کے تذکرے تک محدود تھی جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، گرونانک اور گاندھی شامل تھے۔ اسکیم کا مقصد خود اس کے معمار کی نظر میں یہ تھا۔

"اس اسکیم کا آخری مقصد تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک جماعت پیدا کرنا ہے، جس کا کلچر، جس کا عقیدہ اور جس کے اعمال ایک ہی طرح کے ہوں، جو تمام مذاہب کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ سب سچے ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں نیز اہنسا (عدم تشدد) کی صداقت پر ایمان ہو اور اسی پر عمل بھی ہو" (تاریخ نظریہ پاکستان صفحہ ۲۰۳)

اسی قسم کے ایک مدرسہ کا حال جس میں یہ تعلیم دی جاتی تھی مولوی عبدالحق سے سنیئے:

"میری انجمن (انجمن ترقی اردو) کا نمائندہ قصبہ پانڈھرن (سی پی) کے مدرسہ میں پہنچا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اسکول کے شروع ہونے سے پیشتر ہندو اور مسلمان لڑکے سرسوتی مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا (دعاء) کر رہے ہیں۔ مسلمان لڑکے ان مدرسوں میں پڑھ کر اسلام کی جگہ نمستے اور جے رام جی کی کہتے ہیں۔ کیا مذہب اور تہذیب کی حفاظت کے یہی معنی ہیں"۔ (تاریخ نظریہ پاکستان صفحہ ۲۰۳)

ان اسکولوں کے تمام ہیڈ ماسٹروں کو ایک مراسلہ جاری کیا گیا تھا جس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"صداقت اور عدم تشدد (ستیہ اور اہنسا) کا تمام عالم کو پیغام دینے والی عظیم المرتبت ہستی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا اور ان کے بلند نظریوں کے متعلق حاضرین کو نیک ہدایت دی جائے" (محکمہ تعلیم سی پی گورنمنٹ مراسلہ نمبر ۶۴۴۶۔ ۲۴۲ دسمبر ۱۹۳۸)

سی پی کے وزیر اعظم پنڈت شکلا (کانگریس) نے انتہا کر دی۔ اس نے اسکولوں کو مندر کا نام دیا۔ اس میں ہندوانہ لباس، مورتی، پوجا، ہندو تہواروں میں مسلمان طلبہ کی لازمی شرکت، ہاتھ جوڑ کر سلام کرنا، بتوں کے سامنے پرست ہونا اور بندے ماترم کا مشرکانہ گیت گانا ضروری تھا۔ کانگریس کا ترنگا جھنڈا لہرایا جاتا تھا۔ ہندی زبان لازمی تھی۔ (تاریخ نظریہ پاکستان صفحہ ۲۰۴)

ہندوؤں کی جانب سے اس انتہا پسندی میں انگریز کا ہاتھ بالکل صاف اور واضح ہے "در حقیقت ہندوؤں میں جارحیت کی تخم ریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت کی گئی۔ کمپنی کا سیکرٹری ہوریس ولسن ہندو تہذیب میں اس درجہ غرق ہو چکا تھا کہ اس نے برہموں کا نیم برہنہ لباس اختیار کر لیا تھا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے شوشہ چھوڑا کہ مسلمان بدیسی ہیں۔ غیر ملکی ہیں' باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ یہ کمپنی کی حکومت کے بالکل آغاز کی بات ہے' یہاں سے ہندو مسلمانوں کے درمیان افتراق کی تخم ریزی ہوئی۔ (تاریخ نظریہ پاکستان صفحہ ۱۸۵)

اسی جارحیت کے نتیجہ میں پہلا ہندو مسلم فساد یوپی میں ۱۸۰۹ء میں ہوا ورنہ اس سے قبل مغل بادشاہوں کے ڈھائی سو سالہ دور حکمرانی میں کسی قسم کے فسادات کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اسی انگلش سازش کے نتیجہ میں ہندوستان میں ۱۹۰۸ء میں شدھی تحریک (مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک) کا آغاز ہوا۔ اس نے ابتداء میں بھرت پور کے چند نیم مسلم راجپوتوں کو ہندو بنالیا مگر اس وقت یہ تحریک زیادہ زور نہ پکڑ سکی۔ پھر بعض حالات کی وجہ سے ۱۹۱۵ء میں ہندو قوم پرستی کی تحریک کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس کا اہم نکتہ اس تحریک کے ایک لیڈر لالہ لاجپت رائے کے بقول ہندو فرقوں میں اتحاد قائم کرنا اور مسلمانوں اور عیسائیوں کو شدھی (ہندو) کر کے افغانستان اور سرحد کو فتح کرنا تھا۔ پھر ۱۹۲۳ء میں یہ تحریک زور پکڑ گئی۔ اصل میں پہلے اکثر ہندو شدھی کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس میں صرف آریہ سماج حصہ لے رہے تھے مگر پھر کئی سال کی محنت کے بعد انہیں اپنا ہمنوا بنالیا گیا۔ جس سے انہیں تقویت ملی۔ اس کے نتیجہ میں مسلمان بھی متحد ہونے لگے اور انہوں نے بھی انجمن تبلیغ قائم کی جس میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی' مولانا غلام بھیک نیرنگ اور کنور عبدالوہاب خان پیش پیش تھے۔ ۱۹۱۵ء میں ہی ایک اور تنظیم ہندو مہا سبھا کے نام سے قائم ہوئی جس کا مطالبہ تھا کہ تمام اقلیتیں بشمول مسلمان' ہندو مذہب ورنہ ہندو تہذیب لازماً قبول کریں۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے خلاف نہایت متشددانہ جذبات بھڑکے اور ان کی مذہب و تہذیب اور سیاست کی ہر بات ان ہندو قوم پرستوں کی نظر میں خار بن کر کھٹکنے لگی اور ان کی تمام تر جارحیت کا رخ مسلمانوں کی طرف ہو گیا۔ (تاریخ نظریہ پاکستان صفحہ ۱۸۹)

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم کش فسادات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس کا آغاز ۱۹۲۲ء میں ملتان سے ہوا اور پھر دہلی' الہ آباد' لکھنو' ناگپور جبل پور' شاہ جہاں پور اور کوہاٹ وغیرہ ہر جگہ یہ فسادات پھوٹ پڑے اور کوئی صوبہ ان سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ سب ایک پروگرام کا حصہ اور منظم تیاری کا نتیجہ تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے لیے ایک اور جارحانہ بلکہ اذیت ناک اور تکلیف دہ سلسلہ شروع کیا گیا اور انتہا پسندوں کی ریشہ دوانیاں اس حد تک بڑھ گئیں کہ انہوں نے اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی شروع کر دی۔ مسلمانوں نے پہلے تو انگریزی عدالتوں سے رجوع کیا۔ جب وہاں دادرسی نہ ہوئی تو ناموس رسول پر قربان ہونے والوں نے ان دریدہ ذہنوں کو

اور نوابوں کی حویلیاں تھیں۔ انگریز نے یہ سارا علاقہ مسمار کر کے چٹیل میدان بنادیا۔ اس نے فوجیوں کو کھلا اختیار دے دیا تھا کہ "مجرموں" کو پھانسی پر چڑھادیں۔ ان "مجرموں" کو پھانسی دینے کے بعد ان کی لاشیں تک جلادی جاتی تھیں۔ بعض مقامات پر تو گاؤں کے گاؤں نذر آتش کر دیئے گئے۔ تین ماہ تک مردہ گاڑیاں درختوں سے لاشیں اتارتی رہیں۔ اس طرح سات ہزار کے قریب علماء اور چنیدہ مسلمانوں کو پھانسی دی گئی۔ حالانکہ اس جنگ آزادی میں ہندو اور مسلمان برابر کے شریک تھے جبکہ بقول سر سید اس کا آغاز بھی ہندوؤں ہی نے کیا تھا مگر اس ظلم و ستم کا نشانہ تنہا مسلمان بنے۔ یہ اس کی کافی دلیل ہے کہ انگریز نے روز اول ہی سے طے کر لیا تھا کہ ہندوؤں کو ملا کر مسلمانوں کو ہر میدان میں پیچھے دھکیلنا ہے۔ سر سید کہتے ہیں :

"غدر کیا ہوا، ہندوؤں نے شروع کیا، مسلمان دل جلے تھے وہ بیچ میں کود پڑے، ہندو گنگا نہا کر جیسے تھے ویسے ہی ہو گئے مگر مسلمانوں کے تمام خاندان تباہ وبرباد ہو گئے"۔ (حیات جاوید صفحہ ۲۸۱)

غالب اس تمام واقعے کے عینی شاہد ہیں وہ کہتے ہیں :

گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے زہرہ ہوتا ہے اب انسان کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے گھر بنا ہے نمونہ زندان کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک تشنہ خوں ہے ہر مسلمان کا

بہادر شاہ ظفر کہتے ہیں :

وہ رعایا ہند تباہ ہوئی، کہوں کیسی ان پہ جفا ہوئی
جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ بھی قابل دار ہے

پھر انگریز نے مسلمان علماء اور قائدین کو سزا دینے کا ایک بالکل غیر انسانی طریقہ اختیار کیا۔ خلیج بنگال میں جزائر انڈمان جو "کالے پانی" کے نام سے مشہور ہے وہاں ان کو بطور قیدی بھیجنا شروع کیا۔ یہاں کی آب و ہوا درجہ خراب اور مضر اور رہائش کے لیے ناساز گار ہے۔ جراثیم اور کیڑوں کی بہتات کی وجہ سے قیدی وہاں جاتے ہی مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ پھر یہی نہیں، ان قیدیوں کی رانوں اور گردنوں پر گرم لوہے سے داغ لگائے جاتے تھے۔ (تاریخ نظریہ پاکستان ص ۹۷)

ہندوستان کی کن کن عظیم اور معزز شخصیات کو وہاں "انگریزی مہمان نوازی" کا سامنا کرنا پڑا، اس کا اندازہ اس اجمالی فہرست سے لگایا جاسکتا ہے

۱۔ مولانا فضل حق خیر آبادی۔ ان کا دوران قید وہیں انتقال ہوا

۲۔ نواب محمد خان۔ یہ نواب واجد شاہ اودھ کی بیگم کے وزیر تھے۔

۳۔ مولانا احمد اللہ عظیم آبادی۔ پہلے پھانسی کا حکم ہوا تھا پھر کالا پانی بھیج دیا گیا۔ وہاں جرس سے پانی کھینچنے کی مشقت مولانا کے ذمہ عائد کی گئی جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو گئے اور وہیں انتقال ہوا۔

۴۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری یہ ۱۷ سال وہاں رہے۔ رہائی کے بعد "کالا پانی" نامی کتاب لکھی۔

۵۔ مولانا یحی جعفری عظیم آبادی۔ وہیں انتقال ہوا۔

۶۔ مولانا عبدالرحیم۔ یہ مولانا ولایت علی کے بھتیجے تھے۔ ۱۹ سال بعد رہا ہوئے

۷۔ مولوی امیر الدین' ان کا بھی وہیں انتقال ہوا۔ (تاریخ نظریہ پاکستان ص ۹۹)

پھر ۱۸۵۷ء کے اعلامیے میں مزید انتقامی اقدامات کا اعلان کیا گیا جن میں سے چند یہ ہیں :

۱۔ ساڑھے تین سو سالہ مغل حکمرانی کے خاتمے کا اعلان کر کے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی بادشاہت کے خاتمے کا اعلان کیا گیا۔

۲۔ دہلی جو صدیوں سے دارالحکومت تھا اسے ختم کر کے کلکتہ کو دارالحکومت قرار دیا گیا۔

۳۔ جمعہ کی تعطیل کی جگہ اتوار کی چھٹی رائج کی گئی۔

۴۔ قوم کی آزاد حیثیت ختم کر کے 'اسلحہ رکھنا قانوناً جرم قرار دیا گیا

۵۔ سود کو رائج کیا گیا اور شریعت اسلامیہ منسوخ کی گئی

۶۔ فارسی زبان کی سرکاری حیثیت ختم کر دی گئی۔

اس کے علاوہ اردو کے خلاف انتقامی کارروائیاں کی گئیں۔ متعدد کالج بند کر دیئے گئے جن میں اردو ذریعہ تعلیم تھی۔ مثلاً ہیلی بری کالج لندن۔ دہلی کالج' آگرہ کالج' بریلی کالج' رڑکی انجینئرنگ کالج' پونا کالج وغیرہ۔

اردو کو عدالتوں سے بھی بے دخل کیا گیا۔ پہلے تو صدر عدالت کا نام تبدیل کر کے ہائیکورٹ رکھا گیا اور اردو میں عدالتی کارروائی ممنوع قرار دی گئی پھر منصف' داروغہ اور وکلاء کی نصب آسامیاں انگریزی جاننے والے افراد کے لیے مختص قرار دی گئیں۔ یہ بھی لازم قرار دیا گیا کہ تمام امتحانات انگریزی میں ہوں گے۔ قاضی مقرر ہونے کے لیے بھی مسلمان ہونے کی شرط ختم کر دی گئی۔ آہستہ آہستہ اردو کی سرکاری حیثیت بالکل ختم کر دی گئی۔

ایک اور قدم یہ اٹھایا گیا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی تعلیم میں بھی فرق کر دیا گیا۔ ہندوؤں کو تو مغربی علوم و فنون کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی سنسکرت زبان اور ان کی تہذیب کا احیاء کیا گیا اور انہیں اپنی ثقافت پر فخر کرنے کی ترغیب دی اور ان کے رہن سہن میں تبدیلی کی کوشش کی گئی۔ جبکہ مسلمانوں کے لیے یہ پالیسی طے کی گئی کہ ان کا مذہب اسلام سے تعلق کمزور کیا جائے اور انہیں پوری طرح مغربی طرز معاشرت میں رنگ دیا جائے تاکہ مسلم معاشرے سے ان کا تعلق ختم ہو جائے انگریز نے اردو کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ ہندی کو فروغ دینے کی بھی

بھرپور کوشش کی اور یہ کوشش بھی کہ ہندی اردو کی جگہ لے لے۔ انہوں نے اردو کی جگہ دیوناگری رسم الخط رائج کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔ ہندو ذہنیت اور انگریز کے یکطرفہ اقدامات بیرونی ممالک کے غیر مسلم محققین سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکے۔ پیرس میں اردو کے محقق گارسان وتاسی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "ہندو اپنے تعصب کی وجہ سے اس امر کے مزاحم ہو رہے ہیں جو ان کو مسلمانوں کی حکومت کا زمانہ یاد دلاتے"۔ (حیات جاوید ۱۹۷)

یہ تھے وہ انگریزی اقدامات جنہوں نے تحریک پاکستان منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انگریز کی مسلم دشمنی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب اسے اس امر کا یقین ہو گیا کہ اب متحدہ ہندوستان پر اس کا حکومت کرنا ممکن نہیں اور تقسیم ہند اس کے سامنے ایک حقیقت کے طور پر آ گئی تب بھی اس نے اپنی پرانی روش ترک نہیں کی بلکہ تقسیم ہند اور سرحدوں کے تعین میں کھلی دھاندلیاں کرتے ہوئے ہندوؤں کو بھرپور فائدہ پہنچایا۔ اس کی ایک مثال فیروزپور اور گورداس پور کے اضلاع میں جو خالص مسلم اکثریتی اضلاع تھے۔ صرف ہندوؤں کے ناجائز دباؤ پر ان اضلاع کو ہندوستان کا حصہ بنا دیا گیا۔ اس بارے میں کمیشن برائے تعین سرحدات کے سیکرٹری کی گواہی کافی ہے۔ اس کمیشن کا سربراہ سرل ریڈ کلف تھا اور سیکرٹری کوسٹوفر بی ماؤنٹ تھا۔ جس نے ۴۵ برس بعد یہ انکشاف کیا "سرحدات کمیشن کا میں عینی شاہد ہوں اور آج واحد آدمی زندہ رہ گیا ہوں میں صحیح حقائق سے پردہ اٹھاتا ہوں۔ نہرو نے ماؤنٹ بیٹن وائسرائے پر دباؤ ڈالا کہ وہ نہرو کی منشا کے مطابق سرحدات میں تغیر کر دے۔ اس کے مطابق فیروزپور اور زیرا کی تحصیل کو گورداسپور ہندوستان کو دے دیا گیا۔ حالانکہ پہلی تقسیم میں یہ علاقے پاکستان کو دیے گئے تھے"۔ (روزنامہ ڈان کراچی ۲۰ فروری ۱۹۹۲)

انگریز نے جس بددلی سے قیام پاکستان کی منظوری دی اور پاکستان کی بقا کے بارے میں ان کے جو خیالات تھے اس کا اظہار اس وقت کے برطانوی وزیر اعظم کے ان خیالات سے ہوتا ہے:

"ہندوستان تقسیم ہو رہا ہے لیکن مجھے امید واثق ہے کہ یہ تقسیم زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکے گی اور یہ دونوں مملکتیں جنہیں ہم اس وقت الگ کر رہے ہیں ایک دن پھر آپس میں مل کر رہیں گی"۔

(تاریخ نظریہ پاکستان صفحہ ۲۶۴)

سردار پٹیل کہتا ہے:

"پاکستان باقی نہیں رہے گا' پانچ سال کے عرصہ میں مسلم لیگ ہمارا دروازہ کھٹکھٹائے گی اور ہندوستان سے دوبارہ مل جانے کی درخواست کرے گی"۔ (تاریخ نظریہ پاکستان صفحہ ۲۶۴)

ہندو فطرت اور ان کے عزائم کی عکاسی برطانوی کمانڈر انچیف جنرل اکنلک کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ جو اس نے قیام پاکستان کے فوراً بعد دیا تھا۔

"مجھے اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہوئے ذرہ برابر جھجک نہیں کہ موجودہ ہندوستان کابینہ تہیہ کیے بیٹھی
ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ پاکستان کی نوزائدہ مملکت کو کسی طور مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں ہونے دے گی۔ ۱۵ اگست
سے صورتحال تیزی سے خراب ہو رہی ہے۔ ہندوستانی رہنما' کابینہ کے وزراء' سول افسر اور دیگر لوگ بڑی ہٹ
دھرمی سے تقسیم کے کام میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں"۔ (تاریخ نظریہ پاکستان صفحہ ۲۶۵)

یہ تمام باتیں اس بات کی بین دلیل ہیں کہ انگریز بالآخر اپنی اس حکمت عملی میں ضرور کامیاب رہا کہ اس نے
ہندوؤں کی پشت پناہی کرتے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے مدمقابل لا کھڑا کیا اور انہیں
آپس میں لڑا کر اپنی حکومت کے دن پورے کرتا رہا۔ یہ بات کسی خاص طبقہ کا خیال یا محض مفروضہ نہیں بلکہ تاریخ
میں خود انگریزی اعتراف موجود ہے۔ ہندوستان کا گورنر جنرل لارڈ ایلن بارو لکھتا ہے:

"میں اس حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا کہ یہ نسل (مسلمان) بنیادی طور پر ہماری دشمن ہے اس
لیے ہماری صحیح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کو خوش کیا جائے"۔ (تاریخ نظریہ پاکستان۔ ۶۷)

یہ تھی مختصراً ان چند اہم محرکات کی تفصیل جنہوں نے تحریک پاکستان کے لیے مسلمانوں کو نظریاتی اور
عملی طور پر منظم کیا اور جس کی بنا پر پاکستان کا قیام ممکن ہوا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ انگریز کبھی بھی
قابل اعتماد نہیں رہا۔ رئیس امروہی مرحوم نے یہی بات اپنے انداز میں کہی ہے۔

ہم لاکھ کریں اس سے تعاون کی توقع
افرنگ کا کردار بدل ہی نہیں سکتا
مغرب سے نہ رکھ روشنئ طبع کی امید
سورج کبھی مغرب سے نکل ہی نہیں سکتا

اب جبکہ قیام پاکستان کے پچاس سال مکمل ہونے پر اس کی گولڈن جوبلی منائی جا رہی ہے ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ
قیام پاکستان کے محرکات کی روح کو سمجھیں اور تحریک آزادی کے قائدین کے مقاصد اور خیالات کا مطالعہ کریں اور
ان کی روشنی میں پاکستان کو ایک مثالی فلاحی اسلامی مملکت بنانے کے لیے سب مل کر جدوجہد کریں۔ اسی صورت
میں پاکستان کے مقاصد پایہ تکمیل تک پہنچ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب اہل پاکستان کو تحریک پاکستان کی روح کے
مطابق عمل کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حوالہ جات

۱۔ سیرت ابن ہشام' امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام المعافری' دار المعرفہ' بیروت لبنان
۲۔ ہادی اعظم' سید فضل الرحمٰن' ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی ۹۱ء
۳۔ سیرت النبی ﷺ' سلیمان ندوی جلد ۵' ۶' ۷' دار الاشاعت کراچی ۱۹۸۵ء
۴۔ جدو جہد پاکستان' ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی' شعبہ تصنیف و تالیف جامع کراچی ۱۹۹۰ء
۵۔ پاکستان ناگزیر تھا' سید حسن ریاض' شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی ۱۹۷۰ء
۶۔ خطبات عثمانی' مولانا شبیر احمد عثمانیؒ' بازار سریاں والا' لاہور ۱۹۴۶ء
۷۔ خطبات سر سید احمد خان' مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۵ء
۸۔ تحریک آزادی ہند اور مسلمان' مولانا مودودیؒ' اسلامک پبلی کیشنز لاہور' ۱۹۷۵ء
۹۔ تاریخ نظریہ پاکستان' پروفیسر سید محمد سلیم' ادارہ تعلیمی تحقیق' لاہور ۱۹۹۶ء
۱۰۔ حیات جاوید الطاف حسین حالیؒ' مطبع مفید عالم' آگرہ' ۱۹۰۳ء
۱۱۔ قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر بطور گورنر جنرل پاکستان' (انگریزی) ۱۹۴۳ء' ص ۱۵۳' ۱۷۴

استحکام پاکستان' سیرت طیبہ کی روشنی میں

ڈاکٹر سید اذکیا ہاشمی' مانسہرہ

رست عنوانات مقالہ

ملک کے عدم استحکام کا بنیادی سبب

ملکی استحکام کا بنیادی تقاضا۔ شریعت اسلامی کا نفاذ

لت کے استحکام کی صورتیں

<u>معاشرتی استحکام</u> اور اس کی بنیادیں ملکی حالات کے تناظر میں

۔ اتحاد و یکجہتی کا فروغ

۱۔ قومیت پرستی کا خاتمہ

۲۔ مذہبی تفرقہ بازی کا خاتمہ

قیام امن و عدل

۱۔ کمزور طبقوں کے حقوق کا تحفظ

۲۔ اقرباء پروری کا خاتمہ

۳۔ جرائم کا استیصال

۴۔ انتظامی مشینری کی اصلاح و احتساب

۵۔ عدالتی معاملات میں عدل

اصلاح معاشرہ

<u>سیاسی استحکام</u>۔ (ملکی حالات کے تناظر میں)

الف۔ اہل صالح اور جرات مند قیادت کا انتخاب

ب۔ محاذ آرائی کی سیاست سے اجتناب

ج۔ حکومت پر مثبت تنقید اور حکمرانوں کا احتساب

د۔ حکومت اور عوام میں رشتہ محبت و یگانگت

۳۔ معاشی استحکام (ملکی حالات کے تناظر میں)

الف۔ دولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام

۱۔ سود کا خاتمہ' ۲۔ نظام زکوٰۃ کا حقیقی نفاذ۔ احتکار اور اجارہ داریوں کا خاتمہ

ب۔ اقتصادی محکومی سے نجات

ج۔ وسائل معیشت کی ترقی کے ذریعہ اقتصادی پسماندگی کا خاتمہ

۱۔ زرعی ترقی' ۲۔ صنعتی ترقی' ۳۔ تعلیمی ترقی

د۔ سادگی اور کفایت شعاری

۴۔ دفاعی استحکام

الف۔ جنگی تیاری اور طاقت کا حصول (ب) طاقت حصول جنگ کے خاتمہ کے لیے

ج۔ مخبری اور جاسوسی کا انتظام (د) نوجوانوں کی لازمی جنگی تربیت اور دفاعی اخراجات میں

(ہ) دفاعی اور صنعتی میدان میں خود کفالت اور جدید ٹیکنالوجی کا حصول

(و) مسلم ممالک سے دفاعی معاہدے (ز) غیر مسلم ممالک سے تعلقات

حواشی و مراجع

کسی مملکت کی ترقی و استحکام کا دارومدار اس ملک کے نظریہ سے وابستگی' اس کی معاشرتی' معاشی' سیا
دفاعی صورتحال پر ہوتا ہے اگر وہ مملکت اپنے بنیادی نظریہ اور قومی نصب العین پر قائم ہے' اندرونی اور بیرونی خ
سے محفوظ ہے' معاشی ترقی کی راہ پر گامزن ہے' اس میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہے' عوام اور حکومت کے در
محبت اور اعتماد کا رشتہ قائم ہے اور وہاں کے باشندوں کی مادی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل کا پورا انتظام موجود
وہ ملک ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہے' اس کی سالمیت اور استحکام کو کوئی خطرہ نہیں اور وہ اپنے قومی نصب
سے وابستہ ہو کر ترقی و فلاح کی شاہراہ پر گامزن ہوتا ہے اور پھلتا پھولتا ہے۔ اگر ہم اپنے ملک کے حالات کا اس
کی روشنی میں جائزہ لیں تو صورتحال اس کے بالکل برعکس نظر آتی ہے' درحقیقت ہم ملک کے نظریہ اور قومی
العین سے الگ ہو کر اقتصادی بدحالی' سیاسی بدنظمی' داخلی و خارجی عدم استحکام اور اخلاقی فساد کا شکار ہو چکے ہیں

ملک کی بنیادوں کو کمزور کر کے اس کی سلامتی کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ مثلاً جگہ جگہ لسانی، نسلی اور علاقائی
بات کی گرم بازاری ہے اور اس کی بنیاد پر حقوق کی جنگ برپا ہے اور اس اجتماعی گناہ کے وبال میں ملک پر بدامنی،
یزی اور افراتفری کا عذاب مسلط ہے، دہشت گردی روزمرہ کا معمول بن چکی ہے اور امن عامہ کی ابتر صورتحال
پوری قوم کا امن و سکون غارت کر رکھا ہے۔ اہم کلیدی مناصب پر بالعموم ایسے افراد مسلط ہیں جن کا اس ملک کے
یے اور تعلیمات سے کوئی واسطہ نہیں ان کی باگ دوڑ غیر ملکی آقاؤں کے ہاتھ میں ہے، جس کے نتیجہ میں ملک
سازشوں کی آماجگاہ بن چکا ہے، اپنے اقتدار کے استحکام کے سوا ملک و ملت کے مفاد سے انہیں کوئی غرض نہیں،
ی بدحالی کی وجہ سے ملک کا بچہ بچہ قرضوں کی وجہ سے زیر بار ہے، لاقانونیت اور سیاسی بدنظمی کی وجہ سے معاشی
ر کا عمل رک چکا ہے، قوم مختلف گروہوں میں بٹی ہوئی ہے، اتحاد و یکجہتی مفقود ہے جب کہ اسلام دشمن طاقتیں
انوں کے باہمی اختلافات کو نمایاں کرنے اور انہیں باہم لڑانے میں مصروف ہیں، اخلاقی قدروں کے زوال نے
رے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ بدعنوانی، بددیانتی، رشوت ستانی، ظلم و ناانصافی نے ملک کو تباہی و
ی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خود ہم نے ملک کو اس صورتحال تک پہنچایا ہے اور یہ بربادی خود ہماری غفلتوں اور
یوں کا نتیجہ ہے اور ہم قرآن حکیم کے الفاظ میں "یخربون بیوتھم بأیدیھم" (۱) کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔

ع اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

تاریخ شاہد ہے کہ جب کوئی قوم سرکشی اور بغاوت پر اتر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری
ے اس سے کیے گئے وعدوں کو توڑ دیتی ہے تو اس کا انجام ذلت و ادبار، معاشی اور معاشرتی ابتری کی صورت میں
نے آتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس حقیقت کو ایک بستی کی مثال کے ذریعے ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے۔

ضرب اللہ مثلاً قریۃ کانت اٰمنۃ مطمئنۃ یأتیھا رزقھا رغداً من کل مکان فکفرت بانعم اللہ
ھا اللہ لباس الجوع و الخوف بما کانوا یصنعون۔ (۲)

اللہ تعالیٰ ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو بے خوف مطمئن تھی، اس کی روزی ہر طرف سے
غت چلی آرہی تھی پھر اس نے اللہ کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے برے کاموں کے سبب فاقہ اور خوف کا جھول
ادیا۔

اس آیت کی روشنی میں اگر ہم اپنے ملک کی ابتر صورتحال کا جائزہ لیں تو ہم یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ
راصل مملکت کے نظریہ سے غداری کر کے اور نعمت آزادی کی ناشکری کر کے اس وقت عذاب الٰہی کی زد میں
ہوئے ہیں۔ ہمیں ہرگز نہ بھولنا چاہیے کہ یہ قطعہ ارضی جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے ایک گراں

قدر عطیہ وہاں پوری قوم کے لیے امتحان بھی ہے۔ "ثم جعلنکم خلئف فی الارض من بعد هم لننظر کیف تعملون"۔(۳)(پھر ہم نے تمہیں ان کے بعد زمین کا وارث بنایا تاکہ ہم دیکھیں تمہارا طرز عمل کیا ہے؟)

ملک کے عدم استحکام کا بنیادی سبب

ہمارے خیال میں اس ملک کے عدم استحکام کا اصلی اور بنیادی سبب اس نظریہ سے انحراف ہے جس کی بنیاد پر یہ مملکت وجود میں آئی دیگر اسباب مثلاً سیاسی بد نظمی' اقتصادی بد حالی' افتراق و انتشار دراصل اسی نظریہ سے غفلت کے عواقب و نتائج ہیں اور ایک فاضل کے الفاظ میں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے "کسی درخت کی جڑ سوکھ جائے اور اسے پانی نہ دیا جائے' اس کے نتیجے میں وہ لازماً مرجھا جائے گا' اس کے پتے جھڑ جائیں گے شاخیں سوکھ جائیں گی' اور کچھ عرصہ بعد اس میں ایک سوکھے تنے کے سوا کچھ اور باقی نہ رہ گا" بعینہ یہی صورتحال پاکستان کو درپیش ہے۔

پورے عالم اسلام میں یہ امتیاز صرف پاکستان کو حاصل ہے کہ وہ ریاست مدینہ کی طرح محض اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ تمام اسلامی ممالک اپنی جغرافیائی حدود' زبان اور نسل وغیرہ کی بنیاد پر قائم ہوئے' ان میں سے کوئی ملک بھی ایسا نہیں جس کی قومیت کا دارومدار صرف اور صرف اسلام ہو۔ برصغیر ہندو پاک کے مسلمانوں نے دین کی بنیاد پر اور مسلم قومیت کی بنیاد پر مملکت کے قیام کا نعرہ ایسے دور میں بلند کیا جب پوری دنیا میں ہر طرف وطنی قومیت (National Ism) کا چرچا تھا' اور ان کی ایمانی حرارت' اتحاد' جوش و جذبے اور ان تھک محنت سے اس کی تشکیل عمل میں آئی۔ یہ نظریہ جہاں ملک کے قیام کا سبب بنا وہاں ملک کی ترقی و استحکام بھی اسی نظریے سے وابستہ تھا' نظریہ سے وابستگی جوں جوں کمزور پڑتی گئی' مسلم قومیت کا تصور دھندلا ہونے لگا' علاقائی لسانی اور گروہی تعصبات ابھرنے لگے جس سے ملکی استحکام کی بنیادیں کمزور ہوتی گئیں اور ہماری مجرمانہ غفلت کے نتیجہ میں ملک کا نصف حصہ ہم سے جدا ہو گیا۔

ملکی استحکام کا بنیادی تقاضا۔ شریعت اسلام کا نفاذ

شریعت اسلامی کا نفاذ اس ملک کی حیات و بقاء کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کسی جسم کے زندہ رہنے کے لیے اس میں روح کا وجود ضروری ہوتا ہے' اس لیے کہ اس کا مقصد وجود ہی یہ تھا کہ ایک آزاد خطے میں مسلمان اپنے دین کو عملاً نافذ کر کے پوری انسانیت کے سامنے ایک نمونہ پیش کریں گے۔ انسانوں کے لیے اگر کوئی دائمی' ابدی' مثالی' معیاری' حقیقی اور فطری' تمام زمان و مکان کے لیے ہمہ گیر اور قابل عمل نظام اگر کوئی ہو سکتا ہے کہ تو وہ شریعت ہے جس میں دین و دنیا' جسم و روح' معاش و معاد کا لحاظ اور دنیوی و اخروی صلاح و فلاح اور ترقی و نجات

ہدایات وبشارت موجود ہے' اس کا نفاذ اس ملک کی ضرورت بھی ہے اور مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ بھی' اور ملک کی سالمیت اور بقا کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔ ایک اسلامی ریاست میں جس کی بنیاد ہی اسلامی نظریہ پر ہے' سیکولر نظریات کی ترویج' نظام شریعت سے انحراف اور تہذیب مغرب کی اندھا دھند تقلید اس ملک اور معاشرہ کے تحفظ' بقا ارتقاء کی قطعاً ضامن نہیں ہو سکتی' تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم یا گروہ نے خود ساختہ نظاموں کے ذریعے زندگی کی گاڑی چلانے کی کوشش کی' اس میں ناکام ہوئے۔

نفاذ شریعت کے بلند مقصد کے حصول کے لیے نہ صرف حکومت کو بلکہ تمام طبقات کو ٹھوس بنیادوں پر اور عملی کام کرنا ہوگا۔ یہ مقصد محض lip sesuice سے حاصل نہیں ہو سکتا اس کے لیے ہر طبقہ پر جداگانہ نوعیت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ بالخصوص حکمران طبقہ اقتدار و حکومت حاصل کرنے کے لیے اسلام کو بطور نعرہ استعمال کرنے کے بجائے اس کے نفاذ کا عملی اقدام کرے' ان کی کرسیوں کا استحقاق صرف اسی صورت میں قائم اور برقرار رہ سکتا ہے دینی اور مذہبی جماعتیں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومت اور اقتدار کی حریف بننے کے بجائے کردار سازی کی طرف توجہ کریں' حکمران طبقہ بھی اسی معاشرے کا حصہ ہے' افراد کی اصلاح سے معاشرہ خود بخود سدھرے گا' صالح' باکردار' ملک و قوم اور اسلام کی محبت سے سرشار قیادت اسی معاشرے سے منتخب ہو کر سامنے آئے گی۔

ہمارے دینی اکابرین نے ہر دور میں اسلام کے غلبہ اور ترویج شریعت کے لیے برسر اقتدار طبقہ کو اصلاح کی بجائے عوام کی اصلاح اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور حکومت و اقتدار' جاہ و منصب سے بے نیاز ہو کر دین کی سربلندی کے لیے کام کیا۔ حضرت مجدد کا طریق کار اسی نوعیت کا تھا وہ اگر اقتدار چاہتے تو اس کا حصول ان کے لیے چنداں مشکل نہ تھا' امراء کی اچھی خاصی اکثریت ان کی معتقد تھی' مگر اقتدار سے الگ رہ کر احیاء اسلام اور ترویج شریعت کے لیے جو خدمات انہوں نے سرانجام دیں وہ تاریخ کے طالب علم سے مخفی نہیں۔

دینی جماعتوں کو کردار سازی کے ساتھ ساتھ ٹھوس عملی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ ملت کو درپیش مسائل کا قرآن و سنت کی روشنی میں حل پیش کر سکیں اور نفاذ شریعت کی منصوبہ بندی کر سکیں۔

عوام پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی انفرادی زندگی کے دائرہ میں اسلام کی پیروی کریں اور اخلاق و معاملات اور معاشرت کو اسلامی اصولوں کے تابع بنائیں۔

ریاست کے استحکام کی صورتیں

مختلف شعبوں میں ہمہ جہت ترقی بالواسطہ طور پر ملک کی ترقی اور استحکام کا ذریعہ بنتی ہے' معیشت' تجارت اور سیاست وغیرہ شعبوں میں ترقی سے ملک مستحکم ہوتا ہے اور ان شعبوں کی بدحالی ملک کو تباہی سے دوچار

کر دیتی ہے۔ اسلام چونکہ ایک مکمل نظام حیات ہے جو دنیوی واخروی فلاح' مادی اور روحانی ترقی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اس لیے وہ مذکورہ شعبوں کی ترقی کو دین کا ایک اہم مقصد قرار دے کر مملکت کے استحکام میں حصہ لیتا ہے۔ اس کی تفصیلات مختلف شعبوں کے حوالے سے حسب ذیل ہیں۔

ا۔ معاشرتی استحکام اور سیرت طیبہ کی روشنی میں اس کی بنیادیں

کوئی بھی مملکت اس وقت تک ثبات واستحکام حاصل نہیں کر سکتی جب تک اس کا معاشرہ ظلم' ناانصافی' خود غرضی اور مفاد پرستی' تعصبات و مکروہات' انتشار وافتراق سے پاک نہ ہو' معاشرے کو اگر گھن لگ چکا ہو' بد اخلاقی و بے راہ روی عام ہو' امانت ودیانت کا فقدان ہو' اخلاقی جرائم ومفاسد معمولات حیات بن چکے ہوں تو نہ مملکت مستحکم ہو سکتی ہے اور نہ قوم فلاح وبہبود کے راستے پر گامزن ہو سکتی ہے' اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو معاشرتی تعلقات و روابط کے صحیح' منصفانہ اور پائیدار اصول وحدود مقرر کرتا ہے اور ان کی رعایت ایسی فضا پیدا کرتی ہے جس میں اتحاد و یکجہتی' اخوت ومحبت' ہمدردی وایثار کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ ملکی حالات کے تناظر میں معاشرتی استحکام درج ذیل بنیادوں کا تقاضا کرتا ہے۔

الف۔ اتحاد و یکجہتی کا فروغ

ملک وملت کے حقیقی استحکام کی بنیاد اتحاد و یکجہتی ہے قرآن حکیم میں اسے عظیم نعمت قرار دیا گیا ہے۔(۴) اس کی نظر میں انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی اختلافات کا خاتمہ ہے۔(۵) اس کے نزدیک تفرقہ بازی شرک کے مترادف ہے اور اختلاف و تنازع ضعف وکمزوری اور عذاب خداوندی کا سبب ہے۔(۶) وہ اتحاد و محبت کے راستے میں حائل ان رکاوٹوں کی نشاندہی کرتا ہے جو نفرت وکدورت اور بغض وعداوت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ مثلاً تمسخر و استہزاء' طعنہ زنی' برے القاب سے پکارنا' بد گمانی' تجسس اور غیبت وغیرہ۔(۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مؤمنین کو جسد واحد سے تشبیہ دی ہے۔(۸) اور انہیں ایک دوسرے کو بنیان مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) قرار دیا ہے۔(۹) آپ ﷺ نے انتشار وافتراق پیدا کرنے والوں کو قتل تک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے "من ارادان یفرق امرهذہ الامة و هی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا ما کان"۔(۱۰) (جو کوئی اس امت کے بندھے ہوئے رشتے کو پارہ پارہ کرنے کا ارادہ کرے اس کی تلوار سے خبر لو خواہ وہ کوئی ہو)۔

اسلام دشمن طاقتیں آج مسلمانوں میں نسلی' لسانی اور گروہی امتیازات اجاگر کر کے' نظریاتی اختلافات کو ہوا دے کر اور فرقہ وارانہ اختلافات کو بھڑکا کر ہماری صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے اپنی ساری توانائی

ف کر رہی ہیں۔ ہم آج امت واحدہ کا مظاہرہ کر کے ہی دشمنان اسلام کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اپنی بقاء وار تقاء کی
زل طے کر سکتے ہیں۔

اسلامی تاریخ میں ریاست مدینہ کی مثال انتہائی روشن ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف
ی سے قبل اوس و خزرج کے قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور باہم اختلافات و تنازعات کا شکار
ے۔(۱۱) عربوں کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ اپنی پوری تاریخ میں ایک چھوٹی سی سلطنت بھی قائم نہ کر سکے تھے' ہمیشہ
ے متحارب قبائلی نظام میں منتشر اور مفلوک الحال تھے' اگر وہ آپس میں اپنے اپنے حقوق کی خاطر اسی طرح برسرپیکار
ہتے تو تباہ و برباد ہو جاتے مگر جب اسلام کو قبول کر کے اپنے صدیوں پرانے تنازعات بھلا دیئے' جاہلی تعصبات ختم
یئے تو ان کو وہ عروج حاصل ہوا کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی اور چند ہی سالوں میں اس دور کی سپر پاور ز روم اور
س کو اسلامی اقتدار کے زیر نگیں لے آئے۔ یہ کامیابیاں دراصل تاریخ' حالات اور اسباب کا منطقی نتیجہ نہ تھیں
یہ اس اخوت اور اتحاد کا ثمرہ تھا جو حضور ﷺ کے صدقے انہیں عطا ہوا۔ خود مملکت پاکستان کا قیام بھی اتحاد و
ق کی بدولت معرض وجود میں آیا اور اس کا استحکام بھی اسی جذبے کا مرہون منت ہے۔

اس وقت اتحاد و یکجہتی کے راستے میں دو بڑی رکاوٹیں حائل ہیں جن میں سے ایک قومیت پرستی ہے اور
ری مذہبی تفرقہ بازی۔

قومیت پرستی:

خاندان' قوم قبیلے اور علاقے کی محبت جب تعصب کی شکل اختیار کر لے تو وہ ملک اور معاشرے کے لیے
ک مہلک ثابت ہوتی ہے۔ یہ اندھی محبت افراد قوم میں حق و انصاف کے سوال کو نظر انداز کر کے ہر حال میں اپنی
ی کی حمایت پر آمادہ کرتی ہے۔ قرآن حکیم میں اسے "حمية الجاهلية" کا نام دیا گیا ہے۔ یہود و منافقین کی سازش
، نتیجہ میں ایسی ہی صورتحال ایک موقع پر عہد نبوی میں پیش آئی جب ایک مہاجر اور انصاری کے درمیان کسی
لہ پر تکرار ہوئی اور انہوں نے "یا معشر الانصار" اور "یا معشر المهاجرين" کہہ کر اپنے ساتھیوں کو پکارا تو
ب ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ یہ کہہ کر اس فتنہ کو کچل دیا۔ "مابال دعوى الجاهلية" (۱۲) (یہ کیا جاہلیت کی
ہے ؟) آپ ﷺ نے قوم کے ظلم کی تائید و حمایت کو "عصبیت" سے تعبیر کیا۔ فرمایا: "ليس منا من مات على
تبية۔ ليس منا من دعا الى العصبية' ليس منا من قاتل على عصبية" (۱۳) (جس نے عصبیت پر جان دی وہ
یں سے نہیں' جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں' جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے
ں)۔

قومیت پرستی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی عصبیت مسلمانوں کے اجتماعی وجود کے لیے ہمیشہ مہلک ثابت

ہوئی' خلافت عثمانیہ اور مشرقی پاکستان کا سقوط انہی تعصبات کا نتیجہ ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ بعض طبقوں اور جماعتوں کے حقوق کو نظر انداز کرنے اور ناانصافی کی وجہ سے ان میں مظلومیت کا احساس ابھرتا ہے اور قومی و علاقائی عصبیتوں کو تقویت ملتی ہے' مگر اس کی بنیاد پر علیحدگی کے مطالبے اور منصوبے بنانا منافرت کی آگ کو بھڑکانا اور بے گناہوں کی جان و مال و آبرو پر حملہ کرنے کا کوئی جواز نہیں' اس سلسلے میں جہاں ارباب اختیار کو ان کی معقول شکایات اور مسائل کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے وہاں ان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ ایثار و مروت' مفاہمت اور رواداری کا مظاہرہ کریں اور شکایات و اختلافات کو مل بیٹھ کر طے کریں۔

۲۔ مذہبی تفرقہ بازی:

دوسری چیز جس سے ملک و ملت کی سلامتی کو خطرہ درپیش ہے مذہبی فرقہ واریت ہے اور امت آج اسی صورتحال سے دوچار ہے جو دور جاہلیت میں تھی کہ اس وقت ہر مذہبی گروہ اپنے آپ کو حق کا علمبردار اور مخالف گروہ کو حق سے منحرف خیال کرتا تھا۔ (۱۴) اور "لیس علینا فی الامیین سبیل" (۱۵) کہہ کر فریق مخالف پر ہر قسم کے ظلم و تشدد' بددیانتی اور بداخلاقی کو جائز خیال کرتا تھا۔ آج بھی مسلمانوں کے مختلف مذہبی گروہ اور جماعتیں اپنے آپ کو حق کا اجارہ دار سمجھ کر مذہب کی حقیقی روح کو فراموش کر کے اپنی تمام تر مساعی اپنے مخصوص نظریات اور فروعی مسلک کی ترویج اور اشاعت میں لگا رہی ہیں۔ اور اس سلسلے میں سب و شتم' طعن و تشنیع' طنز و تعریض اور لڑائی جھگڑوں تک سے گریز نہیں کرتیں۔ اور یہ بھلا بیٹھی ہیں کہ ان کا یہ رویہ پیغمبرانہ طرز عمل اور قرآن حکیم کی واضح ہدایات کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن حکیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور ملاطفت کی تعریف کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اگر آپ سخت دل اور تند خو ہوتے تو لوگ آپ کے قریب بھی نہ پھٹکتے بھاگ جاتے۔ (۱۶) وہ تو حکمت اور موعظہ حسنہ کا درس دیتا ہے (۱۷) اور کافروں اور مشرکوں کو بھی سب و شتم سے منع کرتا ہے۔ (۱۸) اس صورتحال نے مسلمانوں کو تقسیم کر کے ان کی توانائیوں کو لڑائی جھگڑوں اور فسادات کی نذر کر دیا ہے اور دشمنان اسلام تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی ذہنی اور علمی توانائیاں کفر و الحاد کا مقابلہ کرنے اور ملک و ملت کے حقیقی مسائل کو حل کرنے کے بجائے مسلکی اور فروعی مسائل پر جھگڑنے میں صرف ہو جائیں اور وہ ان جھگڑوں کی آڑ میں دہشت گردی اور تخریب کاری میں مشغول ہیں۔ اس لیے مذہبی جماعتوں کا اپنے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے مشترکہ اصولوں کی بنیاد پر اتحاد وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اختلاف رائے اگرچہ ایک طبعی اور فطری امر ہے یہ معیوب نہیں بلکہ امت کی فکری بیداری پر دلالت کرتا ہے مگر اس کی بنیاد پر تفرقہ بازی' تنظیم سازی اور مناظرہ بازی ملک و ملت میں انتشار کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تفرق بازوں سے قطع تعلق اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ (۱۹)

ان دو اسباب کے علاوہ سیاسی عدم استحکام اور غیر منصفانہ معاشی نظام بھی اختلاف و انتشار کا سبب بنتا ہے۔
اس موضوع پر آئندہ صفحات میں مستقل عنوان کے تحت بحث کی جائے گی۔

ب۔ قیام عدل و امن

معاشرتی استحکام کی ایک بنیاد "عدل" کا قیام ہے۔ قیام عدل سے مراد معاشرہ میں ایسا متوازن اور عادلانہ نظام قائم کرنا ہے جس میں ہر فرد، جماعت اور طبقے کے حقوق محفوظ ہوں، اور ظلم و ناانصافی کے سدباب کا موثر انتظام ہو۔ جس معاشرہ میں ظلم و ناانصافی عام ہو، عوام کے حقوق محفوظ نہ ہوں، ان کی جان، مال اور عزت و آبرو کو تحفظ نہ ہو وہ جلد تباہی و بربادی کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے باہمی عداوتیں اور نفرتیں بڑھتی ہیں اور فتنہ و فساد کے دروازے کھلتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے۔

"لا تقدس امة لا يقضى فيها بالحق و يأخذ الضعيف حقه من القوى غير متعتع"

(اس امت میں کوئی برکت نہیں ہو سکتی جس میں عادلانہ فیصلے نہ ہوتے ہوں اور جس میں کمزور کوئی پریشانی اٹھائے بغیر اپنا حق زبردست سے وصول نہ کر لیتا ہو)۔

قیام عدل و امن درج ذیل اقدامات کا متقاضی ہے۔

ا۔ کمزور طبقوں کے حقوق کا تحفظ

عدل کا تقاضا ہے کہ معاشرے کے کمزور افراد کو ظلم و استحصال سے بچایا جائے اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ آج ملک کا بیشتر غریب طبقہ وڈیروں، چوہدریوں اور سرکاری افسران کے رحم و کرم پر ہے اور ان کی جان و مال کروی اور عصمتیں غیر محفوظ ہیں۔ اس اندھیر نگری اور ظلم کے خلاف پوری قوم کو متحد ہونا چاہیے اور ظالموں کے خلاف متحدہ محاذ بنانا چاہیے۔ جب تک مظلوم کو مکمل انصاف اور اس کا حق نہ مل جائے۔

یہ تصور دور جاہلیت میں بھی موجود تھا بعض شرفاء عرب نے "حلف الفضول" کے نام سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کا مقصد ظلم و تعدی اور لوٹ کھسوٹ کو روکنا تھا۔ زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے بعض اشعار میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

ان الفضول تحالفوا و تعاقدوا
ان لا يقيم ببطن مكة ظالم
امر عليه تعاهدوا و تواثقوا
فالجار و المعتر فيهم سالم(۲۰)

(فضیل نامی افراد نے باہم معاہدہ کیا اور عہد باندھا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہ رہے گا' انہوں نے اس بات پر باہم عہد باندھا اور اقرار کیا پس مکہ میں پڑوسی اور ضرورت سے آنے والا سب محفوظ ہیں)۔

اس معاہدے کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ کتب سیرت میں منقول ہیں۔ "لقد شهدت في دار عبدالله بن جدعان حلفا لودعيت به في الاسلام لا جبت تحالفوا ان يردوا الفضول على اهلها و ان لا يعز ظالم مظلوما"۔ (۲۱) (میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ہونے والے معاہدہ میں شریک تھا اگر اسلام کے بعد بھی مجھے اس میں بلایا جاتا تو میں ضرور اس میں شریک ہوتا انہوں نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ حقدار تک اس کا حق پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم مظلوم پر غالب نہ آسکے گا)۔

بہر حال ظلم کے دفعیہ کے لیے نہ صرف حکومتی سطح پر اقدامات کی ضرورت ہے بلکہ اس بحث سے ہمیں سماجی تنظیموں کے قیام کا بھی ثبوت ملتا ہے جو ذاتی اثر و رسوخ استعمال کر کے ظلم کے استیصال میں اپنا کردار ادا کریں۔

۲۔ اقرباء پروری کا خاتمہ

ظلم و ناانصافی کی ایک صورت اختیارات کے ناجائز استعمال کے ذریعے اپنے اقارب کے ساتھ ترجیحی سلوک کرنا اور انہیں بے جا مراعات سے نوازنا ہے۔ اسلام اسے عدل و مساوات کے منافی سمجھتے ہوئے سختی کے ساتھ اس سے منع کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ایک بار مصر گئے تو وہاں کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت عمرؓ نے خط لکھا کہ "خبردار! میرے خاندان کا کوئی آدمی اگر تمہارے پاس آئے تو نہ اسے تحفہ دینا نہ سوغات' نہ اس کے ساتھ خصوصی اور امتیاز برتاؤ روا رکھنا۔ (۲۲)

بعض اوقات رشتہ داری یا تعلقات کی بنیاد پر مستحق کو محروم کر کے غیر مستحق کو نوازا جاتا ہے۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ملک کے اہم انتظامی عہدوں پر جو جماعت بھی برسر اقتدار آتی ہے مستحق لوگوں کو نظر انداز کر کے بغیر کسی اہلیت کے اپنے لوگوں کا محض ذاتی تعلقات یا جماعتی وفاداریوں کا لحاظ کر کے تقرر کرتی ہے' اس سے نفرت و تعصبات کو جگہ ملتی ہے' احساس محرومی بڑھتا ہے اور انتقامی جذبات فروغ پاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور وہ کسی کو اہلیت اور استحقاق کے بغیر (دوستی اور تعلق کی بنیاد پر) کسی عہدے پر فائز کر دے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عذر قبول نہ کرے گا حتیٰ کہ اسے جہنم میں داخل کر دے گا"۔ (۲۳)

۳۔ جرائم کا استیصال

جس معاشرے میں اخلاقی و سماجی جرائم کی بہتات ہو اور ان کے سدباب کا کوئی معقول اور مناسب انتظام نہ

ہو وہاں اندرونی استحکام قائم نہیں ہو سکتا اس سے شریعت نے ان کی بیخ کنی کے لیے حدود و قصاص کا نظام قائم کر کے سخت اور مناسب سزائیں تجویز کی ہیں۔ (۲۴) اور ان کے نفاذ سے بدامنی اور جرائم کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ جن ممالک میں شرعی حدود کا نظام رائج ہے وہاں امن وامان کی صورتحال انتہائی اطمینان بخش ہے۔ عہد نبوی میں امن و امان کی صورتحال خراب کرنے والوں کی تادیب کے لیے پولیس کا محکمہ اپنی ابتدائی شکل میں موجود تھا۔ (۲۵) اور جرائم کے مرتکب افراد کو جسمانی اور قید وبند کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ (۲۶)

۴۔ انتظامی مشینری کی اصلاح واحتساب

معاشرے میں ظلم واستحصال کا ایک بڑا سبب انتظامی ڈھانچے کی خرابی ہے۔ ہمارے ہاں انتظامی مشینری' ناقص' فرسودہ' سست اور خائن ہونے کی بناء پر امن وانصاف کے قیام کے برعکس اس کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے جب تک اس کی اصلاح نہ ہوگی اصلاح احوال ناممکن ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انتظامی عہدوں پر خداترس' باصلاحیت' پاکیزہ کردار کے حامل' بے غرض اور ملک اور عوام کے خیر خواہ افراد کا تقرر عمل میں لایا جائے جو ہر قسم کے لالچ اور دباؤ سے بے نیاز ہو کر اپنی خدمات سرانجام دے سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کو حکومتی مناصب عطا نہیں فرماتے تھے جو جاہ ومنصب اور اقتدار وحکومت کے حریص ہوتے تھے۔ انا لانولی ھذا من سالہ و لا من حرصہ علیہ۔ (۲۷) (ہم حکومتی مناصب پر کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے۔ جس نے اس کا مطالبہ کیا ہو یا جو اس کا حریص ہو) اس لیے انتظامی عہدوں پر تقرر ایک تو اہلیت واستحقاق کی بنیاد پر ہونا چاہیے نہ کہ تعلقات یا سفارش کے ذریعہ اور دوسری طرف ان کی کڑی نگرانی اور سخت احتساب کے ذریعہ فرائض میں غفلت' رشوت ستانی' بددیانتی' کام چوری اور اختیارات کا غلط استعمال کا راستہ روکا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعمال و احکام کا سخت محاسبہ فرماتے تھے اور اگر کسی کے طرز عمل پر رشوت کا شائبہ ہو تو فوراً اس کی اصلاح فرماتے تھے۔ ایک موقع پر جب ایک عامل نے مال کے دو حصے کیے اور کہا کہ یہ مال تو صدقہ کا ہے اور یہ مال مجھے تحفہ میں ملا ہے تو آپ نے فرمایا کہ گھر بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا؟" اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں اس قسم کے لین دین کی سختی سے ممانعت فرمائی۔ (۲۸)

ہمارے ملک کی منہ زور انتظامیہ نے بدعنوانی' رشوت' کمیشن خوری کے ذریعہ ملک میں مخصوص سیاسی' سماجی' اور معاشی کلچر کو فروغ دیا ہے' جس سے ملک اخلاقی اعتبار سے بھی دیوالیہ ہو چکا ہے اور کرپٹ ممالک کی فہرست میں بھی دوسرے نمبر پر شامل ہو کر رسوائی کا ذریعہ بنا ہے۔ ایسے کرپٹ عناصر کے خلاف چاہے وہ انتظامیہ میں ہوں' سیاست میں ہوں یا حکومت میں ایسے جہاد کی ضرورت ہے جیسا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوۃ کے خلاف کیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت کہ یہ پوری قوم کے ڈاکو اور لٹیرے ہیں اس سلسلے میں کسی قسم کی مصلحت

آمیزی سے گریز کیا جائے کیونکہ ان کو بے لگام چھوڑنے سے ملکی سلامتی خطرے سے دوچار ہو رہی ہے۔ حضرت عمرؓ جب کسی کو عامل یا گورنر بناتے تو اس کے مال و اسباب کی فہرست لے کر رکھ دیتے تھے اور جو اضافہ اس میں ہوتا اسے بیت المال میں داخل کرا دیتے تھے۔(۲۹) اس سے سرکاری افسران، اراکین اسمبلی اور وزراء وغیرہ کے تقرر کے موقع پر اثاثہ جات کی فہرستیں طلب کرنا اور ان کے معیار زندگی پر مستقل نظر رکھنے کا ثبوت بھی ہمیں ملتا ہے۔

۵۔ عدالتی معاملات میں عدل

عدل کا دائرہ اگرچہ کافی وسیع ہے تاہم اس کی زیادہ ضرورت عدالتی معاملات میں ہوتی اور اس سلسلے میں تفصیلی ہدایات دیتا ہے، وہ تمام انسانوں کے درمیان بلا تخصیص و امتیاز نسل و رنگ و مذہب عدل کا حکم دیتا ہے، اس کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں ارشاد ربانی "و اذا حکمتم بین الناس اَن تحکموا بالعدل" (۳۰) میں عدل کی ہدایت "بین المسلمین" کے الفاظ سے نہیں "بین الناس" سے کی گئی ہے۔ اسلام میں ذاتی، خاندانی، قبائلی اور علاقائی مفادات سے بالاتر ہو کر مکمل غیر جانبداری سے ساتھ عدل و انصاف قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔(۳۱) وہ ایسی آزاد اور خود مختار عدلیہ کا قائل ہے جس کے وقار اور بالادستی پر کوئی حرف نہ آسکے، اس کے فیصلے ہر قسم کے دباؤ اور مداخلت سے پاک ہوں اور ان کے نفاذ و اجراء میں کسی قسم کی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ اسلامی مملکت میں عدالت سربراہ حکومت کو بھی مدعا علیہ یا ملزم کی حیثیت سے جوابدہی کے لیے طلب کر سکتی ہے اور اس کے خلاف فیصلہ بھی صادر کر سکتی ہے اسلامی تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔(۳۲)

عدل و انصاف کی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ میں کئی اقدامات فرمائے۔ غیر مسلموں کو بھی آپ کے فیصلوں پر مکمل اعتماد ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے ان الفاظ کے ساتھ عدل و انصاف کے معاملہ میں حائل بدعنوانیوں کا خاتمہ کیا۔ "والذی نفس محمد بیدہ لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا"۔(۳۳) (اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا) اس سے ثابت ہوا کہ جب نبی کی اولاد سے بھی حد ساقط نہیں ہو سکتی تو عام حکمران ان کی اولاد اور خویش و اقارب کیسے سزا سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔

دیگر اداروں کی طرح ہمارے عدلیہ کا ادارہ بھی زوال کا شکار ہے۔ عدالتی طریقہ کار اس قدر پیچیدہ، مشکل اور مہنگا ہے کہ اس پر عربی کی یہ کہاوت بالکل صادق آتی ہے کہ "عدالتوں سے انصاف حاصل کرنے کے لیے عمر نوحؑ، گنج قارون، اور صبر ایوبؑ کی ضرورت ہے" حالانکہ ایک اسلامی ریاست میں عدالتی طریق کار آسان اور انصاف کا حصول مفت ہونا چاہیے اور اس کے لیے جہاں موجودہ قوانین کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہے وہاں ججوں کے انتخاب میں بھی اہلیت، دیانت، فرض شناسی اور تقویٰ جیسی صفات کو معیار بنانا ہوگا تاکہ رشوت اور

سفارش جیسی بد عنوانیوں کا سدباب کیا جاسکے جو انصاف کے راستے میں حائل ہیں۔

ج۔ اصلاح معاشرہ

انفرادی اور ذاتی اصلاح کو کافی سمجھتے ہوئے اجتماعی اصلاح کو نظر انداز کر دینا اور معاشرہ میں موجود منکرات اور بد عنوانیوں کا سدباب کرنے کے بجائے ان سے اغماض برتنا بالآخر پورے معاشرہ کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں معاشرے کی بگڑتی ہوئی صورتحال اور اس کی اصلاح کی ذمہ داری کو ایک عمدہ تمثیل کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود پر قائم رہنے والے اور ان کو توڑنے والے کی مثال اس قوم کی ہے جس نے قرعہ اندازی کے ذریعے کسی کشتی میں اپنی نشستیں حاصل کر لیں بعض کو کشتی کے اوپر کے حصہ میں جگہ ملی اور بعض کو زیریں حصہ میں 'زیریں حصے والوں کو جب پانی کی ضرورت پڑتی تو انہیں اوپر والوں کے درمیان میں سے گزرنا پڑتا تھا لہٰذا انہوں نے سوچا کہ اگر وہ کشتی کے اپنے حصے میں سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں تو بہتر ہے' اب اگر اوپر والوں نے انہیں ان کے ارادے سے باز نہ رکھا تو سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر انہیں روک دیا تو یہ خود بھی بچ جائیں گے اور وہ بھی۔ (۴۴)

معاشرہ کی اصلاح سے جہاں افراد اور مختلف طبقوں کی اصلاح ہو گی وہاں حکمران طبقہ کی بھی اصلاح ممکن ہو سکے گی اور یہ طبقہ خاص طور پر اصلاح طلب ہے کیونکہ "الناس علی دین ملوکھم" کی رو سے ان کا کردار اور رویہ عوام کے لیے نمونہ بنتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہر فرد اور جماعت کو اپنے اپنے دائرے میں کردار ادا کرنا ہو گا بالخصوص دینی جماعتوں پر یہ ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی توانائیوں کا سارا رخ کردار سازی پر صرف کریں۔

اصلاح و تطہیر کے اس عمل میں تعلیم کا بھی بڑا عمل دخل ہے جب کہ تعلیم اسلامی خطوط پر دی جائے اور تربیت کو اس سے الگ نہ رکھا جائے۔ ذرائع ابلاغ بھی قومی شعور' اجتماعی فکر اور اخلاقی اقدار کو اجاگر کرنے میں موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ادارہ بھی جو صالح اور متقی افراد پر مشتمل ہو مذکورہ مقاصد کے حصول کے لیے مفید ثابت ہو گا۔

۲۔ سیاسی استحکام سیرت طیبہ کی روشنی میں

قومی فلاح و بہبود' ملی اتحاد و یکجہتی اور ملکی استحکام و سالمیت کے لیے سیاسی ہم آہنگی کا قیام وقت کا اہم تقاضا ہے۔ کیونکہ سیاسی قیادت کی نااہلی اور محاذ آرائی پر مبنی سیاست جہاں قومی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے وہاں ملکی

سالمیت کے لیے بھی خطرے کا باعث ہے۔ اس سیاسی ابتری کے خاتمہ کے لیے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ ﷺ نے ایسے دور میں جب کہ حکومتوں کی بنیاد' آمریت اور مطلق العنانی پر قائم تھی اور بالخصوص عرب کا معاشرہ جو تنظیم' سیاسی وحدت اور ضابطے اور قوانین سے بالکل نا آشنا تھا ایک عظیم انقلاب کے ذریعہ ہمہ گیر ریاست قائم فرما کر سیاسی ابتری اور انتشار کا خاتمہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے دین پر مبنی سیاست متعارف کروائی جس کی بنیاد عدل وانصاف پر تھی اور "وشاورھم فی الامر" (۳۵) کی ہدایت کے تحت اہم ملکی معاملات میں مشورہ کی سنت جاری فرمائی۔ (۳۶) اور خلافت و حکومت کے لیے مشورہ ضروری قرار دیا۔ آپ چاہتے تو کسی کو اپنا جانشین نامزد فرما سکتے تھے اور کسی کو اس سے اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی مگر آپ نے یہ ذمہ داری امت پر چھوڑ دی کہ وہ باہمی مشورے سے خود اپنا سربراہ منتخب کریں۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منعقدہ مشاورتی مجالس میں صحابہ کرام آپ سے اختلاف رائے بھی کرتے تھے مگر جب اس سلسلے میں وحی نازل ہوتی تھی تو اپنی اخلاقی رائے سے دستبردار ہو جاتے تھے۔ (۳۶) آپ ﷺ نے حکمرانوں کو "خادم" اور "راعی" کہہ کر رعایا کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری ان پر ڈالی اور دوسری طرف حکمرانوں کی اطاعت اور احترام کی ہدایت کر کے حکومت اور عوام کے درمیان حائل خلیج کو ختم فرمایا۔ سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی کی روشنی میں ملکی سیاسی استحکام کے لیے درج ذیل امور قابل توجہ ہیں۔

الف۔ اہل' صالح اور جرأت مند قیادت کا انتخاب

کوئی بھی ملک اور قوم سیاسی' معاشی اور معاشرتی اعتبار سے مستحکم نہیں ہو سکتی جو مخلص اور جرأت مند قیادت سے محروم ہو۔ ملک کی قیادت جس قدر مخلص' امتیاز' دیانتدار اور قابل افراد کے ہاتھوں میں ہو گی اسی قدر ملک و قوم اور معاشرے کے لیے مفید ثابت ہو گی۔ 'اسلام اپنے ماننے والوں کو ایسی قیادت منتخب کرنے کی ہدایت کرتا ہے جو مومن' صالح' قابل اور جرأت مند ہو۔ (۳۷) جو عوام کے مسائل کا ادراک رکھتی ہو' جھوٹ' دغابازی' منافقت اور وعدہ خلافی پر مبنی سیاست سے پاک ہو' دولت' اقتدار' جاہ و منصب کی حرص اور طمع سے بے نیاز اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہو کر میدان عمل میں اتری ہو۔ ہمارے ہاں صورتحال اس کے برعکس ہے۔ سیاستدانوں کی اکثریت دولت اور خاندانی اثر ورسوخ کی بناء پر اقتدار پر قابض ہوتی ہے اور ملک و قوم کی خدمت کے بجائے اپنی تمام تر صلاحیت و قابلیت کو دولت و شہرت کے حصول اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے میں صرف کرتی ہے۔ فرائض سے غفلت' قانون شکنی' کرپشن' اختیارات کا ناجائز استعمال' اقرباء پروری اور جماعتی وابستگیوں کی بناء پر نوازشات کا سلسلہ موجودہ سیاسی کلچر کا حصہ بن چکا ہے۔ ایسی نااہل قیادت اپنی بداعمالیوں کے صلہ میں اپنے ساتھ ملک اور قوم کو بھی لے ڈوبتی ہے۔

مسلم ممالک میں بالخصوص ہمارے ہاں سیاسی عدم استحکام کے پس پردہ مغرب کی سازشیں کارفرما ہیں وہ ممالک میں ایسی سیاسی قیادت کی حمایت کرتا ہے جو عوام کے مسائل کا شعور رکھنے اور ان کو حل کرنے کی قابلیت رکھتی' قابل اور لائق قیادت اور اس کے زیر اثر ملکی استحکام اور ترقی کو وہ اپنی بالادستی کے لیے خطرہ سمجھتا ہے اس وہ نااہل حکمرانوں کی حمایت اور پشت پناہی کر کے انھیں اپنے مقاصد کے لیے آلہ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے ان کے ذریعے ملک میں اپنی پالیسیوں کا اجراء کرتا ہے۔

اسلامی سیاست کے ماہرین نے حکمرانوں کی شرائط انتخاب میں ایک اہم شرط "حریت و آزادی" ذکر کی ۔(۳۸) اس لیے کہ حاکمیت' محکومیت اور غلامی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اس لیے یہ ضروری ہے کہ حکمران نے دین اور ملک کے معاملات میں اصول شریعت کے مطابق رائے اور فیصلوں میں آزاد ہوں لہٰذا ایسا شخص ہرگز رانی کے قابل نہ ہو گا جو اپنی رائے اور نظریات یا فیصلوں میں غیروں کا غلام اور تابع ہو۔ جب جسم کی غلامی اور ی امارت و خلافت سے مانع ہے تو ذہن و فکر کی غلامی کے ساتھ بھی خلافت و امارت جمع نہیں ہو سکی۔ اس لیے اگر حکمران ایسی روش اختیار کرتا ہے تو اس کا معزول کرنا واجب ہوتا ہے۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ جمہوری اور شورائی نظام حکومت کو عصری تقاضوں مطابق رائج کر کے اہل اور مخلص قیادت کو سامنے لایا جا سکتا ہے اور سیاسی بدعنوانیوں سے بچا جا سکتا ہے۔

۔ محاذ آرائی کی سیاست سے اجتناب

ایک اسلامی ریاست میں سیاسی نقطہ نظر کے اختلاف کی بنا پر سیاسی جماعتوں کی گنجائش موجود ہے جب وہ یت کی حدود میں عوام کی فلاح و بہبود' ان کے حقوق و مفادات کے تحفظ اور ملکی استحکام و ترقی پر مبنی منشور رکھتی اور ان کی جدوجہد اسلامی نظام حکومت کے قیام میں ممد و معاون ہو۔ لیکن ان کا وجود اگر ذاتی مفادات اور حصول ار کی خاطر ہو تو اسلام اس طرح کی بے ثمر و بے مقصد گروہ بندی کی سخت مخالفت کرتا ہے' کیونکہ اس کا نتیجہ ے انتشار' محاذ آرائی اور باہمی تعصب و مخاصمت کے کچھ نہیں نکلتا۔ اس قسم کی جماعتیں اقتدار سے محروم ہونے سورت میں اقتدار کو ہر صورت میں حاصل کرنے اور جذبہ انتقام سرد کرنے کے لیے بے جا تنقید و مخالفت' اج' ہڑتالوں اور مظاہروں کے ذریعہ افراتفری اور انتشار پیدا کرتی ہیں اور ملکی سلامتی کو بھی داؤ پر لگا دیتی ہیں۔ یہ یقہ کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے سراسر خلاف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لا تسبوا الو لاة فانهم ان احسنوا كان لهم جر وعليكم الشكر وان اساؤا فعليهم الوزرو عليكم الصبر"۔(۳۹) (حاکموں کو نہ کوسو' کیونکہ اگر وہ نیکی تے ہیں تو ان کے لیے اجر ہے اور تمہارے لیے موقع شکر اور اگر وہ برائی کریں تو ان کی گردن پر بوجھ اور تمہارے

لیے موقع صبر ہے)۔

احتجاجی سیاست کا یہ رویہ ان احادیث کے بھی سراسر خلاف ہے جن میں "سمع وطاعت" کی زیادہ سے زیادہ تاکیدی گئی ہے۔(۴۰) ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سنو اور اطاعت کرو خواہ تم پر کوئی ایسا حاکم بنا دیا جائے جس کا سر خشک انگور یا کشمش کی طرح ہو"(۴۱) اس لیے موجودہ سیاست کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ سیاسی جماعتیں جو منفی کردار کی حامل ہوں' ملک کے اساسی نظریات کی مخالف ہوں' ان کا منشور اور دستور اسلام کے منافی ہو' جو اسلام اور ملک دشمن طاقتوں سے ہدایات اور سرمایہ وصول کرتی ہوں اور لسانی' علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصب پھیلاتی ہوں' ان پر پابندی لگائی جائے۔ مثبت سوچ رکھنے والی جماعتوں کے لیے ایسا ضابطہ اخلاق بنایا جائے جس سے سیاسی ہم آہنگی کو فروغ حاصل ہو۔

ج۔ حکومت پر مثبت تنقید اور حکمرانوں کا احتساب

حکومت کے استحکام میں اختلاف و تنقید کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ فتنہ و فساد کی حد تک نہ پہنچنے پائے کیونکہ ازروئے قرآن یہ قتل سے زیادہ سنگین ہے' یہ اختلاف و احتساب بغاوت نہیں۔ حکومت رائے یا پالیسی سے اختلاف کرنا دوسری چیز ہے اور اس کے خلاف مورچہ سنبھالنا الگ چیز۔ بغاوت اور خروج اس وقت درست ہوتا ہے جب اصلاح احوال کی ساری تدبیریں ناکام ہو چکی ہوں۔

اسلام میں ایسی حزب اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں جو تنقید برائے تنقید اور اختلاف برائے اختلاف کے اصول کے تحت کام کرتی ہوں بلکہ ہر جائز درست اور تعمیری کام میں ارکان شوریٰ (پارلیمنٹ) چاہے وہ اقتدار میں ہوں یا اقتدار سے باہر حکومت کی تائید و حمایت اور ہر ناجائز اور غلط کام میں اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ حزب اختلاف کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اہم ملکی اور بین الاقوامی امور پر عوامی نمائندوں کو اعتماد میں لے' بحث و تمحیص کے ذریعہ نقطہ نظر معلوم کرے اور مسائل کو ذاتی پسند و ناپسند کے بجائے باہمی مشورے سے حل کرے۔ اصحاب اقتدار کی غلطیوں پر ٹوکنا اور ان کا احتساب نہ صرف ارکان پارلیمنٹ کا بلکہ عوام کا بھی فرض ہے اور "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے فریضہ کی تکمیل ہے۔ اسلامی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ مملکت کا ایک ادنیٰ فرد بھی حکومتی اور ذاتی معاملات میں خلفاء سے باز پرس کرتا اور ان کی غلطیوں پر ٹوک سکتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی مسند سنبھالتے ہی اپنے پہلے خطبہ میں رعایا کو اپنا احتساب کرنے اور غلطیوں پر نظر رکھنے اور سیدھا کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ نے فرمایا "ایھا الناس فانی قد و لیت علیکم و لست بخیر کم فان احسنت فاعینونی و ان اسأت فقو مونی"(۴۲) (لوگو! مجھے تم پر حکمران مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہترین نہیں ہوں اگر میں اچھائی کی راہ پر چلوں تو میری مدد کرنا اور اگر برائی کی راہ پر چلوں تو

کر سیدھا کر دینا)۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے: "خدا اس شخص پر رحم کرے جو میرے عیوب پر مجھے مطلع کرتا ہے"۔ (۴۳)

حکومت اور عوام میں رشتہ محبت و یگانگت

سیاسی ہم آہنگی اور استحکام کے لیے ضروری ہے کہ حکومت اور عوام میں حاکم اور محکوم کا نہیں' محبت اور یگانگت کا رشتہ قائم ہو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب دونوں کو اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا مکمل شعور ہو۔ حکمرانوں کو احساس ہو کہ حکومت اور اقتدار ایک امانت ہے یہ دوسروں کو غلام بنانے اور ان پر حکم چلانے کے لیے نہیں بلکہ مسؤلیت اور ذمہ داری کا بہت بڑا بوجھ ہے۔ جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متوجہ فرمایا کہ "جس بندہ کو اللہ رعیت کا نگران بنائے اور وہ اس کی پوری پوری خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی بو بھی نہ پائے گا"۔ (۴۴) نیز فرمایا: "جو حکمران ضرور تمندوں سے اپنا دروازہ بند کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کے وقت اس کا دروازہ بند کر دے گا"۔ (۴۵)

جہاں حکمران رعایا کے متعلق عند اللہ جوابدہ ہیں اسی طرح رعایا کو بھی حکمرانوں کی سمع و طاعت کی ہدایت کی گئی ہے۔ (جیسا کہ سابقہ سطور میں بعض احادیث نقل کی گئی ہیں)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں اور رعایا کے درمیان موجود رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں جن کو تم دعا دو اور وہ تمہیں دعا دیں اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں۔ اور جن پر تم لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔ (۴۶)

یہ باہمی رشتہ محبت اسی صورت میں مستحکم ہو سکتا ہے جب حکومت اور رعایا میں خلیج حائل نہ ہو ایک عام آدمی کی رسائی بڑی آسانی سے حاکم تک ہو سکتی ہو۔ آنحضرت ﷺ کو ایک مخبوط الحواس عورت نے اپنے کسی کام کے بارے میں کہا تو آپ نے فرمایا: "تم اپنے کام کے لیے مدینہ کی جس گلی میں لے چلو میں چلنے کو تیار ہوں' چنانچہ آپ اس کے ساتھ گئے اور اس کے کام کو سر انجام دیا" (۴۷) یہ بھی ضروری ہے کہ حکمران ذاتی مفادات سے بالا تر اور اقرباء پروری سے اجتناب کرتے ہوئے عوام کی خدمت کریں اور اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں رہن سہن' طرز معیشت اور معیار زندگی عوام سے بلند نہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے سادہ طرز معیشت کو جو روشن مثالیں قائم کی ہیں وہ محتاج بیان نہیں' دنیا ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

۳۔ معاشی استحکام

موجودہ دور میں اقتصادی قوت کی بڑی اہمیت ہے اور جو قومیں اس میدان میں آگے بڑھتی ہیں سیاسی ا
سے بھی انہیں بالادست قوت کی حیثیت حاصل ہوتی ہے جس ملک کی معیشت غیر مستحکم ہو' عوام زندگی کی بنیا
سہولیات سے محروم ہوں' گرانی کی وجہ سے اشیاء صرف عوام کی دسترس سے باہر ہوں' دولت کی تقسیم غیر منص
ہو' ملکی معیشت قرضوں کے سہارے قائم ہو وہاں ترقی اور خوشحالی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ایسا
مضبوط قوموں کے استحصال کا شکار ہوتا ہے اور معاشی بے چینی اور طبقاتی منافرت کی آگ پورے معاشرے کو
کر دیتی ہے۔ آج ہمارا ملک اقتصادی اعتبار سے تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے اس کی معیشت کو مستحکم کر کے ہی ہم ملک
مستحکم کر سکتے ہیں اور اس کا علاج بھی ہماری نظر میں سیرت طیبہ سے استفادہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
استحکام معیشت کے لیے جو اقدامات فرمائے ان کے نتیجہ میں اقتصادی اعتبار سے پسماندہ اور یہود کے پنجوں
جکڑی ہوئی قوم چند ہی سالوں میں آسودہ حال اور خوشحال ہو گئی۔ آپ ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کی روشنی
استحکام معیشت کے لیے درج ذیل اقدامات کی ضروری ہے۔

الف۔ دولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام

جس معاشرہ میں دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو' دولت مند طبقہ وسائل رزق پر قابض ہو اور
عوام روٹی کے چند ٹکڑوں کو ترستے ہوں وہ معاشرہ کبھی بھی مستحکم نہیں ہو سکتا۔ یہ طبقاتی تفریق جہاں دولت مند
کے دلوں میں قساوت' بے رحمی' خود غرضی اور بخل پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف غریب عوام کے دلوں میں
حسد' کینہ' عداوت و نفرت کے جذبات بھڑکا دیتی ہے اس لیے اسلام معاشرے میں تقسیم دولت کا ایسا فطر
قابل عمل طریقہ کار بتاتا ہے جس کے تحت ہر شخص کو اپنے کسب و عمل سے اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا
اور مناسب حق مل سکے۔ چنانچہ اجرتوں کے تعین اور تنخواہوں کی ادائیگی کے سلسلے میں ریاست پر یہ ذمہ داری
ہوتی ہے کہ وہ ملازمین کی اتنی تنخواہ اور اجرتیں مقرر کریں جس سے زندگی کی بنیادی سہولتیں آسانی سے میسر آ
وہ اور ان کے لواحقین ایک معقول معیار کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ آپ ﷺ کے ایک ارشاد سے بھی اس
کی وضاحت ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”جو شخص عامل ہو وہ اپنی بیوی کا خرچ بھی لے سکتا ہے' اگر اس کے پاس
ہو تو نوکر رکھ سکتا ہے' اگر مکان نہ ہو تو گھر بنا سکتا ہے مگر جو کوئی اپنی ضروریات سے زیادہ لے تو وہ غبن کا مرتکب
گا“۔ (۴۸) اس ارشاد پر عمل کر کے رشوت اور بددیانتی کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ سرکاری ملازمین کے
کے احتجاج' مظاہروں اور ہڑتالوں سے بچا جا سکتا ہے۔

اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ دولت کسی خاص طبقہ میں یا چند ہاتھوں میں محدود ہو کر رہ جائے بلکہ
پیمانے پر گردش کرکے امیر و غریب کے درمیان تفاوت کو جس حد تک فطری طور پر ممکن ہو کم کر
(۴۹) اس مقصد کے لیے وہ ان راستوں کو بند کرنے کی ہدایت کرتا ہے جن کے ذریعے دولت کا بہاؤ ایک
ص طبقے کی طرف مڑ جائے مثلاً سود' جوا' ذخیرہ اندوزی' رشوت' بلیک مارکیٹنگ وغیرہ دوسری طرف دولت کو
ل میں رکھنے اور اس کے ثمرات کو عوام تک پہنچانے کے لیے متعدد اقدامات کرتا ہے' جیسے زکوۃ و صدقات کی
ں اور میراث کی تقسیم وغیرہ۔

دولت کی نامنصفانہ تقسیم ہی کے زیر اثر ہمارے ہاں ایک محدود طبقہ ملکی وسائل پر قابض ہو کر اس کے
وبار سے مستفید ہو رہا ہے اور یہی طبقہ پھر دولت کے بل بوتے پر اقتدار پر قابض ہو جاتا ہے۔ اور غربت و افلاس
اتمہ اور معاشی خوشحالی کو عام کرنے کے بجائے دولت کے بہاؤ کا رخ اپنی طرف موڑ دیتا ہے جس کے نتیجہ میں
غربت اور مہنگائی کے شکنجے میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ اس لیے اس ناہمواری کے خاتمہ کے لیے دو اقدامات
اہمیت رکھتے ہیں۔

سود کا خاتمہ

اس وقت معیشت کی ترقی و استحکام اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم میں سب سے بڑی رکاوٹ سودی نظام
ت ہے جو سماجی عدل کے سراسر منافی ہے اور ہمارے بیشتر اقتصادی اور سماجی مسائل کا سبب بھی یہی ہے۔ خود
مفکرین نے واقعات و دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ بیسویں صدی کی دونوں عالمی جنگوں کے پس پشت
ی مقاصد کار فرما تھے اور سیاسی نظام کی ناکامی' ہوس ملک گیری' عالمی اقتدار کی خواہش اور اقتصادی عناصر
ملکوں کی سودی معیشت کا بالواسطہ نتیجہ تھے جس کی وجہ سے پوری انسانیت کو ناقابل بیان مصائب کا نشانہ بننا
۵۰) (کیونکہ جنگ کے لیے جدید اسلحہ اور ہتھیاروں کی ضرورت پڑتی تھی اور اس کی خریداری پر بھاری شرح
ے قرض لینا پڑتا تھا)۔

عصر حاضر کا مشہور ماہر معاشیات "Lord Keynes" لکھتا ہے۔ "دنیا کی تمام معاشی برائیاں حتی کہ
زگاری اور سود خوری کی وجہ سے ہے' جس قوم میں سود کی شرح جتنی کم ہوگی اس کی تہذیب و تمدن اتنا ہی بلند و
ہوگا"۔ (۵۱)

قرآن حکیم بھی اسی طرف متوجہ کرتا ہے کہ سود معاشرے کی بہت سی خرابیوں کی بنیاد اور ظلم ہے' اور
لین دین اللہ اور رسول کے ساتھ اعلان جنگ ہے اور جو لوگ اس کا لین دین کرتے ہیں' دنیا اور آخرت میں
ے دوچار ہوں گے۔ (۵۲) اور موجودہ صورتحال کسی سے مخفی نہیں کہ سودی معیشت نے ظلم و استحصال

کے فروغ اور مختلف تنازعات اور جنگوں کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ قرآن حکیم کی واضح تنبیہ "فأذنوا بحرب من الله و رسوله" (۵۳) کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خدا کے خلاف جنگ کا مطلب انسانوں اور خدا کی فوجوں کا باہم برسرپیکار ہونا ہے بلکہ مختلف افراد، جماعتوں، طبقوں اور ملکوں کا ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہونا۔

آج ہم اپنے معاشروں کا اس آیت کی روشنی میں جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم اس وقت واقعی وعید عذاب کی زد میں ہیں جو سودی معیشت کا بالواسطہ یا بلاواسطہ نتیجہ ہے۔

تعجب ہے کہ اس عالمگیر لعنت کو قدیم یونانی مفکرین سے لے کر عہد جدید کے مفکرین اور ماہر معاشیات کارل مارکس، اور لارڈ کینز وغیرہ تک سب نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسے اقتصادی ترقی کے مہلک قرار دیتے ہیں، اسی بناء پر بانی پاکستان نے بھی سٹیٹ بنک آف پاکستان میں اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا "اس کا تحقیقاتی ادارہ انسانی مساوات اور سماجی انصاف کی بنیادوں پر بینکاری کا ایسا نظام وضع کرے جو اسلام کے اصولوں کے مطابق ہو" (۵۴) مگر افسوس کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کی مرعوبیت اور سود کے خاتمہ سے پیدا ہونے والی صورتحال کے متعلق غلط اندیشے اس لعنت سے چھٹکارا پانے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"و من يتق الله يجعل له مخرجا و يرزقه من حيث لا يحتسب" (۵۵) (جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کشادگی کا راستہ کھول دیتا ہے اور اس کو بے اندازہ اور بے حساب رزق عطا فرماتا ہے)۔

بحیثیت مسلمان ہمیں صدق و اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ اس کے خاتمہ کو اولین ہدف بنا کر اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۲۔ زکوٰۃ کا نفاذ

معاشرے میں توازن پیدا کرنے اور غربت کے خاتمہ کا اہم ذریعہ زکوٰۃ کا نفاذ ہے اور اسلامی حکومت اس کی وصولی اور تقسیم کی ذمہ دار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومتی سطح پر اس کی وصولی اور تقسیم کا نظام نافذ فرمایا اور اس کی تفصیلات مہیا فرمائیں۔ (۵۶) ان کی روشنی میں موجود نظام کو زیادہ مؤثر اور فعال بنانے کی ضرورت ہے۔

سود کا خاتمہ اور نظام زکوٰۃ کا حقیقی نفاذ معیشت کی اصلاح میں دوررس نتائج کا حامل ہے۔ سود کے خاتمے سے سرمایہ دارانہ ذہنیت اور اقتصادی شعبے میں استحصال کا خاتمہ ہوگا اور زکوٰۃ سے دولت کی تقسیم کے نظام میں انقلاب آئے گا غربت و افلاس کا خاتمہ ہوگا اور ان اقدامات سے حقیقی معنوں میں عوام کی خوشحالی اور سماجی انصاف

رکھی جاسکے گی۔

اس کے علاوہ احتکار جس کے مرتکب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاکار اور ملعون قرار دیا ہے۔(۵۷) نیز صنعتی اور تجارتی اجارہ داریاں جو آزاد مسابقت کی راہ میں حائل ہیں' ان پر بھی سخت پابندی لگانے کی ضرورت ہے جو ایک طرف تو دولت کے ارتکاز کا ذریعہ بنتی ہیں تو دوسری طرف ہوشربا گرانی کا باعث۔ ان کی حوصلہ شکنی سے اشیاء ضرورت کا ارزاں نرخوں میں دستیاب ہونا ممکن ہو سکے گا۔ اور وہ عام آدمی کی دسترس سے باہر نہیں ہوں گی۔

۔ اقتصادی محکومی سے نجات

اقتصادی اعتبار سے پسماندہ ممالک کو اپنی معیشت سنبھالنے کے لیے ترقی یافتہ ممالک سے امداد اور قرض کی ضرورت اکثر و بیشتر پیش آتی ہے۔ بلکہ ان کی معیشت کا انحصار ہی امدادی قرضوں پر ہوتا ہے' مگر ان ملکوں کی معیشت کے جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ عالمی طاقتوں سے قرضہ و امداد حاصل کرنے والا کوئی بھی ملک نہ تو اقتصادی طور پر خوشحال ہوا ہے اور نہ ہی دفاعی لحاظ سے مضبوط' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان ممالک کی حالت خود انحصاری کی پالیسی اپنانے والے ممالک کے مقابلے میں انتہائی مخدوش ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرضوں کی آڑ سے عالمی طاقتوں کا مقصد مقروض ممالک کو اقتصادی اور دفاعی لحاظ سے مضبوط اور مستحکم کرنا نہیں ہوتا بلکہ ان کے گرد اپنا حلقہ تنگ کر کے انہیں کمزور رکھنا ہوتا ہے' دوسری طرف پسماندہ ممالک کا سب سے بڑا مسئلہ اپنی آمدنی و اخراجات میں توازن برقرار رکھنا ہوتا ہے اس لیے قرضہ اور امداد حاصل کرتے وقت ان کے سامنے اہم ترجیحات ضروریات کو پورا کرنا اور قومی بجٹ میں خسارے کو کم کرنا ہوتا ہے' نہ کہ صنعتی' اقتصادی' سائنسی اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کی راہ پر گامزن ہونا۔ ایسی صورت حال میں ان ممالک کی اقتصادیات کو "رہن رکھی ہوئی معیشت" (Mortgaged Econor کہا جاسکتا ہے قرضوں کے ناقابل برداشت بوجھ اور پھر اس پر بھاری شرح سود مہنگائی' نیز وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ ممالک نہ تو آزادی کے ساتھ کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی بیرونی اثرات سے بالاتر ہو کر اپنی ترقی اور خوشحالی کے لیے جدوجہد کر سکتے ہیں بلکہ وہ ہر کام قرض دینے والے ممالک اور اداروں کے اشاروں پر کرتے ہیں اور ان کے مفاد کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے' اس طرح عالمی طاقتوں نے ایک سازش کے تحت غلامی اور محکومی کی نئی شکل "اقتصادی محکومی" کو وجود میں لا کر بالخصوص مسلم دنیا کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ سیاسی طور پر آزاد ہونے کے باوجود ان کی غلام اور محکوم بنی رہے۔ آج ہمارا ملک بھی اسی صورت حال سے دوچار ہے' قرضے چاہے انفرادی ضروریات کے لیے ہوں یا اجتماعی ضروریات کے لیے بہت بڑا بوجھ ہیں اور موجودہ حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ ان کے ذریعے پائیدار معیشت کبھی بھی قائم نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضوں کے حصول کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی بلکہ حتی الوسع گریز کرنے کی ہدایت فر
ہے۔ آپ ﷺ اکثر ان الفاظ کے ساتھ قرض سے پناہ مانگتے تھے "اللھم انی اعوذبك من المغرم" (۵۷)
قرض کو ذلت اور رسوائی کا باعث قرار دیا چاہے وہ قرض انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر بالخصوص آج کل
حالات میں جب کہ قرضوں کی صورت میں بھاری سود ادا کر کے پورے ملک اور قوم کو گروی رکھا جا رہا ہو اس
قباحت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اپنے وسائل پر انحصار کرنے کے بجائے دوسروں کے سہارے زندہ رہنے والی قوم کبھی
بھی خوشحال نہیں ہو سکتی۔

اس صورتحال کا تدارک اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اپنے وسائل پر انحصار کرتے ہوئے ملکی معیشت
اپنے پاؤں پر کھڑا کیا جائے اور غیر ملکی امداد کے بجائے خود انحصاری کا طریقہ اپنایا جائے اس کے لیے دو بنیا
اقدامات کی ضرورت ہے ایک تو ملکی وسائل معیشت کو ترقی دینا اور دوسرا سادگی اور کفایت شعاری کی پالیسی اخ
کرنا۔

ج۔ وسائل معیشت کی ترقی کے ذریعے اقتصادی پسماندگی کا خاتمہ

تیسری دنیا کے ممالک کا اہم مسئلہ اقتصادی پسماندگی ہے چونکہ یہ ممالک جن میں بدقسمتی سے ہمارا
بھی شامل ہے طویل عرصے تک سامراجی اقوام کے غلام رہے ہیں جنہوں نے ان کی اقتصادی ترقی کی طرف تو
دینے کے بجائے ان کے وسائل کو اپنی ترقی اور خوشحالی کے لیے استعمال کیا اس لیے ان ممالک کی معیشت کی بنیا
نہایت کمزور و ناتواں ہیں۔ اگر آزادی کے بعد بھی وہ اپنے وسائل پر انحصار کر کے ان کی ترقی کی طرف توجہ دیتے
آج وہ بھی ترقی یافتہ ممالک کی طرح ترقی کی منازل طے کر رہی ہوتیں۔

معیشت کے وسائل میں زراعت اور صنعت و حرفت کو بڑی اہمیت حاصل ہے بلکہ معیشت کی ترقی کا
ہی ان پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اہمیت کا پورا پورا احساس تھا اس لیے آپ نے ان میں خاص خا
اصلاحات فرما کر ان کے فروغ کی ترغیب دی اور حوصلہ افزائی فرمائی ان شعبوں کی ترقی سے متعلق آنحضرت صلی
علیہ وسلم کی ہدایات کی طرف توجہ دے کر ہم اپنی معیشت کو مستحکم کر سکتے ہیں۔

ا۔ زرعی ترقی

کسی ملک اور قوم کی خوشحالی کا مدار اس کی زرعی ترقی پر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے زراعت کو افضل ذ
معاش قرار دیا ہے اور اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: "اطلبو االرزق من خبایا الارض" (۵۸) (رزق کو زمی
پنہائیوں میں تلاش کرو) خود آپ ﷺ نے مقام "جرف" میں کاشت فرمائی۔ (۵۹) آپ ﷺ نے آلات زرا
کو گھروں میں بند رکھنے کو قوم کی ذلت و بدحالی قرار دیا۔ (۶۰) کیونکہ ان سے فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے زراعت

[تر]قی متاثر ہو گی اور معیشت تباہ ہو کر رہ جائے گی۔

ہمارے ملک کی بیشتر آبادی کا روزگار زراعت سے وابستہ ہے۔ اس کی طرف عدم توجہ کی بناء پر ہماری [م]عیشت غیر مستحکم ہے اور غذائی اجناس کی قلت کی وجہ سے ہم جگہ جگہ سے بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور کثیر زر مبادلہ [خرچ کر]کے ان کو درآمد کرتے ہیں۔ اگر زرعی ترقی کی طرف توجہ دی جائے تو مہنگائی کم ہونے کے ساتھ ساتھ زرعی [ش]عبہ سے وابستہ ملک کی اکثریت معاشی طور پر خوشحال ہو سکتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم بیرونی امداد کے [قرض]ہنوں سے آزاد ہو سکتے ہیں جو ہمارے آزاد وجود کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ زراعت کی ترقی کے لیے درج ذیل [ام]ور لائق توجہ ہیں:

۱۔ بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنایا جائے اور انہیں کاشتکاروں میں مفت تقسیم کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "جس نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اس کی ملکیت ہے"۔ (۶۱) اس سلسلے میں آپ نے اور خلفاء راشدین نے "بنجر زمین" آباد کرنے کے لیے مختلف "قطائع" لوگوں میں مفت تقسیم کیے۔ (۶۲)

۔ نظام آبپاشی کی اصلاح و ترقی کی طرف توجہ دی جائے۔ بند تعمیر کیے جائیں اور مزروعہ زمینوں تک نہروں کا جال بچھایا جائے۔

۱۔ زرعی ترقی کے لیے کاشتکاروں کو ہر طرح کی سہولتیں دی جائیں۔ مثلاً زرعی مقاصد کے لیے قرضوں اور آلات زراعت اور بیجوں کی معقول نرخوں پر فراہمی کا انتظام کیا جائے۔

۔ صنعتی ترقی

اقتصادی نظام میں صنعت و حرفت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے [پا]کیزہ ذریعہ معاش قرار دیا ہے۔ (۶۳) آپ ﷺ نے اس شعبہ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کافی ترغیبات دیں۔ [آ]ج ہم اس شعبے سے غافل ہو کر سوئی سے لے کر ہوائی جہاز تک کے حصول کے لیے غیروں کے محتاج ہیں' جبکہ اس [ش]عبہ میں ترقی کر کے ملکی پیداوار میں اضافے کے ساتھ ساتھ قومی آمدنی میں بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

دور حاضر میں دفاعی قوت کا دارومدار بھی صنعتی ترقی پر ہے اور اس میدان میں ترقی کر کے ہم اسلام کی [س]ربلندی اور ملک کے دفاع کا فریضہ سرانجام دے سکتے ہیں۔

۳۔ تعلیمی ترقی

معاشی اور سماجی ترقی میں تعلیم کا کردار بہت اہم ہے اور اسلام "علم نافع" کی تعلیم پر بہت زور دیتا ہے۔ دنیا

بھر میں جو اہم تحقیقی کام ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ زرعی اور صنعتی ترقی کی محرک تعلیمی ترقی ہے اس کے لیے نصاب تعلیم کو اس معیار پر لانا ہوگا کہ وہ مذکورہ مقاصد کے حصول کے لیے مفید و معاون ہو سکے۔ تعلیمی انقلاب ہی کے ذریعے معیشت معاشرت اور ثقافت کو استحکام اور ترقی حاصل ہو سکتی ہے۔

د۔ سادگی اور کفایت شعاری

خود انحصاری کی پالیسی اپنانے اقتصادی محکومی سے بچنے اور ملکی معیشت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے ہر سطح پر سادہ طرز معیشت اختیار کرنے کی ضرورت ہے تکلفات نمود و نمائش اور اسراف جیسی عادات میں گرفتار قوم کبھی غیروں کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس میں خودداری اور ملی شعور پیدا ہو سکتا ہے جو کسی قوم کو پستی اور پسماندگی سے نکال کر ترقی آزادی اور عزت نفس کی راہ پر گامزن ہونے کے لیے ضروری ہے۔ اسلام اسراف اور تبذیر سے منع کرتا ہے اور فضول مال ضائع کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیتا ہے۔ (۶۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے سادگی و خاکساری کی بہترین مثالیں قائم کی ہیں۔

خود کفالت اور خود انحصاری کے مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ سادہ طرز معیشت اختیار کرنے کے لیے عوامی اور سرکاری سطح پر تحریک چلائی جائے۔ سرکاری سطح پر منعقد کی جانے والی شاہانہ تقریبات ضرورت اور بے مقصد سرکاری دوروں سرکاری عمارتوں کی آرائش و تزئین قیمتی گاڑیوں اور سامان تعیش پر پابندی لگائی جائے جن پر ملکی خزانے کا بڑا حصہ صرف ہوتا ہے۔ اور صرف ضروری اخراجات پر روپیہ خرچ کیا جائے شادی بیاہ وغیرہ کی فضول رسموں پر دولت کی نمائش کی حوصلہ شکنی کی جائے عوام بھی اپنی رہائش خوراک اور دیگر ضروریات زندگی میں سادگی کو فروغ دیں۔ اگر حکمران طبقہ لفظی اپیل کے بجائے عملاً خود سادہ طرز معیشت اختیار کر لے تو یقیناً عوامی زندگی پر بھی اس کے مثبت اثرات پڑیں گے۔

۴۔ دفاعی استحکام

ملک کی سالمیت اور استحکام کے لیے جہاں داخلی انتظامات کی ضرورت ہوتی ہے وہاں بیرونی خطرات سے بچاؤ کے لیے بھی کچھ اقدامات کرنے پڑتے ہیں مثلاً جنگی تیاریاں فوجی تربیت اسلحہ اور ہتھیاروں کی تیاری اور ان کا حصول دشمن کے مکروہ عزائم کو ناکام بنانے کے ساتھ ساتھ مضبوط ملکی دفاع جنگ سے بچنے کا بھی اہم ذریعہ ہے کیونکہ دفاعی اعتبار سے مضبوط ملک سے ٹکرانا خودکشی کے مترادف خیال کیا جاتا ہے۔ اس لیے قرآن حکیم میں جنگی تیاری کا حکم دیا گیا ہے "واعدوا لهم ما استطعتم" (۶۵) اور دشمن سے بچاؤ اور حفاظتی اقدامات کی طرف اس آیت میں متوجہ کیا گیا ہے۔

"یا ایھا الذین امنوا خذوا حذر کم"(٦٦)(اے ایمان والو! اپنا بچاؤ کرو)اس میں صنعتی' عسکری' ایٹمی ٹیکنالوجی' معاشیات اور مواصلاتی نظام وغیرہ سب کی حفاظت شامل ہے۔ اس معاملے میں ذرا سی کوتاہی اور غفلت بہت بڑی تباہی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔"ود الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم و امتعتکم فیمیلون علیکم میلة واحدة"۔(٦٧)(اور کافر لوگ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے بے خبر رہو تاکہ وہ یکبارگی تم پر حملہ کریں)۔

ان ہدایات کے ذریعہ مسلمانوں کو متوجہ اور متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے ہمیشہ چوکنا اور ہوشیار رہیں بلکہ حالت جنگ میں رہیں۔

کتنا بڑا المیہ ہے کہ اسلام تو ہمیں طاقت کے حصول اور جنگی تیاری کا حکم دیتا ہے تاکہ دشمن مرعوب ہو اور دوسری طرف ہماری مرعوبیت اور بزدلی کا یہ حال ہے کہ ہم موجودگی اور ایٹمی صلاحیت کے اظہار سے بھی کتراتے ہیں اور اس میدان میں ترقی پیش رفت سے غافل ہیں۔

دفاعی اعتبار سے ہم اپنے ملک کا جائزہ لیں تو صورتحال بڑی سنگین دکھائی دیتی ہے ہمارے چاروں طرف خطرات منڈلا رہے ہیں۔ عالم عرب پر اسرائیل کو مسلط کرنے کے بعد اب کشمیر کی صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سنٹرل ایشیاء میں ایک نئے اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار کی جا رہی ہے' شمالی علاقوں میں اسماعیلی ریاست کے قیام کی کوششیں' ایران سے نبٹنے اور خلیج کے دہانے پر قابض ہونے کے لیے بلوچستان کے ساحل پر قدم جمانے کے لیے امریکہ کی دوڑ دھوپ اور کراچی کو جناح پور بنانے کے منصوبے ایک بہت بڑی سازش کا حصہ ہیں۔ ہمارے جنوب مشرق میں بھارت کا جنگی جنون' یہود و ہنود کا گٹھ جوڑ اور ان کے باہمی دفاعی معاہدوں نے ملکی سلامتی کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ ان حالات میں ایک مضبوط اور متحد پاکستان ہی ان سازشوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور تعلیمات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں ان کے مطالعہ سے اس موضوع پر درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

جنگی تیاری اور طاقت کا حصول

قرآن حکیم نے دشمن کے مقابلہ اور دفاعی و حفاظتی انتظامات کے لیے قوت اور طاقت کے حصول کو ضروری قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے" واعدو الھم ما استطعتم من قوة و من رباط الخیل ترھبون به عدو الله و عدو کم"(٦٨)اور ان کے لیے جو قوت بھی تمہاری استطاعت میں ہو تیار رکھو اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے گھوڑ سواروں کے دستے جس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو)۔ اس آیت میں" قوة" کا لفظ ہر قسم کی طاقت اور جنگی مہارت کے حصول پر دلالت کرتا ہے۔ انہی ارشادات پر عمل کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فنون حرب کو ترقی دی اور اپنے دور کے اہم ترین جدید ہتھیار استعمال کیے۔

اس دور کے جدید ہتھیاروں میں سے ایک "دبابۃ" تھا یہ ایک خاص قسم کی گاڑی تھی جو تیر سے حفاظت کے لیے موٹا چمڑا منڈھ کر بنائی جاتی اور قلعہ شکنی کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔(۶۹) جسے آج کے دور کا ٹینک کہا جا سکتا ہے۔ دوسری "منجنیق" تھی جس کے ذریعہ وزنی پتھر دشمنوں کی طرف برسائے جاتے تھے۔(۷۰) اسے موجودہ زمانے کی توپ کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح "ضبر" دبابے ہی کی طرح ایک آلہ تھا۔ لکڑی پر کھال منڈھ کر اسے چھتری کی طرح بنایا جاتا تھا تاکہ پیٹھ کو تیر سے محفوظ رکھا جائے۔(۷۱) نیز "حسک" ایک خاردار گھاس ہوتی تھی جسے قلعہ اور لشکر کے چاروں طرف بکھیر کر راستہ مخدوش کیا جاتا تھا۔(۷۲) موجودہ دور کی بارودی سرنگیں اسی کی ترقی یافتہ شکل ہیں۔

مقریزی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے طائف کے قلعہ پر "منجنیق" نصب کی تھی اور قلعہ کے گرد "حسک" بکھیری تھی (۷۳) اور دو صحابہ کو شام کے شہر جرش میں دبابے، منجنیق اور ضبور کی صنعت سیکھنے کے لیے بھیجا۔(۷۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف انداز میں جنگی تربیت حاصل کرنے کی ترغیب دلاتے تھے' لوگوں کو ورزش کی ترغیب دیتے۔ نشانہ بازی کی مشق کی تشویق دلاتے اور گھوڑ دوڑ کے مقابلے منعقد کرواتے اور اول آنے والے گھوڑوں پر انعام دیتے تھے۔(۷۵) آپ کا ارشاد ہے "من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منا" (۷۶) (جس نے تیر اندازی کی مشق سیکھ کر چھوڑ دی وہ ہم میں سے نہیں) نیز فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ بنانے والا جو طالب ثواب ہو' چلانے والا اور اٹھا کر دینے والا" (۷۷) اور یہی اجر و ثواب جدید جنگی ہتھیاروں' ٹینکوں ہوائی جہازوں اور میزائلوں کی تیاری اور استعمال پر بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

۲۔ طاقت کا حصول جنگ سے بچنے کا بھی ذریعہ ہے

دشمن کو بے بس اور مرعوب کرنے اور کشت و خون سے بچنے کا ایک حربہ طاقت کا حصول ہے تاکہ حریف دشمن مرعوب ہو کر مقابلہ کی ہمت ہی نہ کر سکے۔ اس طریقے پر عمل کر کے مسلمان ممالک ایسی بالادست پوزیشن حاصل کر سکتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں حریف ممالک کی شوکت و قوت ختم ہو کر رہ جائے اور وہ مسلم ممالک کی پالیسیوں اور فیصلوں کو نظر انداز کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

عباسی دور کا ایک شاعر ابو فراس حمدانی اپنے قصیدہ میں کہتا ہے۔

اذا اما ارسل الامراء جیشاً

الی الاعداء ارسلنا الکتابا

(یعنی ہماری دھاک کا یہ عالم ہے کہ جہاں دوسرے حکمرانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر بھیجنا پڑتا ہے' وہاں ہم صرف خط بھیج دیتے ہیں اور وہی فیصلہ کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے) حقیقی قوۃ یہی ہے کہ اپنے آپ کو اتنا طاقتور اور مستحکم کیا جائے گا کہ جنگ کے بغیر محض وارننگ ہی سے اپنے مقاصد کو حاصل کر لیا جائے۔

۳۔ مخبری اور جاسوسی کا انتظام

دشمن کے جنگی منصوبوں' ہتھیاروں اور جنگی صلاحیتوں سے بھی باخبر رہنا ضروری ہے تاکہ اس کا مؤثر توڑ اور دفاع ممکن ہو سکے۔اس کے لیے مخبری اور جاسوسی کا مؤثر انتظام کیا جائے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے اس اہم شعبہ کی تنظیم کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ نے بہت سے لوگوں کو اس کام کے لیے مقرر فرمایا۔ بعض اوقات آپ ایک ایک مہم کے لیے متعدد جاسوسوں کو روانہ فرماتے تھے۔(۷۸) مخبری اور جاسوسی کے لیے ایک مستقل متجسس کا تقرر بھی آپ ﷺ نے فرمایا تھا جس کا کام یہ تھا کہ مخالفین ریاست کی دشمنانہ سرگرمیوں کی اطلاع بہم پہنچائے۔(۷۹)

آج کے جدید سائنسی دور میں دیگر شعبوں کی طرح جاسوسی کا نظام بھی جدید سائنسی بنیادوں پر ترقی یافتہ اور وسعت پذیر ہو چکا ہے۔ آج ترقی یافتہ ممالک سیٹلائٹ اور مصنوعی سیاروں کے ذریعے مختلف ممالک کی خفیہ سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہیں اور ان کے دفاعی اور جنگی رازوں سے مطلع ہو رہے ہیں۔ اس میدان میں ترقی کر کے ہی ہم دشمن کے عزائم کو ناکام بنا سکتے ہیں۔

۴۔ نوجوانوں کی لازمی جنگی تربیت اور دفاعی اخراجات میں کمی

ملک کے دفاع کو مضبوط کرنے کے لیے نوجوانوں کو لازمی فوجی تربیت بھی ضروری ہے۔ملک کے تمام بالغ افراد پر مشتمل ایسی ریزرو فوج ہونی چاہیے جو جدید ہتھیاروں کو بخوبی استعمال کر سکتی ہو اور امن و جنگ میں ملک کے دفاع کی صلاحیت رکھتی ہو۔ عہد نبوی کے طرز عمل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے ریاست مدینہ میں فوج کا کوئی مستقل اور علیحدہ ادارہ موجود نہ تھا بلکہ ہر ایک مسلمان کے لیے اسلامی مملکت کا دفاع فرض تھا۔اور جوانوں کے لیے فوج تربیت ضروری تھی' گھوڑ سواری' تیر اندازی' نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی مشقیں ہوتی تھیں مسلمان اسے اپنا دینی فریضہ سمجھ کر فنون حرب میں مہارت حاصل کرتے اور جہاد میں شریک ہوتے تھے۔ مجاہدین کو اکٹھا کرنے کے لیے ایک منادی آواز لگاتا تھا۔"یا خیل اللہ ارکبی وبالجنۃ ابشری" (اے اللہ کے شہسوارو! جہاد کے لیے سوار ہو جاؤ اور جنت کی خوشخبری سنو) تو سب لوگ جہاد کے لیے دوڑ پڑتے تھے۔

عوام کو لازمی فوجی تربیت دے کر ہم لاکھوں نوجوانوں پر مشتمل فوج تیار کر سکتے ہیں جو ہمارے دفاعی

اخراجات کو کم کر کے معیشت کو متوازن بنا سکتی ہے کیونکہ ہمارے بجٹ کا زیادہ تر حصہ دفاع پر خرچ ہوتا ہے اور لازمی تربیت سے فوج پر خرچ ہونے والے اخراجات کو کم کر کے اقتصادی صورتحال کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ یہ تربیت محض رسمی نہ ہو بلکہ جدید خطوط پر مکمل فوجی تربیت دی جائے اس طرح یہ ملک عظیم ترین فوجی قوت بن سکتا ہے۔

۵۔ دفاعی اور صنعتی میدان میں خود کفالت اور جدید ٹیکنالوجی کا حصول

آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آج نہ صرف ہم فوجی ساز و سامان کی تیاری بلکہ دیگر تمدنی لوازم بھی سائنس اور ٹیکنالوجی کی رہین منت ہیں اور اس میدان میں کسی ملک اور قوم کا محتاج ہونا اور دوسروں کا دست نگر بنے رہنا اس کی سیاسی غلامی سے بھی زیادہ بدتر ہے کیونکہ اس صورت میں اپنی ضروریات کی فراہمی کے لیے بڑی طاقتوں کا دست نگر بن کر ان کی من مانی شرائط کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ "ترھبون بہ عدواللہ" کا مقصد بھیک کے چند ہتھیاروں کو جمع کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا اس کے لیے بذات خود جدوجہد اور خود کفیل بننے کی ضرورت ہے تا کہ بڑی طاقتوں کے چنگل سے نکل کر ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں۔ اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے بھی ہمیں راہنمائی ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے دو صحابیوں حضرت عروہ بن مسعودؓ اور حضرت غیلان بن سلمہؓ کو شام کے شہر "جرش" میں دبابے، منجنیق اور ضبور کی صنعتیں سیکھنے کے لیے بھیجا تھا"۔(۸۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہم اپنے ملک کو جنگی اسلحہ میں اس حد تک خود کفیل بنائیں کہ دوسروں کے محتاج اور دست نگر نہ رہیں اس لیے آپ نے مذکورہ جنگی سامانوں کی خریداری کے بجائے خود اس صنعت کے سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کو مناسب خیال فرمایا۔

۶۔ مسلم ممالک سے دفاعی معاہدے

مغرب کی سازشوں کے نتیجہ میں آج عالم اسلام منتشر ہے وہ اپنی دفاعی ضروریات کے پیش نظر طاقتور غیر مسلم ممالک سے دفاعی معاہدے کرنے پر مجبور ہے اور وہ ان کو صفوں میں انتشار پیدا کر کے اور باہم لڑا کر ان کے وسائل کو بے دردی سے لوٹ رہا ہے۔ اگر مسلمان ممالک متحد ہو کر باہمی دفاعی معاہدے کریں اور اپنے وسائل کو اپنے دفاع پر صرف کریں۔ تو وہ ہر قسم کے خطرات کے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ کفار مسلمانوں کے کبھی بھی ہمدرد و خیر خواہ نہیں ہو سکتے' اسی لیے قرآن حکیم ان کے ساتھ دوستی لگانے سے منع کرتا ہے۔(۸۱) "اور ان کو عدوی و عدوکم" (۸۲) کہہ کر ہوشیار کرتا ہے کہ وہ تمہارے بھی اور میرے بھی دشمن

ہیں اس لیے ان سے خیر کی توقع محال ہے۔

۷۔ غیر مسلم ممالک سے تعلقات

اسلام غیر مسلموں سے تعلقات و روابط قائم کرنے سے مطلق منع نہیں کرتا۔ بلکہ ان کو اپنا ہمراز بنانے، قلبی دوستی اور محبت رکھنے اور ان پر اعتماد اور بھروسہ کرنے سے منع کرتا ہے۔ عام دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ لین دین اور تجارت وغیرہ میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس سے ملک و ملت کے مفاد کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیرونی ممالک سے روابط مستحکم کرنے کے لیے ماہر سفراء کا تقرر فرماتے تھے اور اس مقصد کے لیے دوست اور دشمن ممالک اور حکمرانوں کو تحفے تحائف ارسال کرنے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔(۸۳) مگر ایسا کوئی طرز عمل اختیار نہ کرنا چاہیے جس سے ملک کی عظمت اور وقار پر کوئی حرف آتا ہو۔

یہ چند نکات ہیں جو ملک کی ترقی و استحکام کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کی عطا کردہ تعلیمات کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں۔

موجودہ حالات میں جب کہ ہم زندگی کے تمام شعبوں میں زوال کا شکار ہو کر اور مسائل کے گرداب میں گھر کر خطرات سے دوچار ہیں، ملک و ملت کی کشتی کو منجدھار سے نکال کر اور تلاطم خیز طوفانوں سے بچا کر سالمیت اور عافیت کے کنارے تک پہنچانا وقت کی اہم اور نازک ترین ذمہ داری ہے، جس کے لیے ملک کے تمام طبقوں، بالخصوص ارباب اقتدار، علماء اور دانشوروں کو آگے بڑھنا ہوگا۔ ہمیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیے کہ مملکت کی بقاء کے ساتھ ہماری بقاء وابستہ ہے اور اس کی بقاء اس کی ملکی اور فکری سرحدوں کی سالمیت پر منحصر ہے۔ آئیے ہم عہد کریں کہ ہم اپنی ساری کوششیں اور توانائیاں اس ملک کو بچانے، اس میں شریعت اسلامی کی بالادستی کو قائم کرنے اور اسے ہر شعبہ حیات میں نافذ کرنے میں صرف کریں گے۔

بیاتا گل برافشا نیم و مے در سا غرا اندازیم
فلک راسقف بشگافیم و طرح نو دراندازیم
اگر غم لشکر انگیزد که خون عاشقاں ریزد
من و ساقی بہم سازیم و بنیاد ش براندازیم

تمت بالخیر

تعلیقات وحواشی

۱۔ الحشر: ۲

۲۔ النحل: ۱۱۲

۳۔ یونس: ۱۴

۴۔ آل عمران: ۱۰۳

۵۔ البقرۃ: ۲۳۱

۶۔ الانفال: ۴۶' آل عمران: ۱۰۵

۷۔ الحجرات: ۱۱' ۱۲

۸۔ الصحیح البخاری: کتاب الادب' باب رحمة للناس و صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب تراحم المومنین و تعاطفهم

۹۔ ایضاً کتاب الادب' باب تعاون المومنین بعضهم بعضا

۱۰۔ مسلم: کتاب الامارۃ والقضاء

۱۱۔ ان تنازعات کی تفصیلات کے لیے دیکھیے:

جواد' احمد "ایام العرب فی الجاہلیۃ" قاہرۃ ۱۹۴۲ء نیز دیکھیے: آلوسی' محمود شکری: "عادات العرب فی جاهلیتهم" بیروت ۱۹۲۴

۱۲۔ صحیح بخاری: باب ذکر نهی دعوة الجاهلية

۱۳۔ سنن ابی داؤد: کتاب الادب' باب فی العصبية

۱۴۔ دیکھیے: البقرۃ: ۱۱۳

۱۵۔ آل عمران: ۷۵

۱۶۔ آل عمران: ۱۵۹

۱۷۔ النحل: ۱۲۵

۱۸۔ الانعام: ۱۰۹

۱۹۔ انعام: ۱۶۰

۲۰۔ السہیلی: "روض الانف" شرح السيرة النبوية لابن هشام' طبع مصر ۱۳۳۲ھ

۱۔ دیکھئے۔ ابن کثیر "السیرۃ النبویۃ" مصر ۱۹۶۵ء نیز ابن سعد الطبقات الکبری بیروت ۱۹۶۰ء ج ۱ ص ۸۲

۲۔ دیکھیے: تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۴۹

۲۔ "مسند احمد بن حنبل" ج ۱ ص ۶

۲۔ دیکھئے آیات المائدۃ: ۳۳، ۳۸، ۳ البقرۃ: ۱۷۸، ۱۷۹ النور: ۲، ۴ وغیرہ

۲۔ کتانی: "التراتیب الاداریة والعمالات و الصناعات و المتاجر والحالة العلمیة التی کانت علی عهد تاسیس المدینة الاسلامیة فی المدینة المنورة العلیة" رباط ۱۳۴۶ھ ج ۱ ص ۳۶۱

۲۔ دیکھئے ایضاً ج ۱ ص ۲۹۵۔۳۰۰

۲۔ بخاری کتاب الاحکام باب ما یکره من الحرص علی الامارة

۲۔ بخاری کتاب الاحکام باب ھدایا العمال ۱۶۸ء ص ۱۴۲

۲۔ جعفری رئیس احمد "اسلامی جمہوریت" ثقافت اسلامیہ لاہور

۳۔ النساء: ۵۸

۳۔ المائدۃ: ۸ الانعام: ۱۵۲

۳۔ تفصیل دیکھئے محمد بن عرنوس: "تاریخ القضاء فی الاسلام۔ مصر ص ۵۳ نیز دیکھئے قطب شہید: "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام طبع مصر ص ۲۵۵

۳۲۔ بخاری۔ باب کراهة الشفاعة فی الحدود اذا رفع الی السلطان

۳۔ بخاری: کتاب الشرکة باب هل یقرع فی القسمة والاستهام فیه

۳۔ آل عمران: ۱۵۹

۳۶۔ (الف) ابن قیم: "زاد المعاد" ج ۲ ص ۱۸۷

۳۶۔ (ب) صلح حدیبیہ کا واقعہ اس کی اہم دلیل ہے

۳۷۔ دیکھئے آیات النور: ۵۵ البقرۃ: ۲۴۷ ص: ۲۰ وغیرہ

۳۸۔ دیکھئے ابن العابدین: رد المختار ج ۱ ص ۵۱۲

۳۹۔ ابن طقطقی: "الفخری" اردو ترجمہ جعفر شاہ پھلواری ادارہ ثقافت "اسلامیہ" لاہور ۱۹۸۱ء ص ۳۸

۴۰۔ بخاری۔ کتاب الاحکام۔ باب السمع والطاعة للامام

۴۱۔ ایضاً

۴۲۔ سیوطی: "تاریخ الخلفاء" نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۹

۴۳۔ طرطوشی: "سراج الملوک" طبع مصر ص ۱۵۰

۴۴۔ بخاری کتاب الاحکام باب من استرعی رعیة فلم ینصح

۴۵۔ دیکھئے ترمذی۔ ابواب الاحکام

۴۶۔ مشکوۃ المصابیح باب الامارۃ والقضاء

۴۷۔ مسلم ج ۲ ص ۲۹۴

۴۸۔ بخاری: باب رزق الحکام و العاملین علیها

۴۹۔ الحشر: ۷

۵۰۔ اس موضوع کی تفصیل کے لیے دیکھئے

میکملن اینڈ کمپنی Anthony harrison The Frame Work of Economic Activity

۵۱۔ دیکھئے General theory of intrest, money and employment by keynes towards

لارڈ کینز کے علاوہ مغرب کے ماہر معاشیات R.F harrod نے بھی a dynamic economics میں بلا سود

معیشت کے نظریہ پر عمدہ بحث کی ہے

۵۲۔ البقرۃ: ۲۷۵

۵۳۔ البقرۃ: ۲۷۹

۵۴۔ حوالہ مجلہ "المعارف" شمارہ جولائی ستمبر ۱۹۹۵ء ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ص ۳۸

۵۵۔ الطلاق: ۳

۵۶۔ حمید اللہ ڈاکٹر مجموعہ الوثائق السیاسیة قاہرۃ ۱۹۴۱ء ص ۴۰، ۶۲، ۶۴۔ ۷۰، "۷۱، ۷۸، ۷۹

۵۷۔ (الف) مسلم کتاب المساقاۃ و المزارعة

۵۷۔ (ب) بخاری باب من استعاذ من الدین

۵۸۔ ابن کثیر البدایة، ج ۷، ص ۳۵

۵۹۔ سرخسی: "المبسوط" مطبعة السعادۃ مصر ۱۳۳۱ ج ۲۲ ص ۲

۶۰۔ صحیح بخاری ابواب الحرث و المزارعة باب ما یحذر من عواقب الاشتعال بألة الزرع

۶۱۔ ابو یوسف: کتاب الخراج، المطبعة السلفیة قاہرہ ۱۳۵۲ھ ص ۶۴

۶۲۔ دیکھئے مجموعة الوثائق السیاسیة ص ۴۳۔ ۴۵، ۷۳، ۷۰، ۱۳، ۱۶۵

۶۳۔ مشکوۃ المصابیح۔ باب الکسب و طلب الحلال

ـ الاسراء : ۲۷

ـ الانفال : ۶۰

ـ النساء : ۷۱

ـ النساء : ۱۰۲

ـ الانفال : ۶۰

ـ السہیلی : روض الانف' فصل ذکر تعلیم اہل الطائف' نیز البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۴۸

ـ ایضاً

ـ ایضاً

ـ ایضاً نیز مقریزی : امتاع الاسماع حض الطائف ص ۴۱۸

۷ـ مقریزی۔ ص ۴۱۸

۷ـ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۴۵

۷ـ حمید اللہ ڈاکٹر خطبات بہاولپور' ادارہ تحقیقات اسلامی ۱۹۸۵ء ص ۲۴۲

۷ـ مسلم و مشکوۃ المصابیح باب اعداد الة الجهاد

۷ـ ترمذی' ابن ماجہ و مشکوۃ المصابیح باب اعداد الة الجهاد

۷ـ مثلاً دیکھئے بخاری۔ کتاب المغازی

ـ التراتیب الاداریہ ج ۱ ص ۳۶۱

ـ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۴۵

ـ المائدۃ : ۵۱

۸ـ الممتحنۃ : ۱

۸ـ ابن سعد الطبقات الکبری' ج ۱ ص ۲۶۲ نیز التراتیب الاداریہ ج ۱ ص ۱۹۸

تحریک پاکستان کے فکری محرکات سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

محمد نسیم خان، مانسہرہ

و اورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض و مغاربھا التی بٰرکنا فیھا (۲: ۷: ۱۳)

پاکستان کا قیام اسلامی نظریہ حیات کا مرہون منت ہے۔ اسی نظریہ حیات کی سربلندی کے لیے شیخ احمد سرہندیؒ نے اکبر و جہانگیر جیسے جابرین سے ٹکر لی، شاہ ولی اللہؒ نے احمد شاہ ابدالی کو پکارا، حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے شجاعت دی سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے دریائے کنہار کے پانی کو اپنے خون سے رنگین کیا، ۱۸۵۷ء کے معرکہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور مولانا فضل حق خیر آبادیؒ جیسے علماء کرام نے سیف بدست اور سربکف ہو کر جان کی بازی لگائی، اقبال نے اپنی شاعری اور فکر سے جدوجہد آزادی کا رخ متعین کیا۔ قائداعظم نے اپنی فقید المثال قیادت سے ایک مایوس اور کوتاہ ہمت قوم کو اپنا نصب العین حاصل کرنے کا حوصلہ دیا اور ہندو اور انگریز جیسے شاطر مخالفین کے منصوبوں کو خاک میں ملا کر آزاد خطہ پاکستان حاصل کیا۔

اسلامی نظریہ حیات کی خصوصیت اور اس کے ناگزیر تقاضے

اسلامی نظریہ حیات جس کے نام پر پاکستان حاصل کیا گیا، اپنے ماننے والوں کی ایک خاص نہج پر تربیت کرتا ہے، ان کا ایک خاص مزاج تشکیل دیتا ہے، ان کے اندر ایک خاص قوت عمل پروان چڑھاتا ہے۔ یہ قوت عمل اگر ایک طرف ان کو نظام حیات اور اس کے ماننے والوں کو لاحق خطرات اور چیلنجوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرتی ہے تو دوسری طرف اسی نظام کے ناگزیر تقاضوں کی تکمیل کا شعور اور جدوجہد کا راستہ بھی دکھاتی ہے۔

ایک مسلمان جب اللہ پر ایمان کا اقرار کرتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کو حاکم حقیقی تسلیم کر کے باقی تمام حاکمیتوں سے منہ موڑ لیتا ہے گویا وہ اپنے آپ کو اللہ کی غلامی میں دے کر باقی تمام غلامیوں سے اپنی جان چھڑا لیتا ہے۔ پھر مسلمان دن میں کم از کم بتیس مرتبہ اللہ سے یہ قول و قرار کرتا ہے کہ "میں تیری ہی بندگی کرتا

ں "(ایاك نعبد)اس لیے کسی مسلمان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ غلامی کوزیادہ دیر اپنے اوپر مسلط رہنے دے۔

جب مسلمان ظلم و ستم کا شکار ہوں اور ان کی آزادی چھین لی گئی ہو تو اسلام یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان موشی سے نوشتہ تقدیر سمجھ کر غلامی کو گلے سے لگالیں۔بلکہ ایسا موقع پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ی تعالیٰ ہوتا ہے(ترجمہ) "(مسلمانو)تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے حالانکہ کتنے ہی بے مرد،عورتیں اور بچے ہیں جو ظلم و ستم سے تنگ آکر فریاد کر رہے ہیں

خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر ے(۴:۷۵)فتن واستعمار کی بیخ کنی کرنے کا حکم دوسرے مقام پر یوں دیا جارہا ہے(ترجمہ)"تم ان سے لڑتے رہو ں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوااور کسی ست درازی روا نہیں(۲:۱۹۲)مظلوموں کو اپنی حفاظت میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دیتے ہوئے باری تعالیٰ ی کی حکمت یہ بتاتے ہیں کہ ظالم استعماری قوتیں مظلوموں سے ان کی مذہبی آزادی چھین لیتی ہے ج:۳۹-۴۰)غلامی سے نجات اور آزادی اللہ کے ہاں کس قدر پسندیدہ ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ کریم نے ایک پیغمبر حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دینے اور راہ راست پر لانے کے ، مبعوث فرمایا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث میں مسلمانوں پر باوجود کثرت کے سامراجی غلبہ کی وجوہات سے ایک وجہ ترک جہاد قرار دی گئی ہے۔اس طرح غلامی سے نجات کا نسخہ بھی بتادیا گیا۔(۱)

غلامی بذات خود بھی اسلام کی نظر میں کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں ں کے خاتمہ کے لیے کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ جنگی قیدیوں کے علاوہ غلامی کی تمام شکلیں اسلام نے حرام قرار ہیں اسلام میں غلاموں کو آزاد کرنا اور کرانا بہت بڑی نیکی سمجھی جاتی ہے اور غلاموں کو آزاد کرنے پر بڑے اجرو ب کی نوید سنائی گئی ہے اور گناہوں کا کفارہ غلام آزاد کر کے ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔زکوٰۃ کی مدات میں سے ، مد غلاموں کو آزاد کروانے کے لیے رکھی گئی ہے۔(۲) حضور ﷺ نے اپنی ایک حدیث میں بدترین شخص اس کو ر دیا جو انسانوں کی خرید و فروخت کرتا ہے۔(۳) آپ ﷺ کے وفات سے پہلے آخری الفاظ بھی غلاموں اور وں سے حسن سلوک کے متعلق تھے(الصلوۃ و ما ملکت ایمانکم)(۴)جس دین کی یہ تعلیمات و ہدایات سادہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ خود اس کے حامل غلامی کے قعر مذلت میں چلے جائیں۔

دین اسلام اپنے جداگانہ تشخص کو بہر صورت برقرار رکھنا چاہتا ہے۔اس لیے دین اسلام اپنے پیروکاروں یسا طرز عمل اختیار کرنے سے منع کرتا ہے جس سے ان کی جداگانہ پہچان متاثر ہوتی ہو کیونکہ اس طرح ایک ف اگر ذہنی و تہذیبی غلامی کے لیے راستہ ہموار ہوتا ہے تو دوسری طرف دین اسلام کے انہدام کا بھی خطرہ پیدا

ہوتا ہے اسلام اپنے جداگانہ تشخص کی برقراری کے لیے ہی دوسرے مذاہب یا دھرموں کو اپنے اندر جذب کرنے
کے عمل کو رد کرتا اور دوسرے مذاہب یا دھرموں کو بھی یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اسلام پر دست درازی کریں۔
ابتدائے اسلام میں جب قریش مکہ نے وحدانیت اور اصنام پرستی کے ادغام وانضمام کی تجویز پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے
قرآن حکیم میں اس تجویز کو سختی سے رد کیا اور کفار مکہ کو حضور علیہ السلام کے ذریعے کہا گیا "آپ کے لیے آپ کا اپنا دین
اور میرے لیے میرا دین (لکم دینکم ولی دین) قرآن حکیم میں ہی ایک دوسرے مقام پر حضور علیہ السلام سے کہا گیا
کہ آپ علیہ السلام ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہر گز نہ آئیں۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت اختیار کرو تو یہ بھی
مداہنت کریں (۶۸: ۸۔۹)۔ حضور علیہ السلام نے اپنی احادیث مبارکہ میں غیر مسلم اقوام کے شعار اپنانے سے منع کیا
ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: جس کسی نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں شمار ہو گا۔ (۵) حضور علیہ السلام نے
شرعی احکام دیتے وقت بھی اس بات کا اہتمام کیا کہ جو عبادات و رسومات سابقہ امتوں سے لی جا رہی تھیں ان کے
اوقات و طریقہ ادائیگی میں اس طرح تبدیلی کی کہ ان کے ساتھ تشبہ کا امکان نہ رہے۔ (۶) ان ہی تعلیمات کے
اثر حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کو قائم رکھنے میں بڑی سخت پابندی کا اہتمام کیا۔ (۷)

اسلام ایک مکمل ضابطہ زندگی ہے جو انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسی ضابطہ حیات کے مطابق
تشکیل دینے کا خواہاں ہیں۔ اس لیے اسلام کا ناگزیر تقاضا یہ ہے کہ ہم پورے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں۔
اگر ہم جزوی اطاعت کی روش اختیار کریں گے تو دنیا کی ذلت و رسوائی کے ساتھ ساتھ آخرت میں شدید ترین
عذاب بھی ہمارا مقدر ہو گا۔ (۲: ۲۰۸، ۸۵) انبیاء کرامؑ کی سیرت سے بھی ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ انہوں نے
انفرادی اصلاح کے ساتھ ساتھ وقت کی اجتماعی قوت کو بھی اللہ کے حکم کے تابع کرنے کی جدوجہد کی۔ انفرادی
اور اجتماعی زندگی اس وقت تک مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تشکیل نہیں پاسکتی جب تک ریاست کی قوت
موجود نہ ہو۔ حضور علیہ السلام نے "ریاست اور اسلام کو جڑواں بھائی قرار دیا ہے۔ دونوں میں کوئی ایک دوسرے کے بغیر
درست نہیں ہو سکتا۔ اسلام عمارت کی طرح ہے اور حکومت اس کی نگہبان ہے" (۸) ایک دوسری حدیث میں نبی
اکرم علیہ السلام نے فرمایا "اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدباب کر دیتا ہے جن کا سدباب قرآن
نہیں کرتا۔ (۹) اس حدیث میں دراصل اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کے باہمی تعلقات کی درستی
اور عدل و قسط کی حکمرانی کے لیے قوت نافذہ بشکل ریاست ضروری ہے "برائی کو ہاتھ سے روکنے" کی نبوی علیہ السلام
تلقین بھی ایک ریاست کی قوت و اختیار کی موجودگی میں روبعمل لائی جاسکتی ہے۔ حضور علیہ السلام کی سیرت طیبہ کا مطالعہ
ہمیں بتاتا ہے کہ مکۃ المکرمہ میں اسلام ایک شخصی مذہب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسلام کی غرض و غایت کے لیے یہ
کافی نہ تھا۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور اسلام کی ایک مثالی مملکت قائم کی اور اس سانچے

ماحول کو تیار کیا جس میں اللہ کی کامل اطاعت اور حاکمیت ممکن ہو سکے۔ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے خود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ دعا سکھائی:

(ترجمہ) اور (اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے! مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے (۸۰:۱۷)

قرآن اور اسوہ نبوی ﷺ سے واضح ہونے والی ان ہدایات کا ناگزیر تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کبھی خلافت یا امامت کے منصب کے بغیر نہ رہیں۔ مسلمانوں کے خلیفہ یا امام کا ہونا کس قدر ضروری ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کی تدفین سے پہلے صحابہ کرامؓ نے خلیفہ کا انتخاب عمل میں لایا۔ اب اگر ایسی صورت پیش آ جائے کہ مسلمانوں سے ان کی حکومت چھن جائے یا ریاست موجود نہ رہے تو اسلام مکمل ضابطہ حیات کے مقام سے گر کر رسوم و عبادات کا ایک مجموعہ رہ جاتا ہے اور اجتماعی زندگی ربانی ہدایت سے محروم ہو جاتی ہے۔ اسی لیے ہندوستان کے مخصوص تناظر میں اقبال نے کہا۔

ملا کو ہے جو ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

تحریک پاکستان کا پس منظر: اسلام کے ناگزیر تقاضوں کی تکمیل کی کوشش

ہماری اب تک کی بحث سے یہ نتائج نکلتے ہیں:

اسلام اپنے جداگانہ تشخص کے برقرار رکھنے پر بہت زور دیتا ہے

غلامی اسلام کی نظر میں کوئی پسندیدہ چیز نہیں اور اس سے نجات کے لیے کوشش فرض ہے

۔ اسلام مکمل دستور حیات ہے اور غلامی میں اس کی حیثیت عقائد و رسومات کے مجموعہ کی رہ جاتی ہے' اجتماعی زندگی سے اس کا ناطہ ٹوٹ جاتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں اگر ہم مسلمانان ہند کی گذشتہ ایک ہزار سالہ تاریخ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اسلام کی آمد سے تخلیق پاکستان تک مذکورہ بالا اسلام کے ناگزیر تقاضوں نے مسلمانوں کو ہندو تہذیب و تمدن سے مسلسل برسرپیکار رکھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور ہندومت دو ایسی تہذیبیں جن کے درمیان کوئی قدر مشترک یا نقطہ اتحاد موجود نہیں۔ دونوں کا کائنات کا تصور' سماجی نظام' اخلاقی معیارات تصور زندگی اور مقصد حیات بالکل مختلف ہیں۔ اس لیے عرصہ دراز سے ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی ان کا ملاپ ناممکنات میں سے تھا۔ اگرچہ تاریخ کے مختلف ادوار میں دونوں کے باہم دگر انضمام کی کوششیں بھی ہوئی لیکن یہ کوششیں کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکیں۔ کیونکہ دونوں

طرف سے ان کوششوں کی مزاحمت ہوئی۔ خصوصاً مسلمانوں کا جداگانہ تشخص کا احساس زیادہ قوی تھا اس لیے ان کی طرف سے مزاحمت بھی شدید تھی۔

اسلام کی بقا کو اس خطہ میں شدید ترین خطرہ اس وقت لاحق ہوا جب جلال الدین اکبر نے اپنے اقتدار کے زور پر اپنا نیا دین ''دین الٰہی'' نافذ کرنے کی کوشش کی۔ یہ دین مختلف مذاہب کا ملغوبہ تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو سرمایہ ملت کی نگہبانی کے لیے پیدا کیا جنہوں نے دین اسلام کے انہدام کی ہر کوشش کا ڈٹ کر مقابلہ کیا خواہ وہ زندقہ والحاد کی راہ سے ہو یا عجمی تصوف کی شکل میں۔ حضرت مجددؒ نے ہندو مسلم مسئلہ کے متعلق کہا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات اتنے بنیادی ہیں کہ دین الٰہی کا ملغوبہ بنا کر یا ''رام'' کو رحمان کہہ کر انہیں جوڑا نہیں جا سکتا۔ یہ ایک سعی لاحاصل ہے یا خرابیوں کا پیش خیمہ۔ باہمی امن وامان کی خاطر اور ہندوستان کے خاص حالات کے لیے زیادہ سے زیادہ وہ جس بات کو گوارا کر سکتے تھے وہ یہ تھی:

''مسلمانان بردین خود باشند و کفار برکیش خود''

گویا ان کی نظر میں امتزاج یا اتحاد (Integration) مسئلہ کا حل نہیں تھا بلکہ رواداری مناسب ترین متبادل تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ نے ان کے نقطہ نظر کی تائید کی اور ہندو مسلم اتحاد کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔ (۱۱)

سرزمین ہند نے حضرت مجدد کے بعد ایک اور جامع انصاف شخصیت کو جنم دیا جو ایک طرف دین اسلام کے احیاء اور اس سے زمانہ کی گرد صاف کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کے روبہ زوال اقتدار کے انہدام سے دین اسلام اور مسلمانوں کے لیے جو خطرات وابستہ تھے ان کا کماحقہ ادراک رکھتے تھے اور زوال کو روکنے کے لیے بھی انہوں نے اپنی مقدور بھر کوشش بھی کی۔ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو روکنے کے لیے آپ نے ملکی وغیر ملکی حکمرانوں کو خطوط کے ذریعے ان کے فرض کا احساس دلایا۔ افغانستان کے والی احمد شاہ ابدالی کو آپ نے لکھا ''اللہ کی مشیت آپ سے تقاضا کرتی ہے کہ آپ عافیت کی زندگی ترک کر دیں، تلوار کھینچ لیں اور اس وقت تک اسے نیام میں نہ ڈالیں جب تک کہ دین صادق اور کفر کے درمیان حد فاصل نہ قائم ہو جائے، کفار سرنگوں ہو جائیں اور دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ (۱۲)

شاہ ولی اللہ کی تحریک کا ایک اور اہم ہدف مسلمانوں میں سے ہندوانہ رسومات کا خاتمہ بھی تھا۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کے علیحدہ تشخص اور مادی اقتدار کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

اگرچہ شاہ ولی اللہ مسلمانوں کے اقتدار کے زوال کو نہ روک سکے لیکن ان کے افکار نے آزادی کی تڑپ، مسلمانوں کے دینی و ملی وجود کی بقا کے لیے خلافت وریاست کی اہمیت اور ضرورت کے احساس کو بہت حد تک اجاگر کر دیا۔ شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے زوال کی رفتار پہلے سے بھی تیز ہو گئی اور اب مسلمانوں کی مذہبی آزادی

ور احکام اسلام کی جاوری کا حقہ نا ممکنات میں سے ہو گئی اور کفار کا غلبہ اس قدر ہمہ گیر ہو گیا کہ مسلمانوں کا حاکم عملی اور پر اپنی Authority کھو گیا۔ ان حالات میں شاہ عبدالعزیز جو کہ شاہ ولی اللہ کے فرزند تھے نے ان علاقوں کو ن پر غیر مسلموں کا قبضہ کو ختم کرنے کے لیے جہاد کرنا چاہیے۔ تحریک شہیدین کے روح و رواں سید احمد شہید اور اہ اسماعیل شہید بھی شاہ عبدالعزیز صاحب کے تربیت یافتہ تھے اور تحریک کے محرک بھی شاہ عبدالعزیز خود تھے۔ ں تحریک کے قائدین نے سب سے پہلے اپنا ہدف ان علاقوں کو بنایا جہاں سکھوں کا قبضہ تھا اور حیران کن بات یہ ہے کہ یہ علاقے زیادہ تر موجود پاکستان پر ہی مشتمل تھے۔ سید احمد شہید اور اسماعیل شہید کا پروگرام یہ تھا کہ پہلے کھوں کا قبضہ ختم کر کے یہاں خلافت راشدہ طرز کا نظام نافذ کیا جائے گا اور اس کے بعد انگریزوں سے نمٹا جائے گا۔ گرچہ یہ تحریک اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی لیکن جہاد و حریت اور آزادی وطن کی جو تڑپ اس تحریک نے پیدا کی اس کا ایک بار پھر اظہار ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس جنگ میں اگرچہ ہندو مسلم دونوں شریک تھے لیکن ایک معتدبہ تعداد میں علمائے کرام نے بھی سیف بدست اور سر بکف ہو کر جان کی بازی لگائی۔

تحریک پاکستان کا آغاز

اوپر ہم نے تحریک پاکستان کا منظر بیان کیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے ایک نئی صورت حال کو جنم دیا۔ ہندوستان مکمل طور پر انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اور اب غیر ملکیوں نے تیر و تلوار کے بجائے قلم قانون کے ذریعے حکومت کرنے کی ٹھانی اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ بتدریج اپنی رعایا کو "شریک اقتدار" کریں گے۔ مستقبل کا نقشہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے سامنے واضح تھا۔ ہندوستان میں مغربی جمہوری نظام کا نفاذ خواہ وہ برطانوی استعماریت کی نگرانی میں ہو یا آزاد ہندوستان میں ہو ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے بالکل مختلف نتائج و عواقب کا حامل ہوتا۔

ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے عددی تناسب میں بہت فرق تھا۔ ہندو بہت بڑی اکثریت کے حامل تھے۔ جبکہ مسلمان ایک چھوٹی قوم۔ ان حالات میں مسلمانوں کے پاس دو انتخاب تھے :

- متحدہ قومیت کی بنیاد پر اپنے حقوق و مفادات کا حصول
- جداگانہ قوم کی بنیاد پر اپنے حقوق و مفادات کی حفاظت

پہلا انتخاب خطرات سے پر تھا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب ہندو احیائی تحریکیں ہندو دھرم کے احیاء اور ہندو راج کے خیالات کو ہندو عوام میں جاگزیں کر رہی تھیں اور مسلمانوں کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں۔ وہ ہندوستان سے مسلمانوں کی ہر یادگار مٹانا چاہتی تھیں۔ بنارس کا اردو ہندی تنازعہ اسی خواہش کا مظہر تھا۔ اگر مستقبل میں مسلمان متحدہ قومیت کی "چھاؤں" میں اپنے مفادات و حقوق کے لیے کوشاں ہوتے تو اس کا

مطلب ہو تا کہ وہ اپنے جسد ملی کو ہندو اکثریت میں گم کرنا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ رہے ہیں۔ سر سید احمد خان نے بالکل ابتداء ہی میں ہندوؤں کے ارادوں کو بھانپ لیا تھا اس لیے انہوں نے متحدہ قومیت کے تصور کو رد کر کے مسلمانوں کو کانگریس کی Activities سے دور رہنے کا مشورہ دیا۔ ایک کانگریسی جسٹس بدر الدین طیب نے آپ کو کانگریس میں شامل کرنے کی کوشش کی تو آپ نے اسے کہا کہ نیشنل کانگریس کا لفظ استعمال کر کے مختلف فرقوں اور نسلوں کے لوگوں کو ایک قوم بنایا جارہا ہے۔ اس تصور کے ساتھ وہ متفق نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ مستقبل میں ہندوستان کے لیے بے سود ہے۔ (۱۳) ۱۹۸۳ء میں سر سید نے ایک تقریر میں کہا اگر انگریز ہندوستان سے چلے گئے تو دونوں قومیں مساویانہ بنیادوں پر تخت سلطنت پر نہیں بیٹھ سکتیں۔ لازماً ایک قوم دوسری کو مغلوب اور زیر نگیں بنالے گی۔ (۱۴) ایک اور بیان میں سر سید نے کہا کہ کوئی موچی ہو یا اعلیٰ خاندانی آدمی وہ غلامی کو قطعاً گوارانہ کرے گا۔ (۱۵) علامہ اقبال نے اگرچہ تصور پاکستان اپنی جامع شکل میں ۱۹۳۰ء میں پیش کیا لیکن ہندی قومیت کے حصار سے نکلنے کے بعد انہیں متحدہ قومیت کے Absurd ہونے کا احساس بہت پہلے ہو گیا تھا۔ ۱۹۰۹ء میں منشی غلام قادر کے نام خط میں لکھا "میرا خیال ہے کہ قومی شخصیت کو محفوظ رکھنا ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے ضروری ہے۔ ہندوستان میں ایک مشترک قومیت پیدا کرنے کا خیال اگرچہ نہایت خوبصورت ہے اور شعریت سے ماموں ہے تاہم موجودہ حالات اور قوموں کی نادانستہ رفتار کے لحاظ سے ناقابل عمل ہے۔ (۱۶) ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں ہندوستان کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہاں دونوں تہذیبیں 'یعنی اسلام اور ہندو مت' اپنی انفرادیت ترک کر کے ایک وسیع جماعت اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں۔ دونوں قوموں کے درمیان اتحاد و اتفاق کی کوششوں کی ناکامی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس میں ہماری نیتوں کا عمل دخل زیادہ ہے۔ ظاہری طور پر رواداری اور حب الوطنی کے ادعاء ہیں لیکن باطن میں دوسری قوم پر غلبہ واقتدار کی خواہشیں چھائی ہوئی ہیں۔ ہم اس اصول کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ہر قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تہذیب و تمدن کے نشوونما میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائے۔ (۱۷)

اوپر کی بحث سے ثابت ہو گیا کہ متحدہ قومیت میں مسلمانوں کے لیے بہت سے مفاسد پوشیدہ تھے اس لیے وہ اس تصور کو اپنی جدو جہد کا محور نہیں بنا سکتے تھے۔

جداگانہ قومیت کی بنیاد پر مسلمان کن مقاصد کے خواہاں تھے اور اس تصور کے ساتھ ان کے کیا مفادات وابستہ تھے ؟ اس کا جائزہ ہم ذرا دیر بعد لیں گے۔ اس سے پہلے ہم اسلامی تصور قومیت کی وضاحت کرتے ہیں۔

سلامی تصور قومیت اور سیرت رسول ﷺ

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

قوم رسول ہاشمی ﷺ کی خاص ترکیب کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

"ہماری (اسلامی) قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان ہے نہ اشتراک وطن نہ اشتراک اغراض تصادی بلکہ ہم لوگ اس برادری میں ہیں جو جناب رسالتماب ﷺ نے قائم فرمائی تھی' اس لیے شریک ہیں کہ ظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچی ہیں' بھی ہم سب کے لیے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادی قیود سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور اس کی قومیت کا دار و مدار ایک ص تہذیبی تصور پر ہے......" (۱۸)

ایک اور مضمون اقبال نے اسلامی قومیت کی ہیئت ترکیبی کے متعلق لکھا کہ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ لف نسل' رنگ' زبان اور قبیلہ سے تعلق رکھنے والے گروہوں کو اپنے اندر جذب کر سکتی ہے لیکن خود ان میں ‌ب نہیں ہو سکتی۔ (۱۹) اسلامی قومیت کی تشکیل کی غایت بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ روحانی اساس پر ئم ہونے والی یہ اجتماعیت بنی نوع انسان کے رنگ' شعوب و قبائل و لسانی اختلافات تسلیم کر لینے کے باوجود ان کو ان ام آلودگیوں سے منزہ کرنا چاہتی ہے جو زمان و مکان' وطن' قوم' نسل' نسب اور ملک کے ناموں سے موسوم کی جاتی ں۔ (۲۰)

اس قسم کی اجتماعیت جس کی بنیاد روحانی ہو سب سے پہلے حضور ﷺ نے مدینۃ المنورۃ میں قائم کی تھی۔ ں کی بدولت پیروان دین کے درمیان سے ہر طرح کے تعصبات ختم ہو گئے اور اتفاق و اتحاد اور ہم آہنگی کو فروغ ملا ں اجتماعیت کی روحانی بنیاد کیا تھی؟ اس کے متعلق اقبالؒ فرماتے ہیں

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ﷺ ہے

اور

ملت بیضا تن و جاں لا الہ
ساز ما پردہ گرداں لا الہ

ویا اسلامی ملت یا قوم کی بنیاد توحید باری تعالیٰ پر رکھی گئی ہے۔ تمام وہ افراد جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں ایک ت کے افراد ہیں خواہ ان کا وطن کوئی بھی' کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں' زبان کوئی بھی بولتے ہوں اور قبیلہ

کوئی بھی ہو۔ یہ ملت تمام اختلافات کے باوجود تمام افراد کو جذب کرنے کی بے پایاں صلاحیت رکھتی ہے ذرا مدینۃ المورۃ کا منظر سامنے لائیں۔ دیکھیں یہ اوس و خزرج کون لوگ ہیں ؟ جی ہاں یہ وہی قبیلے ہیں جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر صدیوں بر سر پیکار رہے تھے۔ اب کیا صورتحال ہے ؟ اب تو باہم شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ یہ قریشی مہاجرین کون ہیں ؟ یہ وہی ہیں جو صدیوں سے حسب و نسب کے تفوق و فضیلت کے بت کو پوج رہے تھے۔ اور غیر قریشی عربوں کے ساتھ حج کرنے میں بھی اپنی اہانت محسوس کرتے تھے۔ اب انصار مدینہ کے ساتھ رشتہ مواخاۃ میں بندھنے کے بعد قریشی مہاجرین کے لیے انصار کیا کر رہے ہیں ؟ وہ اپنی زمینوں کاروبار باغات اور مکانات میں اپنے بھائیوں کو شریک کر رہے ہیں۔

چلیے دیکھیں مواخاۃ کی بدولت تشکیل پانے والی برادری میں اور کون کون لوگ ہیں ؟ جی ہاں حضرت صہیب رومیؓ بھی ہیں ؟ کہاں سے آئے ہیں ؟ روم سے۔ کیا زبان عربی ہے ؟ جی نہیں۔ یہ حضرت سلیمان فارسیؓ کون ہیں ؟ یہ ایرانی ہیں اور فارسی زبان بولتے ہیں۔ ان سے حسب نسب پوچھو تو کیا جواب دیتے ہیں ؟ کہتے ہیں سلیمان ابن اسلام ابن اسلام۔ اچھا تو عمار بن یاسرؓ کہاں سے آئے ہیں ؟ یمن سے۔ یہ بلال حبشیؓ کون ہیں ؟ یہ حبشہ کے رہنے والے ہیں اور رنگ کے سیاہ ہیں۔ یہ حضرت زید بن حارثؓ کون تھے ؟ یہ ایک غلام تھے جن کے ساتھ حضور ﷺ نے اپنی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینبؓ کو بیاہ دیا تھا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو حضرت محمد عربی ﷺ نے کیا اعزاز دیا ؟ ان کو حضور ﷺ نے ایک ایسے لشکر کا سردار بنایا تھا جس میں ابو بکرؓ، عمرؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ شریک تھے۔ (۲۱)

مختصر یہ کہ توحید کی قوت نے قریشی و غیر قریشی، سیاہ و سپید، غلام و آقا، مقامی و غیر مقامی، عربی و فارسی کو ایک کر دیا اور تمام تعصبات و فخر و غرور کے معیارات پیوند خاک ہو گئے۔

پاکستان کی ریاست اور مدینہ کی ریاست میں کس قدر حیرت انگیز مماثلت ہے۔ یہ ملک بھی نسلی، لونی، قبائلی، لسانی اور علاقائی امتیازات کو ایک طرف رکھتے ہوئے توحیدی ملت کی بنیاد پر مسلمانوں کا مسکن بننے جا رہا تھا کیونکہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں نہ تو ایک نسلی قوم آباد تھی نہ ایک زبان بولی جا رہی تھی، نہ رہن سہن کے طریقوں میں ہم آہنگی تھی۔ گویا وہی مدینہ والی فضا اور کیفیت بن رہی تھی۔ مدینہ کو ہجرت کر کے حضور ﷺ نے ایک اسوہ ہمارے لیے چھوڑا تھا۔ جب پاکستان وجود میں آ گیا تو لاکھوں فرزندان توحید نے اقبال کی خواہش

ہے ترک وطن سنت محبوب الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ یہ گواہی

کی تکمیل کرتے ہوئے پاکستان کو ہجرت کی۔ اس طرح مدینہ والی فضا کا نقشہ مکمل ہو گیا۔ قیام پاکستان کے بعد اگر یہ

توحیدی ملت کا تصور اجاگر رہتا تو یقیناً نسلی و لسانی عصبیت و علاقائیت کے بت کی پوجا نہ ہوتی اور اس طرح کاشانہ نبوی ﷺ غارت نہ ہوتا۔ اقبال کی آواز آج بھی فضاؤں میں گونج رہی ہے اور کہہ رہی ہے

نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

اور

ہوس نے کر دیا ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

یہ ہے وہ جداگانہ قوم کا تصور جس کی بنیاد پر اقبالؒ اور دوسرے زعماء ملت نے مسلمانان ہند کو ایک قوم قرار دیا اور ہندوستان کے مخصوص حالات کے پیش نظر مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ ہندوستانی متحدہ قومیت کے دام تزویر میں آ کر اپنے علیحدہ تشخص کو نہ ختم کر دیں۔ اقبالؒ کے نزدیک اگر ایسا ہو گیا تو اس راہ کا آخری مرحلہ اول تو لادینی ہو گا اور اگر لادینی نہیں تو اسلام کو محض اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے بے پروائی (عام چلن ہو گا)۔ (۲۲)

جداگانہ قوم کے تصور پر مسلمان کیوں ایک علیحدہ ملک حاصل کرنا چاہتے تھے؟ کیا صرف آزادی مقصود اصلی تھی یا مقصود اصلی تک پہنچنے کا ذریعہ؟ ان سوالات کے جوابات سے تحریک پاکستان کے محرکات کا تعین ہو جائے گا۔

تحریک پاکستان کے محرکات

محرکات تحریک پاکستان کو نوعیت کے لحاظ سے دو اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا محرک 'منفی یا دفاعی اور دوسرا احیائی یا مثبت۔ ان دونوں محرکات کی روشنی میں تحریک پاکستان کے مقاصد کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ دفاعی یا منفی محرک مسلمانان ہند کے اندیشوں یا خوف (Apprehensions) کا نتیجہ تھا۔ سابقہ تجربات کی روشنی میں مسلمانوں کے یہ اندیشے حقیقی اور واقعی تھے۔ اس لیے وہ یہ محسوس کرنے میں حق بجانب تھے کہ متحدہ قومیت کے تصور کے تحت اگر ہندوستان بحیثیت سیاسی وحدت آزاد ہوا تو انہیں بحیثیت قوم اپنے سے کئی گنا بڑی قوم سے نہ صرف کسی انصاف کی توقع نہیں بلکہ آثار و قرائن بتا رہے ہیں انہیں ہندو قوم کے باقاعدہ اقتصادی و معاشی استحصال اور تہذیبی و ثقافتی استبداد کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ مسلم اکثریتی علاقوں میں ان کی ریاست یا ریاستیں قائم ہوں۔ یہ محرک بھی بجائے خود اسلام کی نظر میں پسندیدہ ہے جیسا کہ ہم ابتداء میں اس کی وضاحت کر

چکے ہیں کہ غلامی خواہ کسی شکل میں بھی ہو' سے نجات اسلام کے ناگزیر تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے۔ پھر تحریک پاکستان کے پس منظر میں ہم شاہ ولی اللہ' سید احمد شہید' شاہ اسماعیل شہید وغیرہ کی ان کوششوں کا جائزہ لے چکے ہیں جن کا مقصد مسلمانوں کو ملکی وغیر ملکی قوتوں کے استبداد سے نجات اور مسلمانوں کے مادی اقتدار کی حالی بھی تھا۔

تحریک پاکستان کا دوسرا محرک جس کو ہم نے مثبت یا احیائی کا نام دیا ہے وہ تحریک پاکستان کو باقی مسلم ممالک میں چلنے والی استخلاص وطن کی تحریکات سے کئی لحاظ سے ممتاز کرتا ہے:

ایک' دوسرے مسلمان ممالک میں آزادی کی تحریکوں میں وطنی یا لسانی تصور قومیت مدار تحریکات تھا جبکہ تحریک پاکستان میں اسلامی تصور ملت کار فرمائی تھی۔

دوم' باقی تحریکات آزادی میں غیر ملکی استعمار سے آزادی ہی مقصود اصلی تھی جبکہ تحریک پاکستان میں ایک اعلیٰ تر نصب العین مقصود اصلی تھا۔ وہ اعلیٰ تر نصب العین کیا تھا؟ اس کی وضاحت اقبالؒ نے ان الفاظ میں کی "مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریز کی غلامی کے بند کو توڑنا اور اس کے اقتدار کا خاتمہ کرنا ہمارا فرض ہے اور اس آزادی سے ہمارا مطلب یہی نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں بلکہ ہمارا اول مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقتور بن جائیں۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ ہندوستان کلیتاً نہیں تو ایک بڑی حد تک دار السلام بن جائے"۔ (۲۳) ایک مکتوب میں علامہ محمد اقبالؒ نے لکھا "اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی اور اقتصادی بہبود ہے۔ اور حفاظت اسلام اس مقصد کا عنصر نہیں ہے...... تو مسلمان اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے"۔ (a۲۳) ۱۹۱۱ء میں اپنے ایک مضمون Muslim civilization علامہ محمد اقبالؒ نے لکھا کہ مسلمانوں کا مذہب' تہذیب اور عزت و آبرو ایک اسلامی حکومت کے تحت ہی محفوظ رہ سکتی ہے...... اسلام ایک مذہبی نظریے کا نام نہیں ہے۔ اسلام ہمارے لیے ایک وسیع مطلب کا حامل ہے ہماری نظر میں اسلام کا ختمی مقصد ایک ملک ہے جس میں ہم اسلامی شعار کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ (b۲۳)

علامہ محمد اقبالؒ کے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد سے بھی احیائی محرک کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ آپ نے کہا کہ اسلام کے نزدیک ذات انسانی جائے خود ایک وحدت ہے۔ وہ مادے اور روح کی ثنویت کا قائل نہیں۔ مذہب اسلام کی رو سے خدا اور کائنات' کلیسا اور ریاست اور روح و مادہ ایک ہی کل کے مختلف اجزاء ہیں۔ اس لیے خدا نے جو دستور حیات اسلام کی شکل میں انسانوں کو دیا ہے وہ ایک جامع دستور ہے جو نظام اخلاق کے ساتھ ساتھ نظام سیاست بھی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اسلام کو بطور ایک اخلاقی تخیل کے تو برقرار رکھیں لیکن اس کے نظام سیاست کی جائے ان قومی نظامات کو اختیار کر لیں جن میں مذہب کی مداخلت کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے جو خود اس کا پیدا کردہ ہے الگ نہیں ہے' دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔(۲۴) اس حقیقت یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام کے Ideals ایک منظم اسلامی ریاست کے بغیر روبعمل نہیں لائے جا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس خطے میں مسلم اکثریتی علاقوں یعنی شمال مغربی ہندوستان میں ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا۔ آگے چل کر انہوں نے اس مجوزہ ریاست کی غایات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس سے ایک تو اسلام کے لیے بطور ایک تمدنی قوت کے اپنی مرکزیت قائم کرنے کا موقع ملے گا۔ دوم اسلام اپنے آپ کو عربی شہنشاہیت کے اثرات سے آزاد ہو کر کے صدیوں کے اس جمود کو توڑ سکے گا جو اس کی تہذیب و تمدن' شریعت اور تعلیم پر طاری ہے۔ اس طرح اسلامی فکر و فلسفہ اور قانون و شریعت کی عصر جدید کی روح کے مطابق تجدید و احیاء ہو سکے گی۔(۲۵)

تجویز پاکستان کی غایت اول پیش کرتے ہوئے اقبالؒ کے ذہن میں یقیناً اسلام کی ابتدائی تاریخ ہو گی ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام جو مکہ المکرمہ میں ایک شخصی مذہب Personal faith کی حیثیت رکھتا تھا جب مدینہ میں اپنی قوت کو مرتکز کرتا ہے تو وہ ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت سے "غالب و کار آفرین' کارکشا و کارساز دین بنتا ہے اور پھلتا پھولتا اور ترقی کرتا ہے۔ اسی ارتکاز کے بعد اسلام کی اجتماعی برکات ظاہر ہوتی ہیں دوسری غایت تجویز سے انہی برکات کی طرف اشارہ ہے جو آج بھی حاصل کی جا سکتی ہیں اگر مسلمان اپنے اندر عصر جدید کا شعور اور اجتہادی روح کو دوبارہ بیدار کر دیں۔ اس کی مزید وضاحت اقبال کے ایک مکتوب بنام قائداعظم سے بھی ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے قائداعظم کو لکھا کہ مسلمانوں کے لیے روٹی کا مسئلہ شدید تر ہو رہا ہے۔ خوش قسمتی سے اس مسئلہ کو اسلامی شریعت کے نفاذ اور جدید تصورات کی روشنی میں اس کی ترقی سے حل کیا جا سکتا ہے۔ اور اسلامی شریعت کا نفاذ اور اس کی ترقی مسلمانوں کی ایک آزاد ریاست یا ریاستوں کے بغیر ممکن نہیں۔(۲۶)

تحریک پاکستان کے محرکات میں سے ایک محرک مسلمانوں کی اقتصادی آزادی بھی تھا (اس کی وضاحت منفی محرک کے تحت ہو چکی ہے) لیکن مقصود اصلی صرف اقتصادی آزادی نہیں تھا۔ علامہ اقبال کی نظر میں حفاظت اسلام اعلیٰ تر مقصد تھا اور اگر اسلام کی طرف پیش رفت اس ملک میں ہوتی تو اقتصادی نصب العین بھی باسانی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اقبال نہیں چاہتے کہ مقصود اصلی کو کوئی ثانوی مسئلہ نظروں سے اوجھل کر دے وہ قائداعظم کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"ایشیاء میں اسلام کی اخلاقی اور سیاسی طاقت کے مستقبل کا انحصار بہت حد تک ہندوستان کے مسلمانوں کی مکمل تنظیم پر ہے۔ اندرون اور بیرون ہند کی دنیا کو بتا دیا جائے کہ ملک میں صرف اقتصادی مسئلہ ہی تنہا ایک مسئلہ نہیں ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے ثقافتی مسئلہ ہندوستان کے مسئلہ کے لیے اپنے اندر زیادہ اہم نتائج رکھتا ہے۔ اور کسی

صورت سے بھی یہ اقتصادی مسئلے سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔(۲۷)

اوپر ہم نے مثبت یا احیائی محرک کی وضاحت کرتے ہوئے مجوز و مصور پاکستان علامہ محمد اقبالؒ کے ذہنی رجحانات کی تفصیل سے عکاسی کی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کی شکل میں وہ ایک ایسی ریاست کے خواہاں تھے جس میں اسلام کو عصر جدید میں اپنی تعلیمات کی حقانیت وافادیت دکھانے کا موقع ملے گا۔

اقبال کے بعد قائداعظم ایسی شخصیت ہیں جو مسلمانان پاکستان کے لیے ایک عظیم سرمایہ ہیں اور ان کے محسن ہیں۔ ۱۹۳۰ء کے خطبہ کے بعد علامہ محمد اقبال مسلسل اس فکر میں تھے کہ کوئی ایسی شخصیت مل جائے جو نہ صرف مسلمانوں کے لیے آزادی کی منزل حاصل کرے بلکہ ان کے تخیل پاکستان سے وابستہ دوسری غایات کے حصول کو بھی ممکن بنائے۔ ان کی نظر انتخاب قائداعظم پر ٹھہری اور انہیں مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے کی درخواست کی۔ وفات سے پہلے تک اقبالؒ کا قائداعظم سے رابطہ خطوط کے ذریعہ قائم رہا جس میں بڑے اہم موضوعات پر تبادلہ خیال ہوا اور ملک کے اندر جو سیاسی پیش رفت ہو رہی تھی اس کے متعلق قائداعظم کو مشورے دیئے۔ دونوں رہنماؤں کے درمیان اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق خیالات و عمل کی ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ قائداعظم کے بیانات و اعلانات اس کے شاہد ہیں۔ ۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے کہا:

"مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے وطن نہیں اور نہ ہی نسل.......... آپ نے غور فرمایا پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟...... اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے اور نہ انگریزوں کی چال یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے"۔(۲۸)

پاکستان کے مستقبل کے لائحہ عمل کی وضاحت کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا کہ ہمارے لیے آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا۔ تصور یہ تھا کہ ہم آزادی سے رہ اور سانس لے سکیں...... اور اس مملکت میں ہم اپنی روش اور ثقافت کے مطابق نشو و نما پا سکیں اور اسلام کے عدل انسانی کے اصول آزادانہ طور پر روبہ عمل لا سکیں۔(۲۹) ایک اور موقع پر آپ نے کہا کہ اسلام محض رسوم و روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اسلام ہر مسلمان کے لیے ضابطہ حیات بھی ہے جس کے مطابق وہ اپنی زندگی اپنے افعال و اعمال اور حتیٰ کہ سیاست اور معاشیات اور دوسرے شعبوں میں بھی عمل پیرا ہوتا ہے۔(۳۰)

پاکستان کے آئین کے متعلق انہوں نے کہا کہ یہ آئین ابھی قانون ساز اسمبلی نے بنانا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ جمہوری طرز کا ہو گا اور اسلام کے ضروری اصولوں کو سمویا ہوا ہو گا۔ یہ اصول آج بھی اسی طرح حقیقی زندگی میں قابل عمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ اسلام اور اس کے اعلیٰ اصولوں نے ہمیں جمہوریت،

مساوات اور ہر ایک سے عدل وانصاف کرنا سکھایا ہے۔(۳۱)

قائداعظمؒ کے مذکورہ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصور و مجوز پاکستان اور بانی پاکستان کے خیالات میں ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ دونوں کے سامنے مسلمانوں کی آزادی اور اسلام کی حفاظت واہداف تھے جو تحریک پاکستان سے مطلوب تھے۔

۱۹۴۰ء میں لاہور میں مطالبہ پاکستان پیش ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ مطالبہ پاکستان کے بہت بعد تک مسلم لیگ اتنی منظم و مقبول جماعت نہ تھی۔ اس جماعت کو لوگوں کے دلوں میں دھڑکن بنانے والا موثر ترین عامل بھی اسلام ہی تھا۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے مسلمانان ہند میں اتحاد واتفاق کو پروان چڑھایا اور کوتاہمت قوم کو ہندو جیسی کثیر اور منظم قوم کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ دیا پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ ہی ایک ایسا نعرہ تھا جس نے خیبر تا راج کماری اور مکران سے چٹاگانگ تک برصغیر کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کر دیا۔

ابتداً علماء کرام اور مشائخ عظام مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے دور ہی رہے لیکن ۱۹۴۲ء میں مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ پاکستان میں حکومت کتاب وسنت کی بنیاد پر قائم ہوگی۔(۳۲) تو اس اعلان کے بعد وہ علماء جو جمعیت علمائے ہند اور کانگرس کی تحریکوں سے بددل ہو کر کنارہ کش ہو گئے تھے اب بڑی تعداد میں لیگ کی حمایت پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے تحریک میں سرگرم حصہ لیا اور اس کی مقبولیت کا سبب بنے۔ ایسے علماء میں مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا ظفر احمد عثمانی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ مشائخ میں سے پیر جماعت علی شاہ اور پیر صاحب مانکی شریف بہت ہی نمایاں نام ہیں جنہوں نے مسلم لیگ کی مقبولیت میں اہم کردار ادا کیا۔

سطور بالا میں ہم نے تحریک پاکستان کے محرکات کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مثبت و منفی یا دفاعی واحیائی دونوں محرکات کی موجودگی نے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ محرکات کے باہمی تناسب میں فرق ہو سکتا ہے یعنی کسی محرک کی شدت زیادہ تھی اور کسی کی کم؟ بہر حال یہ دونوں موجود تھے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مثبت یا احیائی محرک کی طرف اپنی تمام تر توجہ اور توانائی صرف کریں اسی میں ہماری نظریاتی سرحدوں کی بقا مضمر ہے۔ اور پاکستان کا استحکام بھی اسی سے وابستہ ہے۔

امسال ہم پاکستان کے قیام کی پچاسویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ ہمیں اپنی پچاس سالہ تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ہی ڈال لینی چاہیے کہ ہم نے تحریک پاکستان کے مثبت محرک جس میں ملک وملت کی نظریاتی بقا اور استحکام مضمر ہے کی طرف کتنی پیش رفت کی ہے اور اگر پیش رفت نہیں کی تو اس کا خمیازہ کس کس شکل میں اب تک بھگتنا پڑا ہے۔

پاکستان ہمیں اللہ کی نعمت کبریٰ کی شکل میں عطا ہوا تھا۔ اور اللہ کی نعمتوں کے ساتھ ہمیشہ آزمائشیں اور

امتحان بھی وابستہ ہوتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے۔

عسی ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون

قرآن حکیم ہی دوسرے مقام پر استخلاف فی الارض کی ذمہ داریوں کو یوں بیان کرتا ہے :

ترجمہ : "تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں حکومت ع فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور جس دین کو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اس مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن میں بدل دے گا۔ بس وہ میری بندگی کری اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد نافرمانی کی روش اختیار کریں گے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہی اور (اے مسلمانو) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے رہو۔ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم ک جائے۔ (النور: ۵۵۔۵۶)

مذکورہ بالا آیات ربانی کی روشنی میں ہمیں کم از کم پچاس سال بعد ہی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر لینا چاہئے اور تحریک پاکستان کے دوران جو قول و قرار اللہ سے کیا تھا اس کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ان پچاس سالو میں ہم نے آزادی کے مادی ثمرات اور دنیوی انعامات بہت سمیٹ لیے۔

اگر ہم نے ملک سے انتشار، بدامنی، نااتفاقی، کرپشن، قتل و غارت، فرقہ واریت تعصبات وغیرہ کا خاتمہ کر ہے تو ہمیں اپنے وطن عزیز کے اساسی نظریہ کی طرف پیش رفت کرنی پڑے گی۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد۔

"پاکستان بن گیا ہے تو اب اقبال کے تصوراتی خطوط پر ہی قائم رہ سکتا ہے" (۳۳)

اقبال کے تصوراتی خطوط کیا ہیں وہ اقبال کے اپنے الفاظ میں یہ ہیں۔

"آزادی سے ہمارا مطلب یہی نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں بلکہ ہمارا مقصد اول یہ ہے کہ اسلام قائم رہے او مسلمان طاقتور بن جائیں۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ ہندوستان کلیتًا نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالاسلام بن جائے"۔

اقبال کی نظر میں قوم کی رمز بقا دین مصطفیٰ ﷺ میں مضمر ہے۔ وہ کہتے ہیں

ہست دین مصطفی ﷺ دین حیات
شرع او تفسیر آئین حیات
تا شعار مصطفی ﷺ از دست رفت
قوم را رمزِ بقا از دست رفت

حواشی

۱۔ جہادِ اسلامی، خلیل احمد حامدی، ص ۷۶، ۷۷، حدیث رسول ﷺ کے الفاظ یہ ہیں "حضرت ثوبانؓ سے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اے ثوبان! تمہاری کیا حالت ہوگی اگر تم پر دوسری قومیں اس طرح ٹوٹ پڑیں جس طرح تم کھانے کے برتن پر لقمے لینے کے لیے ٹوٹ پڑتے ہو؟ ثوبانؓ نے عرض کیا......اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہماری یہ حالت قلت تعداد کی وجہ سے ہوگی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ بات نہیں، بلکہ تعداد میں تو تم زیادہ ہو گے لیکن تمہارے دلوں میں وھن (کمزوری، بزدلی) پڑ جائے گی پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ "وھن" سے کیا مراد ہے؟ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا تمہارا دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جانا اور لڑائی سے جی چرانا یہ ہے "کمزوری" (وھن)۔

۱۔ القرآن الحکیم (۵۸ : ۳، ۴، ۵)، (۹۰ : ۱۲ : ۱۳)، (۹ : ۶۰)

۲۔ The Quranic Foundation & Simcture of Muslim Society) Dr. Fazl-ur-Rehman, Vol.I P.26

۴۔ نبی رحمت ﷺ، ابو الحسن علی ندوی جلد دوم ص ۱۵۵

۵۔ مسئلہ قومیت، سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ ص ۱۶۴۔ مشابہت سے مراد ایسی شکل و صورت اختیار کرنا ہے جو پوری طرح دوسری قوم کی مانند ہو۔ ورنہ خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول کے مطابق تو اچھی اور عمدہ چیزیں دوسری قوموں سے لی جاسکتی ہیں اور حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں اس اصول پر عمل کیا۔

۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ

۷۔ مسئلہ قومیت، مودودیؒ ص ۱۶۵

۹۔ اسلامی نظریہ حیات، خورشید احمد ص ۴۷۰

۱۔ اقبال نے حضرت مجدد کی شان میں بڑے خوبصورت اشعار کہے ہیں

حاضر ہوا میں حضرِ شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار۔
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

۱۱۔ رود کوثر' شیخ محمد اکرام ص ۳۲۴' ۳۲۵

۱۲۔ تدریس مطالعہ پاکستان بی ایڈ' علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ص ۲۷' ۲۸

۱۳۔ پاکستان کا اسلامی پس منظر' آغا اشرف ص ۱۰۵

۱۴۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ' محمد احمد خان ص ۸۶۱

۱۵۔ ایضاً ص ۸۶۲

۱۶۔ مفکر پاکستان' محمد حنیف شاہد ص ۲۳۶' ۲۳۷

۱۷۔ خطبہ الہ آباد' علامہ محمد اقبال ص ۱۳' ۱۴ شائع کردہ وزارت اطلاعات اسلام آباد

۱۸۔ ۱۹' ۲۰۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ ص ۳۲۷' ۳۳' ۳۴۷

۲۱۔ اسلامی تصور قومیت کی وضاحت کے لیے درج ذیل مضامین وکتب سے استفادہ کیا۔ (۱) اسلام کا تص ملت اور نظریہ پاکستان' راقم کا مضمون شائع شدہ ہفت روزہ قرطاس مانسہرہ جلد نمبر ۱ شمارہ ۹' ۸۷ (۲) اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کے لیے عملی تجاویز اسوہ نبوی ﷺ کی روشنی' راقم کا مقالہ شائع کر وزارت مذہبی امور (۹۳) النبی الخاتم' مناظر احسن گیلانی

۲۲۔ ۲۳' ۲۳a۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ ص ۳۴۷' ۸۰۷' ۸۰۹

۲۳b۔ مفکر پاکستان' حنیف' ص ۲۳۶' ۲۳۷

۲۴۔ خطبہ الہ آباد صفحات ۶ تا ۱۶ سے تلخیص

۲۵۔ خطبہ الہ آباد ص ۱۶' ۱۹

۲۶۔ Pakistan Ideology & Ideologue, Akram Azam, P.116

۲۷۔ قائداعظم خطوط کے آئینے میں خواجہ رضی الدین حیدر ص ۳۰۵' ۳۰۶

۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰ اسلام' پاکستان اور جدید دنیا' بی ایڈ کورس علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ص ۱۳۲' ۱۳۳

۳۱۔ Pakistan Ideology & Ideologue, Akram Azam, P.65

۳۲۔ مسلمانوں کی جدوجہد آزادی۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل

۳۳۔ اسلام پاکستان اور جدید دنیا ص ۱۲۹

ماخذو مصادر

حواشی میں درج شدہ کتب کے علاوہ درج ذیل کتب سے بھی استفادہ کیا گیا۔

Pakistan old Country / new Nation Ian Stephen

The Struggle for Pakistan, I.H. Qureshi

The Pakistan Way of Life, I.H. Qureshi

Pakistan Towards an Islamic Destiny, S Abdul Quddus

A New History of Indo-Pakistan Since 1526, K. Ali

The Concept of an Islamic State in Pakistan, Ishtiaq Ahmed

تجدید واحیائے دین۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

استحکام پاکستان' ڈاکٹر اسرار احمد

تحریک پاکستان کے مثبت اور منفی محرکات۔ ڈاکٹر اسرار احمد

اسلام اور پاکستان' ڈاکٹر اسرار احمد

Reconstruction of Religious Thoughts in Islam, Allama Iqbal

عصر جدید کے مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں' راقم کا مقالہ زیر طبع وزارت مذہبی امور

پاکستان تاریخ و سیاست' ڈاکٹر صفدر محمود۔

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو سکتی ہے

ڈاکٹر غلام جعفر، کوئٹہ

ہزاروں پھول سے چہرے جھلس کے راکھ ہوئے
بھری بہار میں اس طرح اپنا باغ جلا
ملا نہیں وطن پاک ہم کو تحفے میں
ہزاروں دیپ بجھے ہیں تو یہ چراغ جلا

قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک آزاد اور خود مختار اسلامی مملکت پاکستان حاصل کی۔ ارضِ پاک کا حصول برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو طویل اور صبر آزما جدوجہد کا ثمر تھا۔ یہ اسلامی مملکت "دو قومی نظریہ" کی بنیاد پر معرض وجود میں آئی۔ یہ پہلی اسلامی مملکت تھی جو اسلام کے نام پر قائم کی گئی۔

محمد بن قاسم کی آمد سے لے کر قیام پاکستان تک برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے اپنے اسلامی تشخص کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ اگر کسی وقت مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو خطرہ محسوس ہوا تو علماء مصلحین اور صوفیاء کرام نے مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو محفوظ رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی۔ برصغیر پاک و ہند میں علیحدہ تشخص کا احساس انہیں اپنے دین نے دیا تھا۔ کیونکہ مسلمان اپنے مذہب کی بنا پر اپنے ہم وطن ہندوؤں سے ہر لحاظ میں منفرد اور جدا تھے۔

مغلیہ دور حکومت میں جلال الدین محمد اکبر نے جو مذہبی پالیسی اختیار کی اس سے اسلام اور مسلمانوں کو

مان اٹھانا پڑا۔ اکبر ہندوستان میں تمام مذاہب کے پیروکاروں کو ایک پلیٹ فارم پر یکجا کر کے ہندوستانی قومیت کی
ی میں پرونا چاہتا تھا۔ اس کے اس اقدام سے اس بات کا اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر مسلمان ہندوستانی قومیت میں ضم ہو
۔ تو ان کا اسلامی تشخص ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ اکبر کی مذہبی پالیسی کے خلاف شیخ احمد سرہندی (مجدد
ثانی) نے پرزور تحریک چلائی۔ ان کی تحریک کا مقصد برصغیر پاک وہند میں اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ تھا۔ ان
تحریک ترویج شرع متین اور احیائے دین کی تحریک تھی۔ شیخ محمد اکرم رود کوثر میں تحریر کرتے ہیں "غیر مسلموں
نسبت حضرت مجدد کا انداز بیان عام صوفیاء سے مختلف تھا۔ لیکن ان کا نقطہ نظر محض معاندانہ نہ تھا۔ انہوں نے
ت کے تحت بعض جگہ بڑے سخت الفاظ کہے۔ لیکن ہندو مسلم مسئلے کا انہوں نے ایک حل بھی پیش کیا۔ اور شاید
رگی کو دور کرنے اور ملک میں خوشگوار فضا پیدا کرنے کے لیے سب سے کارآمد طریقہ کار وہی تھا ان کی نگاہ تیز بین
اندازہ لگالیا تھا۔ کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلافات اتنے بنیادی ہیں کہ دین الٰہی کا ملغوبہ بنا کر یا رام اور رحمان
یک کہہ کر انہیں جوڑا نہیں جا سکتا۔ یہ ایک سعی لاحاصل ہے یا خرابیوں کا پیش خیمہ اور بہر کیف اسلام اور
مانوں کے لیے ایک خطرہ عظیم ہے۔ باہمی امن و امان کی خاطر اور ہندوستان کے خاص حالات کے لیے زیادہ سے
وہ جس بات کو گوارا کر سکتے تھے وہ یہ تھی کہ "مسلمان بر دین خود باشند و کفار بر کیش خود
یت کریمہ) "لکم دینکم ولی دین" بیان ایں معنی است) یعنی امتزاج یا اتحاد Integration نہیں
اری Co-existance اور کیا یہ طریق کار حالات کا واحد قابل عمل کے علاوہ منصفانہ نہ تھا؟

ہندوؤں کے متعلق حضرت مجدد نے بسا اوقات اظہار خیال بڑی تلخی اور غیض و غضب سے کیا اور
کیف ان کا انداز فکر اور اسلوب اظہار ان صوفیاء سے مختلف تھا۔ جنہیں ہندو احیائیت کا سامنا کرنا پڑا لیکن ہندو مسلم
لافات کے متعلق تاریخ نے ان کے نقطہ نظر کی تائید کی۔ ہندو مسلم اتحاد کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔ انگریزی
۔ میں اختلافات اور بڑھ گئے اور برصغیر کو بھارت اور پاکستان میں تقسیم کرنا پڑا۔ شاید ان ملکوں کے راہنما اور خیر
ہ بھی کبھی سرہند کے اس مرد "آخر بین" کی رائے تسلیم کر لیں کہ ان دونوں کے درمیان امن اور سلامتی کا راستہ
اد نہیں بلکہ ہمسایانہ رواداری Neighbourly co-existance ہے۔(۱)

اگر برصغیر پاک وہند کے مسلمان اور ہندو ایک قوم یعنی ہندوستانی قومیت میں ضم ہو جائے جیسا کہ اکبر
نے سوچا تھا تو مسلمان ہمیشہ کے لیے ہندو سماج کا حصہ بن کر اپنا علیحدہ اسلامی تشخص کھو دیتے۔ مجدد الف ثانی نے
بت سے محسوس کیا کہ اکبر کی ہندو مسلم امتزاج اور اتحاد کی پالیسی اسلام اور مسلمانوں کے مفاد سے متصادم اور ان
علیحدہ اسلامی تشخص کے لیے نقصان دہ ہے۔ لہٰذا انہوں نے اکبر کی مذہبی پالیسی کے خلاف بھرپور انداز میں
ریک چلائی اور وہ برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کو باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ اکبر کی مذہبی پالیسی اسلام سے

متصادم ہے اور ان کے اسلامی تشخص کے لیے سم قاتل ہے۔ مجدد الف ثانی" کے بعد بر صغیر پاک و ہند میں جب کبھی اسلام اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے خطرہ محسوس ہوا تو مسلمان مصلحین اور علماء اسلام اپنے مذہب، اقتدار اور تشخص کو اغیار کے حملوں سے بچانے کے لیے میدان عمل میں بلا جھجک کود پڑے۔ ان مصلحین اور علماء میں شاہ ولی الہ دہلوی، شاہ عبدالعزیز، حاجی شریعت اللہ، سید احمد شہید، سر سید احمد خان اور بہت سے دیگر مسلمان راہنماؤں کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان مسلمان سیاسی و مذہبی راہنماؤں نے ہمیشہ اپنے آپ کو ہندوؤں سے علیحدہ قوم متصور کیا۔ انہی راہنماؤں کی پیروی کرتے ہوئے بعد کے راہنماؤں نے جداگانہ قومیت کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا۔

اگر ہم تحریک آزادی پاکستان کا جائزہ لیں تو اس میں "دو قومی نظریہ" سب سے اہم اور بڑا محرک نظر آتا ہے۔ اسی دو قومی نظریہ کی بنیاد پر علامہ محمد اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو اپنے خطبہ الہ آباد میں مسلمانان برصغیر کے لیے علیحدہ مملکت کا تصور پیش کیا۔ علامہ محمد اقبال نے اپنے خطاب میں فرمایا تھا:

"میں پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ریاست میں مدغم دیکھنا چاہتا ہوں، حکومت خود اختیاری خواہ برطانوی سلطنت کے اندر ہو یا اس سے باہر مجھے ایک متحدہ شمال مغربی ہندوستانی مسلم ریاست کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کا آخری مقدر نظر آتی ہے"۔ (۲)

علامہ محمد اقبال کے خواب کو مسلم لیگ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں ہندوستان کی تقسیم کی قرارداد منظور کر کے عملی شکل دی۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطبہ صدارت میں دو قومی نظریہ کی بنیاد پر اس بات کا مطالبہ کیا کہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے علیحدہ مملکت کا قیام ناگزیر ہے۔ آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا "یہ سمجھنا بہت ہی دشوار ہے کہ ہمارے ہندو دوست اسلام اور ہندومت کی حقیقی نوعیت کو کیوں نہیں سمجھتے۔ وہ مذہب کے لیے لفظ "ریلیجن" یعنی ایک نظام عقائد و عبادات کے صحیح مفہوم میں مذاہب نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقتاً دو مختلف اور ممتاز معاشرتی نظام ہیں۔ اور یہ ایک خواب ہے کہ وہ کبھی ایک مشترک قومیت پیدا کر سکتے ہیں اور یہ مغالطہ کہ ایک ہندوستانی قوم موجود ہے۔ ہر قسم کی حدود سے بہت زیادہ متجاوز ہو گیا ہے اور ہمارے اکثر مصائب کا سبب ہے اور اگر ہم نے اپنے خیالات پر بروقت نظر ثانی نہ کی تو اس مغالطے کی وجہ سے ہندوستان تباہ ہو جائے گا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو مختلف مذہبی فلسفے، معاشرتی روایات اور ادب ہیں۔ نہ وہ باہم شادیاں کرتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے ہے جو خاص طور پر متصادم خیالات و تصورات پر مبنی ہیں۔ مظاہر زندگی کے بارے میں اور خود زندگی کے متعلق ان کے تصورات مختلف ہیں یہ بالکل واضح ہے کہ ہندو اور مسلمان تاریخ کے مختلف ماخذ سے فیضان حاصل

کرتے ہیں۔ ان کی رزمیہ داستانیں مختلف ہیں۔ ان کے بطل جلیل مختلف ہیں۔ اور ان کے قصے مختلف ہیں اکثر اوقات ایک کا بطل جلیل دوسرے کا دشمن ہوتا ہے اور اسی طرح ان کی فتوحات اور شکستیں ایک دوسرے پر منطبق ہو جاتی ہیں۔ اس قسم کی دو قوموں کو ایک واحد مملکت میں اس طرح جبراً شامل کر دینا کہ ان میں سے ایک عددی اقلیت ہو اور دوسری اکثریت لازماً اس صورت پر منتج ہو گا کہ انہیں بے چینی بڑھتی رہے گی اور اس قسم کی مملکت کے لیے جو نظام حکومت بھی اس طرح بنے گا وہ بالآخر تباہ ہو جائے گا...... قوم کی ہر تعریف کے مطابق مسلمان ایک قوم ہیں اور ان کا وطن 'ان کا علاقہ اور ان کی مملکت ہونی چاہیے۔ ہم اپنے ہمسائیوں کے ساتھ ایک آزاد اور مستقل قوم کے طور پر امن و امان اور صلح و آشتی سے رہنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم اپنی روحانی' ثقافتی' معاشی' معاشرتی اور سیاسی زندگی کو ایک ایسے طریقے پر نشو و نما دے دیں جو ہمارے خیال میں بہترین ہے اور ہمارے اعلیٰ اصولوں سے موافقت اور ہماری قوم کی فطانت سے مطابقت رکھتا ہے ایمان والوں کا تقاضا یہی ہے اور ہماری قوم کے کروڑوں افراد کے اہم مفادات ہم پر یہ مقدس فرض عائد کرتے ہیں کہ ہم ایک ایسا آبرومندانہ اور پر امن حل تلاش کریں جو سب کے لیے منصفانہ اور معقول ہو۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی غرض اور اپنے مقصد سے دھمکیوں یا تخوف کے ذریعے ہٹانا یا منحرف کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ ہمیں مشکلات و عواقب کا مقابلہ کرنے اور وہ تمام قربانیاں دینے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے جو ہمیں اپنی منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے ضروری ہوں۔

تحریک پاکستان کے دوران مسلمانان برصغیر نے اسی دو قومی نظریہ کو بنیاد بنا کر اپنی جدوجہد آزادی کو آگے بڑھایا ساتھ ہی یہ نعرہ بھی لگایا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی ان کے نزدیک پاکستان کے قیام کا مقصد صرف ایک علیحدہ خطہ ارض کا حصول نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسی مملکت کا قیام تھا۔ جس میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی بالادستی ہو گی۔ پاکستان ایک ایسا ملک ہو گا جس میں اعلائے کلمۃ اللہ واحیائے سنت سید المرسلین کے لیے راہ ہموار ہو گی۔ اس مقصد کے حصول (اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت سید المرسلین) کے لیے انیسویں صدی کے آغاز میں سید احمد شہید نے سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا تھا۔ اسی پاک مقصد کے لیے ہمارے بزرگان دین واسلاف نے ان گنت قربانیاں دے کر علیحدہ مملکت پاکستان حاصل کیا۔ برصغیر پاک و ہند میں اعلائے کلمۃ اللہ واحیائے سنت المرسلین کا فریضہ کماحقہ اسی وقت ادا ہو سکتا تھا جب مسلمانوں کے پاس اپنا علیحدہ وطن ہوتا۔ جہاں وہ اپنے دین اور شریعت کے مطابق زندگی گزار سکتے۔ متحدہ ہندوستان میں اسلامی معاشرہ کا قیام' اسلامی قوانین کا نفاذ ناممکن کام تھا۔ چنانچہ ایک علیحدہ مملکت کا حصول ان کے لیے لازم تھا۔ جو بالآخر طویل جدوجہد کے بعد ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معرض وجود میں آگئی۔ مملکت خداداد پاکستان علامہ محمد اقبال کے خواب کی تعبیر اور قائداعظم محمد علی جناح اور بہت سے دیگر زعماء کی ان تھک جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

قیام پاکستان سے لے کر اب تک مملکت خداداد کو بے شمار مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جن کی وجہ سے نہ تو ملک سیاسی طور پر مستحکم ہو سکا اور نہ ہی معاشی میدان میں کوئی قابل ذکر پیش رفت ہو سکی۔ اسی طرح سائنس اور ٹیکنالوجی اور علم و ادب کے میدان میں بھی ہماری کارکردگی قابل ستائش نہیں ہے۔ اقوام عالم کی برادری میں ہم اپنا مقام بنانے میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ پاکستان کو معرض وجود میں آئے ہوئے پچاس سال کا عرصہ تقریباً پورا ہو چکا ہے۔ اس سال ہم آزادی کی پچاسویں سالگرہ (گولڈن جوبلی) منا رہے ہیں۔ آزادی حاصل کیے ہوئے اتنا طویل عرصہ بیت چکا ہے اس کے باوجود پاکستان مسائل و مشکلات کے منجدھار میں گھرا ہوا ہے۔ ان مشکلات و مسائل نے ملکی استحکام کی راہیں مسدود کر دی ہیں۔ ان مسائل کی نشاندہی مولانا محمد موسیٰ بھٹو نے اپنے ایک مضمون میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"فرقہ واریت اور سیاسی کشمکش کا مسئلہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے قرضہ لے کر ملک کی قسمت ان کے حوالے کرنے کا مسئلہ، تعلیمی اداروں کے ذریعے ہر سال لاکھوں بے مقصد نوجوان تیار کرنے کا مسئلہ، ملک کی انتظامیہ کا آخری حد تک رشوت، کرپشن، نااہلی، عوام کو مسائل میں مبتلا کرنے اور ذمہ داریوں سے غفلت اور ملک کی دولت کو غنیمت کا مال سمجھ کر لوٹنے کا مسئلہ قومی وحدت اور یکجہتی کا جذبہ پیدا ہونے کی جائے اپنی اپنی قومیت کے بتوں سے عشق کی حد تک محبت پیدا ہونے کا مسئلہ قوم کے مختلف طبقوں کے افراد کی اخلاقی اور انسانی تربیت کے اداروں کی تباہی کا مسئلہ، دانشور جو قوموں کے دل و دماغ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی ہولناک حد تک کمی کا مسئلہ، بین الاقوامی اداروں سے پیسے لے کر ان کے لیے جاسوسی کرنے اور ان کے اشاروں پر لوگوں کو قتل کرنے کا مسئلہ، قومی اتحاد اور ملکی یکجہتی کے اہم امور میں سیاسی اور غیر سیاسی حلقوں کے فکری انتشار کا مسئلہ" تجارت، صنعت اور ہر طبقے سے وابستہ افراد کا انسانی اور اخلاقی قدروں کی جائے مادی خوشحالی کو نصب العین بنانے اور راتوں رات دولت مند بن جانے کے جنون کا مسئلہ اور قومی معاملات سے دلچسپی ختم ہونے کا مسئلہ، ملک کے کروڑ ہا لوگوں کو بجلی گیس اور ٹیلی فون وغیرہ کے بلوں کی رقم کی ادائیگی میں بے حد پریشانی کا مسئلہ، ملک کے تعلیمی نظام اور نصابی کتب جیسا نازک کام بین الاقوامی یہودی مالیاتی اداروں کی مرضی سے تشکیل دینے کا مسئلہ، دہشت گردوں اور مجرموں کی سرپرستی کے گہرے نظام کا ہونا اور ان کو عام طور پر سزا نہ ملنے کا مسئلہ، معاشرے سے صبر و شکر، قناعت و توکل، نرمی، رحمدلی اور تھوڑے پر راضی رہنے جیسی پاکیزہ صفات کے خاتمہ کا مسئلہ، اشتعال، تشدد، جذباتیت، ریا اور کبر جیسے رذیل اوصاف کے عام ہو جانے کا مسئلہ، حکومتی اداروں کی طرف سے اپنے تہذیبی امتیازات کو مٹانے کا مسئلہ، ڈش انٹینا، وی سی آر اور ٹیلی وژن کے ذریعے لاکھوں خاندانوں کا اجتماعی طور پر عریاں اور انسانی عصمت، عزت و وقار کے منافی پروگرام دیکھنے کا مسئلہ معاشرے کے غریب اور بنیادی ضرورتوں سے محروم افراد کی خبر گیری کرنے والے سماجی اداروں کے نہ ہونے کا

مسئلہ' بزرگوں کی عزت' احترام اور تکریم کے روایتی سسٹم کے خاتمہ کا مسئلہ' مذہبی قوتوں کے گروہوں میں منقسم ہونے اور ہر گروہ کا اپنے فرقے کے علاوہ دوسروں کے ایمان واسلام کو مشکوک سمجھنے کا مسئلہ' اقتدار کے خواہشمند سیاستدانوں کی طرف سے حصول اقتدار کے لیے بین الاقوامی طاقت کی طرف رجوع ہونے اور اسے راضی کرنے کا مسئلہ' ملک کے جاگیردار' تجارتی و صنعتی حلقوں کا ملی اور قومی معاملات میں انتہائی حد تک بے حس ہونے کا مسئلہ' دیوانی مقدمات میں عدالتی طریقہ کار کے پیچیدہ ہونے کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ' یہ ایسے مسائل ہیں جنہوں نے ہماری قومی زندگی کو گھیر لیا ہے۔ ان میں سے ہر مسئلہ نہایت اہم ہے۔ اور تفصیلی تجزیہ کا محتاج ہے ان سارے مسائل سے بھی بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مسلسل اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہونے اور بے حسی کی وجہ سے ہر شعبے اور ہر طبقہ کے افراد میں شعور اور ادراک ہی سلب ہو گیا ہے۔ محض خوبصورت الفاظ رہ گئے ہیں"۔ (۴)

مسائل کے انبار نے ہمارے ملک کو گھیر لیا ہے۔ ان ان گنت مسائل کی وجہ سے ہماری آزادی کی جدوجہد اب ہمیں بے ثمر نظر آنے لگی ہے۔ ہمیں اپنی آزادی کو برقرار رکھنے' قومی بقاء اور ملکی استحکام کے لیے کوئی تدبیر اختیار کرنا ہو گی۔ ملکی استحکام اور مسائل پر قابو پانے کے لیے بہترین راہنمائی صرف اور صرف حضور اکرم صلی الہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہی فراہم کر سکتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة

ملت اسلامیہ کا ہر فرد چاہے وہ حکمران ہو یا ایک ادنیٰ سا آدمی' افواج کا سپہ سالار ہو یا تاجر' معلم ہو یا طالب علم' سب کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے آنحضور اکرم ﷺ کی ذات میں کامل اور مکمل نمونہ موجود ہے۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں :

"سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والا کسی جگہ تاریکی کا نشان نہیں پاتا' ہر چیز واضح اور چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح واضح ہے۔ آپ ﷺ کا شخصی کردار' رحمت' رافت' شفقت' خشیت' عبادت' عدالت' صداقت' سخاوت' فراست متانت' ایثار' احساس ذمہ داری' عاجزی اور تواضع' صبر' توکل' ثبات' دانشمندی وغیرہ سب کی کیفیت اور ان کے عملی نمونے مل جاتے ہیں۔ اور بہت سے مل جاتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی گھریلو زندگی میں اچھے شوہر اچھے باپ اور اچھے نانا وغیرہ کے بہترین نمونے ہمیں ملتے ہیں۔ جماعتی زندگی میں اچھے دوست' اچھے ساتھی' شفیق سردار اور مساکین کے سرپرست و مددگار کا بہترین نمونہ ہمیں آپ ﷺ کی ذات میں ملتا ہے۔ اس طرح ملی و قومی زندگی میں عدل وانصاف' فوجوں کی کمانداری' دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک وغیرہ ایسا مکمل وا تنا بہترین نقشہ ہمیں سیرت طیبہ میں دکھائی دیتا ہے کہ ویسا اور کہیں نہیں دکھائی دیتا۔ اور کمال یہ ہے کہ انفرادی واجتماعی زندگی کے یہ سارے نمونے صرف ایک ہی مقدس و مکمل انسان میں مل جاتے ہیں"۔ (۵)

پاکستان ان گنت مسائل و مشکلات سے دوچار ہے جن کے نتیجہ میں ہمارا ملک عدم استحکام کی شاہراہ پر تیزی سے رواں ہے۔ ان کا حل اور علاج ہمیں صرف اور صرف سیرت طیبہ کی پیروی میں ممکن نظر آتا ہے۔ پاکستان میں قومی و لسانی عصبیتیں' فرقہ واریت کی لعنت' سیاسی کشمکش' عدم مساوات' انصاف کا فقدان' رشوت خوری' اخلاقی انحطاط' دہشت گردی اور بہت سے دیگر مسائل جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اگر ان مسائل پر قابو پا کر ہمیں ملک کو استحکام بخشنا ہے تو ہمیں سیرت طیبہ سے راہنمائی حاصل کرنا ہو گی۔ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں ہمیشہ کے لیے عصبیتوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس خطبہ میں آپ ﷺ نے انسانوں کے حقوق کا تعین کر دیا۔ اس خطبہ ہی میں آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانی جان کی عظمت' اخوت' عورتوں اور غلاموں کے حقوق' وراثت' زکوٰۃ' سود کی ممانعت اور عبادات کے متعلق واضح طور پر بتا دیا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس خطبہ کو انسانیت کا منشور اعظم قرار دیا ہے۔ (۶) اگر سب مسلمان اور خصوصاً پاکستانی قوم خطبہ حجۃ الوداع میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر عمل کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ملک کو درپیش مسائل سے چھٹکارا نہ دے سکیں۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں مساوات اور اخوت کا درس دیتے ہوئے فرمایا :

لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی۔ تم سب آدم سے ہو' آدم مٹی سے۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے متقی ہو۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ بجز تقویٰ کے۔ (۷) اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا فرمان پر سنجیدگی اور خلوص دل کے ساتھ عمل کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک میں موجود قومی و لسانی عصبیتیں اور نفرتیں دور نہ ہوں۔ ہمارے ملک میں موجود صوبائی' قومی' لسانی اور مذہبی عصبیتوں کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابدی تعلیمات کو فراموش کر دیا ہے۔ اسلام کی تعلیمات اور حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو لازوال رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ تو مدینہ کے وہ قبائل جو ایک دوسرے سے باہم پیکار تھے۔ نبی پاک ﷺ کی تعلیمات اور اسلام کی برکت سے باہم شیر و شکر ہو گئے۔ وہ صدیوں کی پرانی عصبیتوں اور عداوتوں کو ختم کر کے بھائی بھائی بن گئے۔ انصار اور مہاجرین کو اخوت کے رشتہ میں منسلکہ کر دیا گیا۔ اس رشتہ مواخات نے عربوں کے اندر صدیوں سے موجود قومی و شعوبی عصبیت کے بت کو پاش پاش کر دیا۔ مولانا ادریس کاندھلوی سیرت مصطفیٰ جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں :

"مہاجرین جب مکہ سے اللہ کے لیے اپنے اہل و عیال خویش و اقارب گھر اور بار چھوڑ کر مدینہ پہنچے۔ تو آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار کو مواخات (بھائی بندی) کا حکم دیا۔ تاکہ وطن و اہل و عیال سے مفارقت کی وحشت اور پریشانی انصار کی الفت و موانست سے بدل دیا جائے۔ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کا معین اور مددگار اور مصیبت

کے وقت ایک دوسرے کا غمگسار ہو۔ ضعیف اور کمزور قومی اور زبردست کی اخوت سے قوت حاصل ہو۔ اور ضعیف قومی کے لیے قوت بازو بنے۔ اعلیٰ شخص ادنیٰ شخص کے فوائد سے مستفید اور منتفع ہو۔ اور مہاجرین و انصار کے منتشر دانے ایک رشتہ مواخات میں منسلک ہو کر شئی واحد بن جائیں۔ تشتت اور تفرق کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں۔ جو تفرق اور اختلاف بنی اسرائیل کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنا۔ یہ امت مرحومہ اس سے بالکلیہ محفوظ رہے۔ اور اجتماع کی وجہ سے اللہ جل جلالہ کا ہاتھ ان کے سر پر ہو۔ اور اگر زمانہ جاہلیت کے تفاخر اور مباہات کا کوئی فاسد مادہ قلب میں ہے۔ تو اس رشتہ مساوات سے اس کا استیصال اور قلع قمع ہو جائے اور بجائے تفاخر اور تعلیٰ غرور اور نخوت کے تواضع اور مسکنت' مواخات اور مساوات سے معمور ہو جائے۔ خادم اور مخدوم' غلام اور مولیٰ محمود اور ایاز سب ایک صف میں آ جائیں۔ دنیا کے سارے امتیازات مٹ کر صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کا شرف اور بزرگی رہ جائے" (۸) حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد تمام مسلمان بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے "تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں" یہ فرمان الٰہی دنیا بھر کے مسلمانوں کو رشتہ اخوت میں منسلک کر دیتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے دکھ درد' خوشی غمی میں برابر کے شریک بن جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے"۔ حضور اکرم ﷺ کا ایک اور فرمان ہے۔ جس میں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ مسلمان آپس میں حسد کریں یا ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی کریں۔ فرمان نبوی ﷺ ہے "آپس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو' اور نہ آپس میں کسی کو دوسرے کے خلاف بھڑکاؤ اور نہ آپس میں بغض رکھو اور نہ آپس میں کسی کے پیچھے برائی کرو' اور نہ تم میں سے کوئی کسی بیع پر بیع کرے اور تم اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ"۔ (۹)

مسلمان کے لیے لازم ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ کوئی بندہ ایماندار نہیں بنتا۔ جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے۔ جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے" ایک اور فرمان نبوی ہے "مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں"۔ اگر ان احادیث نبوی پر ہم عمل کریں تو ہمارا ملک امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے گا۔ ملک کے اندر باہمی اتحاد اور یگانگت کی فضا پیدا ہو گی۔ آپس میں الفت' محبت اور موانست کا جذبہ پیدا ہو گا۔ اتحاد' یگانگت' اخوت اور مساوات ملکی استحکام' امن و آشتی کے لیے ضروری اور اہم عناصر ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد ایک طویل عرصہ تک اس مملکت خداداد میں غیر جمہوری قوتوں کی حکمرانی رہی۔ عوامی رائے کو امور سلطنت میں جگہ نہ دی گئی۔ ہونا تو یہی چاہیے تھا کہ ریاستی امور میں عوام کو زیادہ سے زیادہ شریک

کیا جاتا۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عوامی رائے اور شرکت کو نظر انداز کر دیا گیا۔ جس کا نتیجہ ملک میں عدم استحکام اور سیاسی بے چینی کی صورت میں نکلا۔ اگر امور سلطنت میں ہمارے حکمران آنحضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے راہنمائی حاصل کر کے مشورہ کو اپنا شعار بناتے' تو ملک میں سیاسی بے چینی اور کشمکش کی فضا کبھی بھی پیدا نہ ہوتی۔ نبی پاک ﷺ کی سیرت طیبہ سے ہمیں ایسی بہت سی مثالیں اور نظائر ملتی ہیں کہ آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر دنیاوی امور میں اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے مشورہ کیا اور ان کے مشوروں پر عمل بھی کیا۔ مشورہ کا حکم خود باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "و شاورھم فی الامر" پیغمبر اسلام کسی سے مشورہ کرنے کے مکلف نہیں تھے۔ لیکن امت کی راہنمائی کے لیے آپ ﷺ نے دنیاوی معاملات میں بارہا اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ غزوہ بدر' غزوہ احد' غزوہ خندق' اسیران بدر کا معاملہ اور بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کیا آنحضور اکرم ﷺ کا طرز عمل پاکستانی حکمرانوں کے لیے ایک تابندہ مثال ہے۔ آنحضور اکرم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے ہمیشہ آپ ﷺ کی پیروی اور اتباع کرتے ہوئے ملکی امور میں مشورہ کو اپنا شعار بنایا۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے باقاعدہ مجلس شوریٰ قائم کی اور معزز صحابہ کرام کو اس کا ممبر بنایا۔ اور ہر اہم معاملہ میں ان سے مشورہ کیا جاتا۔ ہمارے حکمران آنحضور اکرم ﷺ کی سیرت پاک سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے امور سلطنت میں اہل حل و عقد سے مشورہ کو اپنا شعار بنائیں۔ ملکی امور میں مشورہ اور عوامی شرکت' سیاسی استحکام اور سکون و اطمینان کا باعث بنے گی۔

کسی بھی ملک میں عدل و انصاف کے معاملے میں لوگوں کے مابین امتیازی سلوک بہت سے مسائل اور مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ سلطنتیں کفر سے تو قائم رہ سکتی ہیں لیکن ظلم سے باقی نہیں رہ سکتیں۔ اگر سلطنت کے اندر عوام کو عدالتوں سے انصاف کے حصول میں مایوسی کا سامنا کرنا پڑے۔ غریبوں کو امیروں کے مقابلے میں انصاف میسر نہ ہو' تو ایسی صورتحال میں عوام کا حکومت اور حکومتی اداروں سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ بعض اوقات لوگ مجبور ہو کر قانون کو ہاتھوں میں لینے سے دریغ نہیں کرتے۔ جس سے ملک امن و سکون تہ و بالا ہو جاتا ہے۔ مملکت کے استحکام' اور امن و آشتی کے لیے لازم ہے' قانون کی بالادستی ہو' عدالتی ادارے مستحکم ہوں اور سب لوگوں کو یکساں انصاف میسر ہو۔ عدل و انصاف کے معاملہ میں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے۔ اس سلسلہ میں سیرت طیبہ اور خلفائے راشدین کا تعامل ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آنحضور اکرم ﷺ کے عہد میں کسی کے ساتھ عدل و انصاف کے معاملے میں امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ قانون کی نگاہ میں سب برابر تصور کیے جاتے تھے۔ ایک دفعہ قریش کے ایک قبیلے بنی مخزوم کی فاطمہ نامی عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔ وہ چاہتے تھے کہ فاطمہ کسی طرح سزا سے بچ جائے۔ چنانچہ اس کی سفارش کے لیے انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو نبی

پاک ﷺ کے پاس بھیجا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کمتر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر محمد ﷺ کی اپنی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی۔ تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹ دیتا۔(۱۰) خلفائے اربع نے اپنے دور خلافت میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کی اتباع کرتے ہوئے عدل و انصاف کو اپنا شعار بنایا۔ آنحضور ﷺ کی پیروی اور اتباع کی وجہ سے ان کا عہد خلافت راشدہ کے نام سے اور وہ خلفائے راشدین کے نام سے موسوم ہوئے۔ خلافت راشدہ میں خلیفہ وقت ایک عام آدمی کی حیثیت سے قاضی کی عدالت میں پیش ہو سکتا تھا۔ مولانا شبلی نعمانی نے اپنی کتاب الفاروق میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں: "عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے۔ یعنی ایوان عدالت میں شاہ و گدا امیر و غریب' شریف و رذیل' سب ہم مرتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لیے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ ان میں اور ابی بن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابیؓ نے زید بن ثابتؓ کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہ ابی کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابی نے قاعدے کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی۔ لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرف داری سے نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں۔ تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے"۔(۱۱) خلافت راشدہ کے زمانے میں ایسی بہت سی مثالیں ہمیں نظر آتی ہیں کہ عدل و انصاف کے معاملے میں بلا تخصیص مذہب و مرتبہ سب کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ رحمت اللعالمین جلد سوم میں قاضی سلیمان منصور پوری نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کو عدل و انصاف کس قدر عزیز تھا اور اس کا کس قدر اہتمام کیا جاتا تھا۔

قاضی سلیمان تحریر کرتے ہیں:

"فاروقؓ اور مرتضیٰ بیٹھے ہوئے تھے۔ دوستانہ کلام جاری تھا۔ ایک یہودی آیا کہا کہ علیؓ پر دعویٰ کرنے آیا ہوں۔ امیر المومنین نے فرمایا ابوالحسن سامنے کھڑے ہو کر جواب دہی کرو۔ مرتضیٰؓ اٹھے۔ دیکھا گیا کہ ان کے چہرے پر بل تھا۔ دعویٰ سنا گیا۔ فیصلہ کر دیا گیا۔ مدعی جھوٹا تھا۔ وہ چلا گیا۔ تو پھر وہی جلسہ مصادقت جم گیا۔ فاروقؓ نے کہا میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ مرتضیٰ نے فرمایا ضرور پوچھو۔ کہا جب آپ کو سامنے کھڑا ہونے کو کہا گیا تو اس وقت آپ چیں بہ جبیں کیوں تھے۔ کیا عدالت میں یہودی کے برابر کھڑا ہونے کو کہا گیا۔ فرمایا نہیں۔ یہ بات

نہیں۔ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے مجھے ابوالحسن کہہ کر کھڑا ہونے کو کہا تھا۔ کنیت سے پکارنا نشان عزت ہے۔ میرا خیال ادھر گیا۔ مبادا یہودی کے برابر کھڑے ہوتے ہوئے وہ یہ سمجھے کہ عدالت کو مدعا علیہ کا خاص لحاظ ہے اسی لیے مدعی کے مقابلہ میں اسے باالفاظ عزت مخاطب کیا گیا۔ اگر وہ ایسا سمجھ لیتا۔ تو ہماری عدالت پر دھبہ لگتا"۔ (۱۲)

ملکی استحکام اور امن و آشتی کے لیے لازم ہے کہ سب لوگوں کو بلا تخصیص مذہب و ملت 'عہدہ و مرتبہ 'امیر و غریب کے یکساں انصاف مہیا ہو۔ عدالتی ادارے مستحکم ہوں۔ آزاد و خود مختار عدلیہ استحکام مملکت کی ضامن ہے۔ اگر ہم نے ملک کو مستحکم دیکھنا ہے تو عدل و انصاف کے معاملے میں ہمیں سیرت طیبہ سے راہنمائی حاصل کرنا ہو گی۔ تاکہ عدل و انصاف کے معاملے میں کسی کو رورعایت کی امید نہ رہے۔ اور سب لوگوں کو یکساں انصاف میسر ہو۔ اس سلسلہ میں سیرت طیبہ ہی ہماری بہترین راہنمائی کر سکتی ہے۔

آنحضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ صدیق نے منصب خلافت سنبھالی تو آپ کو گوناگوں مشکلات و مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں ایک مسئلہ حضرت اسامہؓ کے لشکر کی روانگی کا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: خبر وفات نبوی سے مدینہ کے قرب و جوار کے لوگ مرتد ہو گئے ہیں۔ لہذا ایسی صورت میں عساکر اسلامی کی روانگی مناسب نہیں۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بہت جوش آیا اور فرمایا کہ خواہ کچھ حالت گزرے میں حضور کریم ﷺ کے احکام کو التواء میں نہ ڈالوں گا۔ تاریخ ابو الفداء میں اس کی تفصیل کچھ یوں ہے جس لشکر میں حضرت اسامہ سردار تھے۔ حضرت عمر فاروق کو اسی لشکر میں عہدہ دار مقرر کیا گیا۔ ایک روز حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ انصار چاہتے ہیں کہ حضرت اسامہؓ سے بڑی عمر کا آدمی سردار مقرر کیا جائے۔ یہ بات سن کر آپ اچھل پڑے اور حضرت عمر فاروقؓ کی داڑھی پکڑ کر کہنے لگے۔ "رسول خدا ﷺ نے تو اس کو امیر مقرر کیا ہے۔ اور تو مجھ سے اس کی معزولی چاہتا ہے" (۱۳) بعض جگہوں پر حضرت ابوبکرؓ کے ان الفاظ کو بھی نقل کیا گیا ہے۔ جو آپ نے اس موقع پر کہے تھے۔ آپ نے کہا "خدا اگر مجھے یہ خوف بھی ہو تا کہ مجھے جنگلی درندے اچک لے جائیں گے۔ تو بھی اسامہ اور ان کے لشکر بھیجنے میں گریز نہ کرتا"۔ (۱۴)

اللہ اللہ کس درجہ اتباع رسول ﷺ ان کے پیش نظر تھی۔ انہوں نے ہمیشہ اتباع رسول کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ اور کامیاب و کامران رہے۔ اتباع رسول ﷺ کا نتیجہ تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں نہ صرف اسلامی حکومت مستحکم بنیادوں پر استوار ہوئی۔ بلکہ اس کی حدود میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ حضرت عمرؓ کو اتباع رسول کس قدر عزیز تھی اور انہیں آنحضور اکرم ﷺ سے کس قدر محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ایک منافق بشیر نامی اور ایک یہودی کے مابین کسی بات پر نزاع پیدا ہو گیا۔ یہودی آنحضور اکرم ﷺ کو اپنی فیصل بنانا چاہتے تھے۔ لیکن منافق نے یہودیوں کے سردار کعب بن اشرف کو اپنا فیصل بنانے کی

تجویز پیش کی۔ بالآخر وہ اس بات پر راضی ہوئے کہ آنحضور اکرم ﷺ کے پاس فیصلہ کے لیے جاتے ہیں۔ آنحضور اکرم ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ پھر یہی منافق ایک دوسرے یہودی کو ساتھ لے کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچتے ہیں۔ یہودی نے حضرت عمرؓ کو سارا واقعہ بتا دیا کہ اس قضیے کا فیصلہ جناب رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں۔ مگر یہ شخص اس پر مطمئن نہیں۔ اور آپ کے پاس مقدمہ لایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بشر سے پوچھا کہ کیا یہی واقعہ ہے؟ اس نے اقرار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا ذرا ٹھہرو میں آتا ہوں۔ آپ گھر تشریف لے گئے اور ایک تلوار لے کر آئے اور اس منافق کا کام تمام کر دیا۔ اس مقتول کے اولیاء نے رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں حضرت عمرؓ پر دعویٰ کر دیا۔ کہ انہوں نے ایک مسلمان کو بلاوجہ قتل کر دیا۔ جب یہ استغاثہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا تو بے ساختہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا۔ "ما کنت اظن ان عمر یجترع علی قتل رجل مؤمن" (یعنی مجھے یہ گمان نہ تھا کہ عمر کسی مرد مومن کو قتل کی جرات کریں گے) لیکن حضرت عمرؓ کے اس فعل کے بعد قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی "فلا و ربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم" (۱۵) اس آیت کی رو سے وہ شخص جو آنحضور اکرم ﷺ کا فیصلہ تسلیم نہ کرے۔ وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اس واقعہ سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ آنحضور اکرم ﷺ کے ہر حکم اور فیصلہ کی بلاچوں وچرا متابعت کی جائے۔ آنحضور اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم بارہا قرآن مجید میں دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔ ایک دوسری جگہ ارشاد باری ہے: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم نے ہمیشہ سیرت طیبہ سے راہنمائی حاصل کی اور کامیابیوں نے ان کے قدم چومے۔ آج بھی خلفائے راشدین کا عہد حکومت ہمارے لیے ایک ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اب تک پاکستان نے معاشی میدان میں کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں کی۔ ارباب اقتدار کی معاشی پالیسیوں کے نتیجہ میں ایک طرف ملک میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا ہے جس نے دولت کے ذرائع پر قبضہ کر لیا ہے۔ دوسری طرف ملک میں ایسے لوگوں کی کثیر تعداد موجود ہے جسے دو وقت کی روٹی مشکل دستیاب ہے۔ حالانکہ اسلام چاہتا ہے کہ آخرت کی جنت سے پہلے اس دنیا میں ہر انسان کو اپنی طبعی عمر تک پائیدار امن و اطمینان اور مستقل سکھ و چین کی خوشگوار زندگی نصیب ہو۔ لیکن جس ملک و معاشرے میں بعض افراد معاشی ضروریات سے محروم ہوں ان کو کسی شکل میں بھی غذا' لباس' مکان' میسر نہ ہو اور دوسرے افراد کو بہتات اور فراوانی کے ساتھ وہ بنیادی ضروریات بہتر سے بہتر شکل میں میسر ہوں۔ یا جس معاشرے میں بنیادی معاشی ضروریات تو کسی نہ کسی شکل میں سب افراد کو میسر ہوں۔ لیکن معاشی ترقی کے مواقع صرف بعض افراد کو حاصل ہوں۔ اور ان کے مقابلے میں دوسرے بعض افراد پر ضرورت سے زیادہ مال کما سکنے کے راستے مسدود اور بند ہوں۔ جس کی وجہ سے

اول الذکر افراد کی ملکی وسائل دولت اور مواقع کار پر اجارہ داری ہوا کرتی ہے۔ ایسی صورتوں میں ایسے معاشرے کے اندر دیر سویر ایسے حالات رونما ہو کر رہتے ہیں جن سے عام بدامنی و بے چینی پھیلتی ہے اور معاشرہ تباہی و بربادی سے دوچار ہو کر رہتا ہے۔ اسلام نے معاشی اونچ نیچ اور عدم مساوات کو ختم کرنے کے لیے تقسیم دولت اور گردش پر زور دیا ہے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر نہ رہ جائے۔ اس سلسلہ میں زکوٰۃ' صدقات اور وراثت کی تقسیم کا حکم دیا گیا ہے سود کی مذمت اور اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ آنحضور اکرم ﷺ نے رشوت کی بیخ کنی یہ کہہ کر فرمائی۔ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ یہاں تک کہ شائبہ رشوت کا دروازہ بھی بند کر دیا گیا ہے۔ جب آپ ﷺ نے ایک صحابی کو زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عامل مقرر کر دیا وہ اپنے ساتھ زکوٰۃ کے ساتھ بہت سے ہدایا بھی لایا۔ اس صحابی نے نبی پاک ﷺ سے کہا یا رسول اللہ یہ مال زکوٰۃ ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور مجمع میں اس فعل کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا" کہ اگر یہ گھر بیٹھا رہتا تو دیکھتے کہ یہ ہدیہ اس کو کیسے ملتا"(۱۶)

دولت کے ارتکاز کو روکنے کے لیے اسلام نے زکوٰۃ و عشر کے نظام کو نافذ کیا۔ جس میں صاحب نصاب کے ذمہ آمدنی کا چالیسواں حصہ غرباء' مساکین' محتاجوں اور بیواؤں کے لیے فرض قرار دیا۔ اور اسی طرح زرعی پیداوار میں پیداوار کا دسواں اور بیسواں حصہ بطور عشر غریبوں کا حصہ قرار دیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ زکوٰۃ وہ مال ہے جو تمہارے اغنیاء سے لیا جاتا ہے اور تمہارے غرباء و مساکین کو لوٹایا جاتا ہے۔ ارتکاز دولت کا ایک سبب سودی نظام ہے۔ آنحضور اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں سود کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے سود لینے والے پر لعنت فرمائی۔ اور اس طرح سود دینے واے پر بھی لعنت۔ بعض روایات میں سودی معاملہ کے گواہی دینے والے اور اس کا وثیقہ لکھنے والے پر لعنت آئی ہے۔ آنحضور اکرم ﷺ نے ذخیرہ اندوزی اور ارتکاز دولت کی مذمت فرمائی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے احتکار کیا وہ غلط رو ہے۔ ایک اور آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے "جس نے چالیس دن سامان خورد و نوش کو ذخیرہ کیے رکھا۔ اسے حق تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور نہ حق تعالیٰ کو اس کی پرواہ ہے۔(۱۷) تاجر پیشہ افراد کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ اسباب تجارت میں ملاوٹ نہ کریں اور نہ ناپ تول میں کمی کریں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے من غش فلیس منا جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ اسلامی معاشرہ میں محبت' ہمدردی' اور معاونت کی فضا پیدا کرنے کے لیے قرض حسنہ اور صدقات نافلہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا" وہ شخص پورا ایماندار نہیں جو خود اپنا پیٹ بھرے اور اس کا پڑوسی اس کے برابر بھوکا رہے" اہل دولت اور سرمایہ داروں سے کہا گیا ہے کہ مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل اس کی مزدوری دے دی جائے۔(۱۸) آنحضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو تین شخص

ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا۔ ایک تو وہ شخص ہے جس نے میرے نام اور میری سوگند کے
لیے کوئی عہد کیا۔ اور پھر اس کو توڑ ڈالا۔ دوسرا شخص وہ ہے جس نے ایک آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کا مول
پایا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے کام لیا۔ لیکن اس کو مزدوری نہ دی۔ (۱۹)

آنحضور اکرم ﷺ کے فرمودات ہماری اجتماعی و انفرادی زندگی کو سدھارنے کے لیے زریں اصول
ہیں۔ ایسا معاشرہ جہاں نبی پاک ﷺ کے افعال و اقوال اور سیرت طیبہ کو عملی نمونہ بنایا گیا ہو۔ وہاں کبھی انتشار اور
بدامنی پیدا نہیں ہو سکتی۔ آنحضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور تعلیمات کی پیروی سے عرب معاشرہ کی کایا پلٹ گئی
تھی۔ اہل عرب اجتماعی اور انفرادی، سیاسی، اخلاقی اقتصادی ہر اعتبار سے پستی کی آخری منزل پر تھے۔ لیکن نبی
کریم ﷺ کے لائے ہوئے اصول و ضوابط کو جب انہوں نے اپنی زندگیوں میں نافذ کیا۔ تو کامیابیوں اور کامرانیوں
نے ان کے قدم چوم لیے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں سیرت محمدی ﷺ دنیا کا آئینہ خانہ ہے جس میں دیکھ کر ہر
شخص اپنے جسم و روح، ظاہر و باطن، قول و عمل، زبان و دل، آداب و رسوم، طور و طریق اصلاح اور درستی کر سکتا ہے اور
اس لیے کوئی مسلمان قوم اور شائستگی اور ادب و اخلاق کے لیے اپنے مذہب سے باہر اور اپنے رسول کی سیرت سے الگ
کوئی چیز نہیں مانگتی۔ اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ سیرت محمدی ﷺ دنیائے اسلام کا عالمگیر آئینہ ہے۔ اسی کے مقابلہ
سے حسن و قبح اور نیکی و بدی کا راز اس پر کھلتا ہے اور چونکہ کوئی انسان کامل زندگی اس استیعاب اور استقصاء کے ساتھ
ہمارے سامنے موجود نہیں۔ اس لیے تمام انسانوں کے لیے یہی ایک کامل نمونہ ہے۔ اور ایسی ہی کامل اور بے پردہ
زندگی انسانوں کے لیے قابل نمونہ ہو سکتی ہے۔ (۲۰)

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے تحریک پاکستان کے دوران یہ نعرہ لگایا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ
الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی مملکت رب داد کے اندر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق حکومت ہو گی ہم نے اس
پر عمل نہ کیا۔ اس نعرہ کو صرف نعرہ کی حد تک محدود رکھا۔ اور کبھی سنجیدگی سے اسے عملی شکل دینے کی کوشش نہ
کی۔ جس کی وجہ سے قیام پاکستان سے لے کر اب تک ہمارا ملک غیر مستحکم رہا۔ سیاسی بے چینی رہی۔ معاشرتی طور پر
ہم سنبھل نہ سکے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم ملکی استحکام کے لیے آنحضور اکرم ﷺ کی ذات اور سیرت طیبہ سے
رہنمائی حاصل کریں۔ آنحضور اکرم ﷺ کی اتباع میں جہاں اطمینان، امن و سکون میسر ہو گا۔ دینی و دنیاوی
مشکلات حل ہوں گی وہاں اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو گا۔ کیونکہ ہمارا مقصود آخر اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کا حصول ہے جو
آنحضور اکرم ﷺ کی اتباع کے بغیر ممکن نہیں۔ اس مختصر مضمون کو علامہ محمد اقبال کے اس شعر کے ساتھ ختم
کرتا ہوں

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

حواشی

۱۔ شیخ محمد اکرام 'رود کوثر' لاہور (ادارہ ثقافت اسلامیہ) ۱۹۸۶ ص ۲۵۔۳۲۴

۲۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی 'جدوجہد پاکستان' ترجمہ ہلال احمد زبیری 'کراچی (شعبہ تصنیف و تالیف و تر[illegible]
کراچی یونیورسٹی۔ ۱۹۹۰ 'ص ۴۵۷

۳۔ ایضاً 'ص ۶۲۔۴۶۱

۴۔ محمد موسیٰ بھٹو 'پاکستانی معاشرہ لائحہ عمل کی تلاش میں 'حیدر آباد (سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ) ۱۹۹۵
ص ۳۵۔۳۴

۵۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی 'سیرت طیبہ کا مطالعہ 'ماہنامہ فکر و نظر مئی ۱۹۷۲ء ص ۲۳۶

۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ 'رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی 'کراچی (دارالاشاعت) ۱۳۸۰ھ ص ۳۰۲

۷۔ ایضاً 'ص ۳۰۵

۸۔ مولانا ادریس کاندھلوی 'سیرت مصطفیٰ 'جلد اول 'لاہور (مکہ پبلشنگ کمپنی) سن ندارد ص ۳۵ '۳۴۳

۹۔ محمد طفیل (مدیر) نقوش 'رسول نمبر جلد سوئم لاہور ۱۹۸۳ ص ۵۴۲

۱۰۔ مولانا شبلی نعمانی 'سیرت النبی 'جلد دوم اسلام آباد (نیشنل بک فاؤنڈیشن) ۱۹۷۹ء ص ۳۳۳

۱۱۔ مولانا شبلی نعمانی 'الفاروق 'اسلام آباد (نیشنل بک فاؤنڈیشن) ۱۹۷۲ء ص ۳۰۵۔۳۰۴

۱۲۔ قاضی محمد سلیمان 'سلمان منصور پوری 'رحمۃ للعالمین جلد سوم 'لاہور (شیخ غلام علی اینڈ
۱۹۷۲ء ص ۳۸۹

۱۳۔ علامہ عبدالحفیظ تقیقی 'سیرت ابوبکر صدیق ؓ 'لاہور (مکتبہ القریش) ۱۹۹۲ء ص ۱۹۴

۱۴۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین 'حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم 'ترجمہ شاہ حسن عطا 'کراچی (نفیس اکیڈمی
۱۹۷۰ 'ص ۵۸

۱۵۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۵ کی تفسیر میں دیکھیں۔ معارف قرآن میں اس آیت
شان نزول کی تفصیل دی گئی ہے۔

۱۶۔ الصحیح البخاری 'کتاب الزکوٰۃ

۱۷۔ چوہدری غلام رسول 'اسلام اور معاشرتی 'سیاسی اور معاشی نظریات 'لاہور (علمی کتب خانہ) ۱۹۷۱ء
۷۲ حوالہ تیسیر الوصول ج ۱

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

ڈاکٹر محمد اشرف شاہین قیصرانی، کوئٹہ

اس امر کی صداقت سے کم از کم مسلمان تو انکار نہیں کر سکتا کہ استحکام پاکستان کے لیے ہی نہیں، ہر شعبہ
ی کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے فراہم ہو سکتی
۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں لہذا آپ ﷺ کی سیرت طیبہ ہی رہتی دنیا تک ہمارے لیے اسوہ
(بہترین رہنما) ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ حیات طیبہ کا ہر لمحہ یہاں تک کہ خلوت و جلوت کے معاملات بھی
اس و قلم کی زینت بنے ہیں جن سے انسانی زندگی تا قیامت مستفیض ہوتی رہے گی۔ آج دنیا کی جتنی بھی منظم اور
ب اقوام ہیں وہ خواہ اس بات کا اعتراف کریں یا نہ کریں حقیقت یہ ہے کہ ان کے اصول و ضوابط کا بیشتر حصہ
ت طیبہ ہی سے ماخوذ ہے۔

جہاں تک اس مفروضے کا تعلق ہے کہ

"استحکام پاکستان کے لیے بہترین راہنمائی سیرت طیبہ سے حاصل ہو سکتی ہے"

جگہ ایک مفروضہ ہی نہیں ایک مسلم حقیقت اور کروڑوں مسلمانوں کے دل کی آواز بھی ہے کاش ۵۴ سے زیادہ
امی ممالک میں سے کوئی ایک تو ایسا ہوتا جسے ہم اس حقیقت کے ثبوت کے طور پر پیش کر سکتے مگر یہ ہماری
متی ہے کہ دنیا کی نصف آبادی ہونے کے باوجود ہمارے پاس (ایران اور سعودی عرب کے) جزوی قوانین کے
ہ کوئی ایسی ریاست نہیں جسے ہم عملی ثبوت کے طور پر پیش کر سکیں۔ نتیجتاً ہمارے پاس سیرت نبوی ﷺ سے
نمائی کے ثبوت میں صرف دو ذرائع ہی رہ جاتے ہیں۔

۱۔ مملکت مدینہ کے استحکام کے لیے آنحضرت ﷺ کے اقدامات

۲۔ عہد حاضر کے مسائل سے متعلق آنحضرت ﷺ کی تعلیمات

انہی دونوں ذرائع سے ہی ہم وہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں جو استحکام پاکستان کے لیے بہترین راہنمائی قرار پائیں گے۔

مملکت مدینہ کے استحکام کے لیے آنحضرت ﷺ کے اقدامات

(i) مملکت مدینہ کا قیام جو ابتدائی طور پر صرف ایک منظم سوسائٹی کی تشکیل تک محدود تھا در اصل مکہ کے تیرہ سالہ تربیتی انقلاب کا منطقی نتیجہ اور مرہون منت تھا اس لیے ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ایک منظم او مہذب سوسائٹی اور اسٹیٹ کے لیے افراد کی اخلاقی تعلیم و تربیت اور روحانی پاکیزگی (تزکیہ نفس) بنیادی ضرور (Pre-requisite) ہیں۔

(ii) اخلاقی تعلیم و تربیت اور روحانی پاکیزگی کا لازمی نتیجہ افراد ریاست کی اخوت اور مساوات ہے جسے ایک بل نصب العین کے ذریعے ریاست کے استحکام کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ وہ بلند نصب العین اپنے رب کی ر ہے۔ جو دل میں پیدا ہو جائے تو دشمن کو بھی دوست بنانے میں دیر نہیں لگتی۔ یاد کیجئے اس وقت کو......

اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا۔(۱)

”جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہر سے بھائی بھائی بن گئے“۔

(iii) جب یہ جماعت مومنین پے در پے تکالیف و مصائب سے گزر کر ہجرت کے کٹھن مرحلے سے بھی سرخ ہو کر مدینہ میں قیام پذیر ہوئی تو انہوں نے اپنے کچھ رہنما اصول بھی متعین کر لیے۔ انہی اصولوں پر کاربند ہونے نتیجہ تھا کہ وہ ریاست جو صرف مدینہ منورہ کے کچھ حصے تک محدود تھی ایک قلیل مدت میں جزیرہ نمائے عرب سے بڑھ کر عراق، ایران، اور شام و مصر تک وسیع ہو گئی اور مدینہ منورہ اس ریاست کا دار الخلافہ قرار پایا۔

راہنما اصول

استحکام ریاست کے لیے وضع کیے گئے اصولوں کا خاکہ حسب ذیل تھا۔

۱۔ کتاب و سنت کی برتری

۲۔ امن و امان کا قیام

۳۔ بلا لحاظ عدل و انصاف کی فراہمی

۴۔ بنیادی انسانی حقوق کی یکساں فراہمی

۵۔ عمال حکومت کا ذمہ دارانہ رویہ

۶۔ شورائی جمہوریت

۷۔ اطاعت امیر

۸۔ اقتدار کی طلب رکھنے والا خائن ہے

۹۔ ریاست کا بلند نصب العین

۱۰۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

یہاں ان اصولوں کی وضاحت اور تشریح کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی گنجائش ہے تاہم ہر عنوان اپنی تشریح خود کر رہا ہے۔ یہی وہ اصول عشرہ تھے جو استحکام ریاست کی ضمانت تھے۔ معاہدہ مواخات' میثاق مدینہ' صلح حدیبیہ' سلسلہ غزوات و سرایا اور بالآخر فتح مکہ کو درج بالا اصولوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اندرونی اور بیرونی طور پر استحکام ریاست کا بنیادی سبب یہی دس اصول تھے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف ان اصول اپنا لینے سے استحکام پاکستان ممکن ہے۔ اس کا جواب اگرچہ نفی میں بھی دیا جا سکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم صرف انہی اصولوں پر ہی کاربند ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ استحکام اور خوشحالی کا خواب پورا نہ ہو سکے۔ البتہ کچھ عصری مسائل بھی توجہ طلب ہیں جن کے بغیر شاید یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ یہ عصری مسائل حسب ذیل ہیں۔

عصر حاضر کے مسائل سے متعلق آنحضرت ﷺ کی تعلیمات

عہد حاضر امت مسلمہ کے لیے بالعموم اور پاکستان کے حوالے سے بالخصوص حسب ذیل عصری مسائل توجہ کے مستحق ہیں۔ استحکام پاکستان اسی وقت ممکن ہے جب حسب ذیل عصری مسائل کا حل تلاش کر لیا جائے۔

- پاکستان کا سب سے بڑا اور گھمبیر مسئلہ فکری' اخلاقی اور روحانی انحطاط ہے۔
- سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں پسماندگی۔
- مذہبی فرقہ واریت اور علاقائی و لسانی جنگ۔
- نئے عالمی نظام کے تناظر میں ہمارا سیاسی المیہ
- عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار اور ہماری بے بسی
- دفاعی میدان میں سیرت طیبہ کی راہنمائی۔

اول الذکر مسئلہ یعنی فکری' اخلاقی اور روحانی انحطاط دراصل ہمارے تمام مسائل کی بنیاد ہے۔ البتہ دیگر

مسائل کی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں۔ تاہم ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ مسائل کا صحیح تجزیہ کر کے اصل مرض کی تشخیص کی جائے۔

اب آیئے یہ جائزہ لیں کہ ان اہم عصری مسائل کے پس پردہ اصل اسباب و عوامل کیا ہیں۔ اور سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس ضمن میں ہمیں کیا راہنمائی فراہم کرتی ہے۔

روحانی اور اخلاقی پراگندگی' بے چینی اور اضطراب

جس طرح جسمانی عوارض کی صورت میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اصل بیماری کیا ہے اور اس کی تشخیص کے لیے بغیر صرف علامات کو بیماری سمجھ لینا کافی نہیں ہوتا اسی طرح پاکستانی قوم کو درپیش عوارض بھی میرے نزدیک صرف بیماری کی علامات ہیں۔ اصل مرض صرف روحانی اور اخلاقی پراگندگی ہے جس نے ہمیں بے شمار دیگر عوارض میں مبتلا کر دیا ہے۔ لہذا جب تک اس بیماری سے گلو خلاصی نہیں ہو گی اس وقت تک دیگر عوارض سے بھی نجات نہیں ملے گی بلکہ عین ممکن ہے کہ بیماری مزید پیچیدہ ہو جائے اور "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کی شکل اختیار کر جائے۔ لہذا چاہیے کہ ہم حکیم حاذق' ہادی دو جہاں' فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر نظر ڈالیں کہ آپ ﷺ اس مرض کا کیا علاج تشخیص فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہی کو دیکھئے تو آپ ﷺ کا سب سے بڑا وصف قرآن پاک یہ بیان کرتا ہے کہ :۔

و انك لعلٰى خلق عظيم۔(۲)

"اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بڑے (عالی) ہیں۔

اور

وما ارسلنك الا رحمة للعالمين۔(۳)

"اے نبی ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے"

پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی یہ ہے کہ

بعثت لأتمم مكارم الاخلاق ۔(۴)

"مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے"۔

آپ ﷺ کے انہی اخلاقی اوصاف ہی کی برتری تھی کہ آپ ﷺ کو دیگر انبیاء پر فوقیت دی گئی اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ایک قلیل مدت میں آپ کو مخلص صحابہ کرام کا ایک جم غفیر نصیب ہوا۔ خود قرآن پاک اس کا گواہ ہے کہ

فبما رحمة من الله لنت لهم و لو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك۔(۵)

"(اے محمد ﷺ) اللہ کی رحمت سے آپ کی طبع ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر آپ ﷺ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ ﷺ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے"۔

یہ تو خیر آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا صرف ایک پہلو ہے کہ آپ ﷺ نرم خو اور محبت کرنے والے تھے در حقیقت تو آپ کی زندگی کا ہر پہلو جامع الصفات ہے۔

رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

دوسری طرف ہماری کوتاہ اندیشی دیکھئے کہ آج پاکستانی قوم ہر طرح کے مادی وسائل سے مالا مال ہے مگر کمی ہے تو صرف ان اخلاق کریمانہ کی جو ہمارا طرۂ امتیاز ہونا چاہیے تھے۔ نہ ہم میں توکل ہے نہ صدق۔ تحمل ہے نہ رواداری۔ کسب حلال کی جستجو ہے نہ خدمت خلق کی آرزو۔ عدل و انصاف کا چلن ہے نہ اخوت اور بھائی چارے کا سلیقہ۔ فرائض منصبی کا احساس ہے نہ اجتماعی زندگی کا شعور۔ صحابہ کرام کی محبت ہے نہ سیرت طیبہ کی خوشبو۔ اولیاء و صلحاء کی صحبت ہے نہ معرفت حق کی جستجو۔

نتیجتاً ہم طرح طرح کی اخلاقی اور روحانی بیماریوں کے اسیر ہو کر رہ گئے ہیں اور اسیر کیوں نہ ہوتے ہم نے تمام تر توجہ (وہ بھی صرف ذاتی مفاد کی حد تک) صرف اور صرف مادی منفعت پر مرکوز کر دی بغیر یہ سوچے سمجھے کہ مومن کے لیے دنیا صرف جائے آزمائش ہے۔ اور مادی منفعت صرف ظاہر کی نمود و نمائش کا ذریعہ بنتی ہے۔ جبکہ حقیقت صرف روح ہے اور روح کا محرک دل ہے۔ جس کی نشو و نما مال و دولت سے نہیں یاد الٰہی سے ہوتی ہے۔ گناہ دل کو مردہ کر دیتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نظروں سے او جھل ہو گیا ہے کہ "جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اگر توبہ کرے تو خیر ورنہ گناہوں کی کثرت سے سیاہی بڑھتی رہتی ہے جو آخر کار سارے دل کو سیاہ کر دیتی ہے اور یہی دل کی موت ہے"۔ (٦)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ بھی فرمایا

الا و ان فی الجسد مضغة اذا اصلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا و هی القلب۔ (٧)

"آگاہ رہو جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جس وقت وہ درست ہوتا ہے سارا جسم درست ہوتا ہے اگر وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو وہ دل ہے"۔

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد جسمانی صحت کے اعتبار سے بھی سو فیصد صحیح ہے اور باطنی اصلاح کے حوالے سے بھی دراصل دل کی پاکیزگی کا مطلب روحانی اور اخلاقی بالیدگی ہے جس کا جوہر تقویٰ ہے اس لیے آنحضرت ﷺ

نے ارشاد فرمایا۔

التقویٰ ھھنا و یشیر الی صدرہ ثلث مرات(۸)

"تقویٰ یہاں ہے تین بار اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا"۔

پس دل مردہ ہوا تو روح مردہ ہوئی۔ روح مردہ ہوئی تو جسم کھوکھلا ہو گیا۔ اب لاکھ ایمان کے دعوے کیے جائیں مگر جب روحانی قوت اور تقویٰ ہی نہیں تو زبانی دعوے کس کام کے۔ بلکہ ایمان ہی خطرے میں ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ ہی کا ارشاد ہے۔

"جب تمہیں نیکی مسرت بخشے اور بدی تمہیں غم میں مبتلا کر دے تب تم مومن ہو"۔(۹)

ورنہ......

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

دور حاضر میں ہماری کیفیت یہی ہے کہ زبانی کلامی ایمان کے دعوؤں کے باوجود اخلاقی اور روحانی طور پر کھوکھلے ہو کر رہ گئے ہیں۔ نتیجتاً ہمارے ہر مثبت اقدام کا ماحصل بھی صفر ہے۔ ذرا وطن عزیز میں اب تک کیے گئے اسلامی اصلاحی اقدامات کا جائزہ لے لیجئے حقیقت واضح ہو جائے گی۔ نظام زکواۃ کو دیکھ لیجئے یا صلاۃ کمیٹیوں کے حشر کو۔ حدود کے نفاذ کا انجام دیکھ لیجئے یا بلا سود نظام معیشت کے لیے کی جانے والی کاوشوں کا نتیجہ صفر ہے اور صفر رہے گا۔ آنکہ ہم اپنے قلب و روح کی اصلاح پر متوجہ نہ ہوں۔

پھر صرف یہی نہیں معاشرے میں بڑھتی ہوئی معاشی بے چینی' رشوت' سفارش' اقربا پروری' دہشت گردی' اسمگلنگ' سیاسی بلیک میلنگ' ناانصافی غرضیکہ سب رذائل اخلاق ہماری روحانی اور اخلاقی کمزوریوں کی پیداوار نہیں تو کیا ہیں؟ پھر اس پر مستزاد روحانی بے چینی اور اضطراب جسے ہم ڈپریشن Anxiety اور نہ جانے کیا کیا نام دیتے ہیں ہمارے گناہوں کی نحوست کا ثمر نہیں تو اور کیا ہیں۔ ہر دوسرا شخص ان امراض میں مبتلا ہے بلکہ اب تو اس سے بھی بڑھ کر ہارٹ اٹیک' بلڈ پریشر' شوگر' گردوں کی خرابی' جگر کے امراض غرضیکہ جملہ عوارض نے ہمارا احاطہ کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ مادی منفعت کے حصول کے لیے تمام اخلاقی حدود کو تج کر حاصل کرنے کی دوڑ اور قلب و روح سے لاپرواہی برتنے کا نتیجہ ہے جو لادینی مغربی معاشرے کی لعنت تھا اب ہمارے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے۔ کیا اس صورتحال میں ہم "کنتم خیر امۃ" کا مصداق ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ مقام تو اس وقت ہی حاصل ہو سکتا ہے جب ہم اپنی اخلاقی اور روحانی پاپاکیزگی کے لیے سیرۃ طیبہ پر عمل پیرا ہوں گے۔ کیونکہ کنتم خیر امۃ کے ساتھ "تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ" کی شرائط بھی ہیں۔ اور ہم امر بالمعروف اور نہی عن

المنکر تو آگے کی بات ہے۔ "تؤمنون باللہ" کی کسوٹی پر ہی پورے نہیں اترتے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم بلند بانگ دعووں کی بجائے توحید' رسالت اور معاد پر اپنی قلبی تصدیق کی مہر ثبت کر دیں اور پھر اس خمیر سے اپنی روحانی اور اخلاقی پاکیزگی کی تعمیر کریں۔ یہی سیرت طیبہ کا سبق ہے جس کے بعد ذات باری تعالیٰ متوجہ ہوتی ہے۔

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"۔(۱۰)

"(اے پیغمبر ﷺ! لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ بھی تمہیں دوست رکھے گا"۔

یہی وہ مقام ہے جہاں مسلمان انعامات خداوندی کا مستحق ٹھہرتا ہے اور دنیا کے ہر خوف و خطر سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین۔(۱۱)

"جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات نازل کیے وہ انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین (نیک لوگ) ہیں"۔

اور الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین امنوا و کانوا یتقون۔(۱۲)

"سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔

اور اب اس ضمن میں آخری بات کہ اولیاء اللہ کے زمرے میں شامل ہونے کے لیے یا انعامات رب تعالیٰ کا مستحق ٹھہرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے تو اپنے ذاتی مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ اس کا آسان ترین راستہ (اور شاید مشکل ترین بھی کیونکہ ہم نے خواہشات کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔ اگر طلب صادق ہو تو ہرگز مشکل نہیں) اولیاء اللہ یا کم از کم صالحین کی صحبت ہے۔ آج بھی ایسی ہستیاں کم یاب سہی نایاب نہیں۔ یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔ ہم اکثر یہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ جتنا نیکی کا اختیار کرنا اہم ہے اتنا ہی نیکوکار لوگوں کی صحبت اہم ہے اور جتنا بدی سے بچنا اہم ہے اتنا ہی بدکار لوگوں کی صحبت سے گریز اہم ہے۔ کتنے خوبصورت اور بامعنی اشعار ہیں۔

پسر نوح بابدان بہ نشست — خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند — پئے نیکاں گرفت مردم شد

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

(نوٹ : اولیاء اللہ کی صحبت کا مقصد دین اور دنیا کے لیے صراط مستقیم تلاش کرنا ہے نہ کہ میری مراد دنیا ترک کرنے سے ہے)

سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ہماری پسماندگی

ہماری قوم کی تباہی اور پسماندگی کا اصل سبب اور مرض تو وہی ہے جس پر ہم نے سیر حاصل گفتگو کی ہے یعنی اخلاقی اور روحانی پراگندگی۔ باقی سب علامات ہیں اور انہی علامات میں سے ایک ہماری سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں پسماندگی اور غیروں کا دست نگر ہونا بھی ہے ذرا سوچیے ہم اخلاقی اور روحانی طور پر حقیقی مسلمان ہوتے تو ہم اپنے اسلاف کی میراث کو گنواتے ہی کیوں ؟

جی ہاں ! سائنس اور ٹیکنالوجی ہمارے ہی اسلاف کی میراث ہے۔ جسے ترقی دے کر آج یورپ اور امریکہ ہماری قسمتوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ ہم کس طرح سائنس اور ٹیکنالوجی کے وارث ہیں۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں درج ذیل دلائل ہی کافی ہیں۔

۱۔ قرآن پاک تمام علوم کا سرچشمہ ہے جو اس سے ہدایت لے گا یہ اسے تمام علوم کے حصول کی طرف راہنمائی دے گا۔ (۱۳)

۲۔ وحی کا آغاز ہی "اقرا" (۱۴) سے ہوا۔ مسلمان حصول علم سے کیسے بے نیاز ہو سکتا ہے۔

۳۔ امت مسلمہ ہی سات سو سال تک دنیا کی علمی راہنمائی کرتی رہی۔ یہ وہ دور تھا جب یورپ Darkages یعنی تاریکیوں کے عہد سے گزر رہا تھا۔

مگر پھر..........

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

ذرا اپنے اسلاف کے کارناموں پر نظر ڈالیے۔ تاریخ' فلسفہ' سائنس' فلکیات' ادب' طب' فنون لطیفہ غرضیکہ وہ کون سا شعبہ علم ہے جس میں مسلمانوں کے کارہائے نمایاں تاریخ کا حصہ ہیں۔ صرف سائنس کو ہی لیجئے الخوارزمی' جابر بن حیان' ابن الہیثم' موسیٰ بن شاکر' الکندی' بو علی سینا اور نہ جانے اور کتنے اور سائنسدان' ریاضی دان' کیمیا دان' اور ماہرین طب اس امت نے پیدا کیے مگر آج ہم اپنے تحفظ کے لیے بھی غیروں کے دست نگر ہیں ہمیں میزائل چاہئیں تو ہم غیروں کے محتاج' ہمیں طیاروں کی مرمت کرانی ہو تو غیروں کے محتاج' اپنے طالب علموں کو اعلیٰ تعلیم دلوانی ہو تو غیروں کے محتاج' حتیٰ کہ اگر معمولی الیکٹرانک آلات کی ضرورت ہو تو غیروں کے محتاج۔

یہ سب کچھ صرف اس لیے ہے کہ ہم نے اسلاف کی امامت اور سیادت کا منصب تو کھویا ہی تھا۔ علم و

حکمت کے خزانے بھی گنوا دیئے۔

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا

اب ذرا دیکھئے سیرت نبوی ﷺ اس ضمن میں ہمیں کیا راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس معاشرہ میں مبعوث ہوئے اس میں تعلیم تقریباً ناپید تھی لیکن آپ ﷺ کا علم کی مجالس میں بیٹھ کر لوگوں کو حصول علم کی ترغیب دلانا' (۱۵) اصحاب صفہ جیسا ادارہ قائم کرنا' ہر مسلمان (مرد اور عورت) کو علم حاصل کرنے کی تلقین کرنا (۱۶) اور خود کو معلم کہلوانے پر فخر محسوس کرنا (۱۷) آپ ﷺ کے ایسے اقدامات ہیں جن سے تعلیمات نبوی ﷺ میں حصول علم اور تعلیم و تعلم کی حیثیت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ پھر قرآن پاک میں تدبر اور تفکر کیا جائے تو کتنی ہی آیات ہیں جن سے علوم و فنون کی جانب راہنمائی ملتی ہے۔ تسخیر کائنات اور مظاہر فطرت کی بوقلمونیوں کی جانب توجہ مبذول ہوتی ہے۔ یہاں صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے اس دعویٰ کا ثبوت مل جائے گا۔ غور فرمائیے۔ ارشاد ربانی ہے:

ان فی خلق السمٰوات والارض و اختلاف الیل والنھار و الفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس و ما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا و بث فیھا من کل دابۃ و تصریف الریح و السحاب المسخر بین السماء والارض لاٰیٰت لقوم یعقلون۔ (۱۸)

"بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو دریا میں لوگوں کو فائدے کے لیے رواں ہیں اور مینہ میں جس کو خدا آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہوئے پیچھے سرسبز) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں عقلمندوں کے لیے (خدا کی قدرت) کی نشانیاں ہیں"۔

دراصل عہد جدید کی سائنس اور ٹیکنالوجی کے لیے یہی وہ فکری راہنمائی تھی جسے اپنا کر مسلمانوں نے دنیا کی علمی راہنمائی کا منصب سنبھالا۔ اگر ہم اپنے اساسی اصولوں یعنی اخلاقی اور روحانی پاکیزگی کے ساتھ قرآن و سنت کا دامن ہی تھامے رہتے تو ہم ان تعلیمات سے بھی اغماض نہ برتتے اور آج سائنس اور ٹیکنالوجی کے وارث بھی ہم ہوتے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

آج بھی امت مسلمہ قرآن و سنت کا دامن تھام لے تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس امت کو دنیا کی راہنمائی کا منصب سونپ دے کیونکہ بہر حال اللہ تعالیٰ کا اس امت سے یہ وعدہ تو ہے۔

و انتم الأعلون ان کنتم مؤمنین۔(۱۹)

"اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے"۔

بس شرط یہ ہے کہ ہم ایمان کے اس درجہ کو پہنچ جائیں جہاں نیکی کی محبت اور بدی سے نفرت کا سلیقہ آ جائے۔ اور وہ آرزو وہ جستجو لوٹ آئے جو ہمارے اسلاف میں جاری و ساری تھی جسے علامہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ۔

زندگی در جستجو پوشیدہ است

اصل او در آرزو پوشیدہ است

اصل میں جمود موت ہے اور یہی جمود آج امت مسلمہ پر طاری ہے۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے

کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

مذہبی فرقہ واریت اور علاقائی ولسانی تفرقات

وطن عزیز پاکستان میں گذشتہ دس پندرہ برس سے مذہبی فرقہ واریت اور علاقائی و لسانی تفرقات اور تعصبات نے جو شکل اختیار کی ہے اسے کوئی بھی پاکستانی بنظر تحسین نہیں دیکھ سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ علاقائی اور لسانی تعصبات سے زیادہ خطرناک عامل مذہبی فرقہ واریت ہے۔

اس ضمن میں سیرت نبوی ﷺ کیا راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ آیئے اس کا ایک جائزہ لیں۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد جو سب سے اہم کام کیا وہ اسے ایک منظم ریاست بنانے کی طرف سب سے اہم اقدام ثابت ہوا یہ میثاق مدینہ تھا جس میں تمام مذاہب کے پیروکار اور مختلف طبقات شامل تھے۔ اس معاہدہ میں چونکہ ہر طبقہ کے سیاسی اور معاشرتی حقوق و فرائض متعین کر دیئے گئے اس لیے سب لوگوں کی حیثیت بلا لحاظ مذہب ایک ریاست کے شہریوں کی ہوگئی۔ یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کہ آپ نے غیر مسلموں کو بھی ریاست کے مسلمان شہریوں کی طرح ایک دوسرے کے سود و زیاں میں شریک کر دیا۔ لیکن ہماری صورتحال یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے ہی دو بڑے فرقوں کو امن و امان بحال رکھنے کے لیے پابند نہیں کر سکتے۔ علاقائی

اور لسانی معاملات میں زیادہ بڑا مسئلہ معاشی مفادات کا ہے۔ ہم دنیا کے نام نہاد ترقی یافتہ ممالک کا مقابلہ تو در کنار اپنے عوام کو بھی معاشی مسائل سے نجات نہیں دلا سکے۔ نہ ہی تمام طبقات کو "معاشی عدل" فراہم کر سکے ہیں۔ نتیجتاً ہمارے عوام کی تمام تر مساعی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں صرف ہو رہی ہے۔ بیشتر اسلامی ممالک بے شمار مادی وسائل کے باوجود طبقاتی (جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ) نظام کی لپیٹ میں ہیں۔ چند محدود طبقات بے پناہ وسائل اور مراعات سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور بیشتر عوام دو وقت کی روٹی کے لیے سرگرداں ہیں اور غضب یہ کہ مراعات یافتہ طبقات اصل مسائل سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے انہیں باہم دست بگریباں کیے ہوئے ہیں۔ یہ تو رہی اندرونی صورتحال۔ بیرونی صورتحال بھی کچھ کم المناک نہیں۔ اسلامی ممالک نہ تو اپنی کوئی مشترکہ معاشی منڈی رکھتے ہیں نہ اسلامی بینک۔ نہ انجمن اتحاد باہمی کی کوئی شکل ہے نہ ایک دوسرے کے وسائل سے استفادہ کرنے کا کوئی پروگرام۔ ہمارا تمام سرمایہ اور بیش بہا قیمتی وسائل مغربی ممالک کے رحم و کرم پر ہیں اور ہم خود انہی استحصالی قوتوں کے محتاج۔ اس لیے کہ عالمی بینک 'اقوام متحدہ' آئی ایم ایف اور امداد دینے والے کنسورشیم سب امریکہ اور یورپ کے اشاروں پر چلنے والے ادارے ہیں جو ہمارے ہی پیسوں سے ہمیں سود پر قرض دیتے اور ہم سے اپنی من مانی شرائط تسلیم کراتے ہیں۔ وطن عزیز پاکستان کا تو سلسلہ ہی نرالا ہے۔ اپنے وسائل تو نہ جانے کہاں جاتے ہیں جو کچھ باہر سے سود پر ملتا ہے (بصد منت و محتاجی) وہ بھی ارباب اقتدار کی عیاشیوں اور شاہ خرچیوں پر استعمال ہوتا رہا ہے۔ حال ہی میں گھوڑوں کے اصطبل اور سرے محل وغیرہ کے اسکینڈلز اور افسر شاہی کی شاہ خرچیوں کی جو مثالیں ہمارے سامنے آئی ہیں وہ کسی بھی ملک کی معیشت کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کافی ہیں ان حالات میں ہمارے لیے سیرت طیبہ کے علاوہ روشنی کی کرن اور کیا ہو سکتی ہے کاش ہمارے حکمران تعلیمات سیرت پر عمل پیرا ہوتے تو آج یہ دن کیوں دیکھنے پڑتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اب ایک نئی قیادت برسر اقتدار آئی ہے جس سے قوم نے بہت سی اچھی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں مگر ماضی کے پچاس برسوں میں جو کچھ ہوتا رہا اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ اخلاقی اور روحانی طور پر جو صورتحال ہماری قوم کے عام افراد کی ہے وہی ہمارے حکمرانوں کی بھی ہے لیکن ایک عام فرد کے اختیارات اور حکمرانوں کے اختیارات میں بڑا فرق ہے۔ پھر "الناس علی دین ملوکھم" کے مصداق جو کچھ حکمران اور افسران کرتے ہیں ان کا براہ راست اثر عوام بھی قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا سب سے زیادہ ضرورت حکمرانوں اور افسروں کے رویے کو بدلنے کی ہے۔ ان حکمرانوں اور افسروں کو اپنا طرز عمل بدلنے کے لیے خلافت راشدہ کو مثال بنانا ہوگا جہاں خلیفہ وقت خود کو بیک وقت خدا کے سامنے بھی جوابدہ سمجھتا تھا اور عوام کے سامنے بھی۔ (۲۰)

معاشی حقوق

اسلام کی معاشی تعلیمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جس پر تفصیلاً گفتگو کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ ہم

صرف چند بنیادی اصولوں پر اکتفا کر رہے ہیں اگر انہیں اختیار کر لیا جائے تو استحکام پاکستان کا ایک لازمی تقاضا پورا ہو سکتا ہے۔

۱۔ کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم۔(۲۱)

"ایسا نہ ہو کہ یہ مال و دولت تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے"

۲۔ لن تنالوا البر حتّٰی تنفقوا مما تحبون۔(۲۲)

"(یاد رکھو) تم نیکی کا درجہ کبھی حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے کہ (مال و دولت میں سے) جو کچھ محبوب رکھتے ہو اسے (راہ حق میں) خرچ کرو۔

۳۔ و یسئلونک ما ذا ینفقون۔ قل العفو۔(۲۳)

"اور پوچھتے ہیں ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں۔ کہو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو"۔

۴۔ و لا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیطن۔(۲۴)

"اور مال کو ادھر ادھر نہ پھینکتے پھرو۔ درحقیقت فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں"۔

۵۔ عمال حکومت کے لیے حضرت عمر فاروقؓ کا یہ قول ہی کافی ہے کہ

"مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں 'اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لیے لوں گا"۔(۲۵)

اگر ہم اور ہمارے حکمران صرف ان تعلیمات کو ہی اپنالیں تو کم از کم ایک ایسا معاشرہ ضرور قائم ہو سکتا ہے جو استحصالی طبقاتی نظام سے پاک ہوگا اور اگر مکمل اسلامی معاشی نظام (جو اعلیٰ اخلاقی اقدار اپنائے بغیر ممکن نہیں) نافذ ہو جائے تو ایک مکمل اسلامی فلاحی مملکت وجود میں آسکتی ہے جو نہ صرف اپنے معاشرے کی فلاح اور خوشحالی و ترقی کی ضامن ہوگی بلکہ عالم انسانیت کے لیے بھی روشنی کا مینار ہوگی کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کے مظالم اور اشتراکیت کی شکست و ریخت کے بعد صرف اسلامی معاشی نظام ہی انسانیت کی فلاح کا ضامن ہو سکتا ہے۔

نئے عالمی نظام کے تناظر میں ہمارا سیاسی المیہ

روس کی شکست و ریخت کے بعد طاقت اور استعمار کے تمام وسائل دوسری عالمی طاقت کے پاس مجتمع ہو گئے ہیں۔ انہی استعماری حربوں کو نئے عالمی نظام کا نام دے کر پوری دنیا کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے از سر نو تشکیل دیا جا رہا ہے۔ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے کبھی ہمیں دہشت گرد کہہ کر مطعون کیا جاتا ہے اور کبھی اسلامی بم کا شوشہ چھوڑا جاتا ہے کبھی بنیاد پرستی کے الزامات عائد کیے جاتے ہیں اور کبھی منشیات کے اسمگلروں سے ہمارا ناطہ جوڑا جاتا ہے غرضیکہ

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

دھر ہمارا عالم یہ ہے کہ ہر اسلامی ملک کا اپنا قبلہ ہے ہم سب غیروں کے دست نگر ہیں۔ آج بوسنیا، کشمیر، فلسطین، چیچنیا اور افغانستان صرف اس لیے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا لہو ہے اور مسلمان جس طرح معاشی میدان میں غیروں کے دست نگر ہیں اسی طرح سیاسی میدان میں بھی امریکہ اور یورپ کے محتاج ہیں۔ اقوام متحدہ کا مسلمانوں سے سلوک سوتیلی ماں کا ہے۔ یہ تو بین الاقوامی صورتحال ہے۔ اندرونی طور پر بھی بیشتر اسلامی ممالک سیاسی نظام کے عدم استحکام کا شکار ہیں۔ نہ ہم جمہوریت نافذ کر سکے ہیں نہ اسلامی خلافت کا نظام۔ ہماری حکومتیں بھی بیرونی اشاروں پر بدلتی اور بنتی ہیں۔ ان حالات میں نیا عالمی نظام ایک مہیب عفریت کی طرح منہ پھاڑے ہمیں اپنی گرفت میں لیتا چلا جا رہا ہے اور ہم باہم دست و گریبان ہیں۔ کراچی کی صورتحال کو ہی لیجئے۔ حکمرانوں اور فریق مخالف کا رویہ کیا ہے اور دوسری طرف عالمی دہشت گرد یومیہ پندرہ بیس مسلمانوں کا خون بہا کر جشن مسرت منا رہے ہیں۔ پھر صرف یہی نہیں مسلمانوں کو کبھی مذہبی تفرقہ بازی میں الجھایا جاتا ہے۔ اور کبھی لسانی اور گروہی فسادات کرائے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ نئے عالمی نظام کو مستحکم کرنے کے لیے بین الاقوامی سازشوں کے ذریعے کرایا جاتا ہے۔ حال ہی میں ایک بڑا اچھا اور فکر انگیز شعر نظروں سے گزرا کہ ۔

بہا لو خون سڑکوں پر مگر اتنا ذرا سوچو

وطن جب خون مانگے گا تمہارے پاس کیا ہو گا

اب یہ ہمارے ہی سوچنے کی بات ہے کہ جب وطن نے یا مذہب نے خون مانگا تو خدانخواستہ سقوط بغداد اور سقوط ڈھاکہ کی تاریخ تو نہ دہرائی جائے گی۔

اب اس ضمن میں بھی سیرت نبوی کی تعلیمات کا جائزہ لیجئے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ہم نے احکامات الٰہی کو پس پشت ڈال کر ان لوگوں کو اپنی تقدیر کا مالک بنا لیا ہے جو کبھی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔

ارشاد ربانی ہے :

"یا ایھاالذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصری اولیآء بعضھم اولیآء بعض' و من یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین"۔(۲۶)

"اے اہل ایمان! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہی میں سے ہو گا۔ بے شک خدا ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

یہ یہود و نصاریٰ ہی تو ہیں جو ہمیں باہم کشت و خون کا سبق دیتے ہیں۔ یہ نام نہاد ترقی یافتہ ممالک ہمیں امداد کے نام پر سودی قرضے دیتے اور ہمیں اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے

کہ یہ کبھی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔ اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے۔ جب تک عالم اسلام خود اپنی نجات کی راہ تلاش نہ کرے گا یہ یہود اور نصاریٰ کبھی ہمیں پھلنے پھولنے نہ دیں گے۔

عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار

پاکستانی امہ لاکھ بیماریوں کی لپیٹ میں سہی مگر اب تک جس چیز نے اسے مکمل تباہی سے محفوظ رکھا ہے وہ اسلامی ثقافتی اقدار ہی ہیں لیکن تہذیب فرنگ کا عفریت ان اقدار کو بھی اب ہم سے چھین لینا چاہتا ہے۔ شرم و حیا، پردہ، مستحکم ازدواجی زندگی کے اصول و ضوابط اور باوقار لباس ہمارا طرہ امتیاز تھے لیکن یہود و نصاریٰ کی سازشوں سے پہلے ہمیں فرنگی تہذیب کی چکاچوند سے مرعوب کیا گیا۔ پھر پردہ کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا گیا۔ جب یہ حربے زیادہ کارگر نہ ہوئے تو فلموں کے ذریعے عریانیت اور بے حیائی کو رواج دیا گیا ہے۔ وی سی آر کی وبا پھیلائی گئی۔ مخرب اخلاق اور حیاسوز فلموں کے ذریعے یورپین کلچر کو ترویج دی گئی اور اب الیکٹرانک میڈیا نیٹ ورک قائم کر کے ڈش انٹینا کی لعنت کو عام کر دیا گیا ہے۔ ابھی تک شاید ہمیں یہ اندازہ نہیں کہ الیکٹرانک میڈیا کتنی بڑی طاقت ہے اور اگر ہمارے ارباب بست و کشاد کو اندازہ ہے تو انہوں نے اپنی ثقافتی اقدار کے تحفظ کے لیے کیا کیا ہے؟ یہ ایسا سوال ہے جو خود میں نے میڈیا کے ذمہ دار افسران سے کئی مرتبہ کیا اور ہمیشہ یہ جواب ملا کہ "ہمیں عالمی میڈیا کا مقابلہ کرنا ہے اکیسویں صدی کے چیلنج کو قبول کرنا ہے"۔ اور یہ مقابلہ کس طرح کیا جا رہا ہے۔ میں اپنی رائے کی بجائے روزنامہ جنگ ۱۸ جولائی ۱۹۹۵ء کے اداریے کا ایک اقتباس درج کیے دیتا ہوں، بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ عنوان ہے: "ذی حکام کی خدمت میں"۔

"لاہور سے ملنے والی ایک خبر میں یہ اندوہناک حقیقت بیان کی گئی ہے کہ تیسری جماعت کے ایک طالب علم نے حال ہی میں اختتام پذیر ہونے والے ڈرامے "ہوائیں" کے سین میں ایک اداکار کو پھانسی دینے کے منظر کو دیکھ کر اس منظر کی ریہرسل کرتے ہوئے اپنے گلے میں پھندہ ڈال لیا اور اس کے چھوٹے بھائی نے اس کے پیروں کے نیچے سے کرسی کھینچ کر اس منظر کو "مکمل" کر دیا۔ جبکہ مذکورہ سین کو دیکھ کر ٹیکسلا میں ایک شخص دل کا دورہ پڑنے سے جاں بحق ہو گیا"۔ (۲۷)

اس اقتباس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ الیکٹرانک میڈیا بالخصوص ٹیلی وژن کتنا موثر اور طاقتور ذریعہ ابلاغ ہے۔ نیز یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ ہمارے ارباب بست و کشاد کس طرح عالمی میڈیا کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ شاید ہم اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ کفار و مشرکین کا مقابلہ ہم ان کی پیروی کر کے ہی کر سکتے ہیں۔ کاش ہمارے مد نظر یہ ارشاد ربانی ہوتا کہ:

ولا تطع الکفرین والمنفقین و دع اذٰھم و توکل علی اللہ و کفی باللہ وکیلا۔ (۲۸)

"اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا اور نہ ان کی اذیت رسانی کی پروا کرنا اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ ہی اس کے لیے کافی ہے کہ آدمی اپنے معاملات اس کے سپرد کر دے"۔

لیکن ہم کفار و مشرکین (دور حاضر کے یہود و نصاریٰ بھی کم و بیش اسی زمرے میں شامل ہیں) کی پیروی میں ہی اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں۔ اس فکری گمراہی کا علاج اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نر سیدی تمام بولہبی است

یہ بولہبی ہمیں اس طرح گھیر چکی ہے کہ اخلاقی اور روحانی پستی کے ساتھ ساتھ اس نے ہمیں فکری طور پر بھی گمراہی کی دلدل میں پھنسا دیا ہے۔ ہم کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی پیروی میں اپنی کامیابی سمجھنے لگے ہیں۔ اس فکری پستی اور انحطاط سے نکلنے کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ ہم اپنی خواہشات اور نفس امارہ کی مرغوبات کی بجائے سیرۃ مصطفیٰ کی تعلیمات وہدایات کے تابع ہو جائیں۔

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ۔(۲۹)

"اس وقت تک کوئی کامل مومن نہیں ہوتا جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جو میں لایا ہوں"۔

اور ہمارے ہادی ورہبر کی لائی ہوئی چیز قرآن ہے اور پھر آپ ﷺ کی سنت۔ انہی کا دامن تھامنے میں ہی کامیابی ہے ورنہ گمراہی ہی گمراہی۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسولہ۔(۳۰)

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر چلا ہوں جب تک انہیں مضبوطی سے پکڑے رکھو گے گمراہ نہیں ہو گے یہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہیں"۔

بلاشبہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہی مومن کا ضابطہ حیات (Code of life) ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے دنیا بھی سنور جاتی ہے اور آخرت بھی۔ فکری، اخلاقی اور روحانی جلا بھی انہی سے ملے گی اور علوم و فنون کے چشمے بھی انہی سے پھوٹیں گے۔ خوف اور غم سے چھٹکارہ بھی انہی سے ملے گا اور اپنے رب کی رضا بھی۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین امنوا و کانوا یتقون۔(۳۱)

"سن رکھو کہ جو اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے"۔

دفاعی میدان میں سیرت طیبہ کی راہنمائی

اگرچہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جنگ اور جہاد کی نوعیت جارحانہ نہیں بلکہ دفاعی ہے مگر وطن کی حفاظت کے لیے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اگر جنگ ناگزیر ہو تو پھر

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

خلاصہ البحث (Conclusion)

۱۔ استحکام پاکستان کے لیے بہترین راہنمائی سیرت طیبہ سے ہی فراہم ہو سکتی ہے۔ استحکام پاکستان کے لیے ہمیں انہی اصولوں پر کاربند ہونا ہوگا جو مملکت مدینہ کے استحکام کے لیے آنحضرت ﷺ نے وضع کیے۔ ان اصولوں کا خاکہ گذشتہ صفحات پر پیش کر دیا گیا ہے۔

۲۔ استحکام پاکستان کے لیے اس ریاست کے شہریوں کا اصل مسئلہ فکری و اخلاقی اور روحانی انحطاط ہے جب تک ہم اپنے آپ کو نہیں بدلیں گے اصل مرض ختم نہیں ہوگا۔ دیگر اہم مسائل کا تذکرہ بھی قلمبند ہو چکا ہے۔ حث کو سمیٹتے ہوئے یہ کہنا ضروری ہے کہ مملکت پاکستان کے معروضی مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک وسیع تناظر میں استحکام کے ذرائع تلاش کرنا ہوں گے کیونکہ موجودہ حالات کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ

"خلافت ارض اس وقت دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے اس کا مادی حصہ غیروں کے قبضے میں ہے اور صرف اس کا روحانی حصہ اہل اسلام کے پاس ہے جب تک یہ دونوں حصے پھر سے یکجا نہیں ہو جاتے۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ ممکن نہیں ہو سکتی"۔ (۳۲)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حواشی و حوالہ جات

۱۔ آل عمران۔ ۱۰۳

۲۔ القلم۔ ۴

۳۔ الانبیاء۔ ۱۰۷

۴۔ موطا امام مالک و شرح تنویر الحوالک۔ باب ماجاء فی حسن الخلق صفحہ ۲۱۱، مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر مطبوعہ ۱۳۷۰ھ، ۱۹۵۱ء

۵۔ آل عمران۔۱۵۹

۶۔ مسند احمد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن جریر' حاکم بحوالہ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ تفہیم القرآن۔ جلد ششم' ص ۲۸۲ ادارہ ترجمان القرآن۔

مولانا نے یہ حدیث سورۃ المطففین کی آیت ۱۴ کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون "ہرگز نہیں' بلکہ دراصل ان لوگوں کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے" کی تفسیر میں درج کی ہے یہی حدیث مولانا زکریا نے فضائل اعمال میں اور مولانا محمد اکرم اعوان نے اپنی تفسیر اسرار التنزیل میں سورۃ البقرہ کی آیت ۷ "ختم الله علی قلوبهم" کی تفسیر کے ذیل میں درج کی ہے۔

۷۔ متفق علیہ' بحوالہ مشکوۃ۔ کتاب البیوع۔ باب الکسب وطلب الحلال صفحہ نمبر ۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔ جلد دوم۔

۔ مسلم۔ بحوالہ مشکوۃ۔ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق' صفحہ ۴۴۶ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔ جلد دوم

۔ مسند احمد بن حنبل عن ابی امامۃ الباہلی' جلد ۵ صفحہ ۲۵۱' ۲۵۲' مستدرک حاکم کتاب الایمان جلد اول صفحہ ۱۴' حیدر آباد' مختصر شعب الایمان بیہقی صفحہ ۵۲ مطبعۃ السعادۃ مصر۔

۱۔ آل عمران۔۳۱

۔ النساء۔۶۹

۱۔ یونس۔۶۲۔۶۳

۱۔ یہ دعویٰ کہ قرآن پاک تمام علوم کا سرچشمہ ہے اہل علم کے لیے تفکر اور تدبر کی دعوت ہے۔ بلا شبہ اس میں تاریخ بھی ہے' سیاست بھی' تمدن بھی ہے معاشرت بھی' ثقافت بھی ہے معیشت بھی۔ سائنس بھی ہے علم نباتات بھی۔ علم ہیئت بھی ہے اور ٹیکنالوجی بھی۔ لہٰذا جو قرآن میں تفکر اور تدبر کرے گا ان علوم کی راہیں دریافت کرلے گا۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے خطبات بہاولپور کے خطبہ "نظام تعلیم" میں اس موضوع پر خاصی روشنی ڈالی ہے۔ (مطبوعہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ۱۴۰۱ھ)

۱۔ العلق۔۱

۱۔ مشکوۃ' کتاب العلم' جلد اول صفحہ ۷۳' (محولہ بالا) میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ دو مجلسوں میں سے گزرے جو مسجد میں منعقد ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا :۔

"دونوں مجلسیں بھلائی پر ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسری سے بہتر ہے۔ ان دونوں مجلسوں میں سے

ایک عبادت میں مصروف ہے۔اور اللہ سے دعا کر رہی ہے اور اس کے حضور اپنی خواہش ور غبت کا اظہا
کر رہی ہے۔اگر اللہ نے چاہا تو انہیں عطا کرے اور چاہے تو منع کر دے۔البتہ یہ لوگ جو دین کا علم حاصل
کر رہے ہیں اور جاہلوں کو علم سکھا رہے ہیں۔لہذا یہ لوگ بہتر ہیں اور میں بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں
یہ کہہ کر پھر آپ ﷺ بھی ان میں بیٹھ گئے "۔

۱۶۔ مشکوٰۃ۔ باب العلم میں روایت ہے۔

و عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم "انس
سے روایت کیا ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کا طلب کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت)
فرض ہے"۔(جلد اول ص ۶۸' مطبوعہ لاہور)۔

۱۷۔ مشکوٰۃ' باب العلم' ص ۷۳' (محولہ بالا) پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی حدیث کا ایک حصہ ہے
"انما بعثت معلما"۔

۱۸۔ البقرۃ۔ ۱۶۴

۱۹۔ آل عمران۔ ۱۳۹

۲۰۔ حکمرانوں کے طرز عمل کے لیے ہمارے بہترین رہنما خلفاء راشدین ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد خطبہ اول کے یہ الفاظ کہ "اگر میں نیک کام کروں
میری مدد کرنا اور اگر غلط کام کروں تو تمہارا فرض ہے کہ تم مجھ کو سیدھے راستے پر قائم کرو" منصب
خلافت کی بہترین تشریح ہیں۔اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ سے بھرے مجمع میں حضرت سلیمان فار
نے جب یہ پوچھا کہ سب کے حصہ میں ایک ایک چادر آئی ہے آپ نے دو چادریں کیسے لے لیں
حضرت عمرؓ نے بلا تردد اسی وقت اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر کی شہادت پیش کر دی کہ دوسری چا
انہوں نے اپنے والد کو دی تھی"۔

یہ ہوتا ہے جوابدہی کا احساس اور قوت برداشت نیز یہ بھی کہ اسلامی ریاست کے ارباب اقتدار کا طرز عم
سرکاری خزانے کے بارے میں کیا ہونا چاہیے۔

۲۱۔ الحشر۔ ۷

۲۲۔ آل عمران۔ ۹۲

۲۳۔ البقرۃ۔ ۲۱۹

۲۴۔ الاسراء۔ ۲۵۔۲۶

۲۵۔ الفاروق۔ علامہ شبلی نعمانی، حصہ دوم۔ ص ۲۵۹، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

۲۶۔ المائدۃ۔ ۵۱

۲۷۔ روزنامہ جنگ کوئٹہ۔ ۱۸ جولائی ۱۹۹۵ء، ص ۳

۲۸۔ الاحزاب۔ ۴۸

۲۹۔ مشکوۃ۔ کتاب الایمان۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ جلد اول ص ۵۷ (محولہ بالا)

۳۰۔ ایضاً۔ ص ۶۰

۳۱۔ یونس۔ ۶۲۔ ۶۳

۳۲۔ اسلام اور اصول تمدن، محمد شہاب الدین ندوی ص ۱۷، مقالہ مطبوعہ در اسلامی تہذیب و ثقافت م عطش درانی، اشاعت اول اپریل ۱۹۸۶ء ناشر شاخ زرین لاہور۔

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

ڈاکٹر عبدالخالق خان' میر پور (آزاد کشمیر)

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بنیاد پر دوسری نظریاتی مملکت کا شرف پاکستان کو حاصل ہے مد طیبہ کی پہلی اسلامی ریاست کے ساتھ اس مملکت خداداد کا تقابلی جائزہ لینے سے یہ نتیجہ اخذ ہو سکے گا کہ ان دونوں م یہ فرق بہت نمایاں ہے کہ وہاں سیرت طیبہ ذکر و عمل کے لیے نمونہ تھی جبکہ یہاں فکر و عمل میں ابہام اور انتشار جاتا تھا زیادہ واضح الفاظ میں ہی کہنا چاہیے کہ یہاں سیرت النبی ﷺ سے مکمل انحراف تھا اسی جرم کی پاداش میں ہو کہ یہ مملکت کمال کی جائے زوال پذیر رہی ہے مدینہ طیبہ کی ریاست بیس سال میں جس کی حدود عرب سے نکل شام اور ایران تک پھیل گئی تھیں حتیٰ کہ یہ تین براعظموں میں محیط ہو گئیں جبکہ ہماری اسلامی ریاست بیس سال بعد دولخت ہو گئی۔ مدینہ طیبہ کی ریاست سیاسی' معاشی اور معاشرتی لحاظ سے مختصر عرصہ میں دنیا کی فقید المثال ریاست بن گئی جبکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان سارے پہلوؤں میں زوال پذیری کی اس حد تک پہنچ گئی کہ اسے کرپشن' دہشت گردی اور عدم استحکام کا نمونہ قرار دیا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ ان ساری خرابیوں کے باوجود امید کی کرن ہمیشہ موجود رہی ہے کہ یہ ریاست کسی وقت پھر سے مستحکم ہو جائے گی چونکہ اصلاح احوال کے لیے بھی ظاہری اور باطنی طور پر جدوجہد بھی ساتھ ساتھ پوری ہے پاکستان کے جملہ عوارض کا واحد اور موثر یقینی حل یہ ہے کہ سیرت طیبہ کو انفرادی اور اجتماعی طور اپنے فکر و عمل کی بنیاد بنایا جائے۔ دور جدید کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھٹکتے اور پھسلتے ہوئے مسافروں کے سیرت طیبہ ہی وہ واحد منبع نور ہے جس سے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ گوشوں میں روشنی حاصل ہو سکے

ہے۔

کلمہ طیبہ پہلی اسلامی ریاست (مدینہ طیبہ) اور دوسری اسلامی ریاست (پاکستان) میں قدر مشترک ہے۔ یہ آزادی' مساوات اور انسانی اقدار کا سب سے بڑا اور واحد محافظ ہے۔ علامہ اقبال الاجتہاد فی الاسلام کے زیر عنوان رقمطراز ہیں۔ "گویا اس کی حیثیت ایک اصول عمل توحید اساس ہے۔ حریت' مساوات اور حفظ نوع انسانی کی"۔(۱)

صلوۃ اسلامی معاشرہ میں وحدت' مساوات اور استحکام ادارہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ سیرت طیبہ میں اقامت الصلوۃ کا انفرادی (نفلی نماز) اور اجتماعی (باجماعت فرض نماز) لحاظ سے نمونہ ہمارے سامنے ہے ذات الہیہ کا تصور اور حقیقت دعا کے زیر عنوان علامہ کے الفاظ نماز کے بارے میں ملاحظہ ہوں۔

"حاصل کلام یہ کہ اسلام میں صلوۃ باجماعت حصول معرفت ہی کا سرچشمہ نہیں' اس کی قدر و قیمت کچھ اس سے بھی بڑھ کر ہے' صلوۃ باجماعت سے اس تمنا کا اظہار بھی مقصود ہے۔ کہ ہم ان سب امتیازات کو مٹاتے ہوئے جو انسان اور انسان کے درمیان قائم ہیں اپنی اس معرفت کی ترجمانی جو گویا ہماری خلقت میں ہی داخل ہے' اسی طرح کریں کہ ہماری عملی زندگی میں اس کا اظہار سچ مچ ایک حقیقت کے طور پر ہونے لگے"۔(۲)

پاکستان میں استحکام کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس معاملہ پر خیال آرائی اس پس منظر میں کی جانی چاہیے کہ پاکستان میں استحکام کیوں نہیں ہو سکا۔ معاملہ کے اس پہلو کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی رقمطراز ہیں۔

"۱۹۴۷ء میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست وجود میں آئی اور ۱۹۷۱ء میں اس کا ایک بہت بڑا حصہ (مشرقی پاکستان) ختم ہو گیا اور دوسرے حصے (مغربی پاکستان) کی بقاء کے لیے شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے پاکستان کا مطالبہ اسلام کے لیے کیا گیا تھا اور اسلام ہی سے انحراف نے پاکستان کو تباہ کیا ہے جب انسانوں پر مصیبت آتی ہے تو ان میں رجوع الی اللہ کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور اصلاح احوال کا تقاضا پیدا ہوتا ہے مگر جب قومیں اصلاح ناپذیری کی حد کو پہنچ گئی ہوں' کوئی اور کوئی مصیبت راہ راست پر نہیں ہو سکتی"۔(۳)

اعلائے کلمۃ اللہ کے باوجود بے یقینی کی وجہ سے اس کلمہ کی برکات واضح نہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں "لیکن مسلم پارٹی کے گوشہ حیات پر بے یقینی چھائی ہوئی ہے اور عملی زندگی کا رخ یہ بتا رہا ہے کہ کلمہ شہادت کا وظیفہ پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کی ایک طاقت' ایک کے ایک نظام اور ایک قانون کو تسلیم نہیں کرتے کیا اس میں عوام کا قصور ہے؟ غلط اور یکسر غلط۔ اس کے سامنے غور و فکر کا جو طریقہ رکھا گیا تھا وہی ایسا تھا جو آنکھوں کے سامنے گذرنے والے واقعات سے ٹکراتے یعنی غلبۂ حق کی توقع لکھی جاتی ہے اور غلبۂ باطل کا مشاہدہ ہو رہا ہے یوں علم و عمل دونوں میں تضاد پیدا ہو گیا ہے"۔(۴)

مسلمانان عالم اور خصوصاً عالم اسلام کے قلعہ کی حیثیت سے اہل پاکستان کو اپنے استحکام کی خاطر علامہ

مشرقی جیسے نابغہ روزگار کے نقطہ نظر کو سمجھنا چاہیے۔ جو آپ نے سیرت طیبہ کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ علامہ نے مسلمانوں کی کسمپرسی اور زوال پذیری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا "اس بناء پر کہ آج رسول ﷺ موجود نہیں۔ اور قرآن پر سچا ہونے کا یقین رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا ہے اور مسلمان قرآن پر عمل کرنے سے روز بروز گریز کرتے گئے ہیں۔ بلکہ پہلا زور نہ ہونے کے باعث بھی کمزور ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کی حالت کا وہ ہو جانا جو آج کل ہے۔ لازمی اور طبعی ہے۔ اور کارخانہ فطرت کے قانون کے مطابق ایسی جماعت کا ایک نہ ایک دن زمانہ کے ہاتھ سے مٹ جانا یا نہ ہونے کے برابر ہو جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔(۵)

خاندان اسلامی معاشرہ کی بنیادی اکائی ہے سیرت طیبہ میں مضبوط خاندانی نظم کا نمونہ موجود ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے اس پہلوؤں کا جائزہ پیش کرتے ہوئے علامہ مشرقی لکھتے ہیں "اس تفریح کے بعد جو ناقابل رد ہے رسول خدا کی اوپر کی خانگی تصویر کا مطالعہ اس بھان متی کا کنبہ جوڑنے سے رسول کا مدعا اہم لوگوں اور مقتدر قبائل کی حوصلہ افزائیاں اور جان نثار اشخاص پیدا کر کے دین اسلام کی تحریک کو غالب کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔(۶)

سیرت طیبہ کی روشنی میں ہم عائلی زندگی اسلامی خطوط پر استوار کر لیں تو معاشرہ مستحکم ہو سکتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر سیرت طیبہ کو سامنے کر کے اہل پاکستان اپنا کردار متعین کریں تو جہاں افراد میں صالحیت اور صلاحیت پیدا ہو جائے گی وہیں مضبوط قومی کردار بھی واضح ہو جائے گا۔

جناب عبدالقدوس ہاشمی کے یہ الفاظ قابل ذکر ہیں :۔

"اس کے برعکس حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والا کسی جگہ تاریکی کا نشان نہیں پاتا۔ واضح اور چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح واضح ہے آپ ﷺ کا شخصی کردار' رحمت' رافت' شفقت' عیادت' شجاعت عدالت' صداقت' سخاوت' فراست' متانت' ایثار احساس ذمہ داری' عاجزی اور تواضع' صبر توکل' ثبات' دانش مندی وغیرہ وغیرہ سب کی کیفیت اور اس کے عملی نمونے مل جاتے ہیں۔ اور بہت سے مل جاتے ہیں"۔(۷)

انفرادی اور قومی زندگی میں بہترین اوصاف اسی صورت میں پیدا ہو سکتے ہیں جب سیرت طیبہ ہی کو نمونہ تسلیم کیا جائے اور یہ پختہ یقین ہونا چاہیے کہ یہی واحد طریق زندگی ہے۔

پاکستان کا استحکام تب ہی ممکن ہے جب اس کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدیں محفوظ ہوں۔ اس کے لیے سیرت طیبہ سے جو روشنی حاصل ہوتی ہے اسے جہاد سے موسوم کیا گیا ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے :

و جاھدوا فی اللہ حق جھادہ(۸)

"اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے"۔

اور حدیث نبوی ﷺ ہے :

افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر۔(۹)

"سب سے فضیلت والا جہاد جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے"۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے :

لا هجرة بعد الفتح ولکن جهاد و نیة و اذا استنفرتم فانفروا۔(۱۰)

"فتح (مکہ) کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں البتہ جب جمع ہونے کے لیے پکارے جاؤ تو جمع ہو جاؤ اور جہاد کرو"۔

اسلامی نصب العین کے حصول کے لیے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقالہ نگار رقمطراز ہے۔

"جتنا بلند مقصد ہوگا۔ اتنا ہی اس کا حصول بھی دشوار ہوگا جس قدر حصول دشوار ہوگا اتنی ہی سعی بلیغ اور ویسی ہی سر توڑ کوشش بھی درکار ہوگی غرض ہزار جھگڑے سد سکندری کی طرح کھڑے ہو جائیں گے ان سب کو عبور کرنا یا ان سب کو درمیان سے ہٹا دینا گویا مقصود کے حصول کا تقاضا ہوگا یہی جہاد ہے"۔(۱۱)

معاشرہ میں استحکام پیدا کرنے والا ایک اہم عنصر باہم معاشی مساوات بھی ہے اس کی عملی صورت یہ ہے کہ متمول طبقہ اپنی معاشی احتیاجات پوری کرنے کے بعد فاضل دولت اس طبقہ کی جانب لوٹا دے جو حاجت مند ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

یسئلونك ماذا ینفقون قل العفو۔(۱۲)

اس بارے میں سیرت طیبہ سے جو روشنی حاصل ہوتی ہے اس کا اندازہ اس حدیث شریف سے ہوتا ہے۔

من کان عنده فضل ظهر فلیعد به علی من لاظهر له و من کان عنده فضل زاد فلیعد به علی من لا زادله حتی ظننا انه لا حق لا حد منافی الفضل۔(۱۳)

اس کی وضاحت ڈاکٹر طاہر القادری نے یوں کی حضور علیہ السلام نے "لوٹا دینے" کا حکم صادر فرمایا ہے یہ نہیں کہا ہے کہ ضرورت مند کو دے دو۔ اگر الفاظ پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ لوٹایا تو اسی چیز کو کہا جاتا ہے جو پہلے آئی بھی اسی سمت سے ہو.......

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دراصل صحابہ کرام کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ جب معاشرے میں معاشی تفاوت کا عالم یہ ہو کہ بعض کے پاس ضرورتوں سے بہت زیادہ ہو اور بعض کو ضرورتیں بھی میسر نہ ہوں تو اہل ثروت کو یہ جان لینا چاہیے کہ جو کچھ ان کے پاس ضرورتوں سے زائد ہے وہ یقیناً کسی نہ کسی کا حق چھین کر آیا ہے۔...... یہ لوٹا دو اس شخص کو جس کا حق ہے اور یہ چھین کر تمہارے پاس آن پہنچا ہے۔(۱۴)

جب سماج میں دولت مندوں اور محتاجوں کے طبقات معرض وجود میں آتے ہیں اور ان کے مابین خلیج وسیع

ہوتی ہے نفسیاتی طور پر نفرت کدورت بھی پروان چڑھتی ہے جو معاشرے کے عدم استحکام کا بڑا سبب ثابت ہوتی ہے وہ سیرت طیبہ ہے اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اسلامی معاشرہ بھی معاشی طبقات کے مابین احسان اور محبت ختم کرنے کا اہتمام کیا گیا تزکیہ کی شرط کے طور پر۔

معاشی نشو نما ہی کے بارے میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں "تزکیہ کی شرط یہی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد کے لیے دوسروں کی زندگی میں آسانی پیدا کرنے کے لیے مال خرچ کیا جائے اور معاشی نشو نما کی راہ کھولی جائے۔(۱۵)

جب باہم تعاون اور نصرت کے جذبے سے انفاق ہوگا تو معاشرہ مستحکم ہوگا۔

سیرت طیبہ نے اقتصادی استحصال پہ کاری ضرب لگائی ہے یہ دراصل اسلامی معاشرہ ہی کے استحکام کے لیے اہم اقدام ہے۔ معاشی بگاڑ سے اقتصادی تصادم اور کشمکش پیدا ہوتی ہے جو معاشرے کو کھوکھلا کرنے کا سبب ہے انفاق فی سبیل اللہ پر عمل پیرا نہ ہونے کا باعث گردش زر متاثر ہوتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں بے شمار اقتصادی مسائل پیدا ہوتے ہیں اسے روکنے کے لے سیرت طیبہ نے اللہ پاک کی جانب سے یہ وعید سنائی۔

والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقو نها فی سبیل الله فبشر هم بعذاب الیم۔(۱۶)

"جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے خدا کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ﷺ انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے"۔

اس بارے میں آپ ﷺ نے یہ اصول مقرر کر دیا کہ دولت صرف امراء کے درمیان ہی نہ گھومتی رہے چونکہ معاشرے کے محروم اور محتاج طبقات اس کے مستحق ہیں کہ انہیں بھی حصہ ملتا رہے۔

کی لا یکون دولة بین الاغنیاءٔ منکم۔(۱۷)

و فی اموالهم حق للسائل و المحروم۔(۱۸)

(ان کے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے)

پاکستان میں معاشی استحکام کی خاطر سیرت طیبہ کی روشنی میں گردش زر کا اہتمام کیا جائے تو وہ تمام خرابیاں دور ہو سکتی ہیں جنہوں نے ہمارے معاشرے کو معاشی مسائل سے گرداب میں پھنسا دیا ہے۔

پاکستان کی تعمیر و ترقی اور استحکام کے لیے فرقہ واریت ایک بڑا چیلنج ہے۔ فرقہ واریت پر تحقیق و تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر لیاقت علی خان رقمطراز ہیں۔ "فرقہ واریت کی آگ نے تمام امت مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ پاکستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں فرقہ واریت کوئی معمولی مسئلہ نہیں۔ یہ فتنوں کی جڑ ہے خانہ جنگی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور نفرتوں کی خلیجیں حائل ہوتی ہیں اس سے اقتصادی حالت بھی تباہ ہو جاتی ہے اور اسلامی ریاست کی

جڑیں بھی کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ علما کی تکفیر' علما کا قتل' اسلحہ کا استعمال' عبادت گاہوں میں تشدد اسلام کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اس سے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہوتا ہے فتویٰ گری اور تکفیر کے خنجر سے اتحاد پارہ پارہ ہوتا ہے"۔(۱۹)

کتاب و سنت میں اتحاد کی تلقین کی گئی ہے اور افتراق سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں مرقوم ہے "الغرض احکام شرع میں گو جزوی اختلاف ہو لیکن اصولی طور پر دین ایک ہی ہے اور توحید باری تعالیٰ ہے۔ جماعت بندی کے ساتھ اتفاق سے رہو' اختلاف اور پھوٹ نہ کرو"۔(۲۰)

دور رسالت اس لحاظ سے بہترین دور ہے کہ اس میں تفرقہ بازی نہ تھی شجاعت ترمذی لکھتے ہیں۔

"عہد نبوت میں اختلافی مسائل نہ تھے' حضور ﷺ خود شارح تھے"۔(۲۱)

قرآن و حدیث کی روشنی میں پاکستان سے ایک مہم چلا کر فرقہ واریت کے عفریت کا مقابلہ کیا جائے تو عدم استحکام کا ہو سکتا ہے۔

پاکستان کے استحکام کے لیے فرقہ واریت ایک بڑا چیلنج ہے۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے میثاق مدینہ کی طرز پر فرقوں کے مابین اخوت کے معاہدے کروائے جانے چاہئیں۔ غریب الوطن مہاجرین اور انصار کے مابین معاہدے کے بارے میں اور دائرہ معارف اسلام میں تحریر ہے "مکہ مکرمہ کے غریب الوطن مہاجر نہایت بے سرو سامانی کی حالت میں مدینہ منورہ سے آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے مہاجرین و انصار میں باہمی ہمدردی اور غم خواری اور ایک دوسرے کی امداد و اعانت کے لیے بھائی چارے اور مواخات کا ایک معاہدہ کرا دیا"۔(۲۲)

ہمارے یہاں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ عبادات اور فعال صالح بے روح اور بے اثر ہو گئے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کا نظام جسے تصوف سے موسوم کیا گیا ہے اس کے بارے میں مختلف آراء ہیں اس طرح یہ متنازعہ بن کر رہ گیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کو نقطہ عمال تک پہنچانے والا ہی نظام ہے اس بارے میں جناب ڈاکٹر طاہر القادری کے یہ الفاظ قابل ذکر ہیں "تصوف انسان کو فنا فی اللہ کی اس منزل سے ہمکنار کر دینے کا نام ہے غور کیا جائے تو تصوف حقیقت انسانی حول سے جوہر انسانیت کی تکمیل اور امتیاز انسانیت کا نقطہ کمال ہے۔(۲۳)

استحکام پاکستان کی خاطر اس کے باشندگان کی سیرت سازی تصفیہ اور تزکیہ کے اس منہاج کے مطابق کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کا نمونہ سیرت طیبہ سے ملتا ہے۔ اسلامی ملک کی حیثیت سے پاکستان اسی صورت میں مستحکم ہوگا جب اس کے باشندگان قرآن پاک کو بطور آئین اپنے اجسام پہ نافذ کر دیں۔ اور وہ اس تزکیہ' تعلیم اور حکمت سے آراستہ ہو جائیں۔ جو سیرت طیبہ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اور نور کا اب منارہ ہیں جو تا قیامت انسانیت کو

منور کرنے کا دائمی اہتمام قدرت کاملہ نے کر رکھا ہے۔ تلاوت آیات کی تزکیہ پر تقدیم کی حکمت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر طاہر القادری رقمطراز ہیں۔ "تلاوت آیات کو تزکیہ نفس پر اس لیے مقدم رکھا گیا ہے کہ ان کے ذریعے انہیں اپنی اصلاح و تزکیہ کی تحریک و تشویق لاحق ہو چکے تو اس کے بعد نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تزکیہ نفوس میں مصروف ہو جائے۔ (۲۴)

تزکیہ نفوس کے لیے سیرت طیبہ میں جو تعلیم دی گئی ہے اس سے استفادہ کر کے رذائل اخلاق کا سدباب کیا جا سکتا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان میں اس روحانی نظام کا اہتمام کیا جائے جس سے نفوس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اس سے پاکستان میں صالح افراد پہ مشتمل سماج تشکیل پذیر ہوگا جو مملکت کے استحکام کی ضمانت مہیا کرے گا۔

برصغیر میں اشاعت اسلام کا سہرا صوفیائے کرام کے سر ہے اب بھی اس خطہ کے مسلمانوں کے اجتماعی شعور پر تصوف کی چھاپ ہے۔ البتہ اس میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ اسلامی تصوف میں منفی رجحانات کی آمیزش بھی ہو گی اس لیے تصوف متنازعہ فیہ بن گیا ضرورت اس امر کی ہے کہ علمی سطح پر تصوف کو اصل حالت میں پیش کیا جائے صوفیائے کرام کی سیرتیں سامنے رکھی جائیں اور سیرت طیبہ سے استفادہ کرتے ہوئے تعلیم کے ساتھ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا انتظام و انصرام ہونا چاہیے۔ اس بارے میں امام غزالی کا نقطہ نظر بھی سمجھنا چاہیے۔ "مجھے محسوس ہوا کہ انہی (صوفیائے کرام) کی سیرت خوب تر ہے انہی کا راستہ دوسرے راستوں کی نسبت زیادہ سیدھا ہے اور انہی کے اخلاق زیادہ پاکیزہ ہیں۔ بلکہ اگر تمام عقلاء کی عقلیں اور سب حکماء کی دانائیاں اور علماء کی شریعت اور واقفان دین کے علوم اکٹھا کیے جائیں تب بھی لاحق نہ ہوں کہ ان کے اخلاق و سیرت کے مقابلے میں کسی اخلاق و سیرت کو پیش کر سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی تمام حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے مستنیر ہیں اور نور نبوت کے علاوہ روئے زمین پر کوئی نور ہے ہی نہیں جس سے روشنی حاصل ہو سکے"۔ (۲۵)

اگر ہمیں پاکستان کو مستحکم کرانا ہے کہ اعلیٰ سطح پر صوفیائے کرام کے حوالے سے سیرتیں پیش نظر رکھنا ہوں گی۔ یہ روشنی کی وہ کرنیں ہیں جن کا منبع و مرکز سیرت طیبہ بھی ہے۔

استحکام پاکستان کی خاطر ہمیں اپنے تعلیمی نظام پہ بھی توجہ کرنی ہوگی جہاں نصاب تعلیم اور انداز تعلیم کی اصلاح ضروری ہے وہاں خود معلمین کے چناؤ میں بھی احتیاط درکار ہے اس بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ علم یہ دیکھ کر سیکھو کہ کس سے سیکھ رہے ہو یعنی تمہارا معلم بلحاظ قابلیت اور بلحاظ کردار قابل اعتماد ہے؟ (۲۶)

اس سلسلے میں جناب نعیم صدیقی کا یہ خیال محل نظر ہے۔ "ایک اسلامی ریاست کے لیے یہ لازم آتا ہے کہ وہ معلموں کے انتخاب میں بڑی چھان بین سے کام لے اور نہ صرف ان کی سندات اور علمی قابلیت کا جائزہ لے بلکہ

لحاظ کردار ان کے خاندانی پس منظر اور تعلیمی دور کے ریکارڈ کو بھی زیر غور لائے۔ جن لوگوں کو نئی نسل کے خیالات اور کردار کی تعمیر و تشکیل کا نازک ترین فریضہ سونپا جارہا ہے ان کے متعلق دوسری ملازمتوں کے امیدواروں سے زیادہ چھان بین ہونی چاہیے"۔(۲۷)

پاکستان جو نظام عالم اسلام کا قلعہ ہے اس کے معماران کا کردار اگر صاف ستھرا اور مستحکم ہو تو بالیقین قلعہ بھی مستحکم ہو گا۔ اسلامی معاشرہ اسی صورت میں مستحکم ہو سکتا ہے جب اس کا فکر و عمل ٹھوس بنیاد پر قائم ہو اور ٹھوس بنیاد اطاعت الٰہی اور اتباع نبی علیہ السلام ہی ہے۔ حدیث شریف ہے۔

فمن اطاع محمدا فقد اطاع الله و من عصی محمدا فقد عصی الله۔ محمد فرق بین الناس۔(۲۸)

"جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بے شک اسی نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور ذات محمدی ﷺ لوگوں کے درمیان فرق و امتیاز پیدا کرنے والی ہے"۔

ڈاکٹر طاہر القادری کے الفاظ قابل حوالہ ہیں......"اسوہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نمونہ کا پیکر اتم ہے اسی کی اتباع فلاح نجات کی بھی باعث اور حصول نصب العین کی ضمانت بھی ہے......"اس دور میں قرآن و سنت کی تعلیمات کو زیادہ مؤثر اور مشخص صورت میں پھیلانے کے لیے اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ امت محمدیہ کے عام افراد کی سیرتوں کو کمال اتباع رسول اللہ ﷺ کے باعث خود "نمونہ کمال" قرار دے دیا جائے تاکہ تبلیغ حق کا منصوبہ منشاء ایزدی کے عین مطابق بہ تمام و کمال ہمیشہ کے لیے جاری رہ سکے"۔(۲۹)

آج ہمیں اپنے ملک کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کی غرض سے بدعت اور "جدت" کی منحنی پگڈنڈیوں اور بند گلیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کی بجائے سنت مبارکہ کو اختیار کر کے صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی ضرورت ہے تاکہ ہماری سیرتیں بھی اچھی ہو سکیں اور ملت بھی مستحکم ہو سکے۔

استحکام پاکستان اسی صورت میں یقینی ہو سکتا ہے کہ لوگ صفات نبوی ﷺ سے آشنا بھی ہوں اور وہی صفات اعماق جان بھی بنانے کے لیے کوشاں رہیں سید عبدالکریم جیلیؒ نے صفات نبوی ﷺ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔"میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو افراد بنی آدم میں سے ایک فرد ہیں۔ اس کے بندے اور اس کے بزرگ و بلند قدر نبی اور رسول ہیں...... سبع مثانی (سورۃ فاتحہ) کا صاحب 'کنجیوں اور (عذاب نعم) کی جوڑہ جوڑ آیات کا مالک 'کمال کا مظہر' جمال و جلال کا مقتضا' یہ سب اسی مکرم و معظم رسول ﷺ کے القاب ہیں"۔(۳۰)

آسمان رشد و ہدایت پر نبی پاک ﷺ جن اوصاف حمیدہ کے سورج کے مانند کرنیں زمان و مکان کے طول و عرض میں بکھیر رہے ہیں۔ اہل پاکستان آنکھیں کھول کر ان کی جانب متوجہ ہوں تو یہ ان کے لیے روز روشن ہوگا۔ محمد حسین ھیکل رقمطراز ہیں۔

"The life of Muhammad provides us with the best example of personality communication with being as well as the best material for a Scientific study of this relationship."

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی حقیقت و عظمت کا اعتراف جب ساری انسانیت کرتی ہے تو کتنی بد بختی ہے کہ خود مسلمان عملی طور پر اس سیرت پاک ﷺ کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھالنے میں کوتاہی کر رہے ہیں۔

پاکستان میں ایک ہمہ گیر مہم چلا کر نسلی مسلمانوں کے اندر یہ احساس جاگزیں کیا جائے کہ اپنے سامنے ماڈل اور آئیڈیل سیرت طیبہ رکھیں تو اس طرح مضبوط کردار کے حامل مسلمان اس مملکت کو نظریاتی اور عملی طور پر مستحکم کر سکیں گے۔

ہمارے یہاں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کم ظرف' نااہل اور صلاحیت سے عاری افراد اقتدار کے ایوانوں پر براجمان ہو جاتے ہیں۔ الناس علی دین ملوکھم' کے مصداق رعایا پر بھی انہی کا رنگ چڑھتا رہتا ہے چنانچہ' ہر سطح پر اسی قسم کے افراد راستہ بلاک کر کے نظم و نسق پر قابض ہو جاتے ہیں۔ اگر ہمارے سامنے سیرت طیبہ کا نمونہ رہے تو لازماً بلند کردار' افراد ہی ایڈمنسٹریشن کی ہر سطح پر آگے آتے رہیں گے۔ سیرت طیبہ کی اس غیر معمولی حیثیت کا اعتراف کرتے ہوئے باسور تھ سمتھ لکھتے ہیں۔

"Head of the state as well as church he was caeser and pope in one, but he was pope with out the pope's pretesions and caesar with out the legions of caesor, with out the a standing army, without a body-guard with out a fixed revenue if ever man had the right to rule by a right Divine it was Muhammad for he had all the power with out its instruments and with out it's support."(۳۲)

ہمارے یہاں ایک نفسیاتی عارضہ یہ بھی ہے کہ اہل مغرب کی کہی ہوئی بات کو اہمیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ سیرت طیبہ کو بھی مغربی مفکرین کے حوالے سامنے رکھیں اور اس حقیقت کا احساس کریں کہ وہ شخصیت کتنی عظیم ہے جسے غیر مسلم بھی تسلیم کرتے ہیں اس احساس کا اثر یہ پڑے گا کہ ہم اتباع نبی ﷺ کی جانب مائل ہوں گے یوں سیرتیں بھی اچھی ہوں گی اور مضبوط کردار کے حامل افراد یقیناً اس مملکت کو بھی مضبوط بنا سکیں گے اور مستحکم بھی۔

دین اسلام کی اصلیت برقرار رہنے کے لیے جناب محمد منظور نعمانی نے رجائیت آمیز بات کہی ہے۔ "دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اسی ارشاد (حدیث تجدید) سے امت کو یہ اطمینان دلانا ہے کہ یہ دین کبھی محرف نہیں ہو سکے گا اور نہ مرور زمانہ سے بوسیدہ ہو گا"۔ (۴۳)

پاکستان عالم اسلام کا قلعہ کے طور پر تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اور یہ بھی اطمینان بخش ہے کہ خلافت علی منہاج نبوۃ کا نظریہ اذہان اور قلوب میں موجود ہے لیکن دیگر مسائل اور نظریات کے گرد و غبار کی تہیں اس پر موجود ہیں حقیقت ہے کہ خلافت کا اطلاق اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب دینی اور دنیوی معاملات کا مرکز ایک ہی ہو اور وہ برت طیبہ ہو۔ سلطنت کے زیر عنوان اردو دائرہ معارف اسلام کا مقالہ نگار رقمطراز ہے۔ "اب عالم اسلامی میں ختلف رنگوں اور ریاستوں کے باوجود 'ایک عالمگیر اسلامی سیکرٹریٹ یا (شوریٰ) کا رجحان پیدا ہو چلا ہے اور سید جمال لدین افغانی اور اقبال کے تصور اتحاد اسلام کی تکمیل کی طرف کی صورت میں سب اسلامی ریاستیں اگر ایک نظام باتی میں آجائیں تو بھی ان پر خلافت کا اطلاق اس وقت تک نہ ہو سکے گا۔ جب تک ان کا مرکزی اور دنیوی دونوں م تجدید واحیائے دین کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی میں امید کی واضح کرن موجود ہے کہ آخری مانہ میں "پھر وہی خلافت بطریق نبوت ہو گی جو لوگوں کے درمیان نبی کی سنت کے مطابق عمل کرے گی اور اسلام مین میں پاؤں جمائے گا۔ اس حکومت سے آسمان والے بھی خوش ہوں گے اور زمین والے بھی۔ اور آسمان دل کھول ربارش کرے گا اور زمین اپنے پیٹ کے سارے خزانے اگل دے گی اس حدیث شریف کے حوالے سے مولانا ودودیؒ کے یہ الفاظ قابل غور اور رجائیت سے لبریز ہیں "اس میں تاریخ کے پانچ مرحلوں کی طرف ارشاد کیا گیا ہے ن میں سے تین گزر چکے ہیں اور چوتھا اب گذر رہا ہے۔ آخری پانچویں مرحلہ کی پیش گوئی کی گئی ہے تمام قرائن بتا ہے ہیں کہ انسانی تاریخ تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہی ہے انسانی ساخت کے سارے "ازم" آزمائے جا چکے ہیں اور بری طرح ناکام ہوئے ہیں آدمی کے لیے اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ تھک ہار کر اسلام کی طرف جوع کرے"۔ (۴۴)

پاکستان میں تحقیقی اور تحریکی لحاظ سے اتنا جامع کام ہو چکا ہے۔ کہ امید کی جا سکتی ہے کہ اسلام کی تاریخ کا انچواں اور تابناک دور اسی خطہ سے نمودار ہو گا۔ یہ پاکستان اور خود اسلام کے استحکام کا دور ہو گا جو شاید عنقریب شروع ہوا چاہتا ہے۔ یہ مثالی صورت بھی بے شمار ریاستی تمدنی تجربوں سے گزرنے کے بعد ممکن ہو سکے گی"۔ (۴۵)

استحکام پاکستان کے پیش نظر سیرت طیبہ سے استفادہ کرتے ہوئے جملہ مسائل کا حل قرآن و حدیث کی روشنی میں تلاش کیا جائے تو اس عظیم عالمی اسلامی ریاست کی بنیاد نہایت مستحکم ہو گی۔

جناب جسٹس پیر کرم شاہ رقمطراز ہیں "نبی رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام جو دین فطرت ہے

کے پرچم کے نیچے جس فلاحی معاشرہ کا سنگ بنیاد رکھا حضور ﷺ نے اس نظام کو صدق دل سے قبول کرنے والوں اور اس پر عمل پیرا ہونے، عزم محکم رکھنے والوں کو دونوں جہانوں میں کامیاب اور کامران ہونے کی ضمانت دی"۔(۳۶)

ماحصل کے طور پر یہ کہنا مناسب ہے کہ مملکت خداداد پاکستان میں نصف صدی تک عدم استحکام کا سبب قرآن وسنت سے انحراف ہے اور اب استحکام پاکستان کی واحد صورت یہ ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم انفرادی اور اجتماعی طور پر حرز جاں بنائی جائے۔

مراجع

۱۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ: علامہ اقبال، بزم اقبال لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۳۸

۲۔ ایضاً ص ۱۴۱

۳۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۹ء ص ۲۰۳

۴۔ ایضاً ص ۳۰۹

۵۔ ایضاً ص ۳۱۲

۶۔ تکملہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم: علامہ عنایت اللہ خان المشرقی، ریاض پرنٹنگ پریس لاہور ۱۳۸۰ھ ص ۴

۷۔ ایضاً ص ۲۶

۸۔ الحج: ۷۸

۹۔ ترمذی، ابوداؤد

۱۰۔ صحیح بخاری، وجوب النفیر

۱۱۔ نقوش سیرت ﷺ نمبر: محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو ۱۹۸۳ء ص ۲۹۸

۱۲۔ البقرۃ: ۲۱۹

۱۳۔ ابوداؤد

۱۴۔ اسلامی فلسفہ زندگی: پروفیسر طاہر القادری، مرکزی ادارہ منہاج القرآن لاہور ۱۹۸۵ء ص ۲۱۸۔۲۱۹

۱۵۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل محولہ بالا ص ۲۷۷

التوبہ: ۲۰

الحشر: ۷

الذاریات: ۱۹

روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی' ۱۴ اپریل ۱۹۹۷ء (فرقہ واریت کا سدباب ممکن ہے) کے زیر عنوان مضمون میں قرآن وحدیث کے حوالے سے فرقہ واریت کا تحقیقی تجزیہ کیا گیا ہے)

تفسیر ابن کثیر' اردو ایڈیشن' مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ج ۵' ص ۱۹۔۱۸

فرقہ واریت ایک تجزیہ: شجاعت ترمذی عارفی' دائرۃ الفکر لاہور ۱۹۹۲ء ص ۲۷

اردو دائرہ معارف اسلامیہ: دانش گاہ پنجاب' ج ۲۰' ۱۹۸۴ء ص ۲۳۲

حقیقت تصوف: پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری' منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۳ء ص ۱۰۰

اسلامی فلسفہ زندگی: پروفیسر طاہر القادری' مرکزی ادارہ منہاج القرآن لاہور ۱۹۸۵ء' ص ۱۰۶

سرگذشت غزالی: ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور' ۱۹۶۹ء' ص ۸۔۹

مشکوۃ: باب الاستعاذہ روایت زیدؓ ابن ارقم وابو ھریرہؓ

رسول اللہ ﷺ بحیثیت معلم: نعیم صدیقی' ادارہ تعلیمی تحقیق' تنظیم اساتذہ پاکستان ۱۹۸۷ء ص ۲۵

الصحیح بخاری' ترمذی

اسلامی فلسفہ زندگی محولہ بالا ص ۱۹۴

انسان کامل: حضرت سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی' نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۰ء ص ۲۰۔۲۱

The life of Muhammad : Muhammad Husayn Haykal North American Trust Publications U.S.A. 1976, P.ivi

Muhammad and Muhammedanism: Bosworth smith, London 1876, P-341

تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ: محمد منظور نعمانی' مکتبہ سراجیہ خانقاہ احمد سعدیہ' ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ۱۹۷۷ء' ص ۲۰

تجدید واحیائے دین: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ' اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۴۴ء' ص ۵۱

اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور: دانش گاہ پنجاب ج ۱۱' ۱۹۷۵ء ص ۱۸۱

مقالات سیرت ۱۹۹۲ء شعبہ تحقیق ومراجع وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان ص ۲۴۔

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

پروفیسر ایم نذیر تشنہ، بھمبر آزاد کشمیر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں بقائے امم اور حیات انس۔ جن کے لیے تمام پہلوؤں کی رہنم
موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلان نبوت کے بعد کی تئیس سالہ زندگی میں تیرہ سالہ مکی دور میں عیسیٰ
اور یعقوب علیہ السلام کی زندگیوں کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اور بعد کے دس سالہ مدنی دور موسیٰ، داؤدؑ اور سلیمان
السلام کی صفات لیے ہوئے ہیں۔ "حکومت الٰہی و استخلاف فی الارض نبوت کے ضروری لوازم نہیں لیکن
دعوت الٰہی سیاستِ ملکی کی دیواروں سے آکر ٹکراتی ہے یا اصلاحات کا دامن ملک کی بدامنی وانتشار حال کے کانٹوں
الجھ جاتا ہے تو پیغمبر ابراہیمؑ اور موسیٰ کے قالب میں آگے بڑھتا ہے اور قوم وملک کو نمارو وفراعنہ کی غلامی سے آزا
دلاتا ہے پیغمبروں میں عیسیٰ اور یحییٰ بھی گزرے ہیں جن کو حکومت کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا اور موسیٰ وداؤدؑ وسلیم
بھی جو قوموں اور ملکوں کی قسمت کے مالک تھے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیسیٰ ویحییٰ بھی تھے اور موس
داؤدؑ بھی۔ (۱)

مدنی دور میں خلافت الٰہی کے قیام کی بنیاد ہجرت یثرب سے پڑتی ہے اور تکمیل فتح مکہ (۸ھ) سے ہو
ہے۔ اس طرح خلاف الٰہی کے قیام کی جدوجہد آٹھ سالوں پر محیط ہے اور خلاف الٰہی کی تاسیس اور آپ صلی اللہ
وسلم کے وصال کا درمیانی عرصہ قریباً دو سال بنتا ہے۔ اسی عرصے میں خلافت الٰہی کو اللہ کے حکم کے مطابق مضب
بنیادوں پر استوار کیا گیا۔

---

(۱) مولانا شبلی نعمانیؒ و مولانا سید سلیمان ندویؒ سیرۃ النبیؐ جلد دوم ص ۵۸ مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور ۱۹۷۵ء

...سوہ ریاستی

...مدنی دور میں پہلی خلافت الٰہی کا قیام عمل میں آیا۔ ہجرت یثرب سے فتح مکہ تک آٹھ سالہ دور میں قرارداد
...ور سے قیام پاکستان کا عرصہ بھی آٹھ سال بنتا ہے۔ ۱۳۶۵ھ رمضان المبارک کی ستائیسویں کو ایک اسلامی
...لت دنیا کے نقشے میں ایک نئے نام سے معرض وجود میں آئی۔ اس طرح "ان ہتوں کو نسبت ہے کعبے سے دور کی"
...لت خداداد پاکستان کی پہلی اسلامی خلافت الٰہی سے ایک نسبت بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقالے میں مدینہ کی
...فت الٰہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے ایسی مثالیں تلاش کی گئی ہیں جن کی روشنی میں اسلامی
...ست کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم ہو سکیں اور پاکستان کو استحکام نصیب ہو۔

بیعت عقبہ ثانی کے بعد مشرکین مکہ کے ظلم و ستم اور ایذا رسانی میں شدت آگئی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ
...لم نے مسلمانوں کو ہجرت کی باقاعدہ اجازت دے دی' چنانچہ مسلمان ایک ایک دو دو کر کے خفیہ طور پر مدینے کی
...رف ہجرت کرنے لگے۔ واقعہ ہجرت ماہ صفر ۱۳ نبوی ﷺ کو تاریخ اسلام میں ایک تاریخ ساز انقلاب کا نقطہ آغاز
...سمجھا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے مدینے پہنچ کر بتا دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب مدینے پہنچنے والے ہیں۔ اس
...ے تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا اور ان کا اشتیاق دیدنی تھا۔ معصوم بچے اور بچیاں بڑے فخر اور محبت سے کہتی پھرتی
...یں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں۔ لوگ ہر روز صبح سویرے شہر کے باہر جمع ہوتے
...مدینے سے آنے والی شاہراہ پر نظریں جمائے رہتے۔ آخر ان کے انتظار کی گھڑیاں پوری ہوئیں اور ۸ ربیع الاول
...انبوت (ابتدا سن ہجری ۱ھ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ قبا میں پہنچا۔ تین روز کے بعد حضرت علیؓ بھی پہنچ
...ے۔ قبا میں آپ ﷺ نے چودہ روز قیام فرمایا اور یہاں آپ ﷺ نے دنیائے اسلام کی پہلی مسجد یادگار ہجرت مسجد قبا
...سجد تقویٰ کی بنا رکھی۔

جمعہ کے روز قبا سے یثرب کی طرف کوچ فرمایا اور محلہ بنو سالم میں پہنچ کر جمعہ کی نماز ادا کی۔ یہ اسلام میں
...لی باجماعت نماز جمعہ تھی۔ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کارواں جنوبی جانب سے یثرب میں
...خل ہوا۔ یثرب کی خواتین نے مکانوں کی چھتوں پر زمزمہ مسرت و توصیف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "خوش
...مدید" کہا۔ آپ ﷺ کے یثرب میں قدم رنجہ ہونے سے یثرب کا نام مدینۃ النبی ﷺ پڑ گیا۔

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا — ما دعیٰ للہ داع
ایھا المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع

ہجرت کا مقصد ایک نئے اور محفوظ دفائی مرکز کی تلاش تھی جہاں قریش مکہ دین حق کی راہ میں کسی قسم کی مداخلت اور رکاوٹ کا باعث نہ بن سکیں، نخل اسلام آزادی سے پھل پھول سکے اور مسلمان آزادی سے مذہبی فرائض ادا کر سکیں۔ چنانچہ ہجرت کے بعد مسلمان ایک انفرادی قوم کی حیثیت سے ابھرے اور انہیں ایک سازگار ماحول نصیب ہوا۔ ہجرت سے قبل مسلمان مکہ میں انتہائی بے کسی اور مظلومی کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن ہجرت نے انہیں امن و آشتی اور خلوص و محبت کی ایک نئی زندگی بخشی۔

ہجرت نے وطن پرستی کے بت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ مہاجرین نے ہجرت کر کے ثابت کر دیا کہ قومیں اوطان سے نہیں بلکہ نظریات سے بنتی ہیں۔ انصار نے مہاجرین کو اپنی زندگی میں برابر کی حیثیت سے شامل کر کے یہ بتا دیا کہ ان کے سامنے مادی فوائد بے حقیقت اور دنیاوی اقتدار لایعنی ہیں اور ان کے لیے عزیز ترین متاع زیست ان کا دین ہے۔ اس باہمی مواخات اور جذبہ ایثار و قربانی سے ایک آزاد اسلامی ریاست قائم ہوئی اور چند سالوں میں ترقی کی منازل کو چھونے لگی۔ تھوڑے ہی عرصے میں اسلام نہ صرف عرب کے کونے کونے میں پہنچ گیا بلکہ اس کے عروج کا زمزمہ ایران و روم کے ایوانوں میں بھی سنائی دینے لگا۔

مدینہ منورہ میں قحطانی قبائل اوس اور خزرج کے علاوہ یہود بھی آباد تھے۔ یہود اپنی دولت و ثروت اور اتحاد و اتفاق کی وجہ سے بڑے زور آور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مدتوں سے انصار کو دباتے چلے آ رہے تھے۔ انصار اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح ان کے اقتدار سے چھٹکارا حاصل کریں۔ اس طرح یثرب کی فضا میں ایک کشیدگی موجود تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پہنچ کر ہجرت کے پہلے سال ہی یہ ضروری خیال فرمایا کہ مدینہ کی جملہ اقوام کو نظم و ضبط میں منسلک کر کے ایک شہری مملکت کی بنیاد رکھی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاسی بصیرت اور حکمت و تدبر سے کام لیتے ہوئے مہاجرین، انصار اور یہود کے مابین ایک تحریری معاہدہ بین الاقوامی اصولوں پر طے کیا تاکہ نسل و مذہب کے اختلاف کو نظر انداز کر کے ملکی وحدت تشکیل پائے اور اس میں سب کو تہذیب و تمدن فروغ دینے میں ایک دوسرے کا تعاون حاصل ہو۔ یہ صحیفہ مدینہ یا میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدے کے دو حصے تھے۔ پہلے حصے کا تعلق مہاجرین، انصار اور دیگر حامی قبائل سے تھا اور دوسرا حصہ یہود مدینہ سے متعلق تھا۔

میثاق مدینہ تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ کیونکہ اس سے پہلی بار عرب میں اجتماعی زندگی کی داغ بیل پڑی اور حق و انصاف کے لیے قبائلی خانہ جنگیوں کی بجائے ایک امیر کی طرف رجوع کرنے کا شعور پیدا ہوا۔ دفاعی لحاظ سے بھی مدینہ اور نواح کی پوری آبادی ایک متحدہ طاقت بن گئی۔ اس طرح یہود و دیگر قبائل پر قریش کی حمایت کے دروازے بند ہو گئے۔

مدینہ میں اسلام دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔ اسلام کی ترقی قریش کے لیے سوہان روح بن گئی۔ قریش کو مسلمانوں سے عداوت تو تھی ہی لیکن اب مدینہ کی مضبوط ریاست معرض وجود میں آنے سے شام کی تجارتی شاہراہ بھی خطرے میں دکھائی دینے لگی۔ چنانچہ قریش نے قبائل حجاز کو اپنے ساتھ ملانے اور یہود کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے کی راہ اختیار کی۔

قریش مدینہ کو فتح کرنے کے خواب دیکھ ہی رہے تھے کہ عمرو بن الحضرمی کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ ابو سفیان رئیس مکہ تجارتی قافلہ لے کر شام سے واپس آرہا تھا کہ افواہ اڑ گئی کہ مسلمان اس قافلے کو لوٹیں گے۔ اس پر قریش مکہ ہجرت کے دوسرے سال ایک ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۳ جاں نثار لے کر مقابلے پر نکلے۔ نصرت الٰہی سے مکہ والوں کو شکست ہوئی۔ ان کے ستر مشہور سردار گرفتار ہوئے اور اتنے ہی بہادر میدان جنگ میں ڈھیر ہوئے۔ اسیران بدر میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ وہ زر فدیہ کے بدلے میں دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔

جنگ بدر شوکت اسلام کا سنگ بنیاد ثابت ہوئی۔ ظلمت کدہ کفر میں صف ماتم بچھ گئی اور جو خطرات مدینہ کی دولت مشترکہ کو پیدا ہو گئے تھے وہ ٹل گئے۔ میثاق مدینہ میں طے پایا تھا کہ سب قبائل مل کر مدینہ کا دفاع کریں گے۔ لیکن یہود مدینہ عین وقت پر غیر جانب داری کا اعلان کر کے مار آستین ثابت ہوئے جس کے نتیجہ میں بنی قینقاع کو مدینے سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا۔

اگلے سال ۳ھ ابو سفیان ایک بار پھر تین ہزار کے عظیم لشکر کی جمعیت کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار لشکر کے ساتھ دامن احد میں کفار مکہ کے لشکر کو روکا۔ اس بار قریش بڑی تیاری سے آئے تھے۔ مسلمانوں نے بے سروسامانی کے باوجود ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن جبل عینین کے تیر اندازوں کی غفلت سے مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا لیکن اس سے اطاعت امیر کی وقعت اور اہمیت کا اندازہ ہوا۔ مسلمانوں کو سبق مل گیا کہ اگر انہوں نے اطاعت رسول ﷺ کو پیش نظر رکھا تو نصرت و کامرانی ان کے قدم چومے گی اور اس کے برعکس اگر انہوں نے حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فراموش کیا تو وہ کفر و باطل کی کاری ضرب سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔

یہودیوں کو مسلمانوں کا اقتدار پہلے ہی ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ بدر کی فتح کو دیکھ کر وہ دب گئے تھے لیکن جنگ احد میں مسلمانوں کے نقصان سے وہ شیر ہو گئے اور ان کے حوصلے یہاں تک بڑھے کہ انہوں نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کو زک دینے کی ٹھان لی۔ حتیٰ کہ یہود مدینہ بنو نضیر مسلمانوں سے لڑ پڑے اور شکست سے دوچار ہو کر جلاوطن ہونے پر مجبور ہوئے۔

قریش مکہ کی اسلام دشمنی میں غزوہ بدر اور غزوہ احد کے بعد شدت پیدا ہو گئی۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کو شدید جانی نقصان پہنچانے کے باوجود غزوہ بدر کے انتقام کی آگ سرد نہ ہوئی بلکہ وہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے پر تل گئے۔ ۵ھ میں قریش بہت سے قبائل کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح ابو سفیان دس ہزار کا ٹڈی دل لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوا لیکن مدینہ کے گرد غیر متوقع خندق دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ شہر میں داخلے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو خندق کے باہر ہی خیمے گاڑ کر پڑاؤ کیا۔ اس دوران میں یہود مدینہ بنو قریظہ نے غداری کی۔ محاصرے نے طول کھینچا۔ سامان رسد کی قلت' کڑاکے کی سردی اور مقدس مہینوں کی آمد نے قریش کو محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ قریش مکہ نے اسلام کے خلاف جارحانہ یلغاروں کا جو سلسلہ شروع کیا تھا' یہ جنگ احزاب اس کی آخری کڑی ثابت ہوئی۔ قریش کے محاصرہ اٹھانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اب قریش کی یلغار نہیں ہو گی اور آئندہ ہم ان پر چڑھائی کریں گے"۔ آپ ﷺ کا فرمان صحیح ثابت ہوا۔ قریش اس جنگ کے بعد اسلام مٹانے کے تمام حوصلے ہار بیٹھے اور ان کی جارحانہ قوت ختم ہو کر رہ گئی۔

جنگ احزاب (غزوہ خندق) کے دوران میں یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی غداری اور عہد شکنی کا راز افشا ہوا تھا چنانچہ جنگ کے اختتام کے فوراً بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر کے انہیں مدینہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔

یہودیوں کی قوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر کی زرخیز وادی تھی۔ خیبر مدینہ سے قریباً چھیانوے میل شمال کی جانب واقع تھا۔ یہاں یہود کے کئی مضبوط قلعے تھے۔ بنو نضیر جنگ خندق میں تمام عرب قبائل کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے۔ مدینہ پر حملہ قریش کے ترکش کا آخری تیر تھا۔ اس کے بعد قریش ہمت ہار بیٹھے۔ اب یہود خود مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ ان حالات کے تحت ۷ھ میں سولہ سو جانثاروں کے ساتھ مسلمان خیبر کی طرف بڑھے۔ خیبر میں یہودیوں کے چھ مشہور قلعے تھے جن میں بیس ہزار آزمودہ کار سپاہی موجود تھے۔ معرکہ خیبر میں مسلمانوں نے یہودیوں کو جھکا کر رعایا کی حیثیت سے رہنے پر مجبور کر دیا۔

مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کیے چھ برس گزر چکے تھے۔ ان کے دل خانہ کعبہ کی زیارت' اپنے وطن کی گلیوں اور کوچوں کو دیکھنے کے لیے ترس گئے تھے۔ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے اپنا ایک خواب سنایا: "میں نے خواب میں دیکھا کہ مسلمان مکہ پہنچ گئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔" اس خواب کے بعد مسلمان بے چین ہو گئے اور انہوں نے اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر مکہ کے لیے آمادہ کیا۔

آپ ﷺ چودہ سو صحابہ کے ساتھ زیارت کعبہ کے لیے مکہ روانہ ہوئے لیکن قریش مکہ نے حلیف قبائل کو جمع کر کے مکہ سے تیرہ میل کے فاصلے پر حدیبیہ میں مسلمانوں کو روک لیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی

سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش مکہ سے مکہ میں گفت و شنید کا سلسلہ طول پکڑ گیا۔ اس طرح حضرت عثمان غنیؓ کا قیام لمبا ہو گیا۔ ادھر مسلمانوں میں اس تاخیر سے یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی۔ مسلمانوں نے اتباع رسول ﷺ کے سلسلے میں اپنے جذبہ اطاعت کا ایسا والہانہ مظاہرہ کیا کہ اصحاب الشجرہ کے متعلق ارشاد ربانی ہوا۔

لقد رضی الله عن المؤمنین اذ یبایعونك تحت الشجرة (سورۃ الفتح ۴۸: ۱۸)

بیعت رضوان کا حال سن کر قریش مکہ ڈر گئے اور انہوں نے سہل بن عمرو کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلح کی گفتگو کے لیے بھیجا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ قریش نے سہیل کو بھیج کر ہمارا کام سہل کر دیا ہے۔ چنانچہ بحث و مذاکرہ کے بعد صلح حدیبیہ طے پایا۔

صلح حدیبیہ کی شرائط بظاہر مغلوبانہ دکھائی دیتی تھیں۔ لیکن در حقیقت یہ تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ تھا۔ صلح حدیبیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دور بینی' معاملہ فہمی اور سیاسی تدبر کا شاہکار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دور رس مادی اور روحانی نتائج و اہمیت کا حامل قرار دیا۔

انا فتحنا لك فتحا مبینا (سورۃ الفتح ۴۸: ۱)

صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کو عام غزوات کے سلسلے میں قدم قدم پر کامرانیاں حاصل ہوئیں اور اسلام کی ہیبت ہر دل میں بیٹھ گئی۔ یہ صلح فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ قریش مکہ تنگ آکر خود ہی معاہدے سے دست بردار ہو گئے۔ اور مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کرنے کا جواز مل گیا۔

صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی خلافت کی خارجہ حکمت عملی کی طرف دھیان دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بین الاقوامی حکمت عملی کا آغاز قلمی محاذ سے کیا اور عرب کے متصل عظیم سلطنتوں کے عظیم سربراہوں کے نام خطوط ارسال فرمائے۔ قیصر و کسریٰ کو پہلی بار معلوم ہوا کہ عرب ایک باضابطہ حکومت کے زیر انتظام منظم ہو چکے ہیں اور اب وہ تر نوالہ نہیں رہے۔

حاکم بصریٰ شرجیل بن عمرو غسانی جو قیصر روم کے ماتحت تھا' نے قاصد رسول ﷺ حارث بن عمیرؓ کو موتہ کے مقام پر شہید کر دیا۔ اس کا یہ اقدام بین الاقوامی آداب شرافت کے یکسر منافی تھا۔ چنانچہ جنگ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ جنگ موتہ نے سلطنت موتہ پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ عرب میں ایک ایسی اسلامی خلافت قائم ہو چکی ہے جو عظیم سلطنتوں سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتی ہے۔

جنگ موتہ سے اسلام دشمن قبیلوں کے دل بیٹھ گئے اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کی قریش کی رہی سہی امیدوں کا چراغ بھی گل ہو گیا۔ اس واقعے کے تین ماہ بعد ۸ ھ میں مکہ معظمہ پر فوج کشی کر کے "جاء الحق و زھق

الباطل ان الباطل کان زھوقا" کا فیصلہ سنادیا۔

۹ھ میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ تبوک عرب اور شام کا ایک سرحدی مقام تھا جو مدینہ منورہ سے ۱۴ منزل کی مسافت پر تھا۔ یہ رومی سلطنت کے زیر اثر تھا۔ فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہ روم مدینے پر حملے کے ارادے سے حجاز کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر غسانی لشکر جرار کا راستہ روکنے کا فیصلہ فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کی جمعیت کے ہم راہ تبوک کو روانہ ہوئے۔ تبوک پہنچ کر آپ ﷺ نے بیس دن تک قیام فرمایا' بہت سے سرحدی قبیلوں کے سرداروں کو مطیع بنایا اور واپس مدینہ آگئے۔

۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک لاکھ سے زائد صحابہ کے جلو میں اور قربانی کے ایک سو اونٹ ساتھ لے کر مع ازواج مطہراتؓ اور خاندان کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا اور خطبہ حجۃ الوداع میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ کے اختتام کے فوراً بعد میدان عرفات میں ہی تکمیل دین کی بشارت دی گئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مساوات' اتحاد اور اخوت کے زریں اصولوں پر اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی اور عرب کے قبائل کو شیر و شکر کر دیا۔ آپ نے اسلامی خلافت کی اساس خدا کی حاکمیت اور جمہور کی فلاح و بہبود پر رکھی۔ اس طرح اس دستوری حکومت کی انتظامیہ قانون الٰہی کی پیرو تھی اور عدلیہ اس کے دباؤ سے آزاد تھی۔

آپ ﷺ کے دس سال عہد کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جب آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو تمام اہل عرب ایک قوم بن چکے تھے۔ اور مدینۃ منورہ اسلامی خلافت کا دارالحکومت تھا' عہد نبوی ﷺ میں اسلامی نظام حکومت ابھی ابتدائی مراحل میں تھا' اس لیے مختلف شعبہ جات حکومت بھی ابتدائی صورت میں تھے۔

۱۔ حاکمیت الٰہی : اسلامی نظام حکومت میں حاکم اعلیٰ کا درجہ خدا تعالیٰ کو حاصل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے الا له الخلق و الامر و تبٰرك الله رب العٰلمین ۔ (سورہ الاعراف)

آپ ﷺ کے تمام اقدامات احکام الٰہی کی ہدایت کے تحت ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملے میں جمہوری طریقے کے قائل تھے اور آپ ﷺ ہمیشہ صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیتے تھے اور اکثریت کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔

۲۔ مجلس شوریٰ : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ میں اسلامی ریاست کا پورا نظام شورائیت کے اصولوں پر چلانے کی تاکید کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف امور میں باشندگان مدینہ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔ مجلس شوریٰ عموماً مسجد نبوی ﷺ میں منعقد ہوتی تھی۔ لیکن مشاورت صرف ان امور میں ہوتی تھی جن کے متعلق اللہ

تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔

۳۔ محکمہ عدل: محکمہ عدلیہ میں حسب ذیل شعبے تھے۔

الف۔ افتاء' ب۔ قضا' ج۔ پولیس' د۔ احتساب

الف۔ افتاء: شعبہ افتاء عوام کو مفت قانونی مشورے دیتا تھا۔

ب۔ قضا: اس شعبے کے تحت فوجداری نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔

ج۔ پولیس: جرائم کے سدباب کے لیے مختلف شہروں میں صحابہؓ موجود تھے۔ تاہم مرکز میں سعد بن قیسؓ کو پولیس کے فرائض تفویض کیے گئے تھے۔

د۔ احتساب: عوام کے احتساب کے ساتھ ساتھ عمال اور حکام کا احتساب کیا جاتا تھا۔ عامل جب محاصل وصول کر کے لاتے تو واجبات کا جائزہ لیا جاتا کہ انہوں نے محاصل کی وصولی میں کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا گیا۔

ایک بار ایک صحابی عبداللہؓ محاصل کی وصولی کے بعد لوٹے تو ان کے لائے ہوئے واجبات کا جائزہ لیا گیا تو ان کے پاس فالتو روپیہ ملا۔ استفسار پر وہ کہنے لگے کہ یہ حکومت کے محاصل سے علیحدہ ہے اور بطور ہدیہ ملا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تم کو اس عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے ملا ہے۔ اس لیے یہ محاصل میں ہی شامل ہے۔ پھر آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اعلان کیا کہ دوران ملازمت میں کوئی سرکاری اہل کار اپنے ماتحت علاقوں سے کوئی چیز بطور ہدیہ یا تحفہ قبول نہیں کر سکتا۔

۴۔ ذرائع آمدنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کوئی باقاعدہ تنخواہ دار فوج نہ تھی۔ میدان جنگ سے جو مال و دولت اور سامان حرب ہاتھ لگتا تھا وہ مال غنیمت کہلاتا تھا۔ اس کا ۴/۵ حصہ سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور خمس ریاست کے اخراجات میں لایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اڑھائی فیصد نصاب سے زائد پر زکوٰۃ تھی۔ جانوروں پر بھی زکوٰۃ تھی۔ مصارف زکوٰۃ میں زکوٰۃ وصول کرنے والے عمال کی تنخواہ اور باقی فقیروں' مسکینوں' مقروضوں' مسافروں اور نو مسلموں کی امداد پر خرچ کی جاتی تھی۔ زکوٰۃ کے علاوہ مسلمان رضاکارانہ طور پر خیراتی کاموں پر خرچ کرنے کے لیے بیت المال میں جمع کراتے تھے۔ ذمیوں سے جزیہ لیا جاتا تھا اس کے بدلے میں حکومت ان کے جان و مال اور مذہب کی حفاظت کا ذمہ لیتی تھی۔

مسلمانوں سے عشر لگان اراضی وصول کیا جاتا تھا اور غیر مسلم رعایا سے خراج وصول کیا جاتا تھا۔ خراج کی شرح کل پیداوار کا نصف تھی۔ فئے بھی حکومت کی آمدنی کی ایک مد تھی۔ عہد نبوی ﷺ میں اسلامی سلطنت مدینہ' مکہ' نجران' یمن' حضر موت' تہامہ' عمان اور بحرین کے صوبے تھے اور مدینہ دارالحکومت تھا۔ ہر صوبے کا انتظام ایک

والی کے سپرد تھا جس کے ذمے امن وامان کا قیام، صوبائی فوج کی سپہ سالاری اور تبلیغ اسلام شامل تھا۔

صوبے میں مرکز کی طرف سے عامل مقرر تھے جن کے فرائض میں زکوٰۃ، صدقات، جزیہ، خراج اور دیگر محاصل کی وصولی تھی۔ مرکز عدل وانصاف کے لیے قاضی مقرر کرتا تھا جس کے ذمے لوگوں کے مقدمات کی سماعت کے علاوہ تعلیم وتبلیغ کی خدمات بھی تھیں۔ اس عہدے پر حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ جیسے صحابہ بھی متعین کیے گئے۔

استحکام پاکستان

یہ حسن اتفاق ہے یا منشائے ایزدی کہ پہلی خلافت الٰہیہ کی تاسیس بھی مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے مواخات سے پڑی اور پاکستان کی بنیادیں بھی مہاجرین کا خون اور انصار کا ایثار شامل ہے۔ اسی سنت کو مد نظر رکھتے ہوئے قیام پاکستان کے وقت جس فراخ دلی سے مقامی باشندوں کی بساط بچھائی اور شیر وشکر بن کر رہنے لگے، اس نے مواخات مدینہ کی یاد تازہ ہو گئی۔ قائداعظمؒ نے ایک اجتماع سے ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لاہور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "اب ہم پاکستانیوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لاکھوں تباہ حال مہاجرین جو اپنا سب کچھ بھارت میں چھوڑ کر پاکستان میں آ رہے ہیں، ان کی ہر ممکن امداد کی جائے۔ انہیں یہ مصیبتیں اس لیے سہنا پڑیں کیونکہ وہ مسلمان ہیں"۔

بے شک مہاجرین اور انصار دونوں کا پاکستان ہے۔ اسلام میں ملت نظریئے سے بنتی ہے۔ اسلام "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" کی نفی کرتا ہے۔ پاکستان کا قیام بھی دو قومی نظریے کا ہی رہین منت ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ استحکام پاکستان کی پہلی کڑی مہاجرین اور انصار کا اتحاد ہے تو بے جا نہیں ہوگا۔ دشمن قیام پاکستان کی اس مضبوط کڑی کو توڑنے کی فکر میں ہے تاکہ وہ نظریہ پاکستان کو باطل قرار دے سکے۔ دشمن اس رشتے کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہوا لیکن اسے کمزور کرنے میں کسی حد تک کامیابی ضرور ہوئی ہے۔ سندھ کے لسانی فسادات جذبہ مواخات کی کمی کی وجہ سے ہوئے اور آج "اردو" کے قومی زبان بننے کی راہ میں یہی سد راہ ہے۔ ہمیں اس رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے مواخات مدینہ کو مثال بنانا چاہیے جس میں انصار مدینہ نے کمال فیاضی، ایثار اور قربانی کا ثبوت دیا اور اپنی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیداد میں برابر کا شریک اور حصہ دار بنایا، دوسری طرف مہاجرین نے انصار پر بوجھ بننے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے تجارت کی راہ اختیار کی اور جلد ہی خود کفیل ہو گئے۔

قیام پاکستان میں ہجرت مدینہ کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ہجرت سے قبل مسلمان مکہ میں انتہائی بے کسی اور مظلومی کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن ہجرت نے انہیں امن وآشتی اور خلوص ومحبت کی ایک نئی زندگی بخشی۔

ہجرت نے وطن پرستی کے بت کو پاش پاش کر کے مسلمانوں پر واضح کر دیا کہ اسلام میں قومیت کی بنیاد

وطن پرستی نہیں بلکہ نظریہ اسلام ہے۔ مہاجرین مکہ نے کمال ایثار سے گھربار' عزیز و اقارب اور مال و متاع کو خیرباد کہہ کر یہ ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے لیے عزیز ترین متاع ان کا دین ہے۔ قائداعظمؒ نے پشاور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑہ حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں''۔

مہاجرین کی قربانی اور انصار کے ایثار سے مدینہ منورہ میں ایک آزاد اسلامی ریاست قائم ہوئی اسی سنت پر عمل پیرا ہونے سے مہاجرین اور انصار کی قربانیوں سے جنوبی ایشیاء میں آزاد مسلم ریاست مملکت پاکستان معرض وجود میں آئی۔

مدینہ میں اسلامی خلافت قائم ہونے کے بعد میثاق مدینہ میں یہودیوں کو شریک کیا گیا۔ یہودی زبانی اور تحریری طور پر اس معاہدے میں شریک ہوئے لیکن ان کے قلوب قریش مکہ و شمنان اسلام کے ساتھ رہے اور انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس معاہدے سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ یہود آزمائے ہوئے ہیں' ان سے مسلمانون کا معاہدہ ''آزمودہ را آزمودن جہل است'' کے مصداق نقش بر آب ہے۔ فلسطین کی یہودی حکومت کو تسلیم نہ کرنا اسوہ حسنہ کے عین مطابق ہے۔

پاکستان نے اپنے ابتدائی سالوں میں امریکہ کی طرف جھکاؤ کر کے اور سیٹو سینٹو جیسے معاہدات میں شامل ہو کر اپنی خارجہ حکمت عملی میں توازن کھو دیا۔ اسی سے روس پاکستان کا مخالف بنا اور اس نے مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں کئی بار ویٹو کر کے ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں جنگ میں کودنے پر مجبور کر دیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

یایها الذین امنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم لا یألونكم خبالا ودوا ما عنتم قدبدت البغضاء من افواههم و ما تخفی صدورهم اكبر قد بینا لكم الأیٰت ان كنتم تعقلون۔ (آل عمران: ۱۱۷)

ریاست مدینہ کے اسلامی نظام حکومت میں اقتدار اعلیٰ کی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم شارع اسلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور آپ ﷺ کے فرامین کی اطاعت اسلامی ریاست کے لیے فرض عین ہے۔ اسلامی خلافت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نائب کی تھی۔ آپ ﷺ کے تمام اقدامات احکام الٰہی کی روشنی میں اٹھتے تھے۔

تحریک پاکستان میں جب قائداعظمؒ سے پوچھا گیا کہ اس نئی مملکت کا آئین کیا ہو گا' تو قائداعظمؒ نے فرمایا ''میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر مشتمل ہو گا اور جمہوری نوعیت کا ہو گا۔ پاکستان کی آئین سازی کی تاریخ میں قرارداد مقاصد کو خشت اول کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی ہوتا ہے کہ قرارداد مقاصد ۱۹۵۶ء' ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کے دساتیر کے دیباچے کی حیثیت حاصل ہے۔ قرارداد

مقاصد میں اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ کو تسلیم کیا گیا ہے۔ گویا پاکستان کے عوام اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور یہاں حکم بھی اسی کا چلے گا۔ بہ الفاظ دیگر قانون سازی اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی روشنی میں کی جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملے میں جمہوری طریقے کے قائل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیتے تھے اور اکثریت رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ مجلس شوریٰ عموماً مسجد نبوی ﷺ میں منعقد ہوتی تھی۔ جس میں ہر مسلمان شریک ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ مشورے ان امور کے بارے میں طلب کیے جاتے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔

پاکستان میں دو ایوانی مقننہ ہے۔ ایوان بالا (سینٹ) ایوان زیریں (قومی اسمبلی) یہ دونوں ادارے قانون سازی کے ادارے ہیں انہیں اللہ جل شانہ اور رسول ﷺ کے احکامات کا مطالعہ کر کے ان کو من وعن قانون تسلیم کرنا چاہیے اور نئے امور کو قانونی درجہ دیتے وقت بھی خطبہ حجۃ الوداع کے اصولوں کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ قائد اعظمؒ نے ۱۴ فروری ۱۹۴۷ء کو سبی میں فرمایا "میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں اسلامی تصورات و اصولوں پر رکھنی ہوں گی"۔

کسی مملکت کی بقا عدل و انصاف قائم کرنے میں ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ غیر اسلام حکومت قائم رہ سکتی ہے۔ لیکن عدل و انصاف سے عاری ریاست کی بقا ناممکن ہے۔ ریاست مدینہ میں محکمہ عدلیہ میں شعبہ افتاء' شعبہ قضا' شعبہ احتساب قائم تھے۔ شعبہ افتاء صرف مسئلے کی نوعیت اور اس کے بارے میں اللہ جل شانہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی نشان دہی تھی۔ اور شعبہ قضا' شعبہ افتاء کی قانونی وضاحت کی روشنی میں فیصلہ کرتا تھا۔ اس کے بعد شعبہ احتساب اس پر عمل درآمد کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عدل و انصاف میں کسی کی رورعایت نہیں فرماتے تھے آپ ﷺ کی نظروں میں چھوٹے بڑے' امیر و غریب اور آقا و غلام میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ اور قانون کی نظر میں سب برابر تھے۔ "ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندانِ مخزوم سے تھی' چوری کی' قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے' حضرت اسامہ بن زیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب خاص تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپؓ سفارش کیجئے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی کی درخواست کی' آپ ﷺ نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے تھے امراء سے درگذر کرتے تھے"۔(۱)

مملکت پاکستان میں جو انتشار' غنڈہ گردی' دہشت گردی' ڈاکے' اغوا اور قتل ہو رہے ہیں اس کے پس منظر

---

(۱) شبلی نعمانیؒ' سلیمان ندویؒ' سیرۃ النبیؐ جلد دوم ص ۲۸۳' مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور سن اشاعت ۱۹۷۵ء

میں انگریز کا چھوڑا ہوا قانون اور عدالتی نظام ہے جس میں انصاف کا حصول مشکل ہی نہیں بلکہ مہنگا اور طوالت کا بھی شکار ہے۔ اس طرح لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر کلاشنکوف سے فیصلے کرتے ہیں۔ عدالتوں کے پیچیدہ نظام اور ارباب اقتدار کی پشت پناہی سے قانون کی بالادستی اور خوف ناپید ہو رہا ہے۔ اسلامی سزاؤں سے مجرم باعث عبرت بن جاتا ہے۔ اور شرح واردات میں کمی آجاتی ہے۔

آج دنیا میں مساوات اور رواداری کا بہت شور ہے لیکن عمل مفقود ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مساوات اور رواداری کا حقیقی اور آخری چشمہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔ آپ ﷺ نے سربراہ مملکت کے لیے اقرباپروری کی حوصلہ شکنی کرنے کی کئی مثالیں چھوڑی ہیں "ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کی درخواست کی' فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹے پھریں۔ (۱)

حکومت پاکستان نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے سربراہ ریاست مدینہ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کی ہے۔ اس سے عدلیہ پر سے انتظامیہ کا دباؤ ختم ہو گیا ہے۔ اب یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عدل وانصاف کا بول بالا ہو گا۔

جاہ و مرتبہ انسان کو اپنے آپ سے باہر کر دیتا ہے۔ نمرود' قارون' فرعون اور شداد کی مثالیں سامنے ہیں' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل میں عوام الناس کو شریک نہ کیا اور غرور و تکبر کی بھینٹ چڑھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غرور و ترفع سے سخت نفرت تھی۔ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں حلم و عفو' مساحت و درگذر' تواضع و مہمان داری اور سادگی و انکساری کے بہترین نمونے موجود ہیں۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع و خاکساری کا منظر اس وقت اور نمایاں ہو جاتا ہے' فتح مکہ کے موقع پر جب آپ ﷺ شہر میں داخل ہوئے تو تواضعاً سر مبارک کو اس قدر جھکا دیا کہ کجاوہ سے آکر مل گیا۔ غزوہ خیبر میں جب آپ ﷺ کا داخلہ ہوا تو آپ ایک گدھے پر سوار تھے جس میں لگام کی جگہ کھجور کی چھال بندھی تھی۔ (۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر اسلامی سلطنت کے لیے سنہری اصول بیان فرمائے۔ کسی ملک کے داخلی انتشار میں سود اور طبقاتی تقسیم دو بڑے ناسور ہیں۔ سود معاشی بنیادوں کو زلزلے کی طرح ہلا کے رکھ دیتا ہے اور طبقاتی نظام اتحاد و یکجہتی کو دیمک کی طرح چاٹ کے رکھ دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اسلام کے رشتے نے مختلف رنگ و نسل کے انسانوں کو باہم بھائی بنا دیا۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور

---

(۱) شبلی نعمانی' سلیمان ندوی' سیرۃ النبی جلد دوم ص ۲۹۰ مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور' سن اشاعت ۱۹۷۵ء

(۲) ایضاً ص ۳۱۳

سب اہل اسلام ایک برادری ہیں۔ سود حرام ہے' آج سے جاہلیت کا سود ختم کیا جاتا ہے"۔

فرقہ بندی ایک لعنت ہے جسے ختم کیے بغیر کوئی ملک بھی امن و آشتی کا گہوارہ نہیں بن سکتا۔ فرقہ بندی جہالت' گمراہی اور تعصب کی قابل نفرت کیفیت کا نام ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

واعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا۔ (آل عمران : ۱۰۳)

فرقہ بندی کا توڑ قرآن مجید کی تعلیم کے ذریعے ممکن ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ امت کے زوال کا علاج قرآن مجید قرار دیتے ہیں اور علامہ اقبالؒ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی علامت قرآن مجید بتاتے ہیں۔ مومن ایک قوم ہیں جو حبل اللہ سے وابستہ ہیں' ان کا ایک مرکز اور ایک نظریہ ہے جو ان کے پاس قرآن حکیم کی شکل میں موجود ہے۔ قرآن کی اہمیت واضح کرتے ہوئے مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کراچی ۱۹۴۳ء میں قائداعظمؒ نے فرمایا "وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں ؟وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے ؟وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے ؟وہ رشتہ' وہ چٹان' وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن مجید ہے"۔

سربراہ مملکت کو ریاست کے دفاع کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر میثاق مدینہ کے ذریعے اہل مدینہ اور گردونواح کے قبائل کو پابند کر دیا کہ وہ امن و آشتی سے رہیں۔ اس سے آپ ﷺ کا مقصد نئی مملکت کو امن وامان میں رکھ کر تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔ جنگ خندق کے موقع پر مدینہ کی شامی سمت خندق کھود کر اسے محفوظ کیا۔ ہجرت کے ابتدائی دنوں میں صحابہ کو چوکنا رہنے کی تاکید فرمائی اور خود حفاظتی امور پر نظر رکھی۔ اس میں سربراہ مملکت کے لیے درس ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے دفاع سے کبھی بھی غافل نہ ہو۔

دو قومی نظریہ مملکت خداداد پاکستان کے قیام کا اصل محرک تھا۔ اس لیے پاکستان کی بقا اور ترقی بھی دو قومی نظریے کی ہی مرہون منت ہے۔ پاکستان کی داخلہ حکمت عملی ہو یا خارجہ حکمت عملی قومی سالمیت ہو یا ملکی دفاع' ارباب بست و کشاد کے فرائض ہوں یا عوام کی فلاح و بہبود امور جہانبانی ہوں یا قیصر و کسریٰ سے سلسلہ جنبانی' ریاست کے چار ستون (عدلیہ' پولیس' الخراج' فوج) ہوں یا نظریاتی سرحدیں سب میں رہنمائی اسوہ حسنہ سے مل سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے :

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة ۔ (الاحزاب : ۲۱)

مملکت خداداد پاکستان کو ریاست مدینہ سے ایک خاص تعلق ہے۔ اس لیے اس کی تعمیر و ترقی اور بقا بھی ریاست مدینہ کے سربراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے ہی عبارت ہے۔

تحریک پاکستان کے فکری محرکات
سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

محمد ساجد خان خاکوانی' اسلام آباد

برطانوی حکومت اور کفار مکہ اپنی اپنی سلطنت میں سفید و سیاہ کے مالک تھے۔ ظلم' استبداد' جبر' زور آوری ور سامراجی تسلط ان دونوں تاریخی طاغوتوں کے درمیان قدر مشترک تھا۔ ان دونوں کے طرز حکومت کا خاصہ تھا۔ دونوں ہی اپنے دشمن کو لالچ سے بہلانے کی بھرپور کوشش کیا کرتے تھے۔ اور اگر تمام حربوں کے باوجود کامیابی نہ ہو ۔ دشمن کو اس حد تک آزمائش سے دوچار کر دینا کہ وہ وطن چھوڑ کر کہیں ہجرت کو جائے دونوں کی سرشت میں شامل تھا۔

ہندوانہ ذہنیت اور یہودی طرز فکر ایک سانچے کی تخلیق ہیں۔ سود خوری' خود غرضی ابن الوقتی' بزدلی' چالاکی اور عیاری میں یہ قومیں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ مدینہ کی بستی میں یہودیوں کا برتاؤ اور تحریک پاکستان میں ہندوؤں کا رویہ ایک ہی مقصد کی غمازی کرتا ہے۔ اہل اقتدار سے روابط بڑھا کر اپنے دشمن کی کمر میں چھرا گھونپنا دونوں کا تاریخی کردار ہے۔ مدینہ کے یہودیوں نے کفار مکہ کے ساتھ مل کر جس طرح مسلمانوں کی قوت ختم کرنے کی کوشش کی بعینہ وہی نقشہ ہندوؤں اور انگریزوں کے تعلقات میں مسلمانان ہند کے مستقبل کا نظر آتا تھا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تحریک پاکستان میں مخالف فریقوں کی یہ مشابہت محض نظری ہے۔ درحقیقت سیرت طیبہ میں قیادت و اطاعت کا معیار اور دعوت و عزیمت کی مثالیں اول و آخر پوری انسانی تاریخ میں عنقاء ہیں۔ آپ ﷺ نے خود فرمایا کہ جس قدر مصائب و آلام انبیاء پر آئے کسی اور نے نہ دیکھے۔ (۱) مکہ اور طائف کی وادیاں' عرب کے شعلہ اگلتے صحرا میں احد احد کی صدائیں اور بدر و احد کی گھاٹیاں اس آسمان نے پھر کبھی نہ

دیکھیں۔ اوران جیسے نفوس قدسیہ اور پاکیزہ معاشرہ اس کرہ ارض پر پھر کبھی وجود میں نہ آسکا۔ رضی اللہ عنہم۔

تحریک پاکستان مسلمانوں کی اجتماعی جدوجہد تھی جسے آزادی کا نام دیا گیا۔ صدیوں حکمرانی کرنے کے بعد جب اس قوم پر غلامی مسلط ہوئی تو منطقاً اسے صفحہ ہستی سے مٹ جانا چاہیے تھا' لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ایام غلامی میں بھی امت مسلمہ کی کوکھ نے ایسی قیادت جنم دی جس نے اس ملت کو ایک بار پھر تاریخ کے بہتے دھارے میں ڈال دیا۔ اقتدار کے لیے جنم لینے والی امت نے غلامی کی زنجیریں توڑ ڈالیں اور آزادی کا سورج طلوع ہوا۔

تحریک پاکستان کے بے شمار محرکات میں سے تاریخی محرکات' سیاسی محرکات' بین الاقوامی محرکات' داخلی وخارجی محرکات اور فکری محرکات چند ہیں۔ فکری محرکات کو ان سب پر وہی فوقیت حاصل ہے جو ذہن کو جسم پر ہے۔ چنانچہ یہ بات بے جا نہ ہوگی کہ تمام محرکات کا محرک فکری محرکات ہی ہیں۔ تحریک پاکستان کے تمام تر فکری محرکات کا احاطہ تو تاریخ کے صفحات ہی کریں گے تاہم ان میں سے چند اہم تر یہ ہیں۔

ا۔ عقیدہ

عقیدہ کا لفظی مطلب گرہ لگانا ہے۔ (۲) یہ عربی زبان کے لفظ عقد سے ماخوذ ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کا تعلق مذہب ہی سے ہو بلکہ عقیدہ سے مراد انسان کا نظریہ زاویہ فکر' اور وہ پختہ خیالات ہیں جن پر انسان کے معاملات کا دارومدار ہوتا ہے۔ یہ وہ بنیاد ہے جو انسانی زندگی کی ہر لحہ زیر تعمیر عمارت کو جہت خاص عطا کرتی ہے۔ شخص اپنی عملی زندگی میں اپنے عقیدہ کے مطابق فیصلے کرتا ہے' اس کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے نفع و نقصان کے معیار' حق وباطل کی پرکھ اور کھرے اور کھوٹے کی پہچان کا واحد ذریعہ عقیدہ ہی ہوتا ہے۔ انسان ہر مورچے سے پسپا ہو سکتا ہے لیکن عقیدہ ترک کر دینا اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا' اس آخری محاذ پر وہ سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے۔

دنیا میں جتنے بھی نظامہائے فکر و عمل پیش کیے گئے یا جتنی بھی تہذیبیں اس کرہ ارض پر نمودار ہوئیں ان کی پشت پر عقیدہ کی ہی قوت کار فرما رہی۔ کوئی بھی عقیدہ سب سے پہلے کسی ایک ذہن میں جنم لیتا ہے پھر اشاعت کے ذرائع سے بتدریج انسانی رویوں میں ڈھل کر معاشرے کی جڑوں میں نفوذ کر جاتا ہے۔ اس مرحلے پر عقیدہ کو بے شمار آہنی شکنجوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ کہیں وہ آبشار کی مانند بلندی سے پستی کی طرف آتا ہے۔ تو کہیں بل کھاتا لہراتا اور شور مچاتا ہوا چٹانوں سے ٹکرا کر اپنا راستہ بناتا ہے اور کہیں گھاس کے درمیان سے اس خامشی سے گزرتا ہے کہ ہم زاد کو بھی احساس گزر نہ ہو اگر ان مراحل کو کامیابی سے طے کر لے تو پھر یہ عقیدہ کسی انقلاب کے قالب میں ڈھل کر افق انسانی کے پر نئے تہذیب وتمدن کی صورت میں طلوع ہوتا ہے اور قرطاس تاریخ میں ہمیشہ کے لیے رقم ہو جاتا ہے۔

عقیدہ ہی انسانی فکر و دانش کا طاقتور ترین محرک ہے۔ بڑے بڑے انقلابات سے لے کر عامی تاریخی جنگوں اور باہمی بحث و تکرار سے لے کر ایک ہی ذہن میں شکست و ریخت تک کے عوامل میں عقیدہ ہی سرفہرست ہے۔ کوئی انسان یا معاشرہ اپنی طبعی عمر میں ان گنت تبدیلیوں سے گزرتے ہیں۔ انقلاب سے وہی تبدیلی موسوم کی جاتی ہے جس کی تبدیلی عقیدہ میں ہو۔ عقیدہ کی اس قدر اہمیت ہے کہ اس کے سامنے تمام رشتے' تمام تر تعلقات' تمام واسطے اور تمام مقدسات ہیچ ہیں۔ اس آسمان نے عقیدہ کی بنیاد پر خونی رشتوں تک کو باہم پیکار ہوتے دیکھا ہے۔

تحریک پاکستان اس لحاظ سے تاریخ کا انوکھا باب ہے کہ اس میں سہ فریقی جنگ لڑی گئی۔ ایک فریق برسراقتدار تھا اور دوسرا برسرپیکار۔ جبکہ حقیقتاً تینوں فریق صف آرا تھے' ان کے مذہب' تہذیب اور تاریخ کا اختلاف اظہر من الشمس تھا۔ عقائد کی کوئی جہت ایسی نہ تھی جس کا اشتراک تینوں کو ایک تسبیح میں پرو سکتا' چنانچہ تاریخ کا فیصلہ تینوں کی علیحدگی پر منتج ہوا۔

ہندوستان کی اکثریت ہندو دھرم سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ وہ مذہب ہے جو یقیناً ایک مذہب نہیں ہے بلکہ مختلف مذاہب کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ (۳) ایک ایسا مذہب جس کے بانی کا کوئی علم نہیں۔ (۴) جس کے اوراق تاریخ گم شدہ ہیں۔ (۵) جس نے انسانوں کو مذہبی طور پر چار ذاتوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ عزت شرف اور تکریم کا معیار ذات پات ہی ہے اور جہاں عورت کا مقام گائے بیل اور بھینس جیسے جانوروں سے بھی زیریں تر ہے۔

ہندومت میں الہ کا تصور دیوتا کی ذات میں پنہاں ہے۔ کم و بیش تینتیس کروڑ معبود یہاں موجود ہیں اور ان کی تعداد میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ (۶) ہر وہ چیز جو نفع دے اس سے حصول مفاد کے لیے اور ہر وہ چیز جو نقصان پہنچائے اس سے دفع ضرر کے لیے اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ (۷) ہر امر کا دیوتا الگ سے ہے گویا جو شخص جس امر کا متقاضی ہو وہ اس سے متعلق دیوتا کی پوجا کرے حتیٰ کہ بعض مندر کسی ایک ہی دیوتا کی پوجا کے لیے مخصوص ہیں' چنانچہ دولت کے طلب گار لکشمی (لچھمی) دیوی کی پوجا کرتے ہیں' بجلی اور طوفان سے بچنے کے لیے اندر دیوتا کی عبادت کی جاتی ہے' آگ سے فائدہ اٹھانے کے لیے اور اس کے شر سے بچنے کے لیے اگنی دیوی کے آگے سربسجود ہونا ضروری ہے اور سورج کے دیوتا سوریہ کی پرستش سے ہی فصلوں کا پکنا ممکن ہے۔ (۸) مندر میں سونے چاندی' پیتل' لکڑی اور دیگر اشیاء سے بنائی ہوئی مختلف الاشکال مورتیں (مورتیاں) ان دیوتاؤں کے وجود کا استعارہ ہوتی ہیں۔

اس مذہب میں خالق کائنات برہما اس قدر بے وقعت ہے کہ کروڑوں نفوس کی ہزارہا عبادت گاہوں میں سے صرف چھ مندر اس کے نام سے منسوب ہیں۔ اس دیوتا نے ساری کائنات کو پیدا کیا تھا' عرصہ دراز ہوا اس کا کام ختم ہو چکا ہے اب اس کی عبادت سے کوئی فائدہ نہیں۔ (۹) جہاں دیگر مندروں میں شبانہ روز تل دھرنے کی جگہ

نہیں ہوتی وہاں خالق کائنات کے مندر نحوست کے مہیب سائے کی آماجگاہ اور چمگادڑوں کی نسلوں کے پرورده ہیں۔

ہندوستان کی دوسری بڑی اکثریت دین اسلام کی پیروکار ہے۔ یہ دین خالق کائنات کی وحدانیت کا علمبردار ہے۔ خدائے واحد کے بارے میں ہر ابہام سے پاک تصور یہاں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے قل هو الله احد الله الصمد لم يلد و لم يو لد ولم يكن له كفوا احد۔(۱۰)(کہہ دیجئے اللہ ایک ہے وہ بے نیاز ہے نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا اور اس کا کوئی ہم سر نہیں) قرآن مجید کے مطابق شرک باری تعالیٰ ایک ایسا بڑا گناہ ہے جس کی بخشش نہیں لا یغفر ان یشرك به۔(۱۱) اللہ تعالیٰ خالق ارض و سماء ہے اور وہی اس کل کارخانہ قدرت کو چلا رہا ہے۔ اس کے ہاں وزیر، مشیر، شریک اور تفویض اختیارات کی کوئی روایت نہیں۔ اس کی عبادت زمین کے ہر گوشے اور ہر مقام پر ہو سکتی ہے۔ ہر پکارنے والے کی پکار وہ سنتا ہے اور تمام معاملات اس کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ والی الله ترجع الامور۔(۱۲)

تعلیمات اسلامیہ کے مطابق تمام انسان ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں جنہیں مٹی سے پیدا کیا گیا۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ ان اکرمکم عند الله اتقاکم۔(۱۳) خالق نے انسانوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ یہ گناہوں سے پاک ہوتے اور ان پر وحی اترتی۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والی وحی اور ان کے معمولات کو نہایت دیانتداری سے قلمبند کیا گیا ہے۔ تمام حالات و واقعات اپنی معمولی جزئیات سمیت حوالہ دفتر ہیں۔ خاص طور پر یہ امت قرآن مجید کو اپنے سینوں میں من و عن محفوظ کر کے اگلی نسلوں تک پہنچاتی آئی ہے۔ اس دین کی تعلیمات نے زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

تحریک پاکستان کے دوران میں تاج برطانیہ کے نمائندے تیسرے فریق کی حیثیت سے نظر آتے ہیں یہ طبقہ عقیدے کے اعتبار سے مذہب مسیحیت کا پیروکار تھا۔ اس مذہب کا آغاز حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے ہوا۔ تثلیث خدائی اس مذہب کا بنیادی عقیدہ ہے۔ یعنی تین خداؤں کا تصور۔

> یسوع نے ان کے پاس آکر باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کل
> اختیار مجھے دیا گیا ہے پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو
> باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو(۱۴)

> خدا یسوع مسیح کا فضل اور خدا کی محبت اور روح القدس کی شراکت تم
> سب کے ساتھ ہوتی رہے۔(۱۵)

اس عقیدے کے مطابق خدا کی ایک حقیقت تین شکلوں میں موجود ہے ایک خدا باپ جو تخلیق و ربوبیت کا سرچشمہ

، دوسرے خدا کا بیٹا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں اس دنیا میں مجسم ہوا اور عالم کی نجات کا باعث بنا اور
رے روح القدس جو مومنین اور عیسائی امت میں حیثیت مجموعی سرایت کیے ہوئے ہے ایمان ویقین اور راہنمائی
عث بنتا ہے۔(۱۶) گویا ایک خدا کے تین حصے ہیں یا خدائی تین کے درمیان تقسیم ہے یا ایک خدا ہے اور اس کے
ن پرتو ہیں یا تین جزو ہیں اور ایک کل ہے یا ایک حقیقت کے تین روپ ہیں مسیحیت میں ایک اور تین کی یہ بحث
زسے جاری وساری ہے۔

اس مذہب کے لٹریچر کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ کا صدور ہو گیا تھا(۱۷) جو نسلاً بعد
ں تمام انسانیت میں منتقل ہوتا رہا۔

"اور اس درخت کا پھل کھایا جس کے سبب میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ
نہ کھانا اس لیے زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی"۔(۱۸)

نچہ خداوند خدا نے اپنے بیٹے یسوع مسیح کو مصلوب کر کے اس گناہ کا کفارہ ادا کیا۔

"مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لیے مرا اور دفن
ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے مطابق جی اٹھا"۔(۱۹)

ہندوستان میں برسر اقتدار انگریز قوم فکری طور پر مغربی تہذیب کی نمائندہ تھی جس کے مطابق مذہب
ں بھی فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔ چاہے تو کوئی بھی مذہب اپنا لے اور چاہے تو بغیر مذہب کے زندگی گزار لے۔ اس
ذیب نے آزادی افکار کے نام پر انسان کے گلے سے مذہب کا طوق اور اس کے پاؤں سے روایات کی بیڑیاں اتار
پھینکیں۔ سائنس و ٹیکنالوجی کے دور میں قدیم اوراق مقدسہ نہایت غیر ضروری قرار دیے گئے۔(۲۰) اور
شینوں سے زیادہ تیز جانے والی تیز رفتار گھڑیوں کے مسافروں کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ عبادت و ریاضت اور
میان و گیان کے لیے وقت نکال سکیں۔

اتنے وسیع پیمانے پر اختلاف عقائد میں یہ کیسے ممکن تھا کہ تینوں اقوام اکٹھی رہ سکتیں۔ یہ اکٹھ یقیناً غیر
طری ہوتا۔ ان تین قسم کے عقائد کے پیروکاروں کا ایک معاشرے میں مساوی حیثیت سے رہنا قطعاً محال تھا۔
عقائد کے درمیان بعد المشرقین ہی تحریک پاکستان کا سب سے بڑا فکری محرک بنا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مکہ کی وادی یہی نقشہ پیش کرتی ہے۔ موحدین کے مقابلے میں کئی
خداؤں کے پجاری تھے۔ سفر میں یا کسی موقع پر کوئی معبود میسر نہ ہوتا تو ریت کے ڈھیر پر ہی کوئی شکل بنا کر پوجنا
شروع کر دیتے۔ ان کے مشرکانہ عقائد کی کوئی دستاویزی اصل نہ تھی' صرف باپ دادا کی جاہلانہ رسوم ہی ان کا خاصہ
مذہب تھا خواہ ان کے باپ دادا کسی قدر گمراہ ہی ہوں۔ عقیدہ میں کسی قدر رعایت کا امکان ہوتا تو شاید محسن

انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم مل کر رہنے کی پیشکش قبول کر لیتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبانگ دہل اعلان کر دیا کہ لکم دینکم ولی دین۔(۲۱) اور کٹھن جدوجہد کے بعد خدا کے حکم سے ایک نئے وطن کو کوچ فرما گئے۔

۲۔ اقامت دین

عیسائیت، ہندومت اور دنیا کے دیگر مذاہب کے برعکس اسلام نے اپنے لیے "دین" کی جامع اصطلاح استعمال کی ہے۔

"ذالك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون"(۲۲)

یہ دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

دین وہ دائرہ فکر و عمل ہوتا ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہو، معیشت، معاشرت سیاست اور مذہب سمیت حیات انسانی کے انفرادی و اجتماعی تمام پہلو اس کے دائرہ اثر میں آتے ہوں۔ بین الاقوامی تعلقات اور صلح و جنگ کے قوانین سے لے کر کمرہ استراحت اور بیت الخلاء تک کے آداب و معاملات دین کا حصہ ہوتے ہیں گویا ایک مکمل نظام زندگی ہی دین کہلا سکتا ہے۔

یہ ایک اٹل اور علمی و تحقیقی حقیقت ہے کہ اسلام ہی ایک دین ہے یعنی مکمل ضابطہ حیات "ان الدين عند الله الاسلام"(۲۳) (اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے) ایسا دین جو نہ صرف انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے بلکہ انسانی رویوں میں آنے والے تمام ادوار کے تقاضوں کے عین مطابق عالم انسانیت کو مکمل راہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ فصاحت و بلاغت کا دور ہو یا فلسفہ و حکمت کی باریک بین گتھیاں تصوف کا سلوک ہو یا علم الکلام کی مباحث، عقلیات کا غلبہ ہو یا جدید علوم کی یلغار یا ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر کی دنیا ہو یا مواصلاتی انقلاب کی دہلیز، اسلام تاریخ کے ہر موڑ پر قبیلہ بنی آدم کی عقلی، شعوری اور عملی اٹھان کے ساتھ ہمقدم رہا ہے یہی وہ مکمل دین ہے جس میں اس کرہ ارض پر موجود آخری شخص تک کے لیے اکمل ترین راہنمائی موجود ہے۔ اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا۔(۲۴) (آج ہم نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور اسلام کو بطور نظام حیات تمہارے لیے پسند کیا ہے)۔

تقسیم ہند سے قبل مسلمانان ہند انگریزی استعمار کے تحت غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور عملاً اپنے دین کے ثمرات سے محروم تھے، اگرچہ انہیں مذہبی رسوم ادا کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ اسلام پوجا پاٹ کا مجموعہ ہوتا تو صرف مذہب ہی کہلاتا جب کہ دین کا مفہوم اقتدار اعلیٰ اور ایوان بالا سے لے کر نجی و انفرادی سطح تک نفاذ کا متقاضی ہے۔

ملاّ کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

(اقبال)

ہندوستان کی عدالتوں میں اسلامی قانون کے برعکس برطانوی قانون رائج تھا' ہندوستان کے تعلیمی ...ے 'اسلامی نظریہ حیات کی تعلیم دینے کی بجائے سیکولر نظریہ تعلیم سے مطابقت رکھتے تھے جس سے طالب علم ...ل لادین نوجوان بن کر نکلتا' ہندوستان کی فوج پرچم محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے تاج برطانیہ کی وفادار تھی' ...وستان کی پارلیمنٹ میں اقتدار اعلیٰ کا تصور اللہ وحدہ لاشریک سے وابستہ ہونے کی بجائے اکثریت یا جمہوریت کی ...ح میں مضمر تھا اور ایسے بے شمار اوامر جو براہ راست حدود اللہ سے متصادم تھے۔ ایسے میں یہ کیسے ممکن تھا کہ ...لمانان ہند ایک غیر اسلامی قوم پرست اقتدار کے تحت اپنا دینی فریضہ سرانجام دے سکتے۔

انگریز نے ایک خاص فکر کے تحت مسلمانوں کے مذہبی شعار کو بھی متاثر کیا انگریزی تعلیم سے رزق کا ...صول منسلک کر کے دینی تعلیمی ورثے کو غیر موثر کر دیا' حرام و حلال کی حدود کو سبوتاژ کرنے کے لیے خنزیر کی چربی ...ے بنے ہوئے کارتوس استعمال کیے' خلیفہ کا لفظ جو آغاز اسلام سے عزت و احترام کا مستحق اور اقتدار کے ادارے کا ...ن تھا اسے بال تراشنے کے پیشے سے منسلک کر دیا' فوج کو افسر کے سامنے سے گزرتے ہوئے حکم دیا کہ تلوار کو اس ...بوسہ دے جہاں کراس ہوتا ہے' یہ کراس صلیب سے مشابہت رکھتا ہے جبکہ بوسہ حجر اسود کے لیے ہے۔ ملا' ...لوی' اور ملونٹا و صوفی کی اصطلاحوں کو معاشرے میں حقیر بنا دیا گیا صرف اس وجہ سے کہ یہ اصطلاحات مسلمانوں ...کے مذہبی کلچر سے تعلق رکھتی تھیں۔

اب مسلمانوں کے تحفظ کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ سیاسی اقتدار کے حصول کے ذریعے اقامت دین کا ...ریضہ سرانجام دیں اور نسلوں کی امانت نسلوں تک پہنچائیں۔

"......یہ وہ انفرادی واردات ہیں جن سے بڑے بڑے نظامات کی تخلیق ہوتی ہے اور جن کے اولین نتیجے سے ایک ایسے نظام سیاست کی تاسیس ہوتی ہے جس کے اندر قانونی مضمرات متصور تھے...... میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی کسی ایسے نظام سیاست پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہو گا جو کسی ایسے وطنی یا قومی اصول پر مبنی ہو جو اسلام کے اصول اعتماد کے منافی ہو"۔ (۲۵)

"ظاہر ہے اس جدوجہد کی حیثیت انفرادی نہیں ہو گی بلکہ سیاسی و اجتماعی ہو گی تاکہ ہم ایک دوسرے کے سے اپنے روابط' سیرت و کردار اور معاملات کی دنیا میں وہ تبدیلی پیدا کریں جس

کا اسلام خواہش مند ہے اور جس کے پیش نظر اس میں ریاست کا وجود لازمی ٹھہرا"۔(۲۶)

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاک کاشغر
تا خلافت کی بنا اک بار پھر ہو استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف سا قلب و نظر

"کوئی شبہ نہیں کہ لوگ ہمارا مدعا پوری طرح نہیں سمجھتے جب ہم اسلام کا ذکر کرتے ہیں تو اسلام صرف چند عقیدوں روایتوں اور روحانی تصورات کا مجموعہ نہیں۔ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے جو اس کی زندگی اور کردار کو سیاست اور معیشت تک کے معاملات میں انضباط عطا کرتا ہے"۔(۲۷)

"میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب سے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا سیاسی معاشرتی اور معاشی غرض یہ کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو"۔(۲۸)

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس میں اطاعت و وفا کیش کا مرجع خدا کی ذات ہے...... قرآن مجید کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کر سکتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے"۔(۲۹)

"پاکستان کا آئندہ دستور قرآن مجید کے احکام پر مبنی ہوگا۔ قائداعظم اور ان کے رفقاء کی یہ دیرینہ خواہش رہی ہے کہ پاکستان کی نشو و نما ایک مضبوط اور مثالی اسلامی ریاست کی حیثیت سے ہو جو اپنے باشندوں کو عدل و انصاف کی ضمانت دے سکے"۔(۳۰)

مکہ مکرمہ میں بعثت کے بعد تیرہ سالہ دور دراصل اقامت دین کا ہی مقدمہ تھا۔ قریش مکہ نے متفقہ طور پر آپ کو عرب کا بادشاہ بننے کی پیشکش کی تھی۔(۳۱) لیکن اس طرح اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا ہو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ ایک وفد جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے پاس آیا اس کے جواب میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کام سے باز نہیں آؤں گا یا تو اللہ تعالیٰ اسے کامیاب کرے یا میں اس کام میں ہلاک ہو جاؤں گا۔(۳۲) تاریخ نے دیکھا کہ یہ کام بالآخر کامیاب ہوا اور دین کا قیام عمل میں آیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو بھی اقامت دین کی جدوجہد کا حکم دیا "آمرکم بخمس جماعه و السمع و الطاعة و الهجرة و الجهاد" (۳۳) (میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں کہ (اقامت دین کے لیے) جماعت بناؤ سمع واطاعت کا نظام قائم کرو ہجرت کرو اور جہاد کرو)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اس دین کو مکمل نافذ کر کے رہے گا"۔ (۳۴)

آپ ﷺ نے اپنی امت میں بھی اقامت دین کے تسلسل کی پیشین گوئی فرمائی "یہ دین برابر قائم رہے گا اس پر مسلمانوں کی ایک جماعت لڑتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے۔ (۳۵) ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم (دین) پر قائم رہے گا جو انہیں چھوڑے گا یعنی مدد سے ہاتھ کھینچے گا یا ان کی مخالفت کرے گا وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (۳۶)

۱۔ اعلائے کلمۃ الحق

اس کائنات کے احکم الحاکمین کے دین کا یہ استحقاق ہے کہ اسے دنیا میں غلبہ واقتدار نصیب ہو۔ دب کر رہنا معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنا اور مغلوب ہونا اس کی فطرت کے خلاف ہے "هو الذى ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله" (۳۷) (وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (دین) کو تمام ادیان پر غلبہ کر دے)۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مسلمانوں کو قتال کی اجازت مرحمت ہوئی تاکہ انسانیت کے جو طبقات سرکشی اختیار کریں' خدا سے بغاوت کے مرتکب ہوں اور خدا کی مخلوق پر ظلم و زیادتی کو روا رکھیں اور ان تک ترسیل حق میں مزاحم ہوں ان سے لڑائی کی جائے' ان کی قوت سے ٹکرا کر انہیں بے دم کیا جائے اور انہیں دین حق کے تحت زندگی گزارنے پر مجبور کیا جائے۔

و قاتلوا هم حتى لا تكون فتنة و يكون الدين كله لله۔ (۳۸)

اور ان سے لڑو حتی کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔

وحی الٰہی کی طرف سے امت مسلمہ کو حاکمانہ مزاج عطا کیا گیا ہے۔ اسے حکم دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ درخواست کرنا' التجا کرنا' منت وسماجت کرنا اور شیوہ بزدلاں اختیار کرنا انبیاء کی سنت کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں متعدد بار اس طرح ارشاد ہوا کہ :

نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ (۳۹)

اسلام جواں ہمت دین ہے' اس دین کی تعلیمات انسان کو شجاعت اور دلیری کا درس دیتی ہیں۔ یہاں ظالم کا ہاتھ نہیں پکڑا جاتا بلکہ اس کی گردن پر وار کیا جاتا ہے' ایک تھپڑ کھا کر دوسرا گال آگے کرنے کی تعلیمات اسلام کی بنیادی روح سے ٹکراتی ہیں' یہاں اینٹ کا جواب تیر اور تلوار سے دینے کی ترغیب ہے۔ خدا کے دین کلمہ کو بلند کرنے

کے لیے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھی دنیا میں چہار سو پھیل گئے۔ مسلمانوں کے لشکر جہاں کہیں بھی جاتے سب سے پہلے اس قوم کے سامنے دین برحق کی دعوت پیش کرتے۔

فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین۔(۴۰)

پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز ادا کریں اور زکوۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

دوسری صورت ذمی کی حیثیت سے اسلامی سلطنت میں رہنے کی پیشکش ہوتی اور آخری صورت تلوار کا فیصلہ ماننے پر منتج ہوتی تھی۔

تحریک پاکستان کا تیسرا بڑا فکری محرک خدا کے دین اور اس کے ماننے والوں کی اقتدار سے محرومی تھی۔ مسلمان غلام ہو کر رہ گئے تھے' سرکاری ملازمتوں اور پارلیمان میں نمائندگی کی بھیک مانگنا ان کا مقدر بن چکا تھا' مفلوک الحال مسلمانوں کی قسمت میں اپنے حق کے لیے سڑکوں پر مظاہرے' لاٹھی چارج اور گولیاں ہی لگتی تھیں۔ اہل اقتدار چاہتے تھے کہ مسلمان ان کے آگے سر تسلیم خم کیے رہیں' ان کے فرمانبردار رہیں' حق نمک ادا کریں اور ان کے جانوروں کی سیوا کرتے رہیں۔

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے مٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں
سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں
خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں ناامید نور ایمن ہو گئیں۔(اقبال)

اہل دین کی اس بے وقعتی نے بالآخر تحریک پاکستان کا روپ دھارا اور مسلمانان ہند اس جذبے سے آگے بڑھے کہ یہ دین پوری دنیا پر اپنی حکمرانی قائم کرے گا غلامی کے مہیب سائے ختم ہوں گے' صبح آزادی طلوع ہو گی اور حق پوری دنیا پر غالب آکر رہے گا۔

یہ نکتہ سرگزشت ملت بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوام زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے
سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا(اقبال)

"پاکستان تمام مسلمانوں کا قومی وطن ہو گا"۔(۴۱)

"وہ کونسا رشتہ ہے جس میں تمام مسلمان منسلک ہو کر جسد واحد کی طرح ہو جاتے ہیں۔ وہ رشتہ خدا کی کتاب قرآن مجید ہے 'ایک خدا ایک رسول ایک امت"۔ (۴۲)

"ہماری اسلامی تہذیب کو کوئی نہیں مٹا سکتا' اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ ہمارا نور ایمان زندہ ہے' ہمیشہ زندہ رہے گا۔ دشمن بے شک ہم پر ظلم کرے' ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھے لیکن ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ سنگین فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مر جائیں گے"۔ (۴۳)

تحریک پاکستان کی مرکزی قیادت نے مسلمانوں کے اجتماعی مقصد کی خاطر جدوجہد کی اور امت کا مفاد ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ پوری امت کا درد اور دین کی بالادستی اس تحریک کا خاصہ نظر آتی ہے۔ ترکی کی خلافت اسلامیہ کے لیے مسلمانان ہند کی جدوجہد اور فلسطین و اسرائیل کے مسئلے پر قائداعظم کے بیانات و تقاریر اس عزم کی غمازی کرتے ہیں۔

قریش مکہ کا تیسرا وفد جب شکایت لے کر حضرت ابو طالب کے پاس آیا تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں انہیں ایسے کلمے کی طرف بلاتا ہوں جس کے اگر یہ قائل ہو جائیں تو عرب کے فرمانروا بن جائیں اور عجم ان کا تابع ہو جائے"۔ (۴۴) جنگ خندق کے موقع پر ایک چٹان کو ضرب لگائی اور فرمایا اللہ اکبر مجھے شام کی کنجیاں عطا کی گئیں اور خدا میں اس وقت اس کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں' دوسری ضرب لگائی اور ارشاد فرمایا اللہ اکبر مجھے ایران کے خزانے عطا کیے گئے اور خدا اب میں مدائن کے قصر ابیض دیکھ رہا ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری ضرب لگائی اور فرمایا مجھے یمن کے خزانے عطا کیے گئے اور خدا میں اس جگہ سے صنعا کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔ (۴۵)

یہ نبوت کا فرمانروائی مزاج تھا کہ یہودیوں سے معاہدہ کر کے اہل مکہ کو کمزور کیا اور پھر اہل مکہ سے معاہدہ کر کے یہودیوں کی قوت منتشر کر دی۔ مدینہ پہنچتے ہی ارد گرد کے تمام قبائل کو ہم نوا کیا' مکہ فتح کیا تو طائف پر بھی چڑھائی کر دی' تبوک کے مقام پر تشریف لے گئے تو وہاں بسنے والے قبائل کو زیر نگیں کر لیا اور اللہ کے دین کا کلمہ سربلند کیا۔

۴۔ مقاصد تعلیم

اسلامی تعلیمات سے مترشح ہونے والے مقاصد تعلیم میں سرفہرست انسان کو خدا کی بندگی کے لیے تیار کرنا ہے۔ جذبہ عبودیت داخل کرنا' خدا کی عظمت و کبریائی دل میں بٹھانا اور زندگی کو خالق کے بتاتے ہوئے اصولوں کے مطابق بسر کرنا پورے نظام تعلیم کا نصب العین ہے۔

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"(۴۶)

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

مسلمانوں کا عہد بالخصوص مغلیہ عہد میں علم و تعلیم کی اشاعت اس قدر وسیع پیمانے پر ہو چکی تھی کہ مغلوں کے طویل دور زوال میں سیاسی انحطاط کے باوجود تعلیمی درس گاہیں اور مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت نہ صرف بدستور رہا بلکہ ان میں کہیں کہیں مزید ترقی ہوئی۔ سیاسی طور پر جو مرکز تو برابر کمزور ہوتا رہا لیکن جو نئی سلطنتیں اور ریاستیں وجود میں آئیں ان کے اکثر حکمرانوں نے علم کی سرپرستی کی۔ بعض علماء نے انتہائی ایثار سے اپنی زندگیاں درس و تدریس کے لیے وقف کر دیں اور یہی وجہ ہے کہ سیاسی انحطاط کے باوجود علمی انحطاط کی رفتار نسبتاً کم رہی۔ ایسے مدارس بکثرت تھے جو عمر بھر طلبہ کو درس دینے کے ساتھ ساتھ اپنی قلیل آمدنی سے جو کچھ پس انداز کرتے اسے کسی مدرسے کی تعمیر میں صرف کر دیتے۔ یہ علماء ہی تھے کہ سیاسی زوال کے عرصہ میں حکومت اور امراء کی سرپرستی اور مالی امداد سے قطع نظر ملک کے قدیم تعلیمی نظام کو قائم رکھنے اور وسعت دینے میں مشغول رہے۔(۴۷)

ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام کے بعد خاصی مدت تک مقامی باشندوں کی تعلیم کے لیے کسی بھی نظام کے لیے قیام کی بڑی مخالفت ہوتی رہی۔ اس باب میں اس ملک کے سرکاری عمال کے احساسات کا اندازہ پہلی بار ۱۷۹۲ء میں اس وقت ہوا جب مسٹر ولبرفورس نے تجویز پیش کی کہ ہندوستان کو سکول ماسٹر بھیجنے کی غرض سے اس سال کے چارٹر ایکٹ میں دو شقوں کا اضافہ کر دیا جائے۔ مجلس مالکان (کورٹ آف پروپرائٹرز) میں اس کی سخت مخالفت ہوئی جس کی وجہ سے ان شقوں کو واپس لینا ضروری ہو گیا۔ اس تجویز سے ایک یادگار مباحثہ کا آغاز ہوا جس میں ہندوستان پر برطانوی تسلط کے بعد پہلی بار تعلیم کے موضوع پر بورڈ آف ڈائریکٹرز کے خیالات واضح ہوئے۔ اس موقع پر ایک ڈائریکٹر نے کہا کہ ہم نے سکولوں اور کالجوں کے قیام کی حماقت کر کے امریکہ ہاتھ سے کھو دیا اس لیے ہندوستان کے سلسلے میں اس حماقت کا اعادہ کرنا ہمارے لیے سود مند نہ ہو گا۔(۴۸)

تقریباً بیس سال بعد کمپنی کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ہندوستان میں فروغ کے لیے پالیسی وضع کرے۔(۴۹) چنانچہ ایک مجلس قائم کی گئی ۱۸۳۴ء میں لارڈ میکالے اس مجلس تعلیمی کا صدر نامزد ہوا۔ مجلس میں ایک گروہ مشرقی تعلیم کا حامی تھا اور دوسرا گروہ انگریزی تعلیم کے حق میں دونوں گروہوں کی تعداد یکساں تھی چنانچہ صدر مجلس لارڈ میکالے کی فیصلہ کن رائے نے انگریزی خواہ نقطہ نظر کو ہمیشہ کے لیے کامیابی عطا کر دی۔(۵۰) اور تعلیم کا یہ نصب العین مقرر ہوا۔

"ہمیں ایسا طبقہ پیدا کرنا چاہیے جو ہمارے اور ان کروڑوں لوگوں کے درمیان جن پر ہم

حکومت کرتے ہیں ترجمان کی حیثیت رکھتا ہو۔ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق' رائے اور زبان و ذہن کے لحاظ سے انگریز ہو"۔(۵۱)

کمپنی نے اپنی تعلیمی پالیسی ان پانچ نکات میں واضح کی۔

۱۔ کمپنی کی حکومت کا واضح مقصد انگریزی زبان اور مغربی علوم کو ہندوستان میں رائج کرنا تاکہ یہاں کے لوگ مغربی تہذیب اور مغربی مذہب کو قبول کر لیں۔

۲۔ دوسرے درجہ میں انگریزی زبان جاننے والے ایسے منشیوں اور کلرکوں کی فوج تیار کرنا جو حکومت اور عوام کے درمیان رابطے کا کام دے۔

۳۔ جب تک ایسے کلرکوں کی معقول تعداد تیار نہیں ہو جاتی اس وقت تک مسلمانوں کے نظام تعلیم کو بدرجہ مجبوری گوارا کرنا تاکہ کاروبار حکومت میں خلل واقع نہ ہو۔

۴۔ اسلامی نظام تعلیم کو بہر حال ختم کرنا' فارسی زبان کی بالادستی اور ہمہ گیریت کو ختم کرنا رابطہ عوام کے لیے مقامی زبانوں کو فروغ دینا۔

۵۔ فارسی کی جگہ انگریزی کو ہندوستان کی سرکاری زبان بنانا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انگریزوں نے مسلمانوں کو خاص طور پر ہدف نشتر بنایا۔انگریز کے ذہن میں یہ بات راسخ تھی کہ مسلمان یہاں ایک طویل عرصہ برسر اقتدار رہا ہے اور اب بھی اقتدار کو اپنا حق سمجھتا ہے مزید یہ انگریز سے لڑنے کا دم خم صرف مسلمانوں میں ہی ہے چنانچہ اس نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے سب سے پہلے مسلمانوں کے نظام تعلیم پر ہی ضرب لگائی۔

انگریزی نظام تعلیم کے رواج سے درج ذیل اثرات مرتب ہوئے۔

☆ مقصد تعلیم صرف حصول ملازمت تک محدود ہو گیا۔

☆ تعلیم و تدریس میں مضامین کی مرکزی حیثیت ختم ہو گئی۔

☆ آرٹس کے مضامین غیر ضروری خیال ہونے لگے۔

☆ اخلاق' شرافت' حب وطن اور جب انسانیت نام کی اشیاء ناپید ہو گئیں۔

ہم بتائیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے
بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے
عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکر معاش

اس جنوں نے تجھے تعلیم سے بیگانہ کیا
جو یہ کہتا تھا خود سے کہ بہانے نہ تراش

نوا از سینہ مرغ چمن برد
زخوں لالہ آں سوز کہن برد
با ایں مکتب با ایں دانش چہ نازی
کہ نان در کف ندارد جاں زتن برد

اور یہ کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین مروت کے خلاف

اپنے عقیدے کے تحفظ' اقامت دین کی جدوجہد اور اعلائے کلمہ الحق کے لیے ضروری تھا کہ مسلمان اپنی نسلوں کو اسلامی نظام تعلیم کے تحت پروان چڑھائیں یہی عنصر تحریک پاکستان کا چوتھا اہم فکری محرک بنا۔

"علامہ اقبال دنیا کی بے خدا تعلیم کے سخت مخالف تھے جو سائنس اور مذہب کی تفریق پر مبنی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ امت مسلمہ کے لیے یہ نظام تعلیم بطور خاص مضر ہے وہ ایسا نظام تعلیم نافذ کرنے کے حامی تھے جو اسلام کے مذہبی اور اخلاقی اصولوں کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم کا مطالعہ اس انداز سے کرائے کہ یہ علوم جن حقائق و مظاہر کائنات و حیات سے تعلق رکھتے ہیں وہ ایک خدا کی قدرت کے ہی کرشمے ہیں"۔ (۵۴)

"مجھے خوشی ہے کہ آپ نظام تعلیم کو نئے سانچے میں ڈھال رہے ہیں اور آپ کے کالج میں محض کلرک اور سرکاری ملازم بنانے کی بجائے وہ ضروری مضامین پڑھائے جاتے ہیں جو ہمارے طلبہ کو اس قابل بنا دیں گے کہ وہ دنیا میں اپنا مقام حاصل کر سکیں"۔ (۵۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور اور مدنی دور میں انفرادی سیرت و کردار سے لے کر معاشرتی بنیادوں کے استحکام تک اپنے نظام تعلیم و تربیت کو اعلیٰ و ارفع مقاصد سے ہمکنار کیا۔ مکی دور میں اس نظام کے تین مقاصد نمایاں ہیں' تصور توحید' شعور نبوت اور خوف آخرت۔ چنانچہ مکی سورتوں میں انہیں تین مضامین کی بکثرت تکرار ملتی ہے۔ مدنی دور میں ایک عظیم الشان نظریاتی ریاست کی تشکیل اور عالمی انقلابی قیادت کی فراہمی کے تقاضے بھی ان مقاصد تعلیم میں شامل ہو جاتے ہیں' جس کے نتیجے میں دنیا کے نقشے پر ابھرنے والی ایک نئی سلطنت وسیع رقبہ کو اپنے دائرہ نظریات و عقائد میں سمو لیتی ہے۔

ان تاریخی حقائق سے یہ بات یقینی طور پر مترشح ہوتی ہے کہ تحریک پاکستان کی قیادت اپنے نظام تعلیم کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتے سے سیراب کرنا چاہتی تھی۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نظام تعلیم صرف نان شبینہ کے حصول کا ذریعہ نہ تھا اور نہ ہی ادارہ نبوت نے خوشامدیوں کا ایسا گروہ تیار کیا جو حق نمک کی ادائیگی میں جائز و ناجائز' حلال و حرام اور صحیح و غلط کی پابندیاں بالائے طاق رکھ دے۔

۵۔ دینی و ملی شعور

اسلامی قومیت کی بنیاد نسل' وطن یا زبان پر نہیں بلکہ ایک نظریہ اور ایک عقیدہ پر ہے۔ وطنی اور لسانی قومیتیں خود بخود حاصل ہو جاتی ہیں' ان کے حصول کے لیے خاص جدوجہد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر اسلامی قومیت' اسلامی نظریہ اور اسلامی عقیدہ کو شعوری طور پر اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے' اس وجہ سے اسلام میں دین کا علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض عین ہے۔ اسلامی عقیدہ جس قدر ذہنوں میں راسخ ہو گا' اسلامی فکر جس قدر عام ہو گی اس قدر مسلم قومیت قوی اور مستحکم ہو گی اور جس قدر اس عقیدے سے دوری ہو گی اور اسلامی تعلیم سے غفلت ہو گی اس قدر مسلم قومیت بودی اور کمزور ہو جائے گی۔ مسلمان کی قومیت براہ راست عقیدہ اور اسلامی تعلیمات کی پیداوار ہے۔ مسلمان قومیت کی بقا کسی اور طریقہ سے ممکن نہیں۔

ہندوستان میں انگریز حکومت نے صدیوں کا قائم شدہ مسلمانوں کا نظام تعلیم تباہ و برباد کر ڈالا۔ دینی اعتبار سے یہ بہت بڑا سانحہ تھا۔ اس کے بعد مسلمان نسلوں کی تعلیم و تربیت کے نظام میں اختلال واقع ہو گیا جس کی وجہ سے دینی و ملی شعور کی تشکیل پورے طور سے نہیں ہو سکی۔ نئی نسلوں کی دینی اور اخلاقی تربیت میں فساد رونما ہو گیا' یہ رخنہ اور فساد روز بروز بڑھتا ہی گیا۔ اس خلل اور فساد کے بہت گہرے اثرات مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں مرتب ہوئے۔

دینی مدارس بند ہو جانے سے مسلمانوں کی نئی نسلوں کی تعلیم و تربیت کے ادارے بند ہو گئے' دین کے مفہوم اور اس کے مطالبات سے ناواقفیت عام ہو گئی' دین کی حقیقت سے واقف افراد کی تعداد بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔ نئی نسلوں میں دینی اقدار کا شعور منتقل نہ کیا جا سکا' اس طرح اقدار سے بعد پیدا ہو گیا اور ملی شعور مردہ ہوتا چلا گیا۔ انیسویں صدی کا مسلمان جن اقدار کے تحفظ کی خاطر اور جس شعور ملی کے جذبے سے مجبور ہو کر انگریز سے لڑا تھا' خاندان کے خاندان تباہ کروا لیے تھے۔ اور ہر چیز قربان کروالی تھی' نئی نسل کے لوگ جب ان واقعات کو پڑھتے ہیں تو احساس و شعور سے بیگانہ ہونے کے سبب ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ جاتی جو اس بات کی غمازی کرتی کہ ذہنی اقدار بدل گئی ہیں اور قبلہ مقصود تبدیل ہو گیا ہے' اب وہ اجداد کی ذہنی کیفیات کا ادراک کرنے سے قاصر تھے۔

دینی شعور آمادہ زوال ہو جانے کے بعد آخرت کی طلب' سلف صالحین کا اتباع اور عظمت اسلام کے جذبات سرد پڑ گئے' ان چیزوں کا کوئی خریدار نہ رہا۔ انفرادی سیرت و کردار میں بے حد زوال آگیا' اخلاق محمودہ اور اخلاق مذمومہ کی تمیز ختم ہو گئی' اخلاقی گراوٹ کے پست ترین مظاہرات دیکھنے میں آئے۔ نہ پشیمانی کا احساس نہ اصلاح حال کی فکر۔ اخلاقی گراوٹ کے بعد حوصلہ' ضبط نفس اور محنت و مشقت سے بھی ہندوستانی مسلمان دور ہوتے گئے۔ غلامانہ پستی اور خود غرضی کی خوبواں کے دل و دماغ میں رچ بس گئی۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

دینی شعور کمزور پڑ جانے سے اسلاف کے مقدس گروہ سے رشتہ کٹ گیا۔ مسلمان خود کو ایک حقیر اور غلام قوم سے زیادہ اہمیت نہ دیتے۔ انگریز کی عظمت کے سامنے خود کو ہیچ سمجھتے' ہمہ جہت احساس کمتری میں خود کو پاتے' مایوسی اور ذلت نے ان کا احاطہ کر رکھا تھا' عظمت و رفعت کی کوئی جھلک ان کے حاشیہ خیال میں نہ رہی' انگریز کی جامد نقالی کے سوا ان کے سامنے اب کوئی راستہ نہ رہا۔ غیرت ملی اور خودی کا بند ٹوٹ گیا' تقلید فرنگ کے ایک سیلاب نے پوری مسلمان قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اسلام اور اسلاف سے کوسوں دور ہٹتے چلے گئے۔

دینی اقدار کے زوال سے مسلمانوں کا ملی شعور بھی کمزور پڑ گیا۔ مسلمان قوم غیر اقوام کی شیطانی انگخت کے لیے مرغوب چراگاہ بن گئی۔ مسلمانوں میں پہلے بھی بیسیوں حکومتیں تھیں' صدہا لسانی و تمدنی اختلافات تھے معاشرت میں بھی کافی فرق تھا لیکن یک جہتی اور اتحاد کا ملی شعور بیدار تھا۔ پشاور سے راس کماری تک اور مکران سے اراکان تک ایک ہی نظریہ تھا' ایک ہی ذہنیت تھی اور ایک ہی قوم تھی۔ ہر جگہ یکساں اقدار کی بالادستی تھی لیکن وہ غلامی میں جگہ جگہ لسانی و تمدنی اختلافات نے سر اٹھانا شروع کر دیا' شیطانی قوتوں نے انہیں غذا مہیا کی جس کے نتیجے میں مختلف علاقوں سے وطنی و لسانی قومیتوں کے نعرے بلند ہونے لگے۔ (۵۶)

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا

حیثیت قوم و ملت اپنی پہچان و آگہی کا حصول تحریک پاکستان کا پانچواں بڑا فکری محرک تھا۔

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا
تیرے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

"صرف ایک چیز مسلمانوں کو بچا سکتی ہے اور ان میں اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے کی قوت پیدا کیسے کر سکتی ہے۔ پہلے تو انہیں اپنی روحوں کو دوبارہ تسخیر کر کے ان عظیم روایات اور اصولوں پر سختی سے جم جانا چاہیے جو ان کے زبردست اتحاد کی بنیاد ہیں"۔(۵۷)

"مسلمان ایک جھوٹے احساس سلامتی میں مبتلائے فریب رہے اور اقلیت کی اصطلاح کو تاریخی' آئینی اور قانونی سمجھا جانے لگا لیکن مسلمان کسی حیثیت سے بھی یورپی ممالک کی اقلیت نہیں ہیں۔ ایک چیز قطعی ہے اور وہ یہ کہ ہم کسی طرح اقلیت نہیں ہیں بلکہ ہم اپنے نصب العین کے ساتھ بجائے خود ایک علیحدہ اور ممتاز قوم ہیں"۔(۵۸)

"پاکستان اس دن وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان کا پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے' وطن نہیں اور نہ ہی نسل۔ آپ نے غور کیا کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کی ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے"۔-(۵۹)

اس دینی و ملی شعور کا سرچشمہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔ آپ ﷺ نے پوری انسانیت کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ وحدت امت کے لیے زبان' رنگ' نسل اور علاقہ کے امتیاز کو ختم کیا آپ ﷺ نے واضح طور پر اعلان فرمایا کہ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ اس شعور کو اپنی امت میں انتقال کے بعد اسے عظیم عالمی احساس انفرادیت عطا ہوا۔ صرف ایک کلمہ اور ایک عقیدہ کی بنیاد پر عمر بن خطابؓ سے بلال حبشیؓ تک اور زینبؓ بنت عبدالمطلب سے حضرت سمیہؓ تک ایک ہی لڑی میں پرو گئے۔

دربار نبوت سے اس امت کو وہ شعائر نصیب ہوئے جو آنے والے وقت میں امت مسلمہ کی ملی و دینی وحدت کی پہچان بن گئے۔ السلام علیکم کا رواج' سر سبز و شاداب چہرہ' محراب و منبر' بین الانسانی اخلاق' وسیع دستر خوان' اصول پسندی اور دیانت و امانت اس امت کا اجتماعی مذاق ٹھہرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری اقوام کی

شباہت اختیار کرنے سے منع فرمایا۔(٦٠) دوسرے دیگر مذاہب کے اوقات عبادت میں خدائے واحد کی عبادت ممنوع کردی 'عبادات کے اعلان کے مروجہ طرق سے ہٹ کر اپنا جداگانہ طریقہ اعلان پسند کیا' حتیٰ کہ انفرادیت کی اس تحریک میں اپنے ہی خاندانی رسوم ورواج کو توڑنے کے لیے اپنی ہی ذات سے ابتدا کی۔ اپنی انفرادی زندگی اور نجی معاملات سے لے کر افواج کی سپہ سالاری اور اقتدار کے ایوان تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل ایک جدا امتیازی کلچر کی بنیاد رکھ دی۔

امت مسلمہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مزاج نے تاریخ عالم میں ایک نئے تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی۔ زبان' ادب' رسوم ورواج' شائستگی' طرز تعمیر' لباس' فنون لطیفہ' تاریخ نویسی' کیلنڈر' سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں یہ امت مزاج نبوت کو تھامے ہوئے عالم انسانی کی امامت کرتی رہی۔

٦۔ اسلامی نشاۃ ثانیہ

بیسویں صدی عیسوی اور چھٹی صدی عیسوی اپنی جہالت اور عالمگیر بد معاشی میں یک گونہ ایک اشتراک رکھتی ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی میں روئے زمین پر ایسی کوئی قوم نظر نہ آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح ہو اور ایسی سوسائٹی تھی جو شرافت اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو' نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو اور نہ ایسی قیادت تھی جو حکمت و تدبر سے مزین ہو اور نہ کوئی ایسا دین تھا جو انبیاء کی طرف صحیح نسبت رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و خصوصیات کا حامل ہو۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کہیں کہیں عبادت گاہوں یا خانقاہوں میں اگر کوئی روشنی نظر آتی تو اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسے کسی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے۔ صحیح اور صحیح عمل اتنا نایاب تھا اور خدا کا سیدھا راستہ بتانے والے اس قدر خال خال تھے کہ ایران کے بلند ہمت اور بے چین طبیعت نوجوان سلمان فارسی جو اپنے قومی و نسلی مذہب سے غیر مطمئن اور مایوس ہو چکا تھا۔ اور حق و صداقت کا جو تھا' ایران سے لے کر شام تک اپنے طویل سفر میں صرف چار آدمی ایسے مل سکے جن اس کی روح کو سکون اور قلب کو اطمینان حاصل ہوا اور پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستے پر تھاٹ تھے۔(٦١)

ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس۔(٦٢)

لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں خشکی و تری میں فساد پھیل گیا۔

ایسے وقت میں کہ انسانیت پر نزع کا عالم طاری تھا' دنیا اپنے تمام ساز و سامان سمیت ہلاکت کے مہیب و عمیق غار میں گرنے والی تھی عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں کو وحی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

و کنتم علی شفا حفرة من النار فانقذ کم منها۔(٦٣)

اور تم آگ بھرے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے پس ہم نے تمہیں بچا لیا۔

بیسویں صدی کا سورج انسانیت کے لیے تباہی و بربادی کا پیغام لایا تھا۔ یورپ کے صنعتی انقلاب نے انسان کو خدا کا بندہ بنانے کی بجائے رجل الدرہم والدینار بنا ڈالا تھا' دولت ہی انسان کا مطمع و مقصود ٹھہری تھی' چمک کی خاطر بے ایمانی' بد ذاتی' قتل و غارت گری اور استحصال نے وقت کے تمدن میں نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا۔ لالچ نے اس حد تک طبائع میں جگہ بنالی تھی کہ ھل من مزید کے جذبہ سے سرشار پیاسی اقوام ایک دوسرے پر چڑھ دوڑی تھیں۔ غربت' یتیمی' لاچارگی اور معذوری اس کرہ ارض پر نہ مٹنے والے دھبے بن چکے تھے۔

یورپ کی جدید تہذیب نے مذہب کو انفرادی معاملے کی حد تک محدود کر دیا جس کا منطقی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ انسان انبیاء کی تعلیمات کے سوتے سے محروم ہو گیا' عقل کو ہی کھرے کھوٹے' حق و باطل اور صحیح و غلط کا معیار مان لیا گیا۔ انسان جنس جانور کہلایا۔ مذہب کے رخصت ہو جانے سے معاشرتی زندگی کا خاندانی نظام بکھر کر رہ گیا۔ عورت چراغ خانہ کی بجائے رونق محفل بن گئی۔ ماں' بہن' بیٹی اور بہو کی تقدیس معاشرے سے اٹھ گئی۔ معاشرہ اس قدر زوال پذیر ہوا کہ بیوی کا کردار لذت کی آماجگاہ بن گیا' آزادی کے نام پر بنت حوا کو شراب و کباب کے درمیان اچھالا جانے لگا اور اس آسمان نے وہ دن بھی دیکھے کہ پرندوں' جانوروں' کیڑوں مکوڑوں اور نباتات کی افزائش نسل پر کروڑوں کے وسائل خرچ کرنے والے انسان پر اپنی ہی نسل بوجھ متصور ہوئی۔

پہلی جنگ عظیم کے اثرات بہت کچھ ابھی باقی تھے کہ دوسری عالمی جنگ نے انسان کی دہلیز پر دستک دے دی۔ بیسویں صدی میں مقتدر اقوام کی درندگی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ پہلی عالمی جنگ پانچ سال جاری رہی' دو کروڑ انسان لقمہ اجل ہوئے' تین کروڑ زخمی ہوئے' چار کروڑ لاپتہ ہو گئے اور یہ تباہی پانچ کھرب روپے کے عوض انسان کو ملی جبکہ دوسری جنگ عظیم میں دو کروڑ انسان زخمی ہوئے' چار کروڑ انسان مقتول ہوئے' پانچ کروڑ انسان لاپتہ ہو گئے اور کل لاگت اٹھائیس کھرب روپے آئی اور اس جنگ کا دورانیہ چھ سال رہا۔ ان جنگوں کے نتیجے میں انسان کو نہ ختم ہونے والی اسلحے کی دوڑ' تباہی و بربادی' خوارگی' جہالت' بھوک و ننگ و فاقہ' ذہنی کھنچاؤ' نت نئی جسمانی و نفسیاتی بیماریاں' مہنگائی' ظالمانہ حکومتی کلچر' عوام اور حکمران کے درمیان وسیع خلیج اور ایٹم بم' نیٹران بم' ہائیڈروجن بم وغیرہ ملے۔

ان نتائج کا تسلسل جاری رہتا اگر اللہ تعالیٰ انسان کو ایک بار پھر اپنی رحمت میں نہ سمیٹ لیتا۔ یہی رحمت پاکستان کی صورت میں عالم اسلام کو بالخصوص اور عالم انسانیت کو بالعموم میسر آئی' جہاں خالص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بنیاد پر ایک سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ انیسویں صدی میں پوری امت میں آزادی کی تحریکیں چلیں اور زنجیریں توڑنے کا جذبہ بیدار ہوا' بیسویں صدی کے وسط تک تمام امت آزادی کی دہلیز تک پہنچ چکی تھی اور امامت عالم کی طرف سفر شروع کر دیا۔ یہ آزادی بالآخر غلامی کی باقیات کو بھی ختم کرے گی' خدا کا پرچم بلند کرے گی' انسانیت

کو عدل و انصاف، تعلیم اور حقوق انسانی سے آشکار کرے گی اور ظلم و تعدی جہالت اور خدا سے نا آشنائی دور کرے گی
یہی آزادی دراصل اسلامی نشاۃ ثانیہ کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔ ان شاء اللہ۔

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اس قدر ہو گی ترنم آفریں باد بہار
نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی
شبنم افشانی میری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
دیکھ لو گے سطوت رفتار دریا کا مال
موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
نالہ صیاد سے ہوں گے نوا پیرا طیور
خون گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے

ان شاء اللہ تعالیٰ

(اقبال)

حوالہ جات

المنجد۔ صفحہ ۱۹۱۵۔ دار المشرق بیروت الطبعہ السادسہ والعشرون۔

الاشقر' ڈاکٹر عمر سلیمان۔ الرسل والرسالات ص ۷۵۔ دار لنفاس کویت ۱۹۸۹ء کل صفحات ۲۶۹

امجد' الحاج۔ جی این۔ اسلام اور دنیا کے مذاہب۔ ص ۳۶۲۔ مفید عام کتب خانہ لاہور ۱۹۷۷ء کل صفحات ۳۸۴

ایضاً ص ۳۶۱

فاروقی' عماد الحسن آزاد۔ دنیا کے بڑے مذاہب ص ۱۹۔ مکتبہ جامعہ نئی دہلی لمیٹڈ دسمبر ۱۹۸۶ء کل صفحات ۴۰۰

ایضاً امجد' الحاج جی این۔ اسلام اور دنیا کے مذاہب۔ ص ۳۶۸

ایضاً

فاروقی' عماد الحسن آزاد' دنیا کے بڑے مذاہب ص ۳۶

امجد' الحاج این جی۔ اسلام اور دنیا کے مذاہب۔ ص ۳۶۹

سورۃ الاخلاص ۱۱۲:۱

سورۃ النساء ۴۔ آیت ۴۸

سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت ۲۱۰

سورۃ الحجرات ۴۹۔ آیت ۱۳

بائبل' عہد نامہ جدید' متی' باب ۲۸۔ آیت ۱۹

ایضاً۔ کرنتھیون دوم۔ باب ۱۳۔ آیت ۱۴

فاروقی' عماد الحسن آزاد' دنیا کے بڑے مذاہب۔ ص ۳۰۷

احسان الحق ڈاکٹر رانا۔ یہودیت و مسیحیت ص ۳۱۶۔ مسلم اکادمی لاہور ۱۹۸۱ کل صفحات ۳۹۶

بائبل' پیدائش۔ باب ۳۔ آیت ۱۸

بائبل۔ کرنتھیون اول۔ باب ۱۵۔ آیت ۳'۴

ملخص از' خورشید احمد' پروفیسر۔ اسلامی نظریہ حیات ص ۳۴۔ ۳۶ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی کراچی۔ ۱۹۸۱ء کل صفحات ۴۵۵

۲۱۔ سورۃ الکافرون۔ ۱۰۹

۲۲۔ سورۃ الروم۔ ۳۰' آیت ۳۰

۲۳۔ سورۃ آل عمران ۳۔ آیت ۱۹

۲۴۔ سورۃ المائدۃ ۵۔ آیت ۳

۲۵۔ جعفری' رشید احمد ندوی۔ اقبال اور سیاست ملی ص ۲۱۴' ۲۱۵۔ اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء کل صفحات ۴۹۹

۲۶۔ سعید راشد۔ مکالمات اقبال ص ۳۹۵۔ کامران بک بنک جہلم ۱۹۸۸ء کل صفحات ۴۸۶

۲۷۔ کرم حیدری' قائد اعظم کا اسلامی کردار۔ ص ۱۰۱' ۱۰۲۔ مکتوبات حرمت۔ راولپنڈی ۱۹۸۴ء کل صفحات۔ ۱۴۰

۲۸۔ ایضاً ص ۱۰۳

۲۹۔ ایضاً ص ۱۰۳

۳۰۔ اسعد گیلانی۔ اقبال قائد اعظم اور مولانا مودودی۔ ص ۸۱' مکتبہ تعمیر فکر لاہور۔ ۱۹۷۷ء کل ص ۵

۳۱۔ شبلی نعمانی سیرت النبی ﷺ جلد دوئم ص ۵۲۲۔ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۳ء

۳۲۔ ندوی جلیل احسن۔ زاد راہ ص ۱۶۸۔ اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۶ء کل صفحات ۳۷۶

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ فاروق محمد خان۔ مطالعہ حدیث ص ۱۷۳ البدر پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۹ء

۳۶۔ ایضاً ص ۱۷۵

۳۷۔ سورۃ التوبۃ ۹۔ آیت ۳۹

۳۸۔ سورۃ الانفال ۸۔ آیت ۳۹

۳۹۔ سورۃ الحج ۲۲۔ آیت ۱۱

۴۰۔ سورۃ التوبۃ ۹۔ آیت ۱۱

۴۱۔ سعید راشد۔ قائد اعظم گفتار و کردار ص ۴۰۳ مکتبہ میری لائبریری لاہور ۱۹۸۶ء کل صفحات ۶۳۲

۴۲۔ ایضاً ص ۵۱۳

۴۳۔ آغا اشرف۔ مرقع قائد اعظم ص ۴۱۔ مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۹۲ء کل صفحات ۱۹۰

۴۴۔ مودودی' ابوالاعلیٰ۔ سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم' ج دوم ص ۵۲۴

باشمیل' علامہ محمد احمد۔ غزوہ احزاب ترجمہ اختر فتح پوری۔ ص ۱۶۴'۱۶۵۔ نفیس اکیڈمی کراچی۔ ۱۹۸۸ء کل صفحات ۳۱۵

سورۃ الذاریات ۵۱۔ آیت ۵۶

عقیل۔ ڈاکٹر معین الدین۔ تحریک پاکستان کا تعلیمی پس منظر۔ ص ۱۸'۱۷۔ ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور ۱۹۹۲ء کل صفحات ۱۹۰

باسو۔ میجر بی ڈی۔ تاریخ تعلیم ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں۔ ترجمہ وارث سرہندی۔ ص ۳۱'۳۲۔ اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کراچی ۱۹۷۶ء

ایضاً ص ۳۳

عقیل' ڈاکٹر معین الدین۔ تحریک پاکستان کا تعلیمی پس منظر ص ۲۷

باسو' میجر بی ڈی۔ تاریخ تعلیم ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں ص ۱۱

سلیم محمد پروفیسر۔ ہندوپاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ص ۲۰۰'۲۰۱

منصور احمد' بریگیڈیئر' علامہ اقبال اور قائداعظم کے فرمودات کی روشنی میں پاکستان کے نظریاتی تقاضے۔ ص ۲۴۔ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن۔ کانفرنس لاہور۔ ۱۹۹۱ء کل صفحات ۴۰۸

افغانی' خالد اختر۔ حالات قائداعظم ص ۲۰۶' آتش فشاں پبلشرز لاہور ۱۹۸۲ء کل صفحات ۴۰۸

صدیقی' حمید رضا۔ قائداعظم کیسا پاکستان چاہتے تھے۔ ص ۱۲۱۔ کاروان ادب ملتان۔ ۱۹۹۲ء کل صفحات۔ ۱۴۸

ملخص از سلیم محمد پروفیسر۔ ہندوپاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ص ۲۳۰ تا ۲۳۶۔

اسعد گیلانی۔ اقبال قائداعظم اور مودودی ص ۲۷

ایضاً ص ۷۵

ایضاً

الصافی' شیخ عثمان بن عبدالقادر۔ حکم الشرع فی اللحیۃ والازیاد و التقالید والصادات ص ۳۷

ندوی' ابوالحسن علی۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۹۸۔۹۹' مجلس نشریات اسلام کراچی کل صفحات ۴۷۶

سورۃ الروم ۳۰۔ آیت ۴۱

آل عمران ۳۔ آیت ۱۰۳

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

ڈاکٹر فضل احمد، کراچی

مسلمانان پاکستان آج گوناگوں مسائل، ان گنت مشکلات اور ذہنی و فکری آلام کا شکار ہیں اور آج پاکستان کا مستقبل ایک مرتبہ پھر غیر مستحکم نظر آرہا ہے۔ ایک طرف سیرت طیبہ کی سنہری تعلیمات ہیں کہ جن سے غفلت برتی جارہی ہے۔ تو دوسری طرف وحشت و بربریت، عصبیت، لسانیت، قومیت، صوبائیت، باہمی مذہبی و سیاسی منافرت، ظلم و جبر، بدامنی، لوٹ کھسوٹ، رشوت ستانی، اقربا پروری، قومی وسائل کا ضیاع، قومی امانت میں خیانت، جذبہ حب الوطنی کا فقدان، ہوس جاہ و مال، طبقاتی کشمکش، مادہ پرستانہ ذہنیت، معاشی ناہمواری، دین سے دوری اور مذہب سے بیزاری جیسے ایسے مسائل ہیں کہ جس نے اہل وطن کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اور جس کی وجہ سے مادر وطن نصف صدی سے ان مہلک امراض میں مبتلا ہے۔ جس کی وجہ سے جسد قومی کی روح سسک رہی ہے، اور قوم کرب والم میں تڑپ رہی ہے اور کسی مسیحا کو پکار رہی ہے، لیکن میں اس مقالے میں قوم کی توجہ اس مسیحائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ اس نسخہ کیمیا کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ جس پر عمل کر کے عرب کے مشرک موحد بن گئے، جاہل عالم بن گئے۔ ظالم عادل، قزاق و خائن، امین بن گئے، لٹیرے و غاصب پاسبان و محافظ بن گئے، نفرت، الفت میں تبدیل ہوئی اور سسکتی ہوئی انسانیت کو تاج معراج انسانیت عطا ہوا۔ میں اہل وطن کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا علاج اور ہمارے ملک کا استحکام اور اس کی سلامتی کی ضمانت صرف اور صرف سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عملدرآمد کرنے کی صورت میں ممکن ہے۔ جیسا کہ حالی نے کہا۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا — اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا (۱)

آج بھی ہم اگر اس نسخہ کیمیا کو اپنے وطن میں نافذ کر دیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی برکت سے پاکستان نہ صرف مستحکم ہو گا بلکہ مجھے یقین کامل ہے کہ پاکستان اقوام عالم کی قیادت کا فرض بھی ادا کرے گا۔ بقول اقبال۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا   لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (۲)

اور یہ پاکستان جو کہ مسلمانان برصغیر کی طویل جدوجہد کے بعد حاصل ہوا اور جو ان کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ جنہوں نے جان مال' اور عزت و آبرو کی قربانی دے کر یہ ملک اس لیے حاصل کیا کہ یہاں پر نظام سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصولوں کی روشنی کے مطابق ایک ایسی اسلامی ریاست تشکیل پذیر ہو گی کہ جس میں اخوت کی فراوانی ہو گی' عدالت کی حکمرانی ہو گی' اور سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بول بالا ہو گا۔ جیسا کہ حضرت قائداعظم جناب محمد علی جناح نے فرمایا!

"میں آئین اور قانون دینے والا کون ہوں' آئین اور قانون تو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے ہیں میں تو ان کو نافذ کرنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام نہ تو بوسیدہ ہے نہ باسی یہ اسی طرح تر و تازہ ہے جس طرح اس وقت تھا"۔ (۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم فرمایا جس کی نظیر تاریخ انسانیت پیش کرنے سے قاصر ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے قلوب کا تزکیہ کیا' یوں کہ ہر خوف بجز خوف خدا کے مٹ گیا' ہر محبت اللہ کی محبت کے تابع ہو گئی' ہر کدورت ہر کھوٹ منفی جذبوں' گمراہ خواہشوں کو لگام پڑ گئی' محبت کے جذبوں اور مثبت قدروں نے دلوں میں گھر کر لیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوں کو دانائی عطا فرمائی' تو یوں کہ نکتہ وروں سے کھل نہ سکے' فلسفیوں سے حل نہ ہونے والے راز گذریوں اور غلہ بانوں پر منکشف ہونے لگے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم سکھایا تو یوں کہ صحرا نشیں خانہ بدوش دنیا کو زندگی کے قرینے اور جہاں بانی کا انداز سکھانے اٹھ کھڑے ہوئے' جیسا کہ اقبال نے کہا:

تمدن آفرین خلاق آئین جہاں داری
وہ صحرائے عرب' یعنی شتر بانوں کا گہوارہ
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار' و جہاں بان و جہاں آرا (۴)

وہ جو کبھی مرکزیت کے نام تک سے ناآشنا تھے خود انسانی تہذیب و تمدن کا مرکز قرار پائے' اور جو اپنی جہالت پر فخر کیا کرتے تھے' علم و دانش کے مینار بن گئے' یہ انسانی تاریخ کا سب سے عظیم تر انقلاب تھا کہ ایک ایسا روحانی' ذہنی' قلبی' تمدنی' سیاسی' اقتصادی اور سماجی انقلاب جس نے اعلیٰ و ادنیٰ کے معیار' عزت و ذلت کے معنی

کامیابی اور ناکامی کے مفاہیم بدل ڈالے' جس نے انسانی آزادی اور حریت فکر کو اعلیٰ ترین بلندیوں سے ہمکنار کیا اور انسانی حقوق کو ناقابل پامال حرمت اور تقدیس بخشا جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے :

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ (۵)

اگر آج ہمیں اپنے پیارے وطن مملکت خداداد پاکستان کے روشن مستقبل اور اس کی سلامتی اور استحکام کا ذرا بھی احساس ہے تو ہمیں سب سے پہلے ان مسائل اور امراض کو دور کرنا ہوگا جو اس کی تباہی اور کمزوری کا باعث بنے ہوئے ہیں اور پھر سیرت طیبہ کی روشنی میں ان کا مداوا بھی کرنا ہوگا۔ آیئے ہم اپنے ملک میں پائے جانے والے اس کی جڑوں کو کمزور کرنے والے' اس کی بنیادوں کو ہلا دینے والے اور اس کی روح اور استحکام کو مجروح کرنے والے اسباب و علل کا ایک سرسری جائزہ لیتے چلیں۔

پاکستان میں پائی جانے والی کمزوریوں میں سب سے بڑی کمزوری اور ضعف ہمارے معاشرے کا لادینیت کی طرف رجحان' اور مذہب سے دوری ہے' جس کی وجہ سے پاکستان کی اساس اور بنیادی نظریہ' اس کی زد میں ہے۔ مذہب سے دوری کے کئی اسباب ہیں۔ جن کی وجہ سے آج ہماری نوجوان نسل دین و مذہب سے دور اور متنفر ہوتی جا رہی ہے اور پاکستانی معاشرے کے اندر معاشرتی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی جا رہی ہیں۔ جس کی بناء پر آج پاکستان کا استحکام خطرے میں ہے۔ مذہب سے دوری کے چند اہم اسباب یہ ہیں۔

عصبیت و قومیت

آج پاکستان کو سب سے بڑا خطرہ لسانی و قومی عصبیت سے ہے کہ ملک کے چپے چپے میں قومیت و تعصب کا خیمہ گاڑ دیا گیا ہے۔ عداوت و نفرت کا بیج شہری و غیر شہری باشندوں کے درمیان بو دیا گیا' اسی فتنہ کے نتیجے میں تاریخ نے وہ بدترین ساعت بھی دیکھی کہ جب مملکت خداداد دولخت ہوا آج دوبارہ وہی مسئلہ مملکت کے مختلف حصوں میں اٹھایا جا رہا ہے اور یہ کھیل کھیلا جا رہا ہے ایک بھائی دوسرے بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے اور اس وقت مملکت خداداد میں قومیت کا پرچار اپنے شباب پر ہے اور ملک دشمن عناصر اور جماعتیں اس کو دوبارہ لسانی سطح پر تقسیم کرنے کی کوشش میں سرگرم عمل ہیں۔

اقرباء پروری و خواہشات نفسانی کی پیروی و اتباع

پاکستانی معاشرہ اس برائی کی زد میں ہے اور ابھی تک اس سے نجات حاصل نہیں کر سکا' معاشرے میں بے شمار خرابیاں صرف اور صرف انہی وجوہ کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہیں۔ اگر سرکاری ملازمت کے لیے کوئی کوشاں ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کوئی بڑا آدمی ہو یا پھر کسی بڑے افسر کا بیٹا بھائی وغیرہ ہو تو پھر اسے ضرور کچھ نہ کچھ

حاصل ہو جاتا ہے اور آج یہی کچھ ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے اور ساتھ ہی اپنی غیر ضروری خواہشات کو پورا کرنے کے لیے غیر قانونی اور خلاف شرع جائز و ناجائز ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے معاشرے کے دوسرے افراد کے اندر احساس کمتری کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں ہمارے معاشرے کے اندر ہمت' قوت ارادی' عملی اقدام' قابلیت' قوت استنباط میں کمی واقع ہوتی چلی جا رہی ہے۔ نظم واستقامت کی روح ختم ہو چکی ہے۔ جس کی وجہ سے پاکستان کا استحکام اور اس کا وجود خطرے میں ہے۔

طبقاتی کشمکش

قوم طبقاتی کشمکش کا شکار ہے جس کی وجہ سے ملک کا استحکام مجروح ہو رہا ہے۔

رشوت وسود خوری

مملکت پاکستان کی سب سے زیادہ بری حالت ملک کے اندر بڑھتی ہوئی کرپشن نے کی ہے ہر قسم کے ملکی معاملات میں چاہے ان کا تعلق تعلیم سے ہو یا سرمایہ کاری سے بہبود آبادی یا صحت عامہ یا حقوق یا یاروزگار سے' غرض یہ کہ رشوت ہماری زندگی کے ہر معاملے میں اثر انداز ہو رہی ہے اور اب یہ گناہ ہماری نظروں میں گناہ ہی نہ رہا۔

اور اس برائی کے ساتھ ایک سب سے بڑی برائی سود خوری کی ہے اس میں اج بلاامتیاز خاص و عام تمام مبتلا ہیں ہمارے بنک سودی کاروبار کرتے ہیں۔ سودی قرضے' سودی اسکیمیں' مختلف ناموں سے متعارف کرائی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے آج ہمارے ملک کا یہ حال ہے کہ سودی قرضوں نے اس کو جکڑ لیا ہے جس کی بناء پر بین الاقوامی قوتیں من مانیاں کر رہی ہیں اور آج ہمارے فیصلے ایوانوں میں نہیں ہوتے ہماری تقدیر ملک کی قیادت کے ہاتھوں میں نہیں بلکہ اقوام عالم کی قوتوں کے ہاتھ میں ہے۔

مخلوط تعلیمی نظام

مخلوط تعلیمی نظام کی وجہ سے ہمارے اسلامی معاشرے کی اقدار پامال ہو رہی ہیں۔

ویڈیو سینٹرز اور منی سینما

ملک میں بے حیائی پھیلانے میں سب سے اہم کردار ان ویڈیو سینٹرز نے کیا ہے' جہاں پر منی سینما کی طرز پر مخرب اخلاق فلمیں چلائی جاتی ہیں اور ملک میں جگہ جگہ اس چیز کا کاروبار ہو رہا ہے اور ہماری نوجوان نسل کو تباہی کی طرف مائل کیا جا رہا ہے۔

میڈیا اور ذرائع ابلاغ

ہمارے ملک میں اگر کوئی اس بگڑتی ہوئی معاشرتی صورتحال کو سہارا دے سکتا ہے تو وہ ہمارے ذرائع ابلاغ ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہمارے معاشرے میں ٹی وی وغیرہ نے معاشرے کی اصلاح کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔ بلکہ آج اخبارات و جرائد اور دوسرے ذرائع سے مخرب اخلاق پروگرام کی پبلسٹی ہوتی ہے۔

قانون شکنی

ملک میں چونکہ امن وامان کا مسئلہ ہمیشہ سے ہی مملکت کے استحکام کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے اور اس کی وجہ صرف اور صرف ملک میں پائے جانے والے قانون شکن افراد ہیں کہ جو دولت کے بل بوتے پر قانون کے محافظوں کو بھی جھک جانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں لاقانونیت کا دور دورہ ہے اور اندازہ نہیں ہوتا کہ یہاں قانون نام کی کوئی چیز ہے بھی یا نہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی معاشرتی اور اخلاقی برائیاں ہیں مثلاً شراب نوشی' ظلم و جبر' استحصال' زناکاری' جوا و سٹہ' منشیات کا استعمال' بے علمی و بد عملی' ہوس مال' اسمگلنگ' مذہبی منافرت و فرقہ بندی جیسی ایسی بیماریاں ہیں۔ جو پاکستان کے استحکام اور اس کی بنیاد کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں۔ آیئے استحکام پاکستان کے لیے ان بیماریوں اور خرابیوں کے ازالہ کی غرض سے سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

دین و شریعت کا مکمل نفاذ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لاتے ہی دین و شریعت کا نفاذ فرما کر ریاست مدینہ کو استحکام بخشا کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور انسانی زندگی کے ہر پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے ماننے والوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہے۔

یا یھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ۔(۶)

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو"۔

اور نظام سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد وہ نظام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اس دنیا میں تکمیل کو پہنچا' اور جس کے نفاذ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم احکم الحاکمین کی طرف سے مامور تھے' اس نظام کے ذریعے دنیا کے دوسرے تمام دساتیر مٹ گئے اور تمام ادیان پر اسلام غالب آگیا۔

ھو الذی ارسل رسولہ' بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔(۷)

"وہ ذات جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان

پر غالب کردے"۔

اسی طرح نظام سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔

ان الحکم الاللہ امر الا تعبدوا الا ایاہ۔(۸)

اقتدار اعلیٰ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کے اس فرمان پر کہ:

الا لہ الخلق و الامر "آگاہ ہو مخلوق بھی اسی کی اور حکم بھی اسی کا"۔(۹)

لوگوں کو یہ بتایا کہ اقتدار اعلیٰ کا سر چشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اصل حاکمیت اسی کو حاصل ہے' اسی کے احکام ملک کے قانون ہیں اور جو حدود اس نے مقرر کی ہیں ان کی پابندی لازمی کرنی ہے اور کاروبار حکومت کو بھی قانون خداوندی کے تحت چلایا جائے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ انسانی زندگی میں بھی خدا کی قانونی حکومت کا نمائندہ ہے اور اس فرمان کے بموجب اطاعت رسول عین اطاعت خداوندی ہے۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔(۱۰)

اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار کی۔ پس بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کی۔

لہذا ہمیں سب سے پہلے اس ملک میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرنا ہوگا۔

شوریٰ

اللہ تعالیٰ نے شوریٰ کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ ایک سورۃ کا عنوان بھی شوریٰ قرار دیا ہے اور اس میں واضح ارشاد فرمادیا ہے۔

و امرھم شوریٰ بینھم۔(۱۱)

اور مسلمانوں کے باہمی معاملات مشورے سے چلتے تھے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ آل عمران میں براہ راست خطاب فرمایا "وشاورھم فی الامر" اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔(۱۲) چنانچہ اسلامی نظام میں شوریٰ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس نظام کو مملکت پاکستان میں ضرور نافذ کرنا چاہیے تاکہ اس کو استحکام نصیب ہو سکے اور یہی سیرت طیبہ کی پکار بھی ہے۔ اس اصول مشاورت پر عمل کر کے ہی ہم پاکستان کو مستحکم بنا سکتے ہیں۔

متحدہ قومیت

پاکستان کی اساس و نظریہ کی بنیاد مسلم قومیت پر ہے اور اسی پر پاکستان کی بقا و استحکام کا دارومدار ہے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا"۔(۱۳)

"اے مومنو! سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ"۔

دوسری جگہ فرمایا:

انما المؤمنون اخوة۔(۱۴)

پاکستان کا استحکام صرف نظام سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مضمر ہے اس کی واضح مثال ریاست مدینہ میں مواخات کا رشتہ قائم ہونے کے بعد انصار و مہاجرین نے عملی مظاہرہ کر کے پیش فرمائی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اخوت کے موتی کی لڑی میں پرو دیا اور جس کے نتیجے میں غیر مستحکم قوم مستحکم بن گئی اور ایک مثالی نمونہ تقلید بن گئے۔

مساوات

تمام افراد کے ساتھ ایک ہی طرز کا سلوک اختیار کرنا ایسا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے عملی نمونہ فراہم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے لوگو! عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے اس ارشاد کی روشنی میں ہمارا فرض ہے کہ ہم افراد کے مابین قانونی' سیاسی' معاشرتی اور معاشی مساوات کا اہتمام کریں' قانون سب کے لیے یکساں ہو' جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل تھا' روزگار' تعلیم معیشت اور سیاسی عمل میں حصول منفعت کے مواقع سب افراد کے لیے یکساں ہوں۔

امن وامان

کسی بھی مملکت کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ پورے معاشرے میں امن وامان ہو' نہیں تو مملکت کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں امن وامان نام کی کوئی چیز نہ تھی' ہر طرف کینہ' بغض و عداوت کی آندھیاں چل رہی تھی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ خون اور قرابت کے رشتے سے زیادہ محفوظ رشتہ دین کا رشتہ لائے جس سے اتحاد و یگانگت کے انوار کی بارش ہونے لگی' ہجرت کے بعد مدینہ کو مرکز بنا کر اسلامی ریاست کی تاسیس فرمائی تو چند سال کے اندر اندر سارے عرب میں امن وامان کی ایسی فضا قائم ہوئی کہ ایک پردہ نشین عورت بھی تن تنہا بغیر کسی خوف و خطر کے سینکڑوں میل کا سفر کرتی تھی' داخلی

حکمت عملی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود اللہ کو سختی سے نافذ فرمایا' ہم بھی مملکت پاکستان کے امن وامان اور اس کے استحکام کی خاطر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نظام نافذ کر کے وہی نتائج حاصل کر سکتے ہیں جو کچھ ہمارے اسلاف نے حاصل کیے تھے۔

رشوت وسود خوری

ملک سے فی الفور سود کا خاتمہ کر دیا جائے۔ کیونکہ سودی نظام معیشت ملک کے لیے ناسور کی حیثیت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کھلا اعلان بغاوت وجنگ ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سود کی ہر شکل کو حرام قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ :

"سود کے ستر درجے ہیں' اور سب سے کم درجہ ایسا ہے جیسے ماں سے زنا کیا جائے"۔(۱۵)

پاکستان میں ہم نے سودی نظام کی تباہ کاریاں دیکھ لی ہیں کہ ہم اپنی تجارت 'معیشت' قیمتوں میں ردوبدل بھی اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے لہذا ہمیں چاہیے کہ اسلامی نظام معیشت کو اپنائیں اور پھر اس کا نتیجہ کیا مرتب ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "عنقریب لوگ ایسا وقت دیکھ لیں گے کہ انسان اپنی زکوۃ کا سونا لے کر مستحق کو تلاش کرتا پھرے گا اور کوئی لینے والا نہ ملے گا"۔

سود کا قلع قمع کرنے سے دو فائدے حاصل ہوں گے کہ امیر کی ناروا دولت میں اضافہ رک جائے گا اور غریب غریب تر ہونے سے بچ جائے گا۔

رشوت ایک ایسا ناسور ہے کہ اس کا قلع قمع کرنا انتہائی ضروری ہے۔ معاشرے میں ظلم وتعدی کا بازار گرم ہے اسلام نے رشوت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے ارشاد نبوی ﷺ ہے "الراشی والمرتشی کلا ھما فی النار" دوسری جگہ ارشاد ہے کہ "جو شخص فیصلہ اپنے حق میں کرانے کے لیے رشوت دے یا جو شخص دوسرے کے حق میں فیصلہ دینے کے لیے رشوت لے حضور ﷺ نے دونوں پر لعنت فرمائی ہے"۔(۱۶)

مخلوط تعلیمی نظام

مخلوط تعلیمی نظام کو ختم کر کے علیحدہ علیحدہ تعلیمی درسگاہیں بنائی جائیں تاکہ ہماری درسگاہوں میں بھی اسلامی رنگ نظر آئے اور ہمارے نوجوانوں کی صحیح تربیت اسلامی خطوط کی روشنی میں ہو سکے۔

اسلامی نظام عدل

اسلامی نظام عدل ایک جامع انسانی قدر ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور تمام سرگرمیاں اس کے دائرہ میں شمار ہوتی ہیں۔ مادی 'روحانی' معنوی اور تمام اقدار کا حسین امتزاج کا نام ہے۔ نظام عدل وانصاف کسی بھی مملکت و

ریاست کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور قرآن کریم میں جا بجا عدل و انصاف کا ذکر آیا ہے۔

و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (۱۸)

"اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو"۔

ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان (۱۹)

عدل کا اسلامی تصور

عربی زبان میں عدل ایک ایسا جامع لفظ ہے جس کے بارے میں بجا طور سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ محض ایک لفظ اسلامی کی جملہ تعلیمات اساسیات اور حقائق کا احاطہ کرتا ہے۔

عبد الملک نے سعید بن جبیر سے عدل کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواباً لکھا "عدل کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ عدل فی الحکم (ارشاد ربانی ہے) اور اگر تم فیصلہ کرو تو (فیصلے میں) ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

۲۔ عدل فی القول (بات چیت میں عدل) ارشاد ربانی ہے اور جب کبھی بات کرو تو انصاف کی کہو۔

۳۔ عدل بمعنی فدیہ (فرمان الٰہی ہے) اور ان سے اس دن کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ عدل الاشراک، یعنی شرک میں عدل، یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا لینا اللہ تعالیٰ کا قول ہے جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ برابری کرتے ہیں۔ (۲۰)

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف کو جس معراج کمال تک پہنچایا، تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ کا عدل اپنے، بیگانے، مسلم و غیر مسلم، امیر و غریب سب کے لیے یکساں و بلا امتیاز تھا۔ اجتماعی عدل کا اسلامی نظام تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے:

مطلق و مکمل آزادی ضمیر کامل انسانی مساوات، ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل۔

عدل کا کوئی تصور اجتماعی اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا اور نہ اسے بقا و استحکام نصیب ہو سکتا ہے جب تک کہ اس کے پیچھے اس اجتماعی عدل کی ضرورت کا شدید احساس کا شعور موجود نہ ہو، محض قانون سازی سے جلد ممکن نہیں بلکہ افراد کے اذہان میں ایسے افکار و عقائد موجود ہوں، جو اسی عدل اجتماعی کی تائید کریں اور باطنی و خارجی حالات بھی ایسے ہوں کہ اس کا قیام عملاً ممکن ہو سکے اور یہ واضح حقیقت ہے اور اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی بھی قومی زندگی کے ڈھانچہ کو راتوں رات نہیں سنوارا جا سکتا اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ بگاڑ کی ساری جزئیات ایک ہی لمحہ میں ختم ہو جائیں، ہمیں سب سے پہلے فساد کے ان سرچشموں پر ہاتھ ڈالنا ہو گا کہ جن کی وجہ

ے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو' اور جن سے معاشرے میں برائیوں کے چشمے پھوٹتے ہیں مثلاً تعلیم' معیشت' قانون'
معاشرت۔

تعلیمی عدل

کسی بھی معاشرہ کے افراد کی ذہنی تطہیر کے لیے تعلیم موثر ذریعہ ہے موجودہ تعلیمی نظام افراط و تفریط پر
مبنی ہے لہٰذا اس تعلیمی نظام کو تبدیل کرنا ضروری ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر برہان فاروقی یوں بحث کرتے ہیں کہ "ایک
جانب تہذیب سے اپنے ثقافتی فضائل کی برتری کا تعین ختم ہو گیا' لادینی نظام تعلیم کے نفاذ سے دینی علوم کی تدریس
کی بجائے لادینی علوم کی تدریس ہونے لگی' دینی نظام تعلیم کو ہمارے دور اقتدار میں آزاد تعلیم کی حیثیت حاصل تھی
چونکہ اس میں طب' ہندسہ' فنون داخل نصاب تھے۔ اس کا تعلق زندگی کے معاشرتی' معاشی سیاسی' ثقافتی اور تعلیمی
شعبوں سے منقطع ہو گیا اور وہ صرف عقائد کی تلقین اور عبادات کی ترغیب کے لیے مختص ہو کر رہ گیا ہے اس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ پوری زندگی اور نظام لادینی نظام کے تحت ڈھل گئی۔ خدا' رسول ﷺ اور آخرت کا اثر معاشرے پر باقی نہ
رہا۔ عصری تعلیم کے ساتھ دینی علوم کی تعلیم بھی دینی ہوگی اور دینی و دنیاوی تعلیم کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ
کرنا ہوگا تعلیمی میدان میں عدل نہ ہونے کی وجہ سے ہماری حالت دنیا کے ۱۲۱ ممالک میں سے ۱۱۱ ویں نمبر پر
ہے۔(۲۱)

قانونی عدل

دوسرا اہم مسئلہ قانون کی بالادستی کا ہے مسلمانوں کے پاس ایک ایسا الہامی قانون موجود ہے جو دنیا کے
دوسرے قوانین کے مقابلے میں انتہائی مستحکم ہے' اس کے بغیر دنیا عدل و انصاف' امن و سکون' اور پاکیزہ ماحول کو
حاصل نہیں کر سکتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے جدید تقاضوں کے مطابق مدون و مرتب کیا جائے اور قرآن و
سنت کی روشنی میں عصر حاضر کے جدید مسائل کو حل کیا جائے۔ پاکستان میں اسلامی نظام عدل کے نفاذ کے سلسلے میں
عام طور پر دو نظریے پائے جاتے ہیں۔

۱۔ ملک میں رائج قوانین کو باطل قرار دے کر اسلامی فقہ پر مبنی خالص اسلامی قوانین مدون کیے جائیں اور
ملک بھر میں نافذ کیا جائے۔

۲۔ ملک میں رائج قوانین کا بنظر دقیق مطالعہ کیا جائے جو قوانین اسلامی قوانین سے متصادم ہوں انہیں
منسوخ کر دیا جائے یا ترمیم کر کے ان میں تعارض دور کیا جائے۔

میرے خیال میں اگر موجودہ نظام عدل ہی میں ترمیمات کر کے اسے خالص اسلامی عدل بنا دیا جائے تو یہ

بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔ اس اقدام سے وقت و محنت کی بچت ہوگی' اور ماہرین فقہ ، قانون کو اس کام پر لگا دیا جائے ک
"جامع اور خالص اسلامی نظام عدل کو جدید تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مدون کریں اور ترمیمات کا جائزہ لیں۔

عدالتی نظام تبدیل کیا جائے

ہماری بد قسمتی ہے کہ ہمارا عدالتی طریقہ کار اور نظام انگریزی ہے کہ جس میں بے شمار خرابیاں ہیں لہٰذ
اس نظام میں تبدیلی ناگزیر ہو گئی ہے یا تو اس میں ترمیمات کی جائیں یا اسے مکمل تبدیلی کر کے اسلامی نظام عدالت ک
رائج کیا جائے۔ اسلام نظام میں مساوات کی مثال۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان یکن غنیا او فقیرا فالله اولیٰ بهما فلا تتبعوا الهوٰی ان تعدلوا و ان تلوا او تعرضوا فان الل
کان بما تعملون خبیرا(۲۲)

"وہ شخص اگر امیر ہے یا غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے سو تم خواہش نفس کا اتبا
مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال
پوری خبر رکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ قریش کو ایک مخزومی عورت کے معاملے نے بڑا پریشان کیا
جس نے چوری کی تھی' کہنے لگے کہ اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کون گفتگو کرے گا کہا کہ حضر
اسامہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے (لاڈلے) ہیں اس کے علاوہ کون جرات کر سکتا ہے تو حضرت اسامہؓ نے حضو
صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ سے اللہ کی حدود میں سے ایک حد
متعلق سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! تم
پہلے لوگ اسی لیے گمراہ ہوئے کہ جب کوئی مال دار چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کمزور آدمی چوری کرت
اس پر حد قائم کر دیتے خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چوری کرتی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ہاتھ
کاٹتا۔ (۲۳) یہ ہے اسلامی نظام عدل اس میں اقرباء پروری' رشوت' سفارش' وغیرہ نہیں چلتی ہمیں ایسے اسلا
نظام عدل کی ضرورت ہے۔

معاشی عدل

تیسرا اہم کام معیشت کی اصلاح کا ہے ہمارے ہاں جو معاشی نظام رائج ہے وہ نیم جاگیردارانہ اور نیم سرما
دارانہ ہے جس میں امیر امیر تر اور غریب' غریب تر ہوتا جا رہا ہے' رئیس الدین خان شیرانی اس حقیقت سے یو
پردہ اٹھاتے ہیں۔

سماجی برائیوں بد عنوانیوں اور معاشی ناہمواریوں کی بنیادی وجہ معاشی ناانصافی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ معاشی اور اقتصادی لحاظ سے جو قومیں کمزور ہوتی ہیں وہ مغلوب ہو کر بالآخر ختم ہو جاتی ہیں اور مفلسی کی وجہ سے انہیں معاشی لحاظ سے غالب قوتیں دین سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں اچھی معیشت کا انحصار جہاں سری باتوں پر ہے۔ وہاں ملک کے سیاسی حالات کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے ہمیں مغربی جمہوری طرز سے گریز تے ہوئے اسلامی طرز معیشت اپنانا چاہیے۔ (۲۴)

عاشی نظام و کفالت

معاشی نظام و کفالت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ ملکی وسائل اور پیداوار میں مفلوک الحال اور کمزور طبقے کو بھی ریک کیا جائے۔ جو معاشی اعتبار سے زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہوں۔

خذمن اموالھم صدقہ تطھرھم و تزکیھم بھا وصل علیھم (۲۵)

"ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر کے ان کو (بری صفات) سے پاک کر دو اور ان کو (اچھی صفات) ں بڑھاؤ' اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔

مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

و فی اموالھم حق للسائل و المحروم۔ (۲٦)

"ان کے مالوں میں حق ہے مدد مانگنے والوں کے لیے اور رزق سے محروم رہ جانے والے کے لیے"۔

محسن انسانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

ان اللہ قد فرض علیھم صدقة تؤخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم۔ (۲۷)

"اللہ نے مسلمانوں پر ایک صدقہ فرض کیا ہے۔ جو ان کے مال داروں سے لیا جائے گا اور ان کے حاجت ندوں پر لوٹا دیا جائے گا"۔

اور ارشاد فرمایا:

السلطان ولی من لا ولی لہ (۲۸)

"جس کا کوئی ولی نہیں حکومت اس کی ولی ہے"۔

اسی لیے جب خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے زکوۃ کی وصولی کا مسئلہ آیا تو آپ نے فرمایا:

واللہ لو متعونی عناقا کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لأقاتلھم علی نتھا۔ (۲۹)

"اللہ کی قسم! اگر وہ ایک بھیڑ کا بچہ (زکوۃ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیتے تھے مجھے

نہ دیں گے تو میں ان کے نہ دینے پر ضرور ان سے جنگ کروں گا"۔بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ اسلامی مملکت جن
کی ذمہ داری بھی قبول کرتی ہے۔ جیسا کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے :

فمن ترک دینا او ضیا عا فالی' و من ترک مالا فلورثته (۳۰)

"جس پر (مرنے کے بعد) قرض واجب الاداء ہو اور اولاد کی پرورش کا مسئلہ ہو تو اس کا ذمہ میں
ہوں اور جو مال چھوڑ کر (مرے) وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے"۔

یہ بات قابل قدر ہے کہ اولین اسلامی ریاست ایسے تمام افراد کی ضمانت لیتی ہے جو کہ کمزور اور بے
ہوں 'اسلامی نظام عدل کا کیا خوب نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ورثاء کے حقوق متاثر کیے بغیر اسلامی نظام عدل اپنے شہر
کو حقوق فراہم کرتی ہے۔ یہ صرف قولی یا تحریری تعلیمات نہیں ہیں بلکہ جب تک مسلمان ریاست مدینہ
مصروف عمل رہے اس کا انہوں نے عملی ثبوت دیا' آج اگر ہم پاکستان کو ایک مستحکم ملک بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ یہی نظام عدل نافذ کرنا ہو گا۔

بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اقدامات کا اہتمام کیا ان میں بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ بھی ہے۔
وہ تمام حقوق جو مملکت کے تمام مسلم و غیر مسلم باشندوں کو رنگ و نسل' وطن یا دینوی حیثیت کے بغیر وہ تمام جو
حقوق عطا کیے ہیں جو کہ قرآن حکیم نے متعین کیے ہیں' مثلاً جان و مال' عزت و آبرو عورتوں اور زیر دستوں
حقوق کا تحفظ' نجی زندگی کا تحفظ' عقیدے کی آزادی' حاجت مندوں' مسکینوں' اور معذوروں کے لیے ملکی و
سے فائدہ اٹھانے کا حق۔ ان جملہ حقوق کا تحفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر مملکت میں نافذ کیا اور خطبہ
الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے بنیادی حقوق بیان فرمائے۔

ان دماء کم و اموالکم حرام علیکم ۔(۳۱)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی حقوق کے تحفظ میں گذری اور حقوق العباد پر اس قدر زور د
ان کی ادائیگی کو اعلیٰ درجے کی عبادت بنادیا اور ان کی ادائیگی کے بغیر دوسری تمام عبادتوں کو بارگاہ الٰہی میں ناقابل ق
ٹھہرایا' لیکن ساتھ ساتھ ان حقوق کو حدود الٰہی کے اندر رہتے ہوئے ادا کرنا نہ کہ حدود الٰہی کو توڑتے ہوئے
استحکام پاکستان اور خوشحال پاکستان کے لیے سیرت طیبہ کی یہ صدا ہی حقیقی صدا ہے اور اسے نافذ کر کے ہی ہم مطل
مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔

سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں استحکام پاکستان کے لیے چند اہم اور عملی تجاویز جنہیں فوری طور پر نافذ
کے ملک کو نہ صرف مستحکم و مضبوط بنایا جا سکتا ہے بلکہ اسے ترقی و خوشحالی اور امن و سلامتی کا قابل تقلید نمونہ بھی

سکتا ہے۔

سفارشات / تجاویز

استحکام پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے ارباب حل و عقد معاشرے اور افراد کی تربیت کے لیے فوری اقدامات کریں تاکہ صالح معاشرے کا قیام عمل میں آئے اور تربیت و اصلاح کا یہ سنہری اصول فوری طور پر عمل پذیر ہو۔

تعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۔(۱۷)

"نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں آپس میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے معاملات میں تعاون نہ کرو"۔

- نظام صلوۃ قائم کیا جائے
- امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ادارہ قائم کیا جائے۔
- دینی تعلیمات کو رائج کیا جائے۔
- معاشرتی ناانصافیوں کا ازالہ کیا جائے۔
- تعاون و ہمدردی' اخوت و بھائی چارگی' کی فضا قائم کی جائے۔ اس سلسلے میں عوام اور سرکاری ادارے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔
- رفاہ عامہ کے کاموں کو فروغ دیا جائے۔
- غریب و مستحق افراد کی امداد کے لیے ادارہ قائم کیا جائے۔
- ضعیف' اپاہج' نابینا اور غریب افراد کو مفت طبی سہولتیں فراہم کی جائیں۔
- ضعیف' نابینا افراد کو سفر کی مفت سہولتیں فراہم کی جائیں۔
- انسانی ہمدردی کی بنیاد پر قرضہ حسنہ مستحق افراد کو دیے جائیں۔
- حدود و تعزیرات اسلامی کو فی الفور نافذ کر دیا جائے۔
- داخلی و خارجی معاملات میں اصولی و اسلامی موقف اپنایا جائے۔
- اخوت' الفت و محبت اور مذہبی رواداری کو یقینی بنایا جائے۔
- پولیس کے نظام کی اصلاح کی جائے اور اسلامی خطوط پر ان کی ٹریننگ دی جائے۔
- رشوت خور اور کرپشن میں مبتلا افراد کو سختی سے کچلا جائے۔
- امن و امان میں خلل ڈالنے والی جماعتوں اور ایسے افراد کو اسلامی حدود کے دائرے میں رہ کر سخت سزائیں دی جائیں۔

فہرست کتب

۱۔ الطاف حسین حالی، نظم رحمت عالم

۲۔ علامہ اقبال بانگ دراص ۲۷۰ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۳۔ ۱۴ اپریل ۱۹۴۸ء کراچی بار سے خطاب

۴۔ علامہ اقبال، بانگ دراص ۱۸۰، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

۵۔ مسلم شریف

۶۔ قرآن شوریٰ (۴۲) آیت ۲۰۸۔

۷۔ قرآن سورۃ الصف۔ ۹

۸۔ قرآن سورۃ یوسف ۱۲۔ ۴۰

۹۔ قرآن سورۃ الاعراف۔ ۵۴

۱۰۔ قرآن سورۃ النساء۔ ۸۰

۱۱۔ قرآن شوریٰ۔ ۳۸

۱۲۔ قرآن آل عمران۔ ۱۵۹

۱۳۔ قرآن آل عمران ۳۔ ۱۰۳

۱۴۔ قرآن الحجرات۔ ۱۰

۱۵۔ بیہقی

۱۶۔ بیہقی

۱۷۔ القرآن سورۃ المائدہ ۲

۱۸۔ القرآن سورۃ النساء ۵۸

۱۹۔ القرآن سورۃ النحل۔ ۹۰

۲۰۔ لسان العرب ج ۱۱ ص ۴۲۱

۲۱۔ فاروقی برہان احمد، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل

۲۲۔ قرآن سورۃ النساء آیت ۱۳۵۔

۲۔ صحیح بخاری ج ۳ ص ۷۰۶ 'مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی مدینہ منزل اردو بازار لاہور

۲۔ Khan, Rais-ud-din. Sherani the Universal model of management, saad Publication P.50

۲۔ القرآن سورۃ التوبۃ نمبر ۹۔ ۱۰۲

۱۔ القرآن سورۃ الذاریات۔ ۱۹

۲۔ صحیحین بخاری و مسلم

۱۔ ترمذی شریف

۔ صحیح بخاری باب وجوب الزکوۃ

۱۔ ابوداؤد۔ کتاب الزکوۃ

۔ متفق علیہ 'بحوالہ مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۷۶ ۲ اردو شرح مظاہر حق دارالاشاعت کراچی

۱۔ سیرت ابن ہشام' تفصیلات کے لیے دیکھئے۔

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی
سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد ملک' لاہور

پاکستان کا قیام بھی مدینہ کی ریاست سے حیرت انگیز مماثلت رکھتا ہے۔ کیونکہ پاکستان اور مدینہ کی ریاست
دونوں کی بنیادیں توحید و رسالت سے منور ہوئیں۔ عقیدہ توحید کی بنیاد پر سب سے پہلے مدینہ منورہ میں ریاست
قیام عمل میں آیا۔ جہاں پر مختلف قبائلی' لسانی' گروہی اور نسلی امتیازات کو ختم کر کے توحیدی ملت کی تشکیل
گئی۔ بعض لسانی' نسلی اور علاقائی اختلافات کے باوجود جب یہ تمام افراد مدینہ منورہ میں اکٹھے ہوئے تو وہ ایک ملت
گئے۔ اوس و خزرج کی صدیوں کی دشمنی ختم ہو گئی۔ مدینہ کے انصار نے مکہ کے مہاجرین کے لیے ایثار و قربانی کی
مثال پیش کی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ مدنی دور نبوت کے ابتدائی چھ سال میں فتنے اور اضطراب برپا ہوئے
اسلام دشمنوں نے مدینہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے حملے کیے۔ دوسرے دور میں بت پرست قیادت کے سا
صلح ہوئی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہان عالم کو دعوت دین بھی دی۔ تیسرے دور نبوت ﷺ میں اسا
بہت تیزی سے پھیلا۔ قوموں اور قبائل کے وفود کی آمد کا مرحلہ بھی اس دور کی برکات کا نتیجہ ہے۔ مدنی دور میں
زیادہ تر معاشرہ کی تربیت' حلال و حرام عبادات و اخلاق' مسائل زندگی اور ان کے حل کے بارے میں نازل ہو
انفرادی اصلاح کے بارے میں بہت سے قرآنی احکام مدنی سورتوں میں ملتے ہیں۔

مدنی دور نبوت ﷺ میں اسلام کے نظام ہائے زندگی :

معاشی' معاشرتی' سیاسی' قانونی اور اخلاقی نظاموں کے اسالیب مقرر ہوئے۔ رہنما اصول قرآن
فراہم کیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیرت طیبہ ﷺ سے ثابت کر دکھایا کہ ان اسالیب پر عمل

کوئی دشوار کام نہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قولی' فعلی اور عملی صورت میں اللہ کے احکام کو بڑے احسن طریقے سے لوگوں تک پہنچایا۔ مسلمانوں کی تربیت کے لیے مسجد نبوی بطور مرکز تعمیر کی گئی۔ مظلوم اور کمزور لوگوں کی دادرسی کی گئی۔ مواخات کا جو نظام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رائج کیا وہ انسانی تاریخ میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ سارے مسلمان توحید و رسالت کی بنا پر آپس میں ہمیشہ کے لیے اخوت کے لازوال رشتوں میں منسلک ہو گئے۔ پھر مثالی معاشرے کی تشکیل کی مزید جدوجہد شروع ہو گئی۔ آپ ﷺ امت کو اعمال صالحہ کرنے پر خوشخبری سناتے ہیں اور اعمال بد کرنے پر ڈراتے اور حکمت و دانائی اور علم سکھاتے۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

"آسانی پیدا کرو' مشکل میں نہ ڈالو' خوشخبری سناؤ' نفرت نہ دلاؤ"۔

اسلام صلح اور سلامتی کا دین ہے:

مدنی دور نبوت' دعوت اسلامی کی جدوجہد میں ایک عظیم الشان اور اہم موڑ تھا۔ یہ عظیم انقلابی قدم امت مسلمہ کی سیاسی' اقتصادی' معاشی' آفاقی اور امن و سکون سے لبریز روایات کا علمبردار ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم و فراست اور پیغمبرانہ تدبر کی وجہ سے اسلام ایک عالمگیر قوت اور برادری کی حیثیت سے دنیا کے سامنے نمودار ہوا۔ میثاق مدینہ کے بعد امن و امان قائم ہوا اور صلح حدیبیہ کے بعد اسلام بہت تیزی سے پھیلا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"آج اہل مکہ انسانیت کی بھلائی کے لیے مجھ سے جس شرط کا مطالبہ کریں گے میں اسے تسلیم کروں گا"۔

مشترکہ مفاد اور امن و امان قائم کرنے کی خاطر میثاق مدینہ تحریر ہوا جسے دنیا کا پہلا تحریری آئین کہا جاتا ہے۔ امن و سلامتی کے پیش نظر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے قبائل کے ساتھ بھی معاہدے کیے۔ فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ سے بتوں کو ہٹا دیا گیا آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی اور کعبہ کے دروازے کے دونوں بازو پکڑ لیے اور جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں سورۃ الحجرات کی آیت ۱۳ کی تلاوت بھی شامل فرمائی جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے بے شک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے"۔

دسویں ہجری میں رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج ادا فرمایا میدان عرفات میں معاشرتی' سیاسی' اخلاقی اور دینی تعلیمات پر مبنی ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں توحید و رسالت' توبہ' نفس کی شرارتوں سے بچنے' اللہ کی پناہ طلب کرنے اور ہدایت مانگنے کا ذکر بھی ہے' گمراہی سے بچنے' خدا خوفی اور بھلائی

کی تاکید بھی ہے۔ اس خطبہ مبارک میں ہمارے آقا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ جاہلیت کے تمام دستوروں کو اپنے پاؤں تلے روندنے کا اعلان کیا۔ رنگ، نسل کے سارے بت توڑ دیئے۔ فضیلت کا معیار تقویٰ بیان فرمایا۔ لوگوں کو اخوت کا درس دیا۔ تحفظ جان و مال کی نصیحت فرمائی گناہوں کی انفرادی ذمہ داری کا اصول بیان فرمایا۔ ادائیگی امانت کی تلقین فرمائی اور دور جاہلیت کے سود ختم کر دیئے۔ نسلی تفاخر کا خاتمہ کر دیا۔ صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ حقوق العباد' فرائض نسواں' غلاموں کے حقوق' اطاعت امیر کا درس دیا۔ مبالغہ آمیزی کی ممانعت فرمائی کتاب و سنت پر عمل اور تبلیغ دین کی تلقین فرمائی۔ مجمع عام سے گواہی لی کہ حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حق کو بطریق احسن لوگوں تک پہنچادیا ہے سب نے تائید کی اور تکمیل دین کا اعلان بھی اسی خطبہ مبارک میں فرمایا۔ جب بھی دنیا میں احیاء اسلام کی تحریکیں چلیں گی اور دنیا میں نظام حق استوار ہوگا ان کی بنیادیں قرآن و سنت کے اٹل نظریات' تفکر اور تصورات پر رکھی جائیں گی۔

اساس پاکستان اور قیام پاکستان :

مدینہ کی ریاست کے بعد برصغیر میں توحید و رسالت کی بنیاد پر ایک ریاست وجود میں آئی جس کا نام پاکستان رکھا گیا۔ قیام پاکستان کے دوران لوگوں کا نعرہ ہی یہی تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" قیام پاکستان کے بعد ۱۶ فروری ۱۹۴۸ء میں بی دربار سے خطاب کے دوران بانی پاکستان قائداعظم نے فرمایا "یہ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس امر میں ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے سنہری اصولوں پر عمل پیرا ہوں۔ آیئے ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں حقیقی اسلامی قدروں اور اصولوں پر استوار کریں۔ ہمارے خدا نے ہمیں سکھایا ہے کہ ریاستی امور سے متعلق اپنے فیصلوں کے لیے باہمی مشاورت اور گفت و شنید سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے"۔

ایک اور موقع پر قائداعظم نے فرمایا تھا کہ "ہم پاکستان اس لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے عہد حاضر میں اسلام کے ابدی اور زریں اصول حریت و اخوت و مساوات انسانی (Human Freedom Frater-nity & Equality) کا عملی نمونہ پیش کریں۔ ایک اور موقع پر قائداعظم نے فرمایا کہ "ہمارا دستور آج سے چودہ سو سال قبل قرآن کی شکل میں مدون ہو گیا تھا"۔

قائداعظم کا ایک اور مشہور فرمان :

"وہ کون سا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے' وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے ؟ وہ رشتہ' وہ چٹان' وہ لنگر خدا کی کتاب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے' ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد

پیدا ہو تا جائے گا۔ ایک خدا' ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم' ایک کتاب اور ایک امت''۔

قیام پاکستان کے وقت فرزندان توحید اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار بھی کرتے اور اس عزم کی تکمیل کا عہد بھی کرتے کہ وہ حصول آزادی کے بعد وطن عزیز پاکستان میں ایسا نظام لائیں گے جس کے بنیادی اصول وحدت انسانیت' احترام آدمیت اور عالم گیر اخوت ہوں۔ قائداعظم کے تصور میں ایک ایسی فلاحی اور مستحکم مملکت تھی جس میں اسلام کے عدل و احسان نے فروغ پذیر ہونا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ پاکستان کے تمام افراد کو اپنی شخصیت کی تکمیل کے لیے یکساں مواقع فراہم ہوں گے۔ قائداعظم پاکستان کے سیاسی' معاشرتی اور اقتصادی ڈھانچے کی بنیاد اسلام کے اصول عدل و مساوات پر قائم کرنا چاہتے تھے۔

۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو آسٹریلیا کے باشندوں کے نام نشری پیغام میں قائداعظم نے کہا: ''پاکستان کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے پیروکار ہیں ہم اس برادری کے ارکان ہیں جس میں حقوق' شرف واحترام' تکریم ذات کے اعتبار سے تمام افراد برابر ہیں۔ اس بنا پر ہم میں اخوت اور وحدت کا بڑا گہرا جذبہ ہے۔ ہم اپنے نظریات زندگی' نقطہ نگاہ اور احساس و شعور کے مالک ہیں اور یہی عوامل قومیت کی تشکیل کی بنیاد فراہم کرتے ہیں''۔

قیام پاکستان کے اغراض ومقاصد ایک نظر میں :

قیام پاکستان کے نظریاتی' معاشرتی' معاشی اور سیاسی اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔ نظریہ اسلام کا فروغ' مسلم قوم کی کردار سازی اسلامی معاشرے کی تشکیل نو' تہذیبی اقدار کا تحفظ' اسلامی تصورات کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے آزادی کا حصول' غیر مسلموں کے متعصبانہ نظریات سے نجات' اسلامی تشخص کا بول بالا کرنا' پرامن ماحول کا حصول' معاشی خوشحالی' صنعتی ترقی' تجارتی ترقی' تکنیکی علوم کا فروغ' معاشی اور اقتصادی طور پر خود کفیل ہونا' انگریز حکومت کا خاتمہ' ہندو اکثریتی حکومت سے بچاؤ' اقلیت بننے کے خوف سے نجات' دو قومی نظریہ کا نفاذ' اسلامی جمہوریہ کا نفاذ' ملت اسلامی کی آزادی عالم اسلام کا اتحاد اور فروغ وغیرہ۔

اسلامی ریاست فلاحی ریاست ہوتی ہے :

اسلامی ریاست میں آمریت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے بنیادی اصول مساوات انسانی قانونی مساوات' مشاورت' حقوق کا تعین' حکومت کا احتساب' عدلیہ کی آزادی' شخصی آزادی جیسے عناصر پر مبنی ہیں۔ اس کا سربراہ منتخب ہوتا ہے۔ اور اسلامی سٹیٹ فلاحی ریاست ہوتی ہے۔ اس نظام میں ریاست ہر شہری کی بنیادی ضروریات پورا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ سٹیٹ کے استحکام کے لیے سربراہ کا بااختیار ہونا بھی ضروری ہے۔ اسلامی ریاست چونکہ

فلاحی ریاست ہوتی ہے اس لیے زیادہ مستحکم ہوتی ہے۔ اشاعت دین' شرعی قوانین کا نفاذ' حقوق العباد کی نگہداشت ملک کا مضبوط دفاع' قومی سرمائے کا صحیح تصرف' قومی وحدت کی حفاظت' معاشی اصلاح' معاشرتی اصلاح' سرکاری عہدوں پر امانت دار اور اہل لوگوں کا تقرر' اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ' قیام عدل و انصاف اور رفاہ عامہ اس کے لیے ایسے فرائض و مقاصد ہوتے ہیں جو استحکام کا باعث بنتے ہیں۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مملکت کی فلاح و استحکام کے لیے جن اقدامات کا اہتمام فرمایا ان میں معاشی حقوق کا تحفظ اور معاش کی عادلانہ تقسیم بھی ہے۔ تاکہ مملکت کا ہر فرد اپنی بنیادی ضروریات کا کفیل ہو سکے۔

معاشی ناہمواریوں کا سدباب اور مملکت کے ہر فرد کو انسانی ضروریات کی فراہمی اسلامی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ معاشی ناانصافی طرح طرح کی مصیبتوں کو جنم دیتی ہے اور بے اخلاقی' بے راہ روی اور امن عامہ (Law and Order Situation) کے لیے خطرات اور فساد کے راستے کھولتی ہے پاکستان کو فلاحی اور مستحکم ریاست بنانے کے لیے دولت کو امانت اور حکومت کو نیابت بنانے کے اقدام کرنے ہوں گے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو فرمایا کہ ضرورت سے زائد مال راہ خدا میں خرچ کرو۔ قرآن حکیم نے دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہو جانے اور لوگوں کی ضروریات کے مطابق تقسیم نہ ہونے کی سخت مذمت کی ہے' سورۃ الحشر کی آیت ۷ میں فرمان الٰہی ہے۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مال تمہارے مالداروں ہی میں گردش کرتا رہے" سورۃ البقرہ آیت ۱۷۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "نیکی بس یہی نہیں کہ نماز میں تم اپنا رخ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو' بلکہ نیکی کا کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور تمام انبیاء پر اور اپنا عزیز مال اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور مانگنے والوں کو دے اور غلاموں کو آزاد کرائے۔ اور نماز کو قائم کیا' اور زکوٰۃ دی اور جنہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا جب کسی سے عہد کیا سخت تکلیف اور لڑائی میں صبر کیا۔ یہی لوگ متقین ہیں"۔

سورۃ الفجر اور سورۃ الماعون میں یتیم کی حرمت اور مساکین کو کھانا کھلانے کی تلقین فرمائی گئی اور موخر الذکر سورۃ میں مساکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینے والوں کے لیے خرابی کا ذکر ہوا ہے۔

سورۃ مدثر میں فرمان الٰہی ہے کہ "اہل جنت اہل جہنم سے پوچھیں گے کہ تمہیں کون سا جرم جہنم میں لے گیا تو جواب دیں گے کہ ہم اس جرم کی پاداش میں جہنم کا ایندھن بنا دیئے گئے ہیں۔ ہم نہ تو نماز پڑھتے تھے اور نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے"۔ گویا قرآن حکیم کی نظر میں نماز ادا نہ کرنا اور کسی غریب کی ضروریات زندگی کو بہم نہ پہنچانا دونوں یکساں نوعیت کے گناہ ہیں۔

سورۃ آل عمران آیت ۹۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جب تک ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو جن سے تمہیں محبت ہے نیکی کا درجہ ہرگز نہ پا سکو گے"۔

۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو سرحد مسلم لیگ کے اجلاس میں قائداعظم نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ "ہمارا دین' ہماری تہذیب اور ہمارے اسلامی تصورات وہ اصلی طاقت ہیں جو ہمیں آزادی حاصل کرنے کے لیے متحرک کرتے ہیں"۔ پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان نے پشاور کے جلسہ میں فرمایا:

"پاکستان ہماری تجربہ گاہ ہوگا اور ہم دنیا کو دکھادیں گے کہ تیرہ سو برس پرانے اصول ابھی تک کارآمد ہیں۔ پاکستان کے آئین کی بنیاد قرارداد مقاصد ہے جس کے الفاظ یہ ہیں"۔

"حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے لیکن پاکستان میں عوام اسے قرآن وسنت کے مطابق عمل میں لائیں گے۔ اس ملک میں جمہوریت' آزادی و مساوات' رواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں پر اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کیا جائے گا"۔

عدم استحکام کی چند وجوہات قرآن وسنت کی روشنی میں :

جب افراد یا اقوام اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ کرتے ہوئے کسی چیز کا سوال کریں تو اللہ کریم وہ چیز عطا فرما کر ایک موقع ضرور دیتا ہے کہ وہ اپنے قول کی صداقت اور وعدے کی سچائی ثابت کریں۔ تحریک پاکستان کے دوران جمعہ اور عیدین کے عظیم اجتماعات میں کروڑوں مسلمان گڑگڑا کر دعائیں کرتے اور عہد کرتے کہ :

"اے اللہ ہم اس دوہری غلامی سے نجات پاکر صرف تیرے بندے بن کر رہیں گے اور تیرے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر عمل پیرا ہوں گے"۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد کا طرز عمل ظاہر کرتا ہے کہ ہم اپنی منزل مقصود کو بھول گئے ہیں"۔

فرمان الٰہی ہے :

"بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی نیت (حالت) کو نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم سے برائی چاہے تو اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں......"۔ (الرعد :۱۱)

جب کسی معاشرہ میں نفاق اور منافقت پیدا ہو جائے تو وہ معاشرہ غیر مستحکم ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار باتیں جس شخص میں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا۔ جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی اسی کی نسبت سے نفاق ہوگا۔ یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ (الف) جب امانت کا حامل بنایا جائے خیانت کرے۔ (ب) جب بات کرے جھوٹ بولے۔ (ج) جب عہد کرے تو بے وفائی کرے۔ (د) جب کسی سے جھگڑے تو آپے سے باہر ہو جائے"۔

انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے نفاق عملی' خود غرضی' مفاد پرستی' ہوس' لالچ اور ملی مفادات کو نقصان پہنچانے کی روش' معاملات میں بد عہدی' مکاری اور چالبازی' تجارت اور لین دین میں دھوکا اور فریب کاری' سرکاری محکموں میں رشوت ستانی اذیت رسانی اور لوگوں کی عزت نفس کو مجروح کرنے کی عادات سے قومیں غیر مستحکم ہو جاتی ہیں۔ بے یقینی' بے مقصدیت' انفرادی اور اجتماعی اخلاق کے دیوالیہ پن اور نفاق عملی کی وجہ سے عدم استحکام پیدا ہوتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد قوم کا مجموعی طرز عمل استحکام پاکستان کی سمت نہیں رہا۔ کیونکہ تعمیر ملت اپنی اصلی بنیادوں یعنی توحید و رسالت پر نہیں ہوئی۔ پاکستان کا استحکام پورے عالم اسلام کا استحکام ہے۔

پاکستان کا عدم استحکام محض دشمنوں اور اغیار کی سازش اور پالیسی کی وجہ سے ہے کیونکہ اغیار مسلمانوں کے دلوں میں بے یقینی کی کیفیت پیدا کر کے اجتماعی قوت ارادی کو مضمحل کرتے ہیں۔ سقوط مشرقی پاکستان کا حادثہ پاکستان کے عدم استحکام کا حقیقی ثبوت ہے۔ مسلسل بے دستوری اور بے آئینی (Constitutional Crisis) بھی عدم استحکام کا باعث بنتی ہے۔

بھارت پاکستان کا پیدائشی دشمن ہے۔ بھارت کا استحکام پاکستان کے عدم استحکام کے ضمن میں ایک تقویتی عمل ہے۔ بھارت نے نہ پاکستان کو ذہناً قلباً قبول کیا ہے اور نہ ہی وہاں کی مسلم اقلیت کو تحفظ اور مذہبی آزادی دی ہے۔

پاکستان کی اصل جڑ اور بنیاد توحید و رسالت ہے۔ پاکستان کے وجود میں آنے کا اصل سبب نہ تو خالص سیاسی تھا اور نہ ہی خالص معاشی پاکستان کی نئی نسل اسلامی تمدن اور اپنے اصل تشخص کی متلاشی ہے۔ قائداعظم کے فرمان کے مطابق مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد مذہب' پاکستان کی منزل اسلام اور پاکستان کا دستور قرآن ہے۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور ہمارے زوال کے اسباب فکر و عمل میں انتشار کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ ہم نے تحریک پاکستان کے فکری محرکات کو اپنی زندگیوں کا محور نہیں بنایا۔ ہمارے غور و فکر کا محور وہ ہونا چاہیے جس سے پاکستان مستحکم ہو تاکہ پاکستان اپنے وجود اور سالمیت کے خلاف جملہ داخلی و خارجی حملوں کے مقابلے میں اپنا موثر دفاع کر سکے۔ ہمیں اپنے انفرادی اور اجتماعی کردار اور رویوں کا دنیاوی' دینی' اور خالص مادی نقطہ نگاہ سے تجزیہ کرتے رہنا چاہیے۔

اللہ پاک نے سورۃ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیات میں بنی اسرائیل کے عدم استحکام کی وجوہات بیان فرمائی ہیں کیونکہ وہ قوم فساد' غرور' وعدہ خلافی' شرارت' سرکشی' نفس پرستی اور بغاوت جیسی برائیوں میں مبتلا ہو گئی اور پھر اللہ کے غضب کی وجہ سے غیر اقوام کے ہاتھوں ذلیل و خوار اور مفتوح و مغلوب ہوئی ان کے روحانی مرکز ہیکل سلیمانی کی حرمت بھی پامال ہوئی۔ بنی اسرائیل نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت سے اعراض و انکار کیا اور اپنے طرز عمل سے ان کی شدید دشمنی اور مخالفت کی اور ذلت و مسکنت کی سزا پائی۔

امت مسلمہ نے بھی دو عروج وزوال دیکھے ہیں۔ عروج کا اول دور سواچھ سو سال پر محیط ہے۔ دور خلافت راشدہ' دور بنی امیہ اور دور بنی عباس تک پھر اصل دبدبہ' مرکزیہ اور خالص عربی عروج کا تین سو سالہ دور آیا۔ زوال کا چار سو سال کا دور اول بغداد کی تباہی کے ساتھ خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا پھر ترکان سلجوقی' ترکان صفوی' تیموری اور عثمانی کے ہاتھوں عظیم سلطنتوں کی بنیاد پڑی۔ ترکان عثمانی جنوبی ایشیاء' شمالی افریقہ اور مشرقی یورپ میں چھا گئے پھر زوال آیا عالم اسلام اور خلافت اسلامیہ کا چراغ گل ہو گیا اور پورا عالم اسلام یورپی اقوام کی براہ راست یا بالواسطہ غلامی میں چلا گیا سورۃ محمد ﷺ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اگر تم پیٹھ دکھاؤ گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا"۔

قوم پرستی' لسانی قوم پرستی' وطنی قومیت اور فقط زمینی تعلق ہی کو قومی جذبہ کی بنیاد بنانے سے ملی اتحاد کی منزل حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ انتشار کی قوتیں جنم لیتی ہیں۔ عمودی اور افقی محاذ آرائی (vertical and Hori- zontal Polarization) علاقائی' لسانی' ثقافتی تقسیم' طبقاتی تقسیم اور طبقاتی کشمکش عدم استحکام کے عناصر ہیں۔ جیسے مشرقی پاکستان میں بنگلہ زبان' بنگلہ ادب' بنگلہ تہذیب کے ساتھ ساتھ ہندو کلچر کے اثرات مرتب ہونے سے پاکستان عدم استحکام کا شکار ہو گیا۔ وطنی نیشنلزم یا لسانی ثقافتی رنگ پاکستان کے استحکام کا باعث نہیں بن سکتا کیونکہ پاکستان مختلف کلچروں کا مجموعہ ہے۔ ہندو کلچر زمین میں گڑا ہوا ہے اور زمین میں بندھا ہوا ہے ان کے ہاں دھرتی "ماتا" یعنی ماں کی حیثیت رکھتی ہے اور "بھارت کی جے" سے ان کے جذبات میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے جبکہ مسلمانوں کے دل میں "اللہ اکبر" کے نعرے سے گرمی اور احساسات میں ہلچل پیدا ہوتی ہے۔ البتہ اگر کسی ملک کے سارے باشندوں میں اپنے وطن سے قلبی محبت کا جذبہ پیدا ہو تو یہ ان کے احساسات و جذبات میں یک رنگی اور فکر و عمل میں اتحاد اور یک جہتی کی بنیاد بن جائے گا۔

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت ﷺ میں وطن اور ہی کچھ ہے
(اقبال)

حب الوطنی استحکام کی علامت ہے اور اسلامی کلچر کا حصہ ہے۔ لیکن علاقائی قوتوں اور قبائل پرستی سے تقسیم در تقسیم عدم استحکام پیدا ہوتا ہے۔

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے
(اقبال)

پاکستان کے عدم استحکام سے بچنے کے لیے لازم ہے کہ حدود اللہ سے تجاوز نہ کیا جائے۔ دینی معاملات میں کسی فریق کی دل آزاری نہ کی جائے محکموں اور ابواب معاش میں ایک دوسرے کی دل آزاری اور ایذا رسانی نہ ہو۔ خود ساختہ نفرتوں اور نعروں کی بجائے حب الوطنی کو فروغ دیا جائے بت پرستوں کی چالاکیوں اور مکاریوں سے مسلمان ہوشیار رہیں۔ سرحد پار سے ریڈیو اور ڈش انٹینا سے مسلسل ثقافتی یلغار (Cultural Warfare) دانشوروں شاعروں ادیبوں اور ثقافتی طائفوں سے ہوتی رہتی ہے۔

عدم اتحاد بین المسلمین بھی عدم استحکام کا باعث ہے۔ کیونکہ سورۃ الفتح کی آخری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں"۔

پاکستان میں امراء اور اعلیٰ طبقہ کے کچھ لوگ بھی مملکت کو غیر مستحکم کر رہے ہیں۔ انہی لوگوں کی عملی روش کی پشت پر ایک فکری الحاد اور ذہنی ارتداد بھی موجود ہے نیز یہ لوگ غریبوں کا خون چوستے ہیں اور عوام الناس کے حقوق کی پامالی کا سبب بنتے ہیں۔ ان میں سے کئی لوگ نماز روزے 'حج اور شرعی وضع قطع کے ساتھ بلیک مارکیٹنگ' ذخیرہ اندوزی' اسمگلنگ 'غیر قانونی کرنسی' اشیاء خوردونوش اور ادویات میں ملاوٹ' (انکم ٹیکس' محصولات چنگی' ایکسائز ڈیوٹی کی) چوری رشوت' سودی رقوم سے کاروبار کو وسیع تر کرنے 'ضرورت سے بڑے اور زائد مکانات تعمیر کرنے اور موقع ملنے پر سٹے بازی کا کام بھی کر لیتے ہیں۔ اکثریت ذاتی اخلاق سے عاری ہے۔ امراء اور اعلیٰ طبقہ میں خشونت' وی آئی پی کلچر' درشتی اور سنگدلی جیسے عناصر پائے جاتے ہیں۔ دوسروں سے ہمدردی اور دل کی نرمی سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہیں۔ دین اسلام ایسی تمام روشوں کی نفی کرتا ہے۔ دین اسلام اصل فطرت کے اعتبار سے پوری زندگی کی حکمرانی کرتا ہے جو انسانوں کی بھلائی' استحکام اور انسان کی سیرت و کردار سے متعلق فطری ضابطہ حیات ہے۔ لیکن ہمارے ہاں اوہام پرستی اور ہندوؤں کی رسومات وبدعات پر بھی عمل ہوتا ہے۔ استحکام یا عدم استحکام کا تعلق قوم کے رہنماؤں کے کردار پر ہوتا ہے پاکستان کے پہلے حکمران قائداعظم دیانت دار' سچے' وعدے کے پابند' صاف گو تھے انہوں نے کبھی فریب نہیں دیا' راست گوئی سے کام کیا۔ نہ جھوٹ نہ دھوکہ اور نہ وعدہ خلافی کی اور نہ دروغ مصلحت سے کام لیا نہ مصنوعی تواضع ومدارت اور نہ ریاکارانہ انکساری اور نہ ہی کسی کی چاپلوسانہ خوشامد کی۔

پاکستان کی سالمیت کی حفاظت ہر پاکستانی کا فرض ہے۔ دشمن تخریبی سرگرمیوں' دہشت گردی' مہلک اسلحہ اور تباہ کن سازوسامان کے ذریعے ملک میں عدم استحکام کا باعث بنتا ہے۔ داخلی اور خارجی فتنوں کے ذریعے سیاسی وانتظامی خلفشار پیدا کرتا ہے تاکہ بدامنی اور شر کی قوتیں مضبوط ہوں۔ عمومی مایوسی اور بدظنی کی فضا سے حکومت کی ساکھ اور بھائی چارہ کی فضا مجروح کی جاتی ہے۔

پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ بیوروکریسی کا رویہ مثبت نہیں رہا۔ کچھ سرکاری اہل کاروں کی رعونت'

عونیت 'لوٹ مار' تعیش پسندی پلاننگ کے فقدان اور تحکمانہ ذہنیت کی وجہ سے بھی پاکستان عدم استحکام کا شکار ہوا۔ قہ وارانہ فسادات 'کشیدگی' خاندانی گروہی 'طبقاتی مفادات اور مصلحتوں کے حصول' دہشت 'بربریت' سفاکی اور ردلی جیسی وارداتوں میں غیر ملکی دشمن کے ملوث ہونے اور انہیں ہوا دینے سے بھی عدم استحکام کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

فساد فی الارض 'فساد فی المعیشت' غربت 'ناخواندگی 'انسان کشی 'نسلی تعصب 'جرائم پسندی 'بیماری 'امن و ان کی خراب صورت حال اور سیاسی عدم استحکام 'انتشار خلفشار' نفسیاتی جنگ 'اور اقتصادی جنگ نے دنیا کی ہر قوم ے لیے بے پناہ مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ انسانی زندگی غیر فطری اسالیب کو اپنا کر مصیبت اور پریشانیوں میں مبتلا ئی ہے۔

تحکام پاکستان کے لیے رہنما اصول :

اسلامی معاشرے کو صحیح خطوط پر منظم کرنے کی ذمہ داری من حیث المجموع تمام امت پر ڈالی گئی ہے۔ آن حکیم کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ﷺ ہی مشعل راہ ہیں۔ فرمان نبوی صلی اللہ یہ وسلم ہے۔ "مسلمانوں کی باہمی محبت اور رحمت و مودت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم ہو جس میں ایک عضو کو لیف پہنچے تو سارا جسم بے خواب و بے آرام ہو جاتا ہے۔ (الصحیح مسلم : ۲ : ۳۱۲) یہی رشتہ مسلمان فرد کا ملت ملامیہ سے ہونا چاہیے۔ اس لیے انتشار اور تفرقہ کی بجائے اخوت اور اتحاد 'باہمی محبت والفت پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔

باہمی اختلاف ونزاع اور تفرقہ پروری کے نتیجے میں قوموں کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ اور رعب ودبدبہ ختم و جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے : "پس اختلاف میں نہ پڑو اس طرح تم بزدل بن جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے ی"۔ (الانفال : ۴۶)

استحکام پاکستان کے لیے عوام کی فلاح و بہبود 'انتظامی مشینری کی اصلاح و تطہیر' مختلف علاقوں میں اور ختلف طبقات سے تعلق رکھنے والوں کا اعتماد واطمینان نہایت اہم امور ہیں۔ عوام کا اسلام کے بنیادی احکام پر عمل پیرا ہونا 'ارکان اسلام کا پابند ہو کر ایسا طرز عمل اختیار کرنا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو اور ملک کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔ دین سلام کامل 'متوازن و معتدل' عادلانہ و منصفانہ معاشرتی وسیاسی نظام حیات پر مشتمل ضابطہ ہے یہی پاکستان کے دوام رقی اور استحکام کی واحد ممکنہ اساس ہے۔ پاکستان کے تقریباً اسی فیصد لوگوں کا دین اسلام کے ساتھ کوئی عملی تعلق نہیں ماسوائے چند مذہبی تہواروں 'عیدین' شادی و بیاہ اور تجہیز و تکفین کی رسومات کے۔

استحکام پاکستان کے لیے لازم ہے کہ لوگوں کا دین کے ساتھ گہرا اور حقیقی تعلق ہو۔ یعنی تعلق باللہ 'تعلق

بالرسول ﷺ ہو' حب اللہ اور حب الرسول ﷺ جس کے بغیر دین پر عمل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پنجگانہ کو کفر اور اسلام کے مابین حد فاصل قرار دیا۔ بلا عذر شرعی تین جمعوں کی غیر حاضری پر تو صاف وعید سنادی گئی۔ "اللہ کو ایسے شخص کے بارے میں کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ نصرانی ہو کر مرے یا یہودی ہو کر"۔

لوگوں کے لیے دعوت رجوع الی القرآن' ذکر حکیم اور صراط مستقیم پر گامزن ہونے کے لیے تربیت بندوبست کیا جائے۔ اور حبل المتین یعنی اللہ کی رسی کو مضبوط کیا جائے۔

ریاست کی سطح پر استحکام کے لیے منظم ملک گیر اور قومی نقطہ نظر رکھنے والی' واضح نظریاتی اساس کی حامل مضبوط' باصلاحیت موجودہ قیادت جس کی عوام میں پذیرائی بھی ہے' اس سے مکمل تعاون کیا جائے۔ معاشی سطح مصنوعی استحکام کی بجائے معاشی انقلاب سے حقیقی خوشحالی حاصل کی جائے جو دین و دنیا کی فلاح کی ضامن ہو۔

قوم کے ذہین عناصر جو تعلیم یافتہ بھی ہیں انہیں مغربی افکار و نظریات سے پیدا شدہ انداز فکر سے نجات دلائی جائے۔ جدید مغربی تہذیب و ثقافت کی بجائے اسلامی نقطہ نظر کو روشناس کرا کر نظریاتی استحکام کی منزل حاصل کی جائے۔ اخلاقی سطح پر تبلیغ دین اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں قوم کی رہنمائی کی جائے۔ لوگوں کے اذہان میں دینی سطح پر اسلام کے ساتھ عملی تعلق کی پوزیشن کو واضح کیا جائے۔ علماء دین کو استحکام پاکستان کے لیے اسلام کی عملی اقدار کی تبلیغ کرنی چاہیے۔ حب مال' حب دنیا' حب جاہ کی بجائے آخرت کو مد نظر رکھ کر دنیا و دین کی بھلائی کی تمنا کرنی چاہیے۔

عصر حاضر کے خارجی حالات کے پیش نظر کامل قومی یکجہتی' ہم آہنگی بلند حوصلگی' عالی ہمتی اور عزیمت کی شدید ضرورت ہے۔ استحکام پاکستان کے لیے لازم ہے کہ لوگوں کے اندر ایسا دینی جذبہ موجزن ہو جو طاقتور ہو کہ تمام حیوانی جبلتوں پر غالب آجائے۔ قوم کے افراد مقصدیت کی خاطر جان تک قربان کر دیں۔ دینی اساس کو مضبوط کرنے سے افراد مضبوط ذہنی و فکری رشتے میں منسلک ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ایک قوم بن جائیں جو رنگ و نسل' زبان اور زمین کے تمام رشتوں پر حاوی ہو جائے اس طرح قومی یکجہتی کی منزل نصیب ہو گی۔ صداقت' امانت' دیانت داری اور ایفائے عہد جو کہ صفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں انہیں بطور اساس از سر نو مضبوط کیا جائے۔

ایک ایسا نظام عدل اجتماعی (System of Social Justice) قائم کیا جائے جس سے مرد عورت' فرد اور ریاست اور محنت کے مابین عدل و اعتدال اور انصاف قائم ہو۔ لوگوں کے حقوق پامال نہ ہوں اور حقوق و فرائض کا صحیح توازن قائم ہو۔ قیادت ایسی مخلص ہو جائے جس کے اپنے قول و فعل میں تضاد نہ ہو اور لوگوں کا اعتماد برقرار رہے۔

تعمیر ملت کی تحریک سوائے دینی جذبہ کے اور کسی جذبہ کی بنیاد پر نہیں اٹھ سکتی لیکن تخریبی تحریکیں سری اساس پر اٹھ سکتی ہیں کیونکہ قومی سطح پاکستان میں کوئی بھی لسانی یا نسلی عصبیت موجود نہیں فروغ ایمان' قوت بانی اور ایک امت ہونے کے شرف کی وجہ سے علاقائی اور صوبائی تحریکیں بھی دم توڑ جاتی ہیں۔

از یک آئینی مسلمان زندہ است

پیکر ملت ز قرآن زندہ است

(اقبال)

مسلمانوں کی حیات ملی کا راز یہی ہے کہ وہ ایک آئین پر متفق ہیں۔ گویا پیکر ملت کے لیے روح حیات رآن حکیم ہے۔ ہم تمام مسلمان تو دراصل پیکر خاکی کی حیثیت رکھتے ہیں جس میں دھڑکنے والے دل کی حیثیت رآن کی ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار

قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

اسلام کے سماجی نظام کو قائم کرنے سے کوئی امتیاز (Discrimination) نہیں رہے گی۔ نہ سیاسی سطح جبر و استبداد (Repression) اور نہ ہی معاشی سطح پر (Exploitation) ظلم و استحصال رہے گا۔ سماجی ساوات اور سیاسی سطح پر اسلامی دستور قانونی برابری کا نظام استحکام بخش ثابت ہوگا۔

ذات پات کی تفریق' اونچ نیچ کی تقسیم' اعلیٰ و ادنیٰ کی معیارات سماجی رسومات اور حیثیت مجموعی طرز عاشرت میں تبدیلی ضروری ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے زیادہ افضل ہجرت کون سی ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ کہ تم ہر اس چیز کو ترک کر دو جو اللہ کو نا پسند ہو"۔

سلامی معاشی نظام کی فکری بنیادی:

اسلام نے انسان کی معاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے جو نظام یا لائحہ عمل تجویز کیا وہ نہایت مضبوط کری بنیادوں پر قائم ہے۔ اس فکری اساس کے ذہن میں موجود رہنے سے اس نظام کے مختلف پہلوؤں کی حکمتیں سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ خالق کائنات کی موجودگی' انسان کا قاصد خدا ہونا' وسائل رزق کی بہتات وسائل رزق سے استفادہ کرنا یہ اسلامی معاشی نظام کی فکری بنیادیں ہیں جس سے معاشرہ میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

زمین کی تہوں' آسمان کی وسعتوں اور سمندر کی گہرائیوں میں رب العالمین نے انسانی ضروریات کو پو
کرنے کے لیے لامحدود وسائل پنہاں کر رکھے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق :

"رزق کا دروازہ عرش تک کھلا ہوا ہے"۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ اس کی طرف سے ہے"۔ (الجاثیہ)

"اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں تو ہم ان پر آسمان اور زمین برکتوں کے دہانے کھول دیتے ہیں"۔ (الاعراف)

"جس نے میری نصیحت سے منہ موڑا تو اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہو گی"۔ (طہ)

"لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔ (البقرہ)

"پھر اس روز یعنی قیامت کے دن تم سب سے پروردگار کی عطا کردہ نعمتوں کے بارے میں پوچھ گچھ گی"۔ (التکاثر : ۸)

"کھاؤ پیو مگر حد سے زیادہ نہ گزرو۔ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ (الاعراف : ۳۱)

"بے جا خرچ نہ کرو۔ بے شک بے جا خرچ کرنے والے لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں"۔ (بنی اسرائیل : ۲۷،۲۸)

"اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردنا عذاب کی خبر دے دو"۔ (التوبہ : ۳۴)

"اور جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے فضل کے معاملہ میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں نہ ر کہ یہ ان کے لیے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے لیے برا ہے۔ جس مال میں انہوں نے بخل کیا ہے اس کا طوق قیامت کے ان کے گلے میں ڈالا جائے گا"۔ (آل عمران : ۱۸۰)

"اللہ کے رسول جو تمہیں دیں اسے لے لو اور جس بات سے منع کریں اس سے رک جاؤ"۔ (الحشر : ۷

یہ حقیقت ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک انسان نے اپنی عملی زندگی کی بنیاد جن نظریات رکھی ہے وہ دو ہی ہیں۔ اول مادی نظریات اور دوسرا اخلاقی نظریہ حیات ہے۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ وسلم کی سنت اور طریقہ کے مطابق انسان زندگی کے ہر شعبے میں اپنے اعمال خالق حقیقی کی مرضی کے تابع کر

ئنات کے وسائل سے بھرپور استفادہ کرے' اس کا مقصود حقیقی دائمی اور اخروی زندگی کی فلاح ہو' اس کا کردار ایک
ہ دار ہستی کا کردار ہو۔ جو اپنے آپ کو اپنے مالک کے سامنے اپنے چھوٹے بڑے اعمال کے لیے جوابدہ سمجھے۔ انسانی
یہ خود غرضی اور بے درد طبقاتی کشمکش کی بجائے باہمی ہمدردی' تعاون اور ایثار واحسان کے محاسن سے مزین ہو۔

اسلامی معاشیات میں انسان کا طرز عمل احکام الٰہی کی روشنی میں سرانجام پاتا ہے۔ یعنی حلال اشیاء کا صرف
ر حرام اشیاء کی ممانعت' صرف اعتدال' بخل کی مذمت' لین دین کو ضبط تحریر میں لانا' سود اور قمار بازی کی حرمت'
ی رضامندی پر حلت وغیرہ۔ پیدائش دولت اور تقویٰ کے سلسلہ میں اسلام کا رہنما اصول سورۃ الجمعہ کی آیت
ر ۱۰ میں بیان فرمایا گیا ہے اس کی روشنی میں ترک دنیا کی بجائے تلاش رزق کے لیے مقدور بھر کوشش کی جائے اور
ں مقصد کے لیے امکانی حد تک اپنی قوتوں کو بروئے کار لایا جائے۔ اکتساب رزق کے لیے صرف اور صرف حلال اور
بزہ ذرائع استعمال کیے جائیں تلاش رزق کے دوران احکام الٰہی کو ہر لحظہ یاد رکھا جائے۔ ان فکری بنیادوں کے ساتھ
قسم کے بزنس میں حصول حرام کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے خوف کی وجہ سے لوگ "ضرر" اور
غرر" سے بچ سکتے ہیں اس طرح حقوق العباد کی پامالی نہیں ہوتی۔ ضرر سے مراد کاروبار کے وہ طریقے ہیں جن سے
سروں کی جان ومال اور عزت وشہرت کو بالواسطہ یا بلاواسطہ نقصان پہنچے۔ اس میں گندگی' غلاظت اور آلودگی کا باعث
نے والے طریقے بھی شامل ہیں۔ ملاوٹ ذخیرہ اندوزی' اجناس کو دانستہ تلف کرنا اور مصنوعی طور پر قیمتوں میں
مافہ کرنا بھی ضرر ہے۔ دھوکہ فریب اور تنازعات کا باعث بننے والے تمام معاملات "غرر" میں شامل ہیں۔

جھوٹی قسموں کے ذریعہ دولت پیدا کرنا اور فریب اشتہار بازی کے ذریعے سادہ لوح افراد کی دولت کو لوٹنا
ی شامل ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

"اور ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تجارت ہو باہمی رضامندی
ے"۔ (النساء)

حقوق العباد اور تقسیم دولت دونوں شعبہ جات کے لیے اسلام کے فکری رہنما اصول یہ ہیں۔

"انصاف کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے"۔ (المائدہ)

اس لیے ضروری ہے کہ ریاست قومی آمدنی کے فروغ اور استحکام کے لیے جو بھی مالیاتی اور تجارتی پالیسیاں
ضع کرے ان میں تقویٰ کی روح کار فرما ہو۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔ پس کسی عربی کو عجمی پر' کسی عجمی کو عربی' کسی گورے

کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر فضیلت نہیں' فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے"۔

اسلام کا مجوزہ منصوبہ جات (Scheme of Life) میں معاش عدل کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ فاقہ اور اقتصادی بد حالی کو ایمان کے لیے خطرہ کی گھنٹی اور رزق و روزی کو اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔ اسلام نے ان کو معاشی خوشحالی اور فلاح سے ہمکنار کرنے کے لیے ایک جامع نظام عطا کیا۔ اس لیے سیاست کے استحکام کے ضروری ہے کہ بلا امتیاز تمام شہریوں کو بنیادی ضروریات فراہم اور اخراجات سے معاشی لحاظ سے کمزور افراد کی حا بہتر بنانے کا اہتمام کیا جائے۔

کسی بھی معاشرے کے استحکام کے لیے جو سب سے زیادہ روشن اور موثر فکری بنیاد ہے اسے کلام پاک اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

"تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں تعاون نہ کرو"۔ (المائد

اسلامی نظریہ حیات میں ہر شعبہ زندگی کی ہر طرح معیشت کے دائرہ میں بھی تعاون کو بڑی اہمیت د ہے۔ اور معاشی سرگرمیوں میں مصروف کارکنان کے لیے مقابلہ کی بجائے تعاون کی راہ اختیار کرنے پر زور ہے۔ کیونکہ اجارہ داری (Monopoly) خواہ آمروں کی ہو یا صارفین کی تعاون کی روح کے منافی ہوتی ہیں۔ کی خرید و فروخت کے سلسلے میں عہد و پیمان کو وفا کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ اس سے باہمی اعتماد فروغ پاتا ہے تعالیٰ نے فرمایا ہے' اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ (المائدۃ:۱)

اسلامی معاشی نظام میں مسلم صارف کا رویہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام کے مسلم صارف آمدنی کے استعمال میں دنیاوی افادہ کے ساتھ ساتھ اخروی افادہ کو بھی مد نظر رکھتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سے سات نکلیں اور ہر بال کے اندر سو دانے ہوں اور یہ اضافہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی و اور جاننے والا ہے"۔ (البقرۃ:۲۶۱)

مسلم صارف کے پاس ملکیت میں جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہے وہ اس کو اس طرح کرے کہ اس کا آخری مقصد آخرت کی کامیابی کا حصول ہو۔ اور دولت کو خرچ بھی اللہ کے احکام کے مطا جائے۔ انسان اپنی دولت کا ایک حصہ دوسروں کو دے اور جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ اللہ کا احسان ہے۔ ا دوسروں کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس لیے دولت کا ایسا استعمال جس سے زمین میں فساد پھیلنے کا اندیشہ ہو حرام اور ممنوع ہے۔

حق استعمال اور تصرف کے سلسلہ میں مال کو ضائع نہ کیا جائے' غیر شرعی مصارف پر مال صرف

ے اسراف اور بے اعتدالی کی پالیسی سے اجتناب کیا جائے عیش و عشرت کی بجائے صبر شکر اور تقویٰ کا راستہ تیار کیا جائے۔ صارف کو چاہیے کہ ملکیت کا ایسا استعمال نہ کرے جس میں دوسروں کا نقصان ہو۔ اگر حکومت بھی فکری بنیادوں پر اپنی مالیاتی اور زرعی پالیسی تشکیل دے تو ملک کو استحکام نصیب ہو اور برکات خداوندی بھی شامل حال ہوں گی۔

استحکام پاکستان کے لیے اصلاح معیشت اور چند دیگر عملی تجاویز :

معیشت انسانی زندگی کا ایک اہم شعبہ ہے۔ معاشی آزادی اور معیشت کے استحکام کے بغیر داخلی خارجی سیاسی استحکام حاصل نہیں ہو سکتا۔ دولت کی بہتات وسائل پیداوار بے مثال معاشی ارتقاء کے باوجود افلاس غربت بے روزگاری اور معاشرتی ظلم اپنے عروج پر ہے۔ استحکام پاکستان کے لیے اس میدان میں زبردست اصلاح ضرورت ہے۔ منفی معیشت کا سدباب کیا جائے۔ حصول معیشت کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کو بے دست وپا نہیں کر دیا جاتا۔

اسلامی معاشی نظام میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب اور وراثت کا قانون ملت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرتا ہے۔ غذا لباس رہائش تعلیم طبی امداد اور پانی کی فراہمی اسلامی ریاست کا اولین فرض ہے۔ معیشت کی ترقی کے لیے بھرپور تدبر اور متوازن معاشی نظام کی ضرورت ناگزیر ہے جو اسلامی روایات پر مبنی ہو۔ ایک اسلامی معاشی نظام اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے یعنی ارتکاز دولت کی حوصلہ شکنی اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہے۔ حکم ربانی ہے کہ "ان کے مالوں میں حق ہے مانگنے والوں کا اور رزق سے محروم رہ جانے والوں کے لیے"۔

اگر وفاقی و صوبائی بجٹ پر ڈھائی فیصد زکواۃ کی رقم علیحدہ بیت المال میں مستحقین کے لیے مختص ہو جائے اور یہ رقوم غریبوں کی بحالی پر خرچ ہو تو خود بخود معیشت مستحکم ہو گی۔ اسی فنڈ سے اسلامی ریاست کے ہر بے روزگار کو روزگار مہیا کیا جا سکتا ہے۔ زکوۃ اور ملکی ٹیکسوں کی وصولی کے لیے دیانتدار عاملین کا ہونا ضروری ہے۔

اسلامی مملکت کے تمام علاقوں اور تمام حصوں کے افرادی اور مادی وسائل کو ترقی دے کر معاشی استحکام سے ملک کو خوشحال بنایا جائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کی ادائیگی کے بعد دوسرا فرض حلال رزق حلال کرنے کے لیے محنت کرنا ہے۔ متعدد فقہاء نے فرمایا ہے کہ دستکاری پیشوں اور صنعتوں کو ترقی دینا فرض کفایہ ہے اور یہ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے بغیر معاشی زندگی کی تکمیل ممکن نہیں۔

معاشی ترقی ہمارا ایک مقصد ہے لیکن ایسی معاشی ترقی جو ہمارے قومی استحکام کو فروغ دے اور ہمارے عوام کو ہمہ جہتی خوشحالی کی ضمانت دے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر آبادی ایسی ہے جہاں کوئی شخص صبح کو اس طرح سو کر اٹھے کہ اس نے رات کو فاقہ کی حالت میں رات بسر کی ہو تو اللہ اس طرح کی آبادی کی حفاظت کی ذمہ

داری اٹھالیتا ہے"۔

معیشت میں ترقی سے پاکستان کے دفاع کو مضبوط بنایا جائے اور جہاد کا حقیقی جذبہ پیدا کیا جائے۔ دفاع استحکام کے بارے میں فرمان الٰہی ہے کہ "جس قدر تم سے ہو سکے انہیں مسلح طاقت اور گھوڑوں سے لیس کرو تاکہ ان سے اللہ کے دشمنوں اور دوسروں کو جو ان کے ساتھ ہیں اور تم انہیں نہیں جانتے نیست و نابود کر سکو" عسکری قوت کو جدید دفاعی سامان سے لیس کر دیا جائے۔

انسانی اعمال کا ایک بڑا حصہ انسان کی معاشی جدوجہد ہوتا ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ خرابیاں کرپشن اور بدعنوانیاں معاشی اعمال میں ہوتی ہیں۔ دین اسلام عبادات و عقائد کے ساتھ معاشی جدوجہد تقرب الٰہی کی راہ میں حائل نہیں بلکہ تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ ایک بندہ مومن جو حلال مال کے لیے محنت کرتا ہے اس کی وجہ سے وہ اللہ کا پیارا اور حبیب ہو جاتا ہے۔

پاکستان کے قومی مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے زرعی، صنعتی، تعلیمی شعبہ جات میں بھی انقلابی اقدامات کی ضرورت ہے۔ بدعنوانی اور کرپشن کے خلاف جہاد سے بھی پاکستان مستحکم ہوگا۔ کرپشن کا تعلق زیادہ تر قومی خزانہ میں خیانت یا چوری کا ہے۔ پاکستان میں کئی سالوں سے کرپشن اتنی بڑھ چکی ہے کہ فتنہ فساد کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ "فتنہ قتل سے زیادہ شدید جرم ہے"۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۹۱) قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ یہ قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ پیر مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا قید رکھے جائیں یہ تو ان کے واسطے دنیا کی رسوائی ہے۔ اور آخرت میں ان کے واسطے عظیم عذاب ہے"۔ پاکستان کی معاشی زبوں حالی کا یہ عالم ہے کہ ملکی اور غیر ملکی قرضے مجموعی قومی آمدنی کے ۸۰ فیصد حصہ سے تجاوز کر چکے ہیں۔ غیر ملکی قرضوں کا بوجھ اربوں ڈالر تک پہنچ چکا ہے۔ قرض کا بیشتر حصہ ماضی میں کرپشن کی نظر ہو گیا۔

پاکستان کو مضبوط اور خوشحال بنانے کے لیے ملک کو لاقانونیت، فرقہ وارت، لسانیت اور دہشت گردی سے محفوظ کرنا ہوگا۔ استحکام پاکستان کے لیے آزاد خارجہ پالیسی اپنا کر مضبوط دفاع اور مضبوط معیشت کو تقویت دینے کی ضرورت ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل ہونے سے بھی پاکستان کو استحکام نصیب ہوگا۔ مسلم امت کے ساتھ پاکستان کو معاشی تعاون کرنا چاہیے۔ کسی بھی قوم کے استحکام کے لیے ناقابل تسخیر دفاع معاشی ترقی، زرعی شعبے کی بہتری، عدلیہ، وسائل کی مساویانہ تقسیم جیسے عناصر انتہائی اہم ہوا کرتے ہیں۔ لیکن ملک کے اقتصادی استحکام کا سرفہرست اہمیت کا حامل ہے۔ اسی سے عوام کی فلاح کا معاملہ منسلک ہے۔

کرپشن کے ذریعے قومی بینکوں کے ۱۴۰ ارب روپے ڈوب چکے ہیں۔ ایسے مسائل کو حل کرنے کے

طویل اور مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ معاشی وسماجی حالات میں بے حد پیچیدہ خرابیاں موجود ہیں۔ ٹیکسوں کی مد میں سرکاری خزانے میں جمع رقوم میں مسلسل کمی کا رجحان تعمیر وترقی کے لیے خطرناک ہے۔ ادھر ملکی قرضوں کی مالیت ۹۰۸ ارب روپے کے قریب ہے۔ اور غیر ملکی قرضوں کا بوجھ ۲۹ بلین ڈالر تک پہنچ گیا ہے۔ قرض نادہندگان کے خلاف ہر قانونی چارہ جوئی کی ضرورت ہے۔ ماضی میں سیاسی اثرورسوخ کی بنا پر قرضوں کا حجم تشویشناک ہے۔

قومی معیشت کی بحالی اور اقتصادی ترقی کے لیے مختصر مدت کے منصوبے بنانے کی ضرورت ہے۔ بینکنگ سیکٹر کو سیاسی مداخلت سے آزاد کر کے ضابطوں کا پابند بنایا جائے۔ قرضوں کو سیاسی رشوت تصور کرنے کی پالیسی ختم کر دی جائے تو بینکاری میں استحکام پیدا ہوگا۔ کئی محکموں میں سالانہ اربوں روپوں کا خسارہ ہو رہا ہے جس کی بظاہر وجہ پلاننگ کا فقدان اور کرپشن ہے۔ قومی دولت کو امانت کے طور پر استعمال کیا جائے۔ عالم اسلام پاکستان کو قرضوں سے نجات دلا سکتا ہے بشرطیکہ کوئی قابل عمل تجویز تمام امیر اسلامی ممالک کو پیش کی جائے۔ نیز ہم خود اپنی مجموعی قومی پیداوار کو بڑھا کر خود انحصاری کی راہ پر چل پڑیں۔ اگر عالم اسلام آپس میں اقتصادی و تجارتی روابط کو ترجیحی بنیادوں پر استوار کر لیں تو نہ صرف خود کفالت کی منزل حاصل ہو سکتی ہے بلکہ غیروں پر انحصار کی پالیسی سے بھی چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کامیاب معیشت کے لیے اصل مسئلہ قابل عمل منصوبہ بندی اور اللہ کے دیئے ہوئے وسائل کے صحیح استعمال کا ہے۔

نبوت سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشہ تجارت تھا۔ عصر حاضر میں تجارت بالخصوص برآمدات کو فروغ دینے سے معاشی و صنعتی طور پر کوئی ملک نہایت مستحکم وترقی یافتہ ہو سکتا ہے۔ بین الاقوامی تجارت معاشی ترقی کے لیے ایک ضرورت ہے۔ عاملین پیدائش کی نقل پذیری' کرنسی میں فرق' جغرافیائی خواص' قومی پالیسی' ثقافتی تفاوت' زرعی و مالیاتی پالیسیوں کے ذریعے معاشی استحکام پیدا کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ تاکہ قوم کو ایسے اقدامات سے خوشحالی' فلاح و بہبود اور سیاسی استحکام نصیب ہو۔ سیاسی استحکام پیداواری صلاحیت میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ محنت کے علاوہ سرمایہ' تنظیم اور زمین وغیرہ کا بھی اشیاء کی پیداوار میں اہم حصہ ہوتا ہے۔ قدرتی وسائل کو بروئے کار لا کر ملکی معیشت کو استحکام دیا جانا انتہائی ضروری ہے۔

آزاد تجارت سے صارفین کو اشیاء کم قیمت لیکن بہتر صورت میں مل سکتی ہیں۔ اس صورت میں زمین' سرمایہ' محنت اور وسائل دولت کو بروئے کار لایا جاتا ہے تاکہ عاملین پیدائش کے معاوضوں میں اضافہ ہو۔ اشیاء کے اعلیٰ معیار اور آزادانہ تجارت اپنے لوگوں بلکہ دوسرے ملک کے لوگوں کی خوشحالی کا سبب بنتی ہے۔ لیکن ترقی یافتہ ممالک کی اشیاء کی آزادانہ درآمد کسی ملک کے معاشی استحکام کو نقصان پہنچائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آزادانہ تجارت کی آڑ میں منشیات کے پھیلاؤ کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ اور کئی ملک مضر اور صحت عامہ کو نقصان پہنچانے والی خوراک بھی برآمد

کرتے ہیں۔ آزادانہ تجارت ترقی پذیر ممالک کی صنعتوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اگر ملکی مصنوعات کو تحفظ نہ دیا جائے تو وہ ترقی نہیں کر سکتیں۔

روزگار کے زیادہ مواقع پیدا کرنے اور مزدوروں کو زیادہ اجرت دینے سے ملک خوشحال ہو سکتا ہے۔ برآمدات سے زیادہ درآمدات سے توازن تجارت متاثر ہوتا ہے اور معاشی استحکام پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جذبہ حب الوطنی کے فروغ سے لوگ پاکستانی اشیاء خریدیں تاکہ روپیہ کی قیمت میں استحکام رہے۔ ملکی معیشت کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ معاشی ترقی کی رفتار کو بڑھایا جائے لوگوں کو محنت کا عادی بنایا جائے تاکہ ملکی آمدنی میں اضافہ ہو۔

برآمدات میں اضافہ' درآمدات میں کمی' شرح مبادلہ کی اصلاح' غلہ کی پیداوار میں اضافہ' توازن تجارت میں اصلاح' سیاسی اخراجات میں کمی' افسروں کے غیر ممالک میں سیر و تفریح کے پروگرام' سیاسی وفود کے اخراجات میں کمی اور اسلامی طرز کی سادہ زندگی اختیار کرنے سے ملک کی معاشی بنیادیں مستحکم ہوں گی۔

ترقی پذیر ممالک کی برآمدات کا ۹۰ فیصد حصہ خام مال اور زرعی اشیاء پر جبکہ ۱۰ فیصد حصہ نیم تیار شدہ اور تیار شدہ مصنوعات پر مشتمل ہوتا ہے اس طرح غیر منصفانہ بین الاقوامی تجارت کی بدولت وسائل غریب ممالک سے متمول ممالک کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ امریکہ اپنا خام تیل محفوظ رکھ کر عرب اور اسلامی ملکوں کا خام تیل حاصل کر کے کام میں لاتا ہے۔ بین الاقوامی تجارت میں چھوٹے ممالک قیمت قبول کرنے والے اور بڑے ممالک قیمت متعین کرنے والے ہیں۔ اس طرح بھی ترقی پذیر ممالک کا استحصال ہوتا ہے۔

معاشی ترقی سے مراد پیداوار میں اضافہ کا ہونا ہے جبکہ آبادی' سرمایہ کاری اور فنی ترقی بھی پیداواری صلاحیت (Productivity) پر اثر انداز ہوتی ہے۔

سود پر حاصل کیے گئے بیرونی قرضے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں' قرض خواہ ملک قرضدار ملک کی معاشی اور سیاسی آزادی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کو اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہیں۔ پاکستان میں غیر ملکی قرضوں کی وجہ سے اقتصادی حالت غیر مستحکم ہوئی کیونکہ ماضی میں بیرونی امداد کا صحیح استعمال نہیں ہوا۔ اور نہ ہی سرمایہ کاری کی بنیادی ضرورت پوری ہوئی ہے۔ جب کہ کسی ملک میں سیاسی پارٹیاں دوسری پارٹیوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتی ہیں اور کسی جمہوری حکومت کی معاشی انضمام کی کوششوں کو غیر موثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ حکومت کے خلاف بے بنیاد اور جھوٹے پروپیگنڈا (Disinformation) سے ملکی اور کاروباری ساکھ خراب ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیقات کر لیا کرو کہ کہیں کسی قوم کو نادانی کے سبب تمہارے ہاتھ سے ایذا نہ پہنچے پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے رہ

باؤ"۔(الحجرات:۶)

رف آخر :

پاکستان میں بہتر روحانی فضااور منصفانہ معاشی انتظامات کے امتزاج کابندوبست کیا جائے۔ حصول دولت کے لیے حرام کے راستے بند کر دیئے جائیں سب لوگوں کو محنت کے مواقع دیئے جائیں۔ شر سے فلاح اور استحکام ممکن نہیں اس لیے فسادیوں سے سختی سے پیش آیا جائے۔ لوگوں کو انفاق فی سبیل اللہ کا درس دیا جائے۔ دینی جذبوں فروغ دیا جائے اور لوگوں کی سوچ کا رخ' اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرکوز کر دیا جائے۔ دش دولت کے مناسب اقدام کر کے معاشی پالیسی ترتیب دی جائے کیونکہ مفلسی بدحالی اور عدم استحکام کا شکار ی معاشرہ صالح اور مثبت سوچ کا حامل مثالی اور فلاحی معاشرہ نہیں بن سکتا جہاں مال و جان' عزت و آبرو غیر محفوظ ر' مسجدوں کی بے حرمتی ہو' اور جہاں ظلم' عدم مساوات اور حقوق کی پامالی ہو وہاں ترقی کے امکانات تاریک ہوتے یں۔ موجودہ حکومت کی پالیسی کے مطابق قرآن پاک کی تعلیم کو ترجمہ کے ساتھ فروغ دیا جائے۔

فلسفہ توحید و رسالت پر مبنی اسلام کا نظام تزکیہ نفس اور فلاح انسانیت کی نگہداشت بھی کرتا ہے اور تحکام کا بھی باعث بنتا ہے۔ جہاد بالعلم جہاد بالقرآن' جہاد بالقلم اور فکری جہاد کے ذریعے نظریہ پاکستان کو مضبوط ترین یا جائے۔

اسلام زندہ باد

پاکستان زندہ باد

مفید حوالہ جات(REFRENCES)

ٹ : قرآن پاک کی آیات کے حوالہ جات مقالہ ہی میں درج ہیں۔

۔ متعدد تفاسیر قرآن پاک اور کتب احادیث، سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم

ا۔ الحاج پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد ملک : کتاب تفکر رسول ﷺ' سیرت النبی ﷺ مکتبہ الکوثر پبلی کیشن' لاہور

۲۔ میاں عابد احمد : "شان محمد" : ادارہ ادب و ثقافت پاکستان لاہور

۳۔ ابراہیم احمد باوانی "قومی ترقی کا لائحہ عمل افرادی قوت" مطبوعہ مسلم نیوز کراچی

قرآنی سورتوں کے حوالہ جات

۵۔ الحجرات : ۱۳

۶۔ الحشر : ۷

۷۔ البقرۃ : ۱۷۷

۸۔ الفجر :

۹۔ الماعون :

۱۰۔ المدثر

۱۱۔ آل عمران : ۹۲

۱۲۔ الرعد : ۱۱

۱۳۔ بنی اسرائیل : ۴ تا ۱۰

۱۴۔ سورۃ محمد (ﷺ)

۱۵۔ الفتح : آخری آیت

۱۶۔ الانفال : ۴۶

۱۷۔ الحجرات :

۱۸۔ پیغمبر اسلام رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم : مشرق میگزین...... مئی ۱۹۹۰ء (صفحہ نمبر ۲)۔

۱۹۔ "انسانی حقوق تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں...... ترک دنیا منع ہے"...... مشرق میگزین نومبر ۱۹۹۱ء (صفحہ ۱۸)

۲۰۔ "تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور انسانی حقوق"...... مقالات سیرت کانفرنس ۱۴۱۲ھ وزارت مذہبی امور پاکستان اسلام آباد۔

۲۱۔ "پیغمبر اسلام داعی امن واخوت"...... مشرق میگزین ۱۸ مئی ۱۹۹۰ء (صفحہ نمبر ۷)

۲۲۔ "دنیا ایک نئی عالمی نظام کی تلاش میں ہے"...... (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مقالہ) ایجوکیشن ٹائمز لاہور ستمبر ۱۹۹۴ء۔

۲۲۔ "ملک کی موجودہ صورتحال کا تجزیہ اورامت مسلمہ کے اتحاد کی ضرورت"...... (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مقالہ۔ ایجوکیشن ٹائمز نومبر ۱۹۹۴ء (صفحہ نمبر ۹)

۲۴۔ "دولت کی غیر منصفانہ تقسیم تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں"......ایجوکیشن ٹائمز لاہور اکتوبر ۱۹۹۴ء صفحہ نمبر ۹۔

۲۵۔ "اسلام مادی اور روحانی اقدار کا حسین امتزاج ہے"......روزنامہ جنگ' جمعہ میگزین ۲ جنوری ۱۹۹۶ء لاہور کراچی لندن۔

۲۶۔ "احیائے اسلام سے دنیا کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے"......روزنامہ جنگ جمعہ میگزین ۲ فروری ۱۹۹۶ء لاہور کراچی لندن

۲۷۔ Business Ethicsin Banking Sector

A Research Thesis for Banking Institute Pakistan Karachi

۲۸۔ "عصر حاضر کے مسائل کا حل سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں"...... مقالات سیرت: وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان اسلام آباد ۱۹۹۵ء (Accepted for Publication)

۲۹۔ "اسلامی معاشی اقدار کے فروغ کا عملی طریقہ کار" تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں...... مقالات سیرت: وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان اسلام آباد (Accepted for Publication)

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

محمد عبداللہ صالح، بھکر

دنیا میں بڑے لوگوں کی کمی نہیں لیکن ان کی زندگی اور شخصیت اتنی مکمل اور جامع نہیں۔ کسی نے حکمران یا سپہ سالار بن کر شہرت پائی۔ کوئی شعروادب کے آسمان پر ستارہ بن کر چمکا اور کسی نے فلسفہ اور حکمت میں نام پیدا کیا جبکہ زندگی کے باقی شعبے ان کی دسترس سے باہر رہے اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قول وفعل کی ہم آہنگی کا کامل نمونہ ہے اور آپ ﷺ نے جو تعلیمات پیش کیں اور جو دعوے کیے ان کا عملی ثبوت بھی زندگی ہی میں پیش فرمادیا مثلاً سیاسی طور پر دیکھیے تو آپ ﷺ نے دس برس کی قلیل مدت میں جزیرہ نمائے عرب میں جہاں خودسر قبائل اور خانہ بدوش رہتے تھے ایک بڑی اور مستحکم ریاست قائم کر کے دکھادی۔ سپہ سالار کی حیثیت سے آپ ﷺ کی کامیاب حکمت عملی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی لڑائیوں میں بہ مشکل چند سو آدمی فریقین کے مارے گئے لیکن دس برس میں دس لاکھ مربع میل کا رقبہ مطیع اور ماتحت ہو گیا۔

حیثیت منتظم ومدبر دیکھیں تو ایک ایسے ملک میں جہاں صحیح معنوں میں کبھی کوئی مملکت قائم نہیں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ایک دستور مرتب کیا اور ایک ایسا نظام حکمرانی قائم فرمایا جس پر عمل کر کے دنیا کی مہذب ترین حکومت معرض وجود میں آئی۔ اس دور کو انسانیت کا دور زریں قرار دیا جا سکتا ہے سماجی اور اخلاقی حیثیت سے آپ ﷺ نہ صرف معلم اخلاق تھے بلکہ اپنی تعلیم پر سب سے پہلے خود عمل کرتے اور دوسروں کو جتنا حکم دیتے اس سے کہیں زیادہ خود انجام دیتے' ایک باپ' ایک شوہر' ایک حاکم' ایک سپہ سالار ایک تاجر ہی نہیں بلکہ ہر حیثیت سے آپ کا کردار اتنا بے داغ ہے کہ دشمن بھی اس کے معترف ہیں تاریخ شاہد ہے کہ کسی ہادی' معلم اور پیغمبر کو اپنی

زندگی میں اتنی شاندار اور عالمگیر کامیابی نہیں ہوئی جتنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی سنہ ۱۰ھ میں جب آپ حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کے ساتھ ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان تھے جو براعظم کے ہر حصہ سے آئے تھے۔(۱)

از بس کہ انسانیت جہاں تک بنیادی اصولوں کا تعلق ہے اس چرخ نیلوفری کے نیچے ہر جگہ ایک جیسی ہے اس لیے زندگی کے تمام مسائل کم وبیش ہر جگہ یکساں ہوتے ہیں جس طرح آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر چند الٰہی قوانین کی تاثیر نے عربوں کی مردہ قوم کو از سر نو زندگی کے بلند ترین مقام تک پہنچادیا اسی طرح آج ان قوانین کی برکت سے غلام ہندوستان کی قسمت بدلی جاسکتی ہے۔اسلامی قوانین آج بھی ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے بین الاقوامی مصائب حل کر سکتے ہیں۔(۲)

عالمی سطح پر پاکستان کا شمار بالعموم غیر مستحکم یا بالقوہ مائل بہ انتشار خطوں میں ہوتا ہے۔چنانچہ پروفیسر ارنگ (۳) کا ایک مضمون غیر ملکی جرائد کے حوالہ سے پاکستان کے اخبارات میں شائع ہو چکا ہے جس میں انہوں نے برملا اور واشگاف الفاظ میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے کہ پاکستان تاحال اپنے جداگانہ تشخص کا جواز ثابت نہیں کر سکا ہے۔(۴)

اس صورت میں ہمارے غور وفکر کا اصل مرکز ومحور یہ سوال ہوگا کہ پاکستان کے استحکام کے لیے حقیقتاً اور واقعتاً ٹھوس بنیاد کون سی ہے جسے مضبوط کرنے سے پاکستان مستحکم ہو جائے اور اپنے وجود اور سالمیت کے خلاف جملہ داخلی اور خارجی حملوں کے مقابلے میں اپنا دفاع موثر طور پر کر سکے۔یہ سوال ظاہر ہے کہ صرف دینی اور مذہبی نقطہ نگاہ ہی سے اہم نہیں ہے بلکہ خالص مادی اور دنیوی اعتبار سے بھی نہایت اہم ہے اس لیے کہ یہ ہمارا وطن ہے اور نہ صرف یہ کہ اس وقت ہم اس میں آباد ہیں بلکہ ہماری آئندہ نسلوں کا مستقبل بھی اسی سے وابستہ ہے یہ باعزت ہے تو ہم بھی باعزت ہیں اور خدانخواستہ یہ ذلیل ہو جائے تو اصل ذلت تو ہماری ہوگی۔یہ آزاد ہے تو ہم بھی آزاد ہیں یہ غلام ہو یا تو اصل غلام ہم ہی ہوں گے یہ خوشحال ہوگا تو ہم خوشحال ہوں گے اور اس پر تنگی آئی تو اس تنگی کا شکار ہم ہوں گے گویا یہ کشتی تیرتی ہے تو ہم تیرتے ہیں اور یہ ڈوب گئی تو ہم غرق ہو جائیں گے۔لہذا ہر پاکستانی کے لیے لازم ہے کہ وہ پاکستان کے باعزت بقا اور اس کے استحکام کے مسائل پر پوری سنجیدگی کے ساتھ سوچ بچار کرے۔(۵)

عدم استحکام کا بنیادی سبب

پاکستان کے عدم استحکام کا بنیادی اور اصل سبب یہ ہے کہ پاکستان ایک نظریاتی حیثیت سے وجود میں آیا تھا لیکن افسوس کہ اس میں بسنے والوں نے اس کے وجود میں آنے کے فوراً بعد اس نظریے ہی کو فراموش کر دیا۔یہ بالکل ایسے ہے کہ کسی درخت کی جڑ سوکھ جائے اور اسے پانی نہ دیا جائے اس کے نتیجے میں وہ لازماً مرجھا جائے گا اس کے پتے

جھڑ جائیں گے شاخیں سوکھ جائیں گی اور کچھ عرصے بعد اس میں سے ایک سوکھے تنے کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا اگر نظریہ پاکستان کو فراموشی کا یہی حال رہا تو بعینہ یہی صورت حال پاکستان کے ساتھ ہو گی۔(۶)

مقالے کا منہج

زیر نظر مقالے میں پاکستان کے استحکام کا جائزہ سیرت طیبہ ﷺ کے پس منظر میں لیا جائے گا کیونکہ دنیا میں قائم ہونے والی پہلی ریاست "ریاست مدینہ" ایک اسلامی نظریاتی مملکت تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شان جہاں بانی اور عدیم المثال تدبر فراست سے اس کی تاسیس فرمائی اور دس سال کے قلیل عرصے میں یہ ریاست ایک مضبوط، مستحکم اور فلاحی مملکت کی حیثیت سے عالم اسلام کا مرکز بن گئی۔ اس ریاست کے سربراہ اور مقتدر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تھے اور یہ سربراہی اس شان کی تھی کہ دنیا کے دوسرے بادشاہ تو قوموں کے جسموں پر حکومت کرتے تھے لیکن آپ ﷺ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناحؒ کی بے مثال قیادت میں معرض وجود میں آنے والا یہ وطن عزیز کئی حوالوں سے "ریاست مدینہ" سے مشابہ ہے۔ اس لیے استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ اور آپ ﷺ کی قائم کردہ ریاست ہی کے تناظر میں حاصل ہو سکتی ہے تاکہ یہ ملک بھی دنیا میں ایک بلند اور باعزت مقام حاصل کر سکے اور ناقابل تسخیر مملکت کی حیثیت سے سامنے آئے۔

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر، چمن سے روٹھی بہار اب بھی

استحکام پاکستان کے پہلو

ہم حیثیت مجموعی اس وقت بحرانی کیفیت سے دوچار ہیں آٹے میں نمک کی حیثیت کے حامل افراد کو علیحدہ رکھتے ہوئے واقعہ یہ ہے کہ قومی اور اجتماعی سطح پر صداقت و امانت اور شرافت و مروت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ تنظیم اتحاد اور یقین عنقا ہو گئے ہیں۔ نظریاتی و فکری طور پر ہم مفلوج ہو چکے ہیں۔ سیاسی طور پر ہم سخت عدم استحکام کا شکار ہیں قومی و ملی مفادات سے کسی کو کوئی غرض نہیں رہی معاملات میں بد عہدی اور بد دیانتی کی گرم بازاری ہے تجارت اور لین دین میں دھوکے اور فریب سے بڑھ کر غذائی اشیاء کی قلت اب معمول بن چکی ہے غرض اقتصادی بدحالی اپنے عروج پر ہے۔

داخلی طور پر ملک میں انتشار اور فساد کا بازار گرم ہے کہیں لسانی و علاقائی بنیادوں پر اور کہیں مذہب و مسلک کی بنیادوں پر نفرت کی دیوار کھڑی کر دی جاتی ہے۔ انتظامیہ بد عنوانی کی دلدل میں پھنس چکی ہے رشوت ستانی

بر ہ اندوزی، جھوٹ، فریب اب شعار کی حیثیت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔

خارجی طور پر ملک کی سالمیت بھی خطرے کا شکار ہے۔ نئے عالمی نظام کے تحت ملک کو ذہنی اور مالی طور پر م بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ہمسایہ ملک' سپر پاور بننے کے زعم میں علاقائی اور ریاستی خود مختاری کو چیلنج کر رہی ہے۔ ان حالات میں استحکام پاکستان کیسے ممکن ہے ذیل میں تفصیلاً جائزہ لیتے ہیں۔

فکری و نظریاتی استحکام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دین اسلام کو لوگوں کے سامنے پیش کیا تو عرب جاہلیت کے ادنیٰ سے ادنیٰ دماغ رکھنے والے نے بھی یہ محسوس کر لیا کہ یہ دین ہمارے آبائی مذاہب میں چند تبدیلیاں یا صدیوں کے متعین رسوم ورواج سے انحراف نہیں بلکہ پوری زندگی کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے وہ جلد سمجھ گئے کہ یہ تبدیلی صرف عقیدہ کی حد تک نہیں بلکہ تمام نظریہ حیات اور نظام فکر و عمل کی ہمہ گیر تبدیلی ہے اور اسی انقلاب کی بنیاد پر ہی ریاست مدینہ کی بنیاد رکھی۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر جہاں اعتقادی اور اخلاقی انقلاب تھا وہاں پوری اہمیت کے ساتھ سیاسی انقلاب بھی تھا اور جہاں فرد کی اصلاح مطلوب تھی وہاں تمدن کی درستی بھی مقصود تھی(۷) چنانچہ قرآن حکیم نے آپ ﷺ کی بعثت ورسالت کے مقاصد پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

هو الذى ارسل رسوله بالهدٰى و دين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون۔(۸)

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو"۔

سیرت طیبہ ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیغام اگرچہ انتہائی سادہ اور آسان و مختصر لب ولہجہ میں پیش کیا لیکن اس کی کنہ و حقیقت کو فوراً پہچان لیا اور اس کے پیچھے انقلاب کی جھلک دیکھ لی رسول اللہ ﷺ کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ آپ کی پیش کی ہوئی دعوت کو ہلکا نہ سمجھیں بلکہ اس کی ہمہ گیری و جامعیت کا ادراک کر لیں چنانچہ اسی ابتدائی دور میں ایک موقع پر یہ معنی خیز جملہ ادا فرمایا:

كلمه ان انتم تكلم بها ملكتم بها العرب و دانت لكم بها العجم۔(۹)

ایک کلمہ ہے اگر تم اسے اختیار کر لو تو اس کے نتیجے میں سارا عرب تمہارے زیر نگیں ہو جائے گا اور تمام عجم تمہارے پیچھے چلے گا۔

مطالعہ سیرت سے پتہ چلتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کام کا نقشہ یوں مرتب کیا:

۱۔ پہلے دین کی بنیادوں یعنی عقائد کی تعلیم دی

۲۔ پھر اس تعلیم کی بنیاد پر ایک گروہ منظم کیا اور جب ایک تنظیم بن گئی تو

۳۔ اس کی بنیاد پر ایک ریاست کی تاسیس فرمائی۔(۱۰)

اسی طرح پاکستان کے پس منظر میں بھی ایک نظریہ' سوچ اور فکر کار فرما تھی یہ نظریہ کیا تھا قائد اعظم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"پاکستان اسی روز وجود میں آگیا تھا جس دن ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید پر ہے وطن اور نسل پر نہیں جب ہندوستان کا پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا بلکہ ایک جداگانہ قوم کا فرد بن گیا اور ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آگئی۔(۱۱)

قائد اعظم کا یہ ارشاد پاکستان کی فکری بنیادوں کی مکمل ترین وضاحت ہے کلمہ توحید کی بنیاد پر قومیت تصور اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اسی عقیدے کو دوسرے لفظوں میں دو قومی نظریہ' بھی کہا گیا ہے پاکستان کے دوام استحکام کی اصل اساس صرف یہی نظریہ ہے اس کو نظریہ اسلام بھی کہہ سکتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نظریہ کو نہ صرف افراد کے اذہان و قلوب میں جاگزیں کر دیا جائے بلکہ اس نظریہ پر اس انداز سے عمل بھی کیا جائے جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ میں اپنے منشور اور دستور پر کیا تھا۔ جس کا ذکر قائد اعظم نے بھی کچھ اس انداز سے کیا تھا:

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا بلکہ ہم ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو اچھی طرح آزما سکیں"۔(۱۲)

۲۔ سیاسی استحکام:

ڈاکٹر حمید اللہ فرماتے ہیں:

"میرے پیش نظر صرف یہ بتانا ہے کہ کن حالات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر مجبور ہونا پڑا کہ ایک حکومت قائم فرمائیں حکومت کی اقامت پر مجبور ہونے کا لفظ میں اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ نبی دنیا اور دنیوی اقتدار کا طالب نہیں ہوتا اس

کے باوجود پیغمبر اسلام ایک مملکت قائم کرتے اور اس مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے حکمرانی بھی فرماتے ہیں یہ کن حالات میں ہوا اور کس طرح یہ نظم و نسق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کر دیا اور ایسا نظم و نسق چھوڑا کہ وہ آپ کے بعد بھی صدیوں تک چلتا رہا اور نبی اکرم ﷺ کے نظام جہاں بانی سے آج تک مسلمان فائدہ اٹھاتے آرہے ہیں"۔(۱۳)

قیام پاکستان کا ایک اہم مقصد ملت اسلامیہ کے لیے ایک ایسا آزاد وطن حاصل کرنا تھا جہاں مسلمان کفر کی ...ں سے آزادرہ کر زندگی بسر کر سکیں اور اسلام کے سیاسی نظام کو غالب کر سکیں۔ چنانچہ قائداعظم نے فرمایا:

"ہمارے دلوں میں آزادی کی بے پناہ تڑپ ہے ہم برطانوی تسلط سے بھی چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس بات پر بھی کبھی رضامند نہیں ہو سکتے کہ ہمیں ہمیشہ ہندوؤں کی غلامی میں منتقل کر دیا جائے"۔(۱۴)

آج پاکستان آزاد ہے مگر کیا وہ سیاسی طور پر بھی آزاد ہے؟ کیا وہ اسلام کے سنہرے نظام پر کاربند ہے؟ کبھی ...یہ دارانہ نظام کا اسلام پر چربہ چڑھایا جاتا ہے تو کبھی مغربی جمہوریت کا نتیجتاً پاکستان سیاسی استحکام سے محروم ہے ...صدارتی نظام کی بات کی جاتی ہے تو کبھی پارلیمانی نظام کی۔ آخر مسئلے کا حل کیا ہے؟ وہی جو اسلام نے بتایا ہے اور ...راکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر ریاست مدینہ میں عمل کر کے دکھایا ہے۔ سیاسی استحکام کے اصول مندرجہ ...ہیں:

حاکمیت اعلیٰ:

ریاست نبوی ﷺ میں حاکمیت واقتدار اعلیٰ کا منصب اللہ کے لیے خاص ہے۔ جس توحید کی تعلیم رسول ...صلی اللہ علیہ وسلم آغاز بعثت سے دے رہے تھے اور جس تصور حاکمیت کی توضیح آپ مکی زندگی میں فرماتے رہے ...ی عملی تعبیر اس وقت سامنے آئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی تصور حاکمیت کی بنیاد پر مدینہ میں ایک ...ست قائم کی اور تمام امور ریاست کو خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے انجام دیا۔ حاکمیت الٰہی کا یہی وہ بنیادی اصول ہے جس ...ریاست نبوی ﷺ کو دنیا کی دوسری ریاستوں میں انفرادیت عطا کی اور اس کے نظم و نسق کو ایک خاص نہج پر ...ار کیا۔(۱۵)

اللہ کی حاکمیت کا نفاذ قیام پاکستان کا سب سے اہم اور اولین مقصد تھا۔ اسی کی طرف قائداعظم نے اشارہ ...تے ہوئے فرمایا:

"اسلام کے تصور مملکت کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں اسلام میں اصلاً کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمنٹ

کی نہ کسی شخص یا ادارے کی قرآن مجید کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قرآنی اصول واحکام کی حکومت ہے"۔(۱۶)

اگر چہ حاکمیت اعلیٰ کا تذکرہ قرارداد مقاصد میں بھی نمایاں طور پر کیا گیا ہے تاہم قرارداد مقاصد کو آئین حصہ بنایا جائے۔

ii سربراہ مملکت :

کسی جمہوری نظام حکومت کی معراج یہ ہے کہ حکمران اپنے ذاتی حقوق و معاملات میں عوام کے مساوی اور کسی قسم کا امتیاز یا استثناء اسے حاصل نہ ہو اور عام شہری زندگی میں بھی کوئی امتیاز اس وجہ سے نہ رکھتا ہو کہ حکمران ہے اس کے اختیارات محدود ہوں اس پر تنقید واحتساب کے لیے آزاد ہوں یہ تمام اصول فی الحقیقت صحت مند سیاسی نظام میں نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن انہیں پوری روح اور فعالیت کے ساتھ عہد رسالت میں اپنایا گیا بلکہ معراج کمال تک پہنچایا گیا۔(۱۷)

قائداعظم کی قیادت میں مسلمانان برصغیر نے ایک آزاد و خود مختار وطن حاصل کیا جب تک آپ زندہ رہے ملک پاکستان اندرونی و بیرونی طور پر مستحکم ہوتا چلا گیا یہ صرف اور صرف آپ کی عظیم قیادت انتھک محنت پر خلوص جدوجہد ہی کے ذریعے ممکن ہوا آج بھی ملک کو ایسی ہی مخلص قیادت کی ضرورت ہے جس کے اپنے قول و فعل میں تضاد نظر نہ آئے اور جس کے خلوص پر عوام اعتماد کر سکیں ملکی دولت کو ذاتی جاگیر کی بجائے امانت سمجھے عوام کی خدمت کو عبادت سمجھ کر سرانجام دے۔

iii شورائیت :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتی، اجتماعی اور ملی زندگی میں ہمیشہ شوریٰ کو اپنے دستور العمل کا لازمی حصہ بنایا اگر چہ آپ محیط وحی تھے اور انسانی رائے اور مشورہ کے محتاج نہیں تھے لیکن اس کے باوجود آپ کثیر المشاورت تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا، غزوہ بدر، احد، احزاب، یوم حدیبیہ، واقعہ افک ہر موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا اہل سیر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ سے مشاورت کے بے شمار واقعات بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

شورائیت کے اس نظام کو جدید اصطلاح میں "جمہوریت" سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے مگر مغربی جمہوریت نہیں اسلامی جمہوریت جس میں اہل حل و عقد کا ایک تصور موجود ہے اور ان کی رائے کا ایک وزن

اختلاف رائے کی صورت میں بھی قابل احترام ہے۔ قائداعظم نے مطلق جمہوریت کی بجائے اسلام کے اصولوں پر مبنی جمہوریت کو ملت اسلامیہ کا نصب العین قرار دیا۔

"ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں"۔(۱۸)

جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی"۔(۱۹)

۱۔ آئینی و دستوری استحکام :

سنہ ۱ھ میں یعنی ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچنے کے پہلے سال ہی رسولِ اکرم ﷺ نے ایک نوشتہ مرتب فرمایا جس میں حکمران اور رعایا کے حقوق و فرائض اور دیگر ضروریات کا ذکر ہے ایسی دستاویز کی نظیر عہد نبوی ﷺ سے پہلے کہیں نہیں ملتی اس بنا پر اسے دنیا کا پہلا تحریری دستور' بھی کہا جا سکتا ہے اس دستاویز میں باون جملے یا قانونی اصطلاحیں 'دفعات' ہیں اور یہ اس دور کی قانونی عبارت اور دستاویز نویسی کا اعلیٰ نمونہ ہے بعد میں یہ دستاویز میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہوئی اس کے لیے کتاب اور صحیفہ کے اہم نام بھی استعمال کیے گئے ہیں جس کے معنی دستور العمل اور فرائض کے ہیں دراصل شہر مدینہ کو پہلی مرتبہ شہری مملکت قرار دینا اور اس کے انتظام کا دستور مرتب کرنا تھا۔ اس دستور میں غیر مسلموں کو مکمل آزادی تھی چنانچہ ایک دفعہ کے الفاظ یہ ہیں للمسلمین دینھم وللیھود دینھم یعنی مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لیے یہودیوں کا دین ہے۔(۲۰)

قیام پاکستان کے بعد ہی قائداعظم نے نوزائیدہ ملک کے لیے دستوری راہوں کو متعین کر دیا۔ آپ نے فرمایا :

"پاکستان کا دستور ابھی بننا ہے اور اسے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی بنائے گی مجھے نہیں معلوم کہ اس دستور کی شکل و ہیئت کیا ہو گی' لیکن اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہو گا اور اسلام کے بنیادی اصولوں پر مشتمل ہو گا۔(۲۱)

قائداعظم کے ان فرمودات کے باوجود وطن عزیز کو ایک عرصہ تک آئین میسر نہ آسکا اور یہ سرزمین بے آئین ہی رہی اس حال میں کیا ملکی استحکام کی ضمانت دی جا سکتی تھی ؟ پاکستان کی تاریخ میں دستور سازی کے ضمن میں کئی نشیب و فراز آئے انفرادی و اجتماعی سطح پر طبع آزمائی ہوئی' دستور بنے' معطل ہوئے پھر بالآخر عوام کے نمائندوں پر مشتمل قومی اسمبلی نے ۱۹۷۳ء میں متفقہ طور پر آئین بنایا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک کو آئین کے مطابق چلایا جائے تاکہ وطن حقیقی معنوں میں آزاد اور خود مختار کہلا سکے۔

۴۔ انتظامی استحکام :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک منظم و مرتب حکومت کے سربراہ تھے مدینہ پوری ریاست کا صدر مقام تھا اور اس کا نیز اس سے ملحق علاقوں کا انتظام و انصرام براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد تھا تاہم انتظام حکومت کو بہتر طور پر چلانے کے لیے آپ ﷺ نے پوری ریاست کو مختلف حصوں اور صوبوں میں تقسیم رکھا تھا اور ہر علاقہ پر ایک گورنر مقرر کیا تھا۔

i تقرر و ہدایات :

والیوں اور گورنروں کے تقرر میں آپ کا معیار یہ تھا کہ ان لوگوں کو نااہل سمجھا جاتا تھا جو اپنی خدمات خود پیش کرنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کسی بھی والی یا حاکم کی اہلیت کی سب سے اہم شرط تھی کہ وہ اسلام سے نہ صرف واقفیت رکھتا ہو بلکہ اس کا عالم ہو اور دین و دنیا کے مسائل میں ایسی بصیرت اور نظری رکھتا ہو کہ بوقت ضرورت آزادانہ اجتہاد کر سکے حکام وولاۃ دونوں کے لیے اس شرط کو پورا کرنا دو وجوہات سے ضروری تھا ایک تو اس لیے کہ ریاست نبوی ﷺ ایک نظریاتی اور دستوری ریاست تھی اور اس کے کلیدی مناصب پر لازماً ایسے لوگوں کو فائز کیا جا سکتا تھا جو اس نظریہ حیات پر پورا یقین رکھتے ہوں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ حکام و منتظم سے بڑھ کر اسلام کے داعی و مبلغین تھے اس بات کی تائید اس تحریری دستاویز سے بھی ہوتی ہے جو عمرو بن حزم کو آپ نے دی اسی طرح معاذ بن جبلؓ کو بھی یمن روانگی کے وقت تفصیلی ہدایات دی ہیں۔(۲۲)

ii معاوضہ اور مشاہرہ :

ان فرائض کی بجا آوری پر ریاست کی جانب سے والیوں کو تنخواہ اور بقدر ضرورت معاوضہ بھی ادا کیا جاتا اس کی شرح خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمادی تھی :(۲۳)

من كان لنا عاملاً فليكتب زوجه فان لم يكن له خادم فليكتب خادماً و ان لم يكن له مسكن فليكتب مسكناً و من اتخذ غير ذالك فهو غال۔(۲۴)

"جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا اگر مکان نہ ہو تو مکان کا خرچ لینا چاہیے لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا"۔

iii انتظامیہ کا احتساب :

جہاں تک عمال کی تربیت اور ان کا محاسبہ کا تعلق ہے تو اس ضمن میں جن لوگوں کو کوئی اہم ذمہ داری سونپی جاتی مثلاً صدقہ یا زکوۃ کی وصولیابی کے لیے بھیجا جاتا تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھ گچھ کرتے

ں وصولی میں انہوں نے بے جا ظلم یا زیادتی یا ناجائز طریقہ کو تو اختیار نہیں کیا چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ
نے ابن اللتبیہ کو بنو سلم کے صدقات پر عامل بنا کر روانہ کیا جب وہ وصول کر کے واپس آئے تو انہوں نے دو قسم
ں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ کر کہا کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مال مجھے تحفتاً ملا ہے آپ نے
نظہ فرمایا تو کہا کہ گھر بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا؟ اس کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں آپ نے اس قسم
لین دین کی سختی سے ممانعت فرما دی۔ (۲۵)

ہر صوبہ میں گورنروں اور والیوں کا تقرر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے اور اگر ان کے بارے میں
قسم کی شکایات ملتی یا ایک جگہ کی جائے دوسری جگہ کا تقاضا شدید ہو جاتا تھا تو ایک والی کا تبادلہ دوسری جگہ کر دیا
نیز اطمینان بخش کارکردگی نہ ہونے کی بنا پر معزول بھی فرما دیا کرتے تھے۔

انتظامیہ کسی بھی ملک کے استحکام میں اہم کردار ادا کرتی ہے اسی کے پیش نظر ریاستی اداروں کا انتظام چلانا
ا ہے جدید اصطلاح میں اس کے لیے بیوروکریسی اور سول سروسز' کے الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ انتظامیہ
لیے ضروری ہے کہ ان میں فرض شناسی' حب الوطنی' عوام دوستی خدمت خلق ایسے جذبات پائے جائیں تاکہ
م کا ریاست پر اور ریاستی اداروں پر اعتماد حال رہے اسی طرف قائداعظم نے سرکاری ملازمین سے خطاب کرتے
ئے فرمایا:

> "آپ خواہ کسی بھی محکمے میں کام کرتے ہوں' لوگوں کے ساتھ آپ کا سلوک اور برتاؤ خوش اخلاقی پر مبنی ہونا چاہیے۔ ماضی کی بدنام روایات کو اب بھول جائیے اب آپ حاکم نہیں رہے اب آپ خادم اور دوست ہیں عزت و تکریم انصاف اور غیر جانبداری کا اعلیٰ ترین معیار قائم کیجئے"۔ (۲۶)

وطن عزیز میں اس وقت سول سروسز کا جو حال ہے چند ایک کو چھوڑ کر وہ سب کے سامنے ہے خدمت
ا اور ملک و ملت کی فلاح کی بجائے ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھنا' رشوت اور بدعنوانی کو قومی کلچر بنانا' سرکاری وسائل کا
تحاشا ضیاع اور کام کو کاغذوں File Work میں الجھا کر رکھنا فرائض منصبی میں شامل ہو چکا ہے۔
عہد نبوی ﷺ کے انتظامی ڈھانچے اور سیرت طیبہ کو مد نظر رکھ کر سول سروسز کے لیے یہ تجاویز پیش
ا سکتی ہیں۔

ایسے افراد کے لیے خاص نصاب تیار کیا جائے جس میں اسلامی تعلیمات' حب الوطنی اور خدمت خلق پر
زور دیا جائے۔

دوران تربیت اپنے فن اور شعبہ میں ماہرین کے تجربات سے استفادہ اور خصوصی ذہنی تربیت۔

۳۔ افراد کے تقرر کے وقت ان کی علمی و پیشہ ورانہ قابلیت کے علاوہ ان کے ذہنی پس منظر اور دیانتدار رجحانات کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔

۴۔ سادگی کو ہر سطح پر فروغ دے کر وی آئی پی کلچر کا خاتمہ کرنا۔

۵۔ جو افراد اپنے فرائض سے غفلت کے مرتکب پائے جائیں یا اپنے عہدوں سے جائز انتفاع کریں یا وسائل کو لوٹیں ان کے خلاف بے رحم اور غیر جانبدارانہ احتساب کیا جائے اور قرار واقعی سزا دی جا جس میں انکی معطلی کے علاوہ بعد از سروس فوائد کی ضبطی بھی شامل ہو۔

۶۔ احتساب کے لیے ایک مستقل وزارت کا قیام عمل میں لایا جائے جس میں انتہائی ایماندار' محب وطن ذمہ دار افراد شامل کیے جائیں جو جوابدہی کے تصور کے ساتھ خدا خوفی سے بھی مالا مال ہوں۔

۷۔ مرکزی' صوبائی' ڈویژن' ضلع' تحصیل' ٹاؤن ہر سطح پر احتساب کمیٹیاں تشکیل دی جائیں۔

۸۔ بد عنوان ملازمین کے خلاف فوری تادیبی کارروائی اور عبرتناک سزا کا اہتمام کرنا۔

۹۔ ملازمین کے لیے معقول معاوضہ جات' مشاہرات کا انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری میں شامل ہے۔

مندرجہ بالا اقدامات سے ملک میں انتظامی استحکام ہو گا اور ملک داخلی طور پر مضبوط ہو گا۔

۵۔ سماجی و تہذیبی استحکام :

کسی بھی ملک کی ترقی و استحکام کا دار و مدار اس کی معاشرتی تنظیم پر ہوتا ہے اگر معاشرہ انتشار کا شکار بدنظمی عام ہو' معاشرتی ادارے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوں' احترام انسانیت نہ ہو' عدل و انصاف کی حکمرانی نہ ہو کی بالادستی نہ ہو تہذیب و تاریخ سے رشتہ منقطع ہو چکا ہو علم اور ٹیکنالوجی روبہ زوال ہو تو ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ ذیل میں معاشرتی و تہذیبی استحکام کے چند پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔

i ملی و قومی استحکام :

مدینہ میں اسلامی فلاحی ریاست کو تشکیل دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی طور پر لوگوں کو اخوت اور وحدت کے نصب العین کی طرف دعوت دی چنانچہ امر واقعہ یہ ہے کہ کامیاب فلاحی اسلامی ریاست قیام میں رسول عربی ﷺ کی یہی تربیت کام آئی جو آپ ﷺ نے کمال محنت کے ساتھ اپنے ساتھی عوام کی اس تربیت کے کچھ بنیادی نکات آپ نے اپنی ایک گفتگو میں ذیل کے الفاظ میں بے حد خوبصورتی کے ساتھ لیے فرمایا :

لاتجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخواناً ۔ (۷

"دیکھو باہمی تجسس نہ کیا کرو بھاؤ چڑھانے کے لیے بولی نہ دو' حسد اور بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو بس اللہ کے بندے اور باہم بھائی بن کر رہو"۔

ہجرت مدینہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلا کام تھا وہ رشتہ مواخات کا قیام تھا جس کی رو سے مہاجرین و انصار باہم اخوت کے لازوال رشتوں میں بندھ گئے۔ اور اس طرح زمانہ جاہلیت کے تمام لونی' لسانی' علاقائی بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ آپ نے فرمایا:

ان اللہ اذھب عنکم عصبیة الجاھلیة و فخرھا با لاباء انما ھو من تقی و فاجر شقی الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب۔ (۲۸)

اللہ نے تم سے جاہلی عصبیت اور اپنے آباء و اجداد پر فخر و غرور کرنے کو دور کر دیا ہے۔ سنو! اب تو معاشرے میں دو طبقے ہوں گے متقی مومن اور بد قماش بدبخت تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تخلیق کیا گیا تھا۔

پاکستان اس وقت کئی لحاظ سے ٹوٹ پھوٹ اور بد نظمی کا شکار ہے۔ مذہبی حوالے سے نظر ڈالی جائے تو مسلک اور فرقہ کی بنیاد پر اپنے گرد حصار قائم کر لیے ہیں جغرافیائی زاویے سے جائزہ لیا جائے تو علاقائیت کے بت پروان چڑھا لیتے ہیں قومیت کی بات کی جائے تو مسلم قومیت کو چھوڑ کر سندھی' بلوچی' پنجابی' پٹھان اور مہاجر کی بنیاد پر نئے فلسفے گھڑ لیتے ہیں یہ آستین کے وہ سانپ ہیں جس نے ماضی میں بھی وطن کی سالمیت و استحکام کو نقصان پہنچایا ہے اور مستقبل میں بھی خطرہ کا باعث ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان عوامل سے نبرد آزما ہو کر ملی اور قومی یکجہتی کو فروغ دینا از حد ضروری ہے۔

کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

قائداعظم نے فرمایا:

"اب ہم سب پاکستانی ہیں' نہ بلوچی' نہ پٹھان' نہ سندھی' نہ بنگالی' نہ پنجابی' پاکستانی اور صرف پاکستانی کہلوانے پر فخر ہونا چاہیے"۔ (۲۹)

علامہ اقبال نے بھی اسی خطرے کو بھانپتے ہوئے مسلم قومیت کے جذبے کو ابھارا ہے اور ہر قسم امتیازی اور گروہی تعصبات کو ختم کرنے کی تلقین کی ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہگزر (۲۰)

ii عدالتی و قانونی استحکام :

ہر معاشرہ انصاف کی فراہمی کے لیے ایک نظام تشکیل دیتا ہے جس کی بنیادیں انسانی زندگی 'مال' آبرو اور شخصی آزادی وغیرہ کے متعلق اس معاشرے کے مخصوص رجحانات میں مخفی ہوتی ہیں یہ رجحانات اقدار کہلاتے ہیں اور یہ نظام قانون وعدل دراصل ان اقدار کے تحفظ کی خارجی شکل ہے۔

قانون کی بالادستی نظام عدل کی جان ہے اور عدلیہ کی آزادی کا تعلق براہ راست ملکی استحکام سے ہے عدلیہ ہی معاشرے میں حقوق و فرائض اور ظلم واستحصال کے خاتمے کی ضمانت ہے۔

بحیثیت سربراہ ریاست معاشرہ میں عدل وانصاف کے قیام وانصرام کی ذمہ داری آپ ﷺ پر تھی مرکز میں قاضی القضاۃ اور مفتی اعظم آپ ﷺ ہی تھے تمام مقدمات آپ ﷺ کی عدالت میں پیش ہوتے تھے اور بالعموم مسجد نبوی ﷺ کو ہی ایوان عدالت کی حیثیت حاصل تھی۔ جب توسیع سلطنت ہو گئی تو آپ ﷺ نے قاضیوں کے تقرر اور ان کی تربیت پر بھی پوری توجہ دی چنانچہ ابو موسیٰ یمنی کو حضور اکرم ﷺ نے بنیادی عدالتی اصول دیئے ہیں۔

"آسانی پیدا کرنا' تکلیف نہ دینا' خوشی کا سامان پیدا کرنا' نفرت نہ پیدا کرنا' متفقہ فیصلے کرنا' فریقین میں برابری رکھنا"۔

معاذ بن جبلؓ کو خاص ہدایت دی کہ "مظلوم کی آہ سے بچنا کیونکہ ان کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔ (۲۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عادلانہ نظام قائم فرمایا اس کی نظیر کسی معاشرے میں نہیں ملتی اسلامی معاشرے میں حصول عدل کو یقینی بنانے کے لیے سب سے پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ قانون کی بالادستی کو عملاً قائم فرمایا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر قریش کے نہایت معزز اور بااثر خاندان بنو مخزوم کی ایک خاتون سے چوری ہو گئی اور وہ پکڑی گئی بنی مخزوم کے لوگ گھبرائے ہوئے محبوب رسول ﷺ حضرت اسامہ بن زید کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی وہ حضور ﷺ سے اس خاتون کے لیے سفارش کریں جب انہوں نے بارگاہ رسالت میں سفارش کی تو آپ ﷺ کے روئے انور پر تکدر کے آثار نمودار ہوئے اور آپ نے فرمایا :

لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ ان میں سے جب کسی بڑے نے چوری کی تو اسے چھوڑ دیا گیا اور اگر کسی کمزور نے چوری کی تو اسے سزا دی گئی اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرے گی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ (۳۲)

سیرت طیبہ ﷺ کی ان روشن مثالوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم اپنے عدالتی و قانونی امور کو بہتر طور پر وضع کر سکتے ہیں۔

iii تعلیمی استحکام :

قرآن حکیم کی رو سے بنیادی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلم انسانیت بنا کر بھیجے گئے تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس آپ ﷺ کا بنیادی کام تھا۔ (۳۴) آپ ﷺ نے خود بھی اس کا اعلان فرمایا:

انما بعثت معلماً۔ (۳۵)

بلا شبہ میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم زندگی کے کسی ایک گوشے سے متعلق نہ تھی بلکہ ہر لحاظ سے جامع اور ہر شعبہ حیات پر حاوی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے مسجد کو اپنی تمام تر سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ مسجد نبوی ﷺ میں بڑے پیمانے پر تعلیم و تربیت کے انتظامات کے سلسلے میں مسجد سے ملحق 'صفہ' کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بقول ڈاکٹر حمید اللہ صفہ کو اسلامی اقامتی جامعہ کہا جا سکتا ہے۔ (۳۶)

استحکام پاکستان میں تعلیمی نظام کو کسی طور سے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ عہد نبوی ﷺ کو مد نظر رکھتے ہوئے مساجد کو مرکز تعلیم بنایا جا سکتا ہے تعلیمی پالیسی ایسی وضع کرنا چاہیے جس میں عصری تقاضے پورے ہوں اور دنیا میں تیز رفتاری سے بڑھتا ہوا علم ہر مسلمان کی میراث ہے اسی جدید اور مہارت کے پیش نظر آپ نے فرمایا تھا کہ علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ قائداعظم نے بھی اس کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

"اگر ہمیں حقیقی 'تیز رفتار' اور نتیجہ خیز ترقی کرنا ہے تو ہمیں تعلیم کے مسئلے پر خصوصی توجہ دینی چاہیے اپنی تعلیمی پالیسی اور پروگرام کو ایسے خطوط پر چلانا چاہیے جو ہماری تاریخ' ثقافت اور دور جدید کے ترقیاتی تقاضوں کو ہم آہنگ ہو"۔ (۳۷)

۲۔ اقتصادی و مالیاتی استحکام :

اقتصادی و مالیاتی نظام ملک میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس وقت پاکستان کو اقتصادی استحکام کی شدید ضرورت ہے۔ قائداعظمؒ نے اس ضرورت کے تحت اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر ہم نے مغرب کا معاشی نظریہ اور نظام اختیار کیا تو اس سے ہمیں اپنے عوام کے لیے امن اور خوشحالی حاصل کرنے کے نصب العین میں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اپنی تقدیر ہمیں اپنے منفرد انداز میں بنانی پڑے گی ہمیں دنیا کے سامنے ایک مثالی نظام پیش کرنا ہے جو انسانی مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر مبنی ہو"۔ (۳۸)

آیئے دیکھتے ہیں کہ سیرت طیبہ ﷺ ہمیں اس سلسلے میں کیا ہدایات دیتی ہے۔

ریاست نبوی ﷺ ایک فلاحی اور خادم خلق ریاست تھی جو عوام کی معاشی کفالت اور معاونت' قیام انصاف ادائیگی حقوق اور غربت و افلاس کو مٹانے کے وجود میں آئی تھی۔ تمام افراد ریاست کی بنیادی ضروریات کا بندوبست اور مجبور و اپاہج لاچار و بے سہارا افراد کی مدد اس کا اہم فریضہ تھا اور محاصل کی تحصیل و تصریف کے یہی مرکزی عوامل تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے غریب اور محروم و محنت کش ساتھیوں کا غیر معمولی خیال رکھا۔ مدینہ میں ایک بہت ہی معمولی شکل و صورت اور بھدے نقوش والے صحابی اپنی محنت کشی کے دوران کسی جگہ پسینہ میں تر کھڑے تھے حضور ﷺ اس راہ سے گذرے انہیں دیکھا تو پیچھے سے آکر اپنے ہاتھ ان کی آنکھوں پر رکھ دیئے آپ کی خوشبو سے صحابی سمجھ تو گئے کہ یہ کون ہیں جنہوں نے اس خوبصورت ڈھب سے محبت کا اظہار کیا ہے مگر پھر جان بوجھ کر انہوں نے اپنے پسینہ سے تر جسم کو آپ کے جسم کے ساتھ ملا لیا اور جب اس غریب صحابی کا دل خوش ہو گیا تو آپ نے ان سے اپنی محبت کے اظہار میں وہاں کھڑے لوگوں سے فرمایا ایک غلام قابل فروخت ہے کون ہے جو اسے خریدے؟ غریب' محنت کش مزدور صحابیؓ بولے: یا رسول اللہ ﷺ! مجھ بدصورت 'مفلوک الحال' کو کون خریدے گا؟ تب سب کے سامنے ارشاد فرمایا: "اللہ اور رسول ﷺ کے ہاں جو تمہاری قیمت ہے وہ تو کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا"۔ (۳۹)

ملک پاکستان کی اقتصادی صورتحال کے پیش نظر دو اہم باتوں کا ذکر نہایت ضروری ہے۔

i ادائیگی قرض:

اس وقت وطن عزیز اقتصادی و مالیاتی طور پر شدید بحران سے دوچار ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ مختلف ادوار میں کاروبار حکومت کو چلانے کے لیے مالیاتی اداروں سے قرضے لیے گئے اب بڑھ کر اور سود در سود کے اضافے سے اتنے ہو گئے ہیں کہ ملک کا ہر باشندہ سولہ ہزار روپے کا مقروض ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر حمید اللہ نے سیرت طیبہ ﷺ سے کچھ استنباطات کیے جن کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

ا۔ کسی خاص موقع پر ایک رقم کی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے اور مسلمانوں

شوق دلاتے کہ ملک کی فلاں فلاں ضرورت کے لیے دل کھول کر چندہ دیں۔ چنانچہ صاحب استطاعت مسلمان دل کھول کر چندہ دیتے۔(۴۰)

۲۔ اسلامی حکومت کی ضروریات اگر عشر وزکوٰۃ سے پوری نہ ہوں تو اپنے زمانے کے فقہاء کے فتوے اور اجازت سے رعایا اور حکومت دونوں کی ضرورتوں کے پیش نظر نئے ٹیکس لگائے جاسکتے ہیں۔اس کے لیے لفظ ضرائب استعمال ہوتا ہے۔(۴۱)

۳۔ کسی شخص پر رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں غیر معمولی بوجھ پڑھ جائے اور وہ اس سے عہدہ برآنہ ہوسکے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں "غارمین" سے استنباط کر کے ایک نئی چیز کا اضافہ نظر آتا ہے وہ سرکاری خزانے سے لوگوں کی امداد نہیں بلکہ قرض دیتا ہے اور یہ قرض بلاسود ہوگا۔(۴۲)

ii کفالت عامہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفالت کا نہایت وسیع اور ہمہ گیر نظام عمل قائم فرمایا سائلوں اور محتاجوں کو بیت المال سے عطیے دیئے۔ خمس' فے' اور زکوۃ کے مال سے مسلمانوں کے قرض اور خون بہا ادا کیے مفلس لوگوں کے نکاح کرائے اور کبھی تو بیت المال خالی ہونے کی صورت میں ذاتی طور پر قرض لے کر اہل حاجت کی ضروریات کو پورا کیا پھر یہ قاعدہ کلیہ وضع کیا کہ جو کوئی مال چھوڑ کر مر جائے تو وہ مال اس کے اہل وعیال کا حق ہے اور جو شخص قرض چھوڑ کر مر جائے یا اہل وعیال اس حال میں چھوڑ جائے کہ ان کی کفالت کا کوئی سامان نہ ہو تو وہ میرے حصے میں ہے اور ان کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے خاندان کے لیے زکوٰۃ وصدقہ کو حرام قرار دیا لیکن دوسروں کے لیے سب کچھ وقف کر دیا خود فاقے سے رہے لیکن کسی مسلمان کو بھوکا رہنا گوارا نہ فرمایا۔

حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کی ان روشن مثالوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اپنے ملک کو ایک حقیقی معنوں میں اسلامی فلاحی مملکت بنا سکتے ہیں اور اقتصادی طور پر ترقی وخوشحالی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔

۷۔ دفاعی وعسکری استحکام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے سلسلے میں ایک مکمل ضابطہ قانون جنگ وصلح دیا۔ جنگ کے اداب اس کے اخلاقی حدود' محاربین کے حقوق وفرائض' مقاتلین غیر مقاتلین کا فرق' معاہدین' مفتوح قوموں' سفراء اور اسیران جنگ کے حقوق وغیرہ کی تعلیمات دیں۔ اور غفلت میں حملہ کرنے' آگ لگانے' لوٹ مار' تباہ کاری' مثلہ' قتل اسیر' بد عہدی بدنظمی' انتشار اور دوسرے وحشیانہ افعال کو قطعاً ممنوع قرار دیا نیز اس کے مقابلے میں تقوی' ایفائے عہد' غنیمت میں خیانت سے گریز اور نظم کی اطاعت کا حکم دیا۔

عہد نبوی ﷺ کے دفاعی امور کے متعلق ڈاکٹر حمید اللہ فرماتے ہیں :

"عہد نبوی ﷺ میں لوگ رضاکارانہ مہم میں حصہ لیتے اس سلسلے میں دلچسپ چیز یہ ہے کہ ان کے نام اور پتے نوٹ کیے جاتے اور بعد میں ضرورت کے مطابق انہیں اطلاع دی جاتی۔ دو باتیں اور بھی قابل ذکر ہیں ایک فوجی خدمت کا لازمی قرار دیا جانا دوسرے فوج کی تربیت' ساتھ ہی حکومت کے زیر اہتمام فوجی ذخیرہ بھی جمع کیا مثلاً ہتھیار خریدنا' اونٹ گھوڑے خریدنا اور ان کو سرکاری چراگاہ میں رکھا جانا"۔ (۴۳)

ملک پاکستان کو اپنے دفاع کے لحاظ سے بہت سے خطرات کا سامنا ہے ایک طرف بڑی طاقتیں نئے عالمی نظام کے تحت ملک کو اپنا غلام رکھنا چاہتی ہیں تو دوسری طرف ایک ایسے ہمسایہ ملک سے واسطہ ہے جو شروع ہی سے پاکستان کے وجود کا منکر رہا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں ہم وطن عزیز کو دفاعی اور عسکری لحاظ سے مضبوط سے مضبوط تر بنادیں۔ قائد اعظم نے بھی دفاع کی ضرورت اور عسکری اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے فرمایا :

"پاکستان کے دفاع کو مضبوط بنانے میں آپ میں سے ہر ایک کو اپنی جگہ الگ الگ انتہائی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ اس کے لیے آپ ﷺ کا نعرہ یہ ہونا چاہیے ایمان' تنظیم' ایثار' آپ اپنی تعداد کے کم ہونے پر نہ جائیے اس کمی کو ہمت و استقلال اور بے لوث فرض شناسی سے پورا کرنا ہوگا کیونکہ اصل چیز زندگی نہیں بلکہ ہمت' صبر' تحمل اور عزم صمیم ہیں جو زندگی کو زندگی بناتے ہیں۔ (۴۴)

دفاع کی اس اہمیت کے پیش نظر ملک کے دفاع و استحکام کے لیے لازمی فوجی تربیت کا اہتمام' جدید ترین اسلحہ کی تیاری نیز سائنس اور ٹیکنالوجی کی گرانقدر ترقی اور مشقیں ملک کو ناقابل تسخیر بنا سکتی ہیں۔

۸۔ داخلی استحکام :

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں امن نام کی کوئی چیز نہ تھی ذرا ذرا سی بات تلواریں نیاموں سے باہر نکل آتی تھیں اور ہر طرف عداوت و کینہ اور فتنہ فساد کی آندھیاں چل رہی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ خون اور قرابت کے رشتے سے کہیں مضبوط دین کا ایسا رشتہ لائے جس سے اتحاد و یگانگت بارش ہونے لگی' خون کے پیاسوں کو آپس میں ملا دیا۔ رشتہ مواخات قائم فرما کر داخلی استحکام کو مضبوط فرمایا۔

اس وقت وطن عزیز داخلی طور پر عدم استحکام کا شکار ہے۔ یہ انتشار کہیں تو مختلف قومیتوں کے نام پر ہے کہیں مسلکی اور تفرقی بنیادوں پر' ہمدردی' اخوت و محبت اور ایثار جیسے جذبات عنقا ہو رہے ہیں رواداری کو فراموش

دیا گیا ہے۔ان حالات میں ضروری ہے ملک پاکستان کو داخلی طور پر مستحکم کیا جائے۔اس ضمن میں دو بنیادی اکائیاں ہیں جن کے کردار کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

i مسلمان شہری :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی تعریف ہی یہ فرمائی :

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده۔(۴۵)

مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

لوگو! تم پر دوسرے مسلمانوں کا مال' جان' عزت و آبرو حرام ہیں۔

ان تعلیمات کو اگر مد نظر رکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک میں بھائی چارہ' ہمدردی ایثار اور رواداری فروغ نہ پائے۔

ii غیر مسلم اقلیتیں :

پاکستان کو داخلی طور پر مستحکم رکھنے میں مسلمان شہریوں کے ساتھ غیر مسلم اقلیتوں کا کردار بھی نہایت اہم ہے۔اس ضمن میں سیرت طیبہ کی روشن مثالیں اس کردار کو متعین کرنے کے لیے کافی ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ فرماتے ہیں۔

> "غیر مسلموں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے قرآن مجید میں یہ عجیب و غریب اصول ملتا ہے کہ ہر مذہبی کمیونٹی کو کامل داخلی خود مختاری دی جائے حتیٰ کہ نہ صرف عبادات وہ اپنی طرز پر کر سکیں بلکہ اپنے ہی قانون' اپنے ہی ججوں کے ذریعے سے اپنے مقدمات کا فیصلہ کرائیں۔(۴۶)

علاقہ نجران کے عیسائی مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔لیکن اسلامی مملکت کے ماتحت رہنے کو قبول کر لیا۔کچھ شرطیں بھی طے کیں آخر میں انہوں نے کسی مسلمان حاکم عدالت کی غیر جانبداری پر اعتماد کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں ایک مسلمان جج مہیا کیا جائے چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ابو عبیدہ بن جراح کو روانہ فرمایا وہ امین الامت ہیں' انہوں نے وہاں اپنے فرائض اس خوش اسلوبی سے انجام دیئے کہ ملک میں جلد ہی اسلام پھیلنے لگا۔اور بہت سے عیسائی مسلمان ہو

گئے"۔(۴۷)

قائداعظم نے بھی اسی روادارانہ سلوک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"ہم ہندوؤں کو کامل یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ اور برادرانہ سلوک کیا جائے گا اس کے ثبوت میں ہماری تاریخ شاہد ہے اور اسلامی تعلیمات بھی ہمیں یہی کچھ سکھاتی ہیں"۔(۴۸)

۹۔ خارجی وسفارتی استحکام:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سارے عالم کے لیے تھی اور آپ ﷺ تمام دنیا کو امن و سلامتی سے ہمکنار کرنے کے لیے آئے تھے ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اندرون عرب اور بیرون عرب کی چھوٹی بڑی ریاستوں' معاصر بادشاہوں' اور امراء و رؤساء سے مناسب موقع ملتے ہی ربط پیدا کیا انہیں دین حق کی دعوت دی۔ ضرورت کے تحت ان سے معاہدے کیے خط و کتابت کے ذریعے باضابطہ امن و سلامتی کا پیغام پہنچایا۔ جہاں تک معاہدات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا اور معاہدوں کے ذریعے سیاسی کامیابیاں حاصل کرتے چلے گئے۔ اس ضمن میں معاہدہ جہینہ' معاہدہ حدیبیہ' معاہدہ ثقیف' معاہدہ دومۃ الجندل اور معاہدہ نجران کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔(۴۹)

نظریاتی اختلاف کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو مدینہ میں قائم کردہ اپنی فلاحی ریاست کی ذمہ داریوں میں سے خیال کیا کہ ہمسایہ دشمن علاقے میں بھی اگر کبھی انسانیت کو آفات اور قدرتی طور پر قحط کا سامنا کرنا پڑے تو وہاں بھی اپنی طرف سے امداد و تعاون کا سلسلہ دراز کیا جائے چنانچہ ایک موقع پر جب مکہ میں اشیائے خورد و نوش کی کمی پیدا ہو گئی اور ابو سفیان حیثیت ایک سردار قوم کے قریش کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود بہت سارے اجناس اور کھانے پینے کی اشیاء مکہ پہنچا دیں۔ تب جھنجھلاہٹ کے باوجود ابو سفیان نے قبول اور وصول کیا' یہ بات صلہ رحمی کے ساتھ ساتھ خیر سگالی کے جذبات کا اظہار بھی تھی۔(۵۰)

آج کی دنیا ذرائع ابلاغ کی تیزی اور برق رفتار ترقی کی وجہ سے سمٹ کر ایک شہر کی مانند ہو گئی ہے بین الاقوامی سطح پر خیر سگالی کے طور پر تعلقات قائم کرنا اس دور کا تقاضا بھی ہے اور ضرورت بھی۔ اس لیے خارجی استحکام کے لیے ضروری ہے دوسرے ممالک سے تجارتی اور سفارتی تعلقات بڑھائے جائیں نیز اسلامی ممالک تو پھر جسد واحد کی حیثیت سے اور بھی زیادہ قریب ہیں اس سلسلے میں اسوہ حسنہ ہماری بہترین رہنمائی کرتا ہے۔

مقالے کے آخر میں اس بات کو دہرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ سیرت اپنانے اور عمل کرنے کے لیے۔

و کا مطلب بھی نمونہ اور ماڈل کے ہیں۔ اگر ہم سیرت طیبہ ﷺ کو عصری تقاضوں کے مطابق ڈھال لیں تو ہم
یت مجموعی قوم دنیا کی بہترین قوم اور بحیثیت مستحکم ملک کے ایک ناقابل تسخیر اور مضبوط ملک کے دنیا کے نقشے پر
ر سکتے ہیں۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دھر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

حوالہ جات و حواشی

حمید اللہ' عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی' دکن (طبع دوم)
اردو ڈائجسٹ' لاہور رحمۃ للعلمین ﷺ نمبر' الطاف حسن قریشی' مئی ۱۹۸۹ء
"رحمۃ اللعالمین کے حضور قائداعظم کا ہدیہ عقیدت"۔ ۶۷
پروفیسر زائرنگ' (تربتی کالج) اشاف کالج سے وابستہ رہے
اسرار احمد' استحکام پاکستان' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۹۱ء' ۴۳
ایضاً' ۶۲
ایضاً' ۴۹
نقوش' رسول ﷺ نمبر' محمد طفیل' ادارہ فروغ اردو لاہور ۱۹۸۳ء ۵/ ۴۶ (مقالہ تاسیس ریاست' ڈاکٹر نثار احمد)
۔ الصف' ۹ : یہی مضمون دو اور مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے ملاحظہ ہو التوبہ' ۳۲' الفتح' ۲۸
۔ ابن سعد۔ الطبقات الکبری' بیروت ۱۹۶۰ء/ ۲۰۲
۔ نقوش' رسول ﷺ نمبر' حوالہ مذکور' ۵/ ۴۷
۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں قائداعظم کا خطاب' ۸ مارچ ۱۹۴۴ء
۱۲۔ امریکی نامہ نگار کو انٹرویو' ۱۹۴۸ء
۱۳۔ حمید اللہ' اسلامی ریاست (عہد رسالت کے طرز عمل سے استشہاد' فیصل ناشران و تاجران کتب لاہور
۱۴۔ خطبات قائداعظم' ۲۰۵
۱۵۔ نقوش' رسول ﷺ نمبر' حوالہ مذکور' ۵/ ۱۸۷

۱۶۔ کراچی میں خطاب' ۱۹۴۸

۱۷۔ نقوش' رسول نمبر حوالہ مذکور انتظام ریاست' ۵ / ۱۹۵

۱۸۔ سبی (کوئٹہ) میں خطاب ۱۴ فروری ۱۹۴۷ء

۱۹۔ پریس کانفرنس سے خطاب' ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء

۲۰۔ حمید اللہ' عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی' حوالہ مذکور' نیز دیکھئے اسلامی ریاست حوالہ مذکور' ۲۱

۲۱۔ امریکی نامہ نگار کو انٹرویو ۱۹۴۸ء

۲۲۔ طبری کے بیان کے مطابق عمرو بن حزم کو تفصیلی ہدایات دیں' البخاری' ۲ / ۶۲۲ کتاب الغازی

۲۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عتاب ابن اسید کو گورنر مقرر کیا تو ان کی تنخواہ ایک درہم یو
فرمائی یعنی ماہانہ ۳۰ درہم کتانی' ۱ / ۲۶۴' ابو داود ۲ / ۴۷

۲۴۔ ابو داود' ۲ / ۴۰۹' کتاب الخراج امام ابو یوسف

۲۵۔ اللؤلؤ والمرجان فی ما اتفق علیہ الشیخان' فواد عبد الباقی قاہرہ' کتاب الامارۃ

۲۶۔ چٹاگانگ میں سرکاری ملازمین سے خطاب' ۲۵ مارچ ۱۹۴۸ء

۲۷۔ الجامع الصحیح لامام بخاری' کتاب الادب

۲۸۔ ترمذی' ابواب المناقب

۲۹۔ کوئٹہ میں خطاب' ۱۵ جون ۱۹۴۷ء

۳۰۔ علامہ اقبال کی نظم' خضر راہ سے انتخاب

۳۱۔ اللولو والمرجان' حوالہ مذکور' کتاب الایمان

۳۲۔ الجامع الصحیح لامام مسلم' باب النہی عن الشفاعۃ فی الوردد

۳۴۔ البقرۃ (۱۲۹' ۱۵۱)' آل عمران ۴۸' ۱۶۴)

۳۵۔ الخطیب العمری' ۶' ۳ کتاب العلم نیز دیکھئے ابن ماجہ ۱ / ۱۰ اباب فضل العلماء

۳۶۔ حمید اللہ' الصحیفہ الصحیحہ موسوم بہ صحیفہ ہمام بن منبہ دیباچہ پیغمبر اسلام کی تعلیمی سیاست دکن ۱۹۵۶' ۱۸

۳۷۔ کل پاکستان تعلیمی کانفرنس' ۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء

۳۸۔ سٹیٹ بنک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر خطاب' یکم جولائی ۱۹۴۷ء

۳۹۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی' سیرت نبوی کے منہاج' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۰ء' ۵۹

۴۰۔ حمید اللہ' اسلامی ریاست' حوالہ مذکور' ۲۹

۴۰۔ ایضاً ۴۶

۴۱۔ ایضاً ۵۱

۴۲۔ ایضاً ۲۶

۴۳۔ کراچی میں خطاب ۲۲ جنوری ۱۹۴۸ء

۴۴۔ الجامع الصحیح لامام بخاری کتاب الایمان

۴۵۔ حمید اللہ اسلامی ریاست حوالہ مذکور ۱۴۵

۴۶۔ ایضاً ۲۲

۴۷۔ بمبئی میں خطاب مارچ ۱۹۴۷ء

۴۸۔ نقوش رسول نمبر حوالہ مذکور ۵ / ۲۰۸ (انتظام ریاست)

۵۰۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی سیرت نبوی کے منہاج حوالہ مذکور ۱۱۰

تحریک پاکستان کے فکری محرکات سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

محمد اشرف ملک ایڈوکیٹ' لاہور

پاکستان کا مطلب کیا؟

پاکستان کا مطلب کیا......لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

سرکار دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی ریاست کی ضرورت اسلامی معاشرے کی تشکیل
لیے تھی۔ اس مملکت میں تمدن کی دربستگی' انسانیت کو ایک اجتماعی وجود میں لانے اور اس کی اصلاح و فلاح مقص
تھی۔ آپ نے اسلامی ریاست کو برائے حکومت' برائے اقتدار' برائے دینوی اغراض کے حاصل نہیں کیا تھا بلکہ
اقامت دین' قیام عدل' انسانیت کی دینی اور دنیوی بھلائی اور نجات اور معاشرے کی تعمیر کی خاطر مطلوب تھی۔
ہم سیرت طیبہ کے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر تحریک پاکستان کے فکری محرکات کا جائزہ لیں تو تحریک پاکستان کا
واقعہ' اقدام اور تدبر میں ہمیں سیرت طیبہ کے پہلو نمایاں نظر آئیں گے۔ دراصل دین اسلام خود ایک تحریک ہے
قرآن و سنت کا ہر فرمان حکم کا درجہ رکھتا ہے ہادی برحق نے انسان کے تمدنی شعور کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی
مکمل تبدیلی کو پیش نظر رکھا۔ ہر واقعہ کا فکر و تدبر' قائدانہ بصیرت اور سیاسی شعور سے جائزہ لیا' دشمنان اسلام
معاشرے کے دیگر عناصر پر گہری نظر رکھی کہ دعوت دین' دعوت جہاد اور ہم خیال بنانے میں کیا منصوبہ بندی در
ہے۔ صحیح وقت کا انتظار کیا اور جب موزوں وقت آیا تو صحیح سمت کی طرف قدم اٹھایا۔ رائے عامہ کا فہم و ادراک
کرے اپنا ہمنوا بنایا۔ جہاں قدم آگے بڑھانے کا وقت آیا حکیمانہ نقطہ نگاہ اختیار کیا۔ جونہی مصالحت کی پیش کش ہو
موزوں سمجھا تو دست صلح بڑھا دیا۔ اگر ہم قرآن حکیم اور سیرت طیبہ کو سامنے رکھیں تو یہ بات اظہر من الشمس

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی تحریک کا مقصد انفرادی تزکیہ نفس مسلم ہیت کی تشکیل جس میں
نبی قیادت کے تحت پوری قوت کے ساتھ نظام جاہلیت کے خلاف معرکہ آراء ہونا تھا فکری' سیاسی اور جنگ کے
میدانوں میں۔

تحریک پاکستان کی اساسی بنیاد لا اله الا الله محمد رسول الله ہے۔ یہی اللہ کا نعرہ ہے' رسول ﷺ کی
راہی ہے' مبدا اسلام اور دعوت حق کا اعلان ہے۔ یہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور نصب العین کے لیے نشان راہ
ہے۔ یہی فلسفہ امت اور نظریہ حیات ہے۔ یہی حقیقت ہے یہی نظریہ پاکستان ہے۔ یہی نعرہ برصغیر میں دو قومی
نظریے کی اساس ہے۔ دو قومی نظریہ ہی نظریہ پاکستان ہے یہ اللہ کا نعرہ تمام نعروں سے بلند ہے۔ اس کلمے کا اطلاق
اسلام میں داخلہ کے لیے شرط اول ہے۔ اسے اذان اور نماز میں شامل کیا گیا ہے یہی نعرہ افضل الذکر قرار دیا گیا ہے جو
تحریک اسلام اور تحریک پاکستان کا زبردست فکری محرک ثابت ہوا۔ كلمة الله هى العليا۔ اسی نعرہ کی بدولت
پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا۔ یہی تمام محرکات کا حاصل ہے۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں تحریک پاکستان کے اصل فکری محرکات:

در حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملی تحریک' دعوت حق اور نصب العین کا منتہائے مقصود
انسانیت عامہ کی ساری زندگی کا نظام حق کی بنیادوں پر قائم کرنا تھا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے
آفاقی قوانین کو عملاً جاری کیا۔ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد جامع تمدنی اصلاح اور انسانیت کی تعمیر نو کرنا تھا۔
آپ ﷺ کی شخصیت مبارک بہترین قائدانہ بصیرت اور اعلیٰ درجہ کے سیاسی فکر و تدبر سے مالا مال تھی۔ جس طرح
آپ ﷺ کی زندگی ہر معاملے میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے اسی طرح سیاسی جدوجہد کے لیے آپ ﷺ ہی کی
ذات ہمیشہ کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ نیکی کی دعوت حق اور اس کے غلبہ کی جدوجہد کے لیے مسلمانوں میں ایک نیا
عزم اور مکمل نظام قائم کر دیا۔ رہبر آدمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام وحی انتہائی فہم و فراست اور تدبر و
تفکر سے لوگوں تک پہنچایا اور ایک عظیم اور بہترین معلم اور مصلح کا کردار ادا کیا۔ حضور پاک ﷺ کا روحانی اور سیاسی
انقلاب کسی تلوار' سازش' تشدد' بغاوت' اتفاقی حادثے یا مغربی جمہوریت کی طرز کے بل بوتے پر نہیں آیا۔ بلکہ اس
میں انسانیت کی بھلائی' محبت' رواداری' اخوت و مساوات اور انسانی ہمدردی کار فرما تھی۔ حضور پاک حد درجہ رحم دل
شفیق اور مہربان تھے۔ وہ مسلمانوں کو کفار کے مظالم سے محفوظ دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی طرف سے ظلم،
زیادتی اور تشدد کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

برصغیر میں خوش قسمتی سے مسلمانوں کی قیادت بہترین فطرت کے لوگوں کے ہاتھوں میں رہی انہوں
نے انگریز' ہندو اور بعض مسلمانوں کے طبقوں کی مخالفت کے باوجود تحریک پاکستان کے مشن کو جاری رکھا اور

مسلمانان ہند کی بہترین تنظیمی رشتے میں شیرازہ بندی کی۔ تحریک پاکستان کے اصل اور اہم محرکات کو ہم سیرت طیبہ کی روشنی میں حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

پہلا محرک۔ عظیم آزاد مسلم مملکت کا قیام:

منتشر افراد کو ایک جماعت' قوم یا ملت میں یکجا کرنے کے لیے کئی ایک فکری عوامل کار فرما ہوتے ہیں مثلاً اشتراک نسل' زبان' رہائش روایات' عقائد و نظریات اور مذہبی پس منظر۔ جذبہ قومیت ایک فطری سوچ ہے ایک روح ہے' ایک نصب العین اور مطمع نظر ہے جو افراد میں باہمی محبت' اتحاد و یگانگت اور جذباتی وابستگی کی نشاندہی کرتا ہے مسلمان کہیں بھی ہوں وہ ایک ملت ہیں۔ وہ امت واحدہ ہیں۔ جس کی اساس اسلام ہے اسلام ہی پاکستان صحیح اور اصل محرک ہے۔ اسلام میں حکومت کا غالب رجحان ایک خدا کے لیے دنیا کو فتح کر کے عالمگیر عظمت حاصل کرنے کی طرف ہوتا ہے اور انقلابی رہنماؤں کا مدعا خدائے عزوجل کے احکام کی سند پر انسانیت میں پائی جانے والی خرابیوں اور برائیوں کا استحصال کر کے روحانی ذہنی اور تمدنی انقلاب برپا کرنا ہے۔ تاکہ انسانیت کی تعمیر و ترقی کے پروگرام کو آگے بڑھایا جاسکے۔ عالم اسلام کے زبردست داعی علامہ جمال الدین افغانی نے عالم اسلام کو متحد کرنے برصغیر میں موجودہ پاکستان' افغانستان' روس میں وسط ایشیائی مسلم اکثریت والے علاقوں کو ملا کر عظیم آزاد مسلم مملکت بنانے کی فکری تحریک پیش کی پیغمبر رحمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وارشادات سے منور ہو کر امام شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کو الگ نظریاتی مملکت کا تصور دیا۔ ان کے نزدیک ایک باوقار اور باکردار قائد کی قیادت میں لوگ اجتماعی بہتری چاہتے ہیں تاکہ جابر اور ظالم لوگوں کے رویے درست ہو جائیں۔ قومیتوں میں ایک الگ قومیت یا مملکت کا تصور اس وقت ابھرتا ہے جب جبر و تشدد کے ذریعہ تسلط حاصل کر لیا جاتا ہے اور پھر قوت حق کی دلیل سمجھ لی جاتی ہے۔ برصغیر میں ہندو معاشرہ نفاق' منافرت' دشمنی' عناد' فتنہ و فساد' احتکار' سود کاری' بددیانتی مذہبی جنون' چھوت چھات' ذات پات' کاروباری استحصال' انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں اور منکرات الہٰی جیسی قباحتوں میں گرفتار تھا۔ ایسے معاشرے کے ساتھ مسلمانوں کا مل کر ایک ریاست چلانا ناممکن ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کو اپنی جان و مال عزت و آبرو شہری حقوق کی حفاظت مشکل نظر آ رہی تھی۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت نے معاشرے کے ایک قلیل عنصر ہونے کے باوجود فعال کردار ادا کیا اور ہر قسم کی مزاحمت کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اسی طرح مسلمانوں کو مسلم اکثریتی علاقوں میں ایسے نظام اور دستور کی تشکیل کرنے کی ضرورت تھی جس کی اساس برادری' مساوات اور قانون کی بالادستی پر ہو۔ جس میں مسلمان اپنے اسلامی تہذیبی ورثہ کو پروان چڑھائیں اور فروغ دیں۔ جس کے وہ مکلف ہیں برصغیر میں تحریک پاکستان کی جدوجہد کا مقصد ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام تھا تاکہ وہ اپنی زندگی اسلام کے تقاضوں اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ترتیب دے سکیں جس میں

یزوں اور ہندوؤں کی طرف سے کوئی رکاوٹ یا مداخلت نہ ہو۔

سرا محرک ہندو مسلم متضاد تصورات :

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "ایمان والو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ جو ایسا کرے گا تو اس کو سے کوئی تعلق نہیں تم ان سے بچو۔(۱) رسول مکرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کافروں اور رکوں کی رفاقت اور موالات سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ ہر نیک تحریک کے بانی اور قائد کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی یک کے قیام و بقا اور حفاظت کی خاطر اس تحریک کے کارکنوں اور پیروؤں کو ان کے مخالفین کے میل جول داری اور رفاقت سے روک دے جو بزور قوت یا سازش سے تحریک کو مٹانے یا کمزور کرنے کے درپے ہوں الراقم ہنے میں تامل نہیں کرے گا کہ مسلمانوں کے کچھ گروہ انگریز اور ہندو سے ملے ہوئے تھے اور اس ملی بھگت سے یک پاکستان کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ حالانکہ ہندو مسلمانوں کو ملیچھ 'اور اچھوت سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے یک بھی مشرک لوگ نجس اور ناپاک ہیں۔(۲) لیکن ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے ایمان والو یہودیوں کو نصرانیوں فیق نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے وہ ان ہی میں سے اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔(۳) برصغیر میں انگریز تو جا ہی رہا تھا ایک غیر مسلم (نصاریٰ) کے تسلط ، ہندو تسلط کی بالادستی میں آنا مسلمانوں کے لیے تحقیر و ذلت کا باعث تھا کیونکہ ہندومت اور اسلام دو متضاد ہب ہیں مسلمان توحید پرست اور الگ نظام عبادات رکھتے ہیں' جبکہ ہندو مشرک اور مت پرست ہیں۔ مسلمان صغیر میں اپنا ایک علیحدہ تشخص چاہتے تھے۔ جس سے ان کی پہچان ہو سکے۔ کیونکہ وہ مذہب' ثقافت روایات' وات' عقائد نظریات' عادات و اطوار' تاریخ معاشی نظام اور معاشرتی آداب واخلاق ہندوؤں سے الگ رکھتے تھے۔ رو ہولی کے مصنوعی رنگوں میں اپنے آپ کو رنگتا ہے لیکن مسلمان خود کو "صبغتہ اللہ" میں رنگتا ہے۔ ارشاد باری الی ہے "کہہ دو کہ ہم نے خدا کا رنگ اختیار کر لیا ہے اور خدا سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت تے ہیں"۔(۴) اس میں کوئی کلام نہیں کہ متعدد ہندو گستاخی رسول ﷺ کے مرتکب ہوئے جنہوں نے اپنے ی کی سزا پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ ؤ"۔(۵) اس پس منظر کی روشنی میں مسلمانان ہند کسی صورت میں اپنے ملی وجود کو ختم کر کے ملحدانہ ہندو قومیت ں مدغم ہونا نہیں چاہتے مندرجہ بالا نمایاں تضادات کی موجودگی میں اگر خدانخواستہ متحدہ ہندوستان کو اقتدار کی تقلی ہو جاتی تو ہندو اکثریت غالب آجاتی۔ مسلمان نہ صرف پسماندگی کا شکار ہو جاتے بلکہ کشمیر کی طرح مسلمانوں کے حقوق کی وسیع پیمانے پر خلاف ورزیاں ہوتے لگتیں اور شاید آج تک بھی ہم آزادی کی نعمت سے بہرہ مند نہ وتے۔

تیسرا محرک اسلامی معاشرے کی احیاء :

جہاں محسن انسانیت مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بے حد عزت واحترام اور تعظیم و تکر
کے لائق ہے وہاں رحمت للعالمین ﷺ انسانیت عامہ سے بے حد محبت رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک نئے انـ
انسانی معاشرے اور اخلاقی اقدار کی تخلیق کی۔ انسان کو اندر سے بدل کر انسان کو انسان کا غلام بنانے کی جائے اِن
کے لیے باعث رحمت بنایا۔ حکم الٰہی پر لوگوں نے شراب کے مٹکے گلیوں میں بہادیئے بدامنی کی جگہ اسلامی ریاست
دار السلام اور دار الامان بنادیا۔ آپ ﷺ نے اس تحریک کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بے انتہا قربانیاں دیں
اپنے لیے کچھ نہیں لیا۔ کوئی صلہ یا عوضانہ نہیں مانگا۔ اپنا سب کچھ امت اور انسانیت کی بھلائی کے لیے دے
دولت و ثروت کی کوئی پرواہ نہیں کی بلکہ قومی بیت المال سے سب کچھ مفلسوں اور بے کسوں میں تقسیم کر دیا۔
والوں کے لیے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا۔ کوئی موروثی گدی نہیں چھوڑی۔ گھر میں کوئی سامان آرائش نہیں تھا۔
میں پیوند اور بوریا کا بستر تھا۔ اپنا سیاسی مقام بلند کرنے کے لیے کوئی فرمان جاری نہیں کیا بلکہ وحی اللسان سے
خواہش سے کچھ نہ کہتے۔ سلیم الفطرت دانشوروں سے مشورہ حاصل کرتے اور ان پر اپنا موقف ٹھونسنے کی جا
کی رائے کو فوقیت دیتے۔ یہ سارا نظام انسانیت عامہ کی بھلائی' ترقی' فلاح و اصلاح کے لیے تھا۔ جس میں
سلامتی' صحت و صفائی' سیاست و ریاست' نظام عبادت' معاملات اور اجتماعیت کے تمام پہلو اور رہنما اصول او
اقدار کی روشنی میں موجود تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ایک گروہ کو مخاطب ہو کر فرمایا"
میری دعوت قبول کر لو جسے میں پیش کر رہا ہوں تو اس میں تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری ہے"۔
اور جگہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "بس وہ ایک کلمہ ہے اسے اگر مجھ سے قبول کر لو تو اس کے ذریعے تم سا
عرب کو زیر نگین کر لو گے اور سارا عجم تمہارے پیچھے چلے گا"۔ بر صغیر کے مسلمانوں میں یہ دلی خواہش تھی کہ
اسلامی معاشرے کی روایات کی احیاء و تشکیل کریں اس میں اخوت' اتحاد' عدل و جمہوریت' اور مساوات کی داغ
ڈالی جا سکے کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں اہل قرابت ہمسایہ' یتیموں' بیواؤں' حاجت مند
مہمانوں' بیماروں' انسانی برادری بلکہ جانوروں تک کے حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے۔ مسلمان ایسے ہی اس
معاشرے کی احیاء چاہتے تھے۔

چوتھا محرک آفاقی اور نظریاتی مملکت کا تصور :

ممتاز دو جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصورات میں ایک دینی آفاقی اور نظریاتی مملکت کا قیا
ناگزیر ہو گیا۔ کیونکہ کفار مکہ کے ظلم و ستم میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جن لوگوں نے شمع رشد و ہدایت

ستفید ہو کر اسلام قبول کیا تھا کفار انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے زدوکوب کرتے' جلتی ریت پر لٹا کر اوپر پتھر
کھ دیتے مگر ان اذیتوں اور جفاکاریوں کے باوجود مسلمانوں کے صبر و استقامت اور عزم صمیم کو دیکھ کر کافروں نے
وچنا شروع کر دیا کہ یہ جوش اور ولولہ عارضی نہیں بلکہ یہ ایک مستقل تحریک ہے جسے دبایا نہیں جا سکتا۔ یہ تحریک تو
یک عظیم الشان انقلاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اگر یہ دعوت (حق) پروان چڑھی تو ان کے بتوں کی خدائی ختم ہو
جائے گی وہ نقصان ہر گز برداشت نہیں کر سکتے وہ ان کی بقا اور سالمیت کے لیے خطرہ ہے اور آئندہ اس جماعت میں
سعت پیدا ہو سکتی ہے اس طرح وہ اس اسلامی تحریک کو پوری طرح کچلنے کے لیے کمربستہ ہو گئے اور انہوں نے سوچا
ہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا جائے یا پھر آپ کے چچا ابو طالب سے بھرپور شکایت کی جائے آخر
یک وفد حضرت ابو طالب سے ملا جنہوں نے آپ ﷺ کو بلوایا اور آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر درد انگیز لہجے میں
ہا۔ "جان عم! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کر سکوں" حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کر لیا کہ
یرے چچا میری مزید حمایت نہیں کر سکتے آپ ﷺ نے جواباً فرمایا۔ "اے میرے چچا یہ لوگ اگر میرے دائیں
اتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے پورا کر
ے یا میں خود اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں"۔

ہادی کل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی کشمکش سے دلبرداشتہ نہیں ہوئے اور جان جوکھوں میں ڈال
ر دعوت حق اور تاسیس ریاست کے لیے اپنی انقلابی تحریک جاری رکھی خفیہ اور اعلانیہ تبلیغ' جدوجہد اور وعظ و
صیحت کے عمل کو جاری رکھا کیونکہ آپ ﷺ کو اسلامی ریاست بطور مقصد اعلیٰ کے پیش نظر تھی ذاتی اقتدار اور
نیوی فائدے کے لیے مقصود نہ تھی' حکومت برائے حکومت کا اصول مد نظر نہیں تھا۔ بلکہ یہ اقتصادی' اخلاقی'
نظریاتی آفاقی اور سیاسی انقلاب بھی تھا۔ برصغیر میں مسلمان قائدین خصوصاً شاہ ولی اللہ' اقبال اور قائداعظم ایسی ہی
نظریاتی مملکت کے داعی تھے۔ تحریک خلافت کی روح رواں محمد علی جوہر نے ہندوؤں کے رویہ سے برگشتہ ہو کر
جداگانہ مسلم انڈیا کا مطالبہ کیا کہ مسلم اکثریتی صوبوں کو مکمل اختیارات دیئے جائیں اور مسلم اقلیتی صوبوں میں ان
کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے۔ برصغیر کے مسلمان اپنے آپ کو ایک فرقہ نہیں بلکہ ایک قوم
تصور کرتے ہیں۔ تحریک پاکستان نے کسی قومیت کو جنم نہیں دیا بلکہ مسلم قومیت کے تصور نے پاکستان کو جنم دیا
ہے۔ اگر کوئی تنقید نگار یہ کہتا ہے کہ نظریاتی مملکت کا تصور ہر مسلمان کے ذہن میں نہیں تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ
زیرک' معاملہ فہم و ادراک اور مفکرین اسلام کے ذہنوں میں یہ تصور بدرجہ اتم موجود تھا یہ تصور و احساس کہ مسلمان
اپنی ذات میں ایک قوم ہیں اور وہ صرف اللہ کی حاکمیت پر مبنی اسلامی ریاست چاہتے ہیں قائداعظم کے نزدیک اسلامی
حکومت کا امتیازی تصور ہمیشہ پیش نظر رہا ہے کہ اطاعت و وفا کیشی کا مرکز خدا کی ذات ہے قرآنی اصول اور احکام کی

حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لیے مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم حصول پاکستان کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ سپہ سالار اعظم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ حریت اور فہم وبصیرت سے سرشار ہو کر پورے انہماک سے تحریک پاکستان کو عملی جامہ پہنایا۔ اور ایک غیر متوقع منزل کے حصول کو ممکن بنا دیا۔

پانچواں فکری محرک آزادی امن اور مساوات :

اسلامی حکومت کی پہلی تاسیس فتح مکہ کے بعد عمل میں آئی۔ یہ دن دشمنان اسلام سے انتقام لینے کا تھا سرور کشور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں جمع ہونے والے افراد سے پوچھا کہ اے قریش تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں' اہل مکہ کے قریش پر ہیبت ناک خاموشی چھا گئی' راستوں میں کانٹے بچھانے والے' بیت اللہ میں وحدہ' لاشریک کی عبادت سے روکنے والے' بے بس مسلمانوں کو ظلم کا نشانہ بنانے والے' بد خواہ ظالم اور کینہ پرور آپ ﷺ کی طرف سے انتقام کے منتظر تھے۔ لیکن رؤف الرحیم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا آپ ﷺ شریف النفس بھائی اور شریف النفس بھائی کے فرزند ہیں آپ سے نیکی کی توقع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقام لینے سے تعرض فرمایا۔ اور خانہ کعبہ کے صدر دروازے کھڑے ہو کر تین اہم تاریخی اعلان فرمائے جو بعد ازاں ۱۸۵۲ء میں فرانس کے یوم انقلاب کے موقع پر پڑھ سنائے گئے۔ (٦)

(الف) اعلان آزادی : "آج تم سب کے سب آزاد ہو آج تم سے کوئی باز پرس نہیں اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرمائے۔ آئندہ کے لیے نہ کوئی قول و قرار' نہ حالی کے لیے کوئی شرط نہ ماضی کا کوئی مواخذہ۔ جاؤ اپنے کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔

(ب) اعلان امن : مکہ ہمیشہ کے لیے دار الامان رہا ہے کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ آج کے بعد اس سرزمین میں خون بہائے یا سرسبزی کو نقصان پہنچائے۔

(ج) اعلان مساوات : آج دور جاہلیت کے خاندانی اور نسلی غرور کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ جو شخص نسلی برتری پر غرور کرے گا دوسرے انسانوں کے مساوی درجہ تسلیم کرنے سے انکار کرے گا وہ ہمارے اجتماعی نظام کا فرد نہیں سمجھا جائے گا۔ کوئی انسان دوسرے انسان سے اونچے درجہ کا نہیں عظمت کا ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے دین اسلام کے نظام کی اطاعت اور خدا ترسی۔ برصغیر میں انگریز اور ہندو کی ملی بھگت اور استحصالی نظام نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ وہ الگ وطن اس لیے چاہتے تھے کہ وہ آزاد ہوں۔ اپنے ملک کے مالک ہوں ان کی اپنی حکومت ہو جس میں وہ آزادی امن اور برابری کی بنیاد پر زندگی گزار سکیں۔ ان کے حقوق برابری کی بنیاد پر متعین ہو سکیں جہاں اونچ نیچ' چھوت چھات اور نفرت و حقارت نہ ہو۔ آزادی امن اور مساوات سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کر سکیں

یہ واقعتاً ایک اولوالعزم محرک تھا جو ہر فرد کے دل میں جاگزین تھا۔

چھٹا فکری محرک بنیادی ضروریات :

بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے ایک اسلامی فلاحی ریاست کا قیام ضروری ہے عصر حاضر میں تو بنیادی ضروریات کی فہرست طویل ہو گئی ہے لیکن محسن انسانیت فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی بنیادی ضروریات کی کفالت اسلامی ریاست کے ذمہ قرار دی ہے فرمایا کہ بنی آدم کا اس کے سوا کوئی مطالبہ نہیں کہ اس کے پاس رہنے کے لیے گھر ہو' ستر ڈھانپنے کے لیے لباس' کھانے کے لیے روٹی اور پینے کے لیے پانی ہو۔ آپ علیہ کی سیرت طیبہ جسمانی معاشی معاشرتی فلاح و بہبود کے لیے نمونہ ہے۔ جس نے لوگوں کو معاشی استحصال مایوسیوں اور محرومیوں سے نجات دلائی۔ خود بھوکے رہے' بھوکوں کو کھانا کھلایا ان کی ضروریات کو پورا کیا۔ اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے آپ علیہ نے نظام زکوٰۃ' خیرات' صدقات عشر اور ایسے ہی دوسرے فنڈ یعنی فے اور بیت المال مقرر فرمائے جن سے سائل' غرباء' مساکین' یتامیٰ' بیواؤں قرابت داروں اور معذوروں کی ضروریات پوری کی جاتیں۔ برصغیر میں مسلمان معاشی استحصال کی وجہ سے پس ماندگی' زبوں حالی اور مفلسی کا شکار ہو چکے تھے ان کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ اپنی روزمرہ کی بنیادی ضروریات کے لیے الگ مملکت کے لیے مطالبہ کریں۔ جو کہ ایک اسلامی فلاحی ریاست میں با آسانی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "ان (مسلمانوں) کے مالوں میں سائل کا اور اس کا حق ہے جو محرومی کا شکار ہو گیا"۔ (۸'۷)

ساتواں فکری محرک مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ :

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "زمین میں جو کچھ ہے وہ خدا نے تمہارے لیے (یعنی انسانوں کے لیے) پیدا کیا ہے۔ (۹) اور جو لوگ محنت سے پیدا کرتے ہیں ان کو فوراً (فصل) کاٹنے کے دن پیداوار کا حق ادا کرو۔ اور فضول خرچی نہ کرو"۔ (الانعام ۱۴۱) غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی وسیع پیمانے پر خلاف ورزیاں ہو رہی تھیں مثلاً تعلیمی' تفریحی' معاشرتی معاشی اور سرکاری ملازمتوں کے سلسلہ میں مسلمانوں کے حقوق پامال ہو رہے تھے سیاسی میدانوں میں بھی انہیں پیچھے دھکیلا جاتا غرضیکہ ترقی اور فلاح و بہبود کے تمام راستے ان پر عملاً بند کر دیے گئے۔ انہیں کمی کمین بننے پر مجبور کر دیا گیا۔ انہوں نے خود کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے منظم کیا اور میدان عمل میں اتر کر اپنے حقوق کے تحفظ کی خاطر انگریز اور ہندو سے دونوں محاذوں پر نبرد آزما ہوئے وہ کامیاب و کامران اس لیے رہے کہ اقبال اور قائداعظم نے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو کر مسلمانوں کی قیادت کا بیڑا اٹھایا۔ انہیں یہ یقین تھا کہ مملکت خداداد پاکستان میں ان کے حقوق کی پامالی نہیں ہو گی' انہیں ناکردہ گناہوں کی سزا نہیں

ملے گی وہاں حدود اللہ کی پاسداری ہو گی' حلال و حرام کی تمیز ہو گی اور وہ کسی غیر مسلم کا بنایا ہوا ضابطہ و قانون منظور نہیں کریں گے۔ کسی کے حاصل کردہ فوق الانسانی حقوق جائز نہیں۔ اپنی مرضی کے مطابق اپنا نظام حیات تشکیل کریں گے اور اس لیے وہ استعماری 'نسلی' قومی جاگیرداری اور استحصالی نظام سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی ذات کبریائی اور عظمت کے سوا کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا جائے گا۔

مسلمانوں کی تحریک اسلامی مملکت کے قیام کی خواہش دینی اقدار کے تحفظ کو فروغ اور ارتقاء کے لیے وقف تھی۔ مسلمان اپنے ہر قسم کے حقوق کا تحفظ بھی چاہتے تھے اور یہی محرک سب سے اہم محرک تھا۔ مسلمان اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عدل و انصاف سیاسی حقوق اور عمرانی فلاح و بہبود چاہتے تھے جن کی مکمل نگہداشت صرف ایک اسلامی مملکت میں ہی ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں نے جنوبی ایشیا میں جس منفرد اور اعلیٰ نظام حکومت کی بنیاد ڈالی اور اس میں جس طرح وہ ممتاز اور باعزت رہے اور جس طرح ان کے حقوق کی محافظت رہی وہ ویسے ہی نظام کی احیاء چاہتے تھے اور اپنے مذہبی حقوق کی حفاظت چاہتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''مسلمان جن سے بلاوجہ جنگ کی جاتی ہے ان کو بھی (حقوق کی حفاظت کے لیے) جنگ کی اجازت دے دی گئی وہ مظلوم ہیں اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے۔ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے سوائے اس کے ان کا کوئی قصور نہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ہمارا خدا ہے۔ اگر دنیا میں ایک قوم کو دوسری قوم سے نہ چایا جائے تو بہت سی خانقاہیں عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اکثر خدا کا نام لیا جاتا ہے برباد کر دی جائیں۔ جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ خدا طاقتور اور غالب ہے۔ مسلمان وہ ہیں جن کو خدا زمین میں بہت عطا کرے تو وہ عبادت الٰہی کریں' (زکوٰۃ دیں) لوگوں کو نیکی کی تلقین کریں اور برائیوں سے روکیں۔ انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے''۔ (۱۱) برصغیر میں بھی مسلمانوں نے آیات مقدسہ کی روشنی میں اس لیے تحریک پاکستان شروع کی کہ انگریز برابری کی سطح پر ایک متوازن حکومت بنانا نہیں چاہتا تھا۔ ہندو اکثریتی جماعت کو آزمایا گیا لیکن اس نے ماضی میں بھی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مستقبل میں بھی ان سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی دارالکفر میں ان کے حقوق محفوظ نہیں ہو سکتے جو صرف دارالسلام میں ہی ممکن العمل تھے۔

تحریک پاکستان کے محرکات کا تاریخی پس منظر :

حدیث شریف میں ہے کہ ''میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حکم الٰہی پر قائم رہے گی اس جماعت کو نہ وہ نقصان پہنچا سکیں گے جو اس کی تائید و اعانت چھوڑ دیں گے اور نہ وہ شخص ضرر پہنچا سکے گا جو اس کی مخالفت کرے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (یعنی موت) آجائے وہ اپنے اسی حال پر ہوں گے''۔ (بخاری مسلم) مسلمان ہمیشہ بلا خوف و خطر اپنے ہدف کی طرف بڑھتا ہے۔ ذات کبریائی نے انقیاد ملت کا جذبہ نوح انسانی میں فطری طور پر

ودیعت کیا ہے۔ اگر اجتماعی فہم وادراک سے معاشرتی زندگی کا کوئی مشترکہ نصب العین ہو تو وہ ان کے لیے نظریہ حیات بن جاتا ہے۔ ہندوؤں نے اکبر کے زمانے میں مسلمانوں کے خلاف زبردست مذہبی اور ثقافتی یلغار کی۔ اکبر نے ہندوؤں سے رشتے ناطے جوڑے انہیں اعلیٰ سرکاری ملازمتوں پر فائز کیا۔ اس طرح انہیں نظام حکومت میں عمل دخل حاصل ہو گیا۔ اکبر نے احکام شریعت کو نظر انداز کرتے ہوئے نام نہاد دین الٰہی جاری کیا اسلامی شعار کی سرکاری سطح پر مخالفت کی وجہ سے اسلام دشمن طاقتوں کو از سر نو مجتمع ہونے کا موقع مل گیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی چونکہ بہادر شاہ ظفر کی سرکردگی میں لڑی گئی تھی اس لیے انگریزوں نے مسلمانوں کو باغی اور مورد الزام ٹھہرایا۔ لاکھوں افراد کو سرسری سماعت کے بعد گولی ماردی گئی یا پھانسی پر لٹکا دیا جاتا۔ ہندوؤں نے انگریزوں کو اس بات کا یقین دلا دیا کہ جنگ آزادی کا مقصد دوبارہ ہندوستان میں مسلم مملکت کا قیام تھا۔ تھامسن اور گیرٹ نے اپنی تحریروں میں مسلمانوں کو ذمہ دار قرار دیا۔ جی گرفتھ اپنی کتاب ”دہلی کے محاصرہ کی داستان“ میں رقمطراز ہے۔ ”دہلی میں مسلمانوں سے جو سلوک کیا گیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ شہر میں مسلمانوں کی کوئی عمارت محفوظ نہ رہی کوئی نفس موجود نہ رہا۔ دہلی مردوں کا شہر معلوم ہوتا تھا“۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے ”سچ تو یہ ہے کہ جب اقتدار اعلیٰ مسلمانوں سے ہمیں منتقل ہوا تو مسلمان ایک برتر قوم تھے وہ نہ صرف جسمانی طاقت میں دوسروں سے بہتر تھے بلکہ حکومت کے فن اور سیاسی نظم ونسق چلانے میں بھی ہندوستان میں کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا“۔ ادھر دہلی کی شاہی مسجد کی عظمت اور تقدس کو پامال کرتے ہوئے قبضہ کر لیا گیا۔ خانہ خدا میں سرکاری گھوڑوں کا اصطبل بنا دیا گیا۔ سکھ فوجوں کے لیے رہائش گاہ بنادی گئی۔ مسجد کے اندر سوروں کو ہلاک کر کے پکایا جاتا۔ مسلمانوں کی زندگی عزت غیرت اور جائیداد لوٹ لی گئی۔ انگریز اور سکھ سپاہیوں کو کھلی چھٹی تھی کہ وہ ہر غیر اخلاقی فعل کر سکتے ہیں مسلمانوں کی جانیں اور عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔ مولانا حالی اپنی کتاب حیات جاوید میں لکھتے ہیں کہ ”مسلمانوں پر گزرنے والے حالات سن کر کوئی شخص اپنے آنسو ضبط نہیں کر سکتا“۔

جنگ آزادی تحریک پاکستان کا باعث ہے:

جنگ آزادی کے بعد مسلمان قصر مذلت میں گرتے جا رہے تھے ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ فوج سے نکال دیا گیا۔ زراعت پیشہ مسلمانوں کی زمینیں چھین لی گئیں۔ ہندوؤں نے انگریزوں کی شہ پر مسلمان مزارعوں کو بے دخل کر دیا۔ عام سکولوں میں مسلمان بچوں کے لیے داخلوں پر پابندی لگا دی گئی۔ اردو فارسی کی جگہ انگریزی زبان رائج کر دی گئی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ایک عظیم تحریک (تحریک علی گڑھ) ابھری جس کے قائد ممتاز ماہر تعلیم سرسید احمد خان تھے وہ مسلمانوں کو عظمت رفتہ اور کھویا ہوا وقار واپس دلانا چاہتے تھے، جس کے لیے وہ انہیں جدید علوم سے بہرہ ور کرنا اور انگریز مسلم اختلافات نفرت اور

کشیدگی دور کرنا مسلمانوں کو ہندوؤں کے ہمسر بنانا' معاشی و معاشرتی میدان میں ان کے حقوق کی حفاظت کرنا چاہتے تھے۔ ان کے لیے مذہبی آزادی کے خواہاں تھے۔ انگریز کے انتقامی جذبہ کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک تعلیم سائنسی ترقی اور مغربی علوم کا حصول ہی مسلمانوں کے مصائب کے خاتمہ کا باعث بن سکتا ہے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کے اخلاق و کردار کو بلند کرنا اور ان میں وسعت قلب و نظر پیدا کرنا تھا معاشرتی اقدار کو بلند کرنا' نیکی سچائی اور سادگی کو شعار بنانا تھا اس طرح مسلمانوں میں تعلیمی اور سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔

ہندوؤں کی ناعاقبت اندیشی قیام پاکستان کا پیش خیمہ تھا:

کئی ہندو مصنفین کہتے ہیں کہ ہندوؤں کی ناعاقبت اندیشی نے مسلمانوں کو علیحدہ وطن کا مطالبہ کرنے پر مجبور کیا۔ رام گوپال کا کہنا ہے کہ ۱۹۳۷ء کے انتخابات کے بعد کانگریس لیگ مصالحت میں ناکامی ہندوستان کی تاریخ کی بڑی مایوس کن اور افسوس ناک ناکامی تھی۔ کانگریس نے مسلم لیگ کو مخلوط وزارت کے لیے گفت شنید کی لیکن وہ پھر مکر گئے۔ لیگ کو کٹھن شرائط کی پیش کش کی جو کہ خودکشی کے مترادف تھا۔ قائداعظم نے اسے اعلان جنگ قرار دیا اور یہیں سے کانگریس لیگ کی کشمکش' تحریک پاکستان اور ہندو مسلم جنگ کی ابتدا ہوئی جس کی لپیٹ میں پورا شمالی ہندوستان آگیا اور تقسیم ملک پر منتج ہوئی۔

بندے ماترم' ہندی اور ہندو ویدک کلچر:

مسلمانوں نے بندے ماترم کے ترانے کو قومی ترانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کا پس منظر ہندو کلچر اور مسلم منافرت تھی۔ اور یہ ملحدانہ' خلاف اسلام اور غیر قومی تھا۔ اس کے بعد انتقامی جذبے کے تحت ہندی کو ترجیح دی جانے لگی۔ کانگریس حکومتوں کے اجلاس بندے ماترم کے ترانے سے شروع ہوتے۔ ہندوؤں نے واردھا تعلیمی سکیم کے تحت ودیا مندر نظام تعلیم جاری کیا اور اردو کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا سنسکرت کو ہندی میں ملا کر اعلانات کیے جاتے اس طرح برصغیر میں اردو ہندی تنازعہ نے جنم لیا جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ہندو اکثریت مسلم اقلیت پر منظم حملے کرتی۔ کیونکہ وہ ویدک ثقافت رائج کرنا چاہتے اور اردو کو اس لیے مٹانا چاہتے تھے کہ اس میں عربی فارسی کا زیادہ ملاپ ہے ہندو ہندی سنسکرت کے رواج کو دھرم کا درجہ دیتے تھے۔ دراصل ہندو مت عقیدے کی ترتیب ویدون کی بھینٹ کے بھجوں' اپنشدوں کی فلسفیانہ قیاس آرائیوں' یوگا تربیت' ویدانیت کی مابعد الطبیعاتی نازک خیالیوں اور بھگتی کی جذباتی عقیدت سے ہوئی اس کے برعکس اسلام ایک سادگی پسند مرکزی نظم و ضبط احاطہ کیے ہوئے ضابطہ حیات ہے جس میں انسان کی فلاح و عظمت کے تمام پہلو موجود ہیں۔ نیو وین ہوزے لکھتا ہے کہ ''الہامی مذہب حیات انسانی کے ذہنی پہلوؤں پر زیادہ زور دیتا ہے جس میں ثقافتی اور معاشرتی عنصر بھی شامل ہے۔

تصورِ امت کی منفرد تخصیص جبلی اور دینی تھی۔ اسلام ہی برصغیر میں ایک ایسا مذہب تھا جو شدید قسم کا موحد' بت شکن' مذہبی اور ثقافتی حیثیت سے ہندومت کی انجذابی کشش کا شکار نہ ہو سکا اور دونوں کی آسودگی ایک دوسرے میں منطبق اور ضم نہ ہو سکی۔ دونوں کا باہمی عمل' ربط و ضبط' طور طریقے' رسم و رواج' توہم پرستی' تصوف مشترکہ تضادی زندگی کے باہمی اثرات اور ایک دوسرے کی ثقافت کے نمایاں خدوخال کو ذرا سا بھی اپنے اندر جذب نہ کر سکے" اور ہندوؤں نے اپنے سماجی اخلاقیات میں نفرت و حقارت' کٹرپن اور تعصب کو شامل کر لیا جو بعد ازاں تحریک پاکستان کی بنیاد بنی۔

مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ :

نہرو رپورٹ میں مسلمان اقلیت کو بے بس اقلیت ہی رکھنے کی کوشش کی گئی۔ قائداعظم نے برصغیر کی آزادی کانگریس کے ساتھ مل کر مسئلے کے حل کی ہمیشہ کوشش کی اور کئی مرتبہ باہمی رعائتیں دینے پر بھی رضامند ہو گئے۔ قائداعظم نے نہرو رپورٹ کو ہندو موقف قرار دیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے کہا کہ اس رپورٹ کا مقصد غلامی کو برقرار رکھنا اور ہمیشہ کے لیے ہندو تسلط قائم رکھنا ہے۔ سر آغا خان نے کہا' کہ کوئی باشعور انسان سوچ بھی نہیں سکتا کہ مسلمان یہ ذلت آمیز شرائط قبول کر سکتے ہیں"۔ مولانا شوکت علی نے کہا کہ "میں نے شکاری کتوں کو خرگوش کے ساتھ وہ سلوک کرتے نہیں دیکھا جو نہرو رپورٹ میں مسلمانوں سے روا رکھا گیا ہے"۔ نہرو رپورٹ سے دلبرداشتہ ہو کر جب کوئی مشترکہ سمجھوتہ کے لیے فضا ہموار ہوتی دکھائی نہ دی تو قائداعظم نے مسلمانوں کے موقف کو چودہ نکات میں پیش کیا۔ آئین وفاقی' صوبوں کے لیے خود مختاری' مسلم اکثریت کے صوبوں میں انہیں آبادی کے تناسب سے نمائندگی' مرکزی قانون ساز اسمبلی میں ۳/۱ ارکان مسلم کمیونٹی سے ہوں۔ نئے صوبوں کی اس طرح تشکیل نہ کی جائے کہ مسلمانوں کی اکثریت ختم ہو جائے' ہر فرقے کو اپنے مذہب اور عقیدے کے تحفظ کا حق دیا جائے' عبادت تبلیغ اور مذہبی آزادی کے اصولوں کو آئینی طور پر تسلیم کیا جائے' مرکزی اسمبلی میں قانون سازی کسی فرقہ کے عقیدے کے منافی نہ ہو' سندھ کو الگ صوبے کی حیثیت دی جائے' بلوچستان اور صوبہ سرحد میں اصلاحات نافذ کر کے دوسرے صوبوں کے برابر لایا جائے' سول ملازمتوں اور مقامی اداروں میں ہر قوم کے مذہب' ثقافت' تعلیم' زبان اور مذہبی اداروں کے تحفظ کا یقین دلایا جائے' مسلم اداروں کی مالی امداد کے لیے مناسب حصہ نکالا جائے۔ مرکزی اور صوبائی وزارتوں میں مسلمانوں کے لیے نشستیں مخصوص کی جائیں جو ۳/۱ سے کسی صورت کم نہ ہوں۔ ان نکات کا مقصد انگریز حکومت کو مسلمانوں کے منفرد نظریات اور آئینی حقوق کے تحفظ کے لیے یاددہانی کرانا مقصود تھی اس طرح ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے واضح موقف کھل کر سامنے آ گئے اور آئندہ دونوں قوموں کی تحریک آزادی کی جنگ انہی بنیادوں پر لڑی گئی۔

سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں احساس انقیاد ملت :

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی کشش اور ان کی قائدانہ بصیرت افروزی نے اپنے گرد ایسی سلیم الفطرت اور مخلص شخصیتیں جمع کر لیں جو نڈر' جری' بے باک' بصیرت مند' خود دار' غیور ذہین' زیرک' فعال' متحرک' پیش رو' اولوالعزم' قوی اور سخی تھے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں تربیت پا کر وہ ایک ناقابل شکست قوت بن گئے اور ایک چھوٹی سی اقلیت ہونے کے باوجود انہوں نے سارے عرب کی عظیم ترین اکثریت کو زیر تسلط لے لیا۔ ابھی تحریک اسلامی کے علم برداروں کی تعداد چند سو تھی کہ غیر مسلم اکثریتی علاقے میں پہلی ریاست کی بنیاد مدینہ میں ڈال دی جس شہر کو دارالامان مدینۃ الرسول' مضجعۃ الرسول (ہجرت کی جگہ اور آرام گاہ) قبۃ الاسلام دارالامان اور دارالایمان کہا گیا اور اس مختصر سی تعداد نے سارے عرب میں ہمہ وقتی مدوجزر پیدا کر دیا۔ اسی طرح تحریک پاکستان کے لیے برصغیر کے مسلمانوں میں من حیث المجموع احساس مقصدیت اور قیام پاکستان کے لیے شعوری ہدف موجود تھا۔ جس کی اساس مسلم قومیت' امت مسلمہ کا احساس و شعور تھا مسلمانوں کے قائدین اپنی تقریروں اور تحریروں میں انہیں ہمہ وقت آگاہ کرتے رہتے تھے کہ برصغیر کے مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں جن کا ایک علیحدہ تشخص ہے' علیحدہ تہذیب ہے' علیحدہ تمدنی مظاہر ہیں جن کی بقا اور تحفظ کے لیے مسلمانوں کو الگ وطن کی ضرورت ہے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ مسلمانوں نے اپنی معاشی پس ماندگی اور معاشرتی زبوں حالی اور سیاسی وجوہ کی بنا پر تحریک پاکستان کا آغاز کیا تو اس میں صداقت کا پہلو نمایاں نہیں۔ اگر کسی حد تک ایسی وجوہات کار فرما ہیں بھی تو بات پھر بھی اسلام تک جا پہنچتی ہے۔ کیا مسلمانوں کو معاشی غلامی سے نجات دلانا ایک ارفع و اعلیٰ دینی اور اسلامی فریضہ نہیں؟ شریعت نے ہر ایسی جدوجہد کو امت مسلمہ کا اجتماعی فریضہ قرار دیا ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو معاشی طور پر خود کفیل بنانا اور غیر مسلموں کی معاشی دست نگری سے محفوظ رکھنا ہو۔ مسلمانان ہند میں جو فکری ہم آہنگی پائی جاتی تھی اس کی قدر مشترک صرف اسلام تھی جس نے انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ باقی سب تو مستلزمہ مقاصد تھے۔ بدر کے مقام پر کفار قریش سے جنگ ہوتی ہے تو اسلامی فوج کے سپہ سالار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سر بسجود ہو کر دعا مانگتے ہیں "اے اللہ اگر آج یہ مختصر سی جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر قیامت تک تیری پرستش نہ ہو سکے گی اور تیری عبادت کرنے والا اور تیری وحدانیت کی دعوت دینے والا کوئی نہ رہے گا۔ اے مولا اپنے نام لیواؤں کی مدد فرما اور انہیں فتح و نصرت عطا فرما"۔ (۱۲) دعا رب العزت کی بارگاہ میں شرف قبولیت پر فائز ہوئی مسلمان فتح یاب ہوئے۔ محسن اعظم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دعا گو ہوئے "اے پروردگار مجھے (مدینہ) میں اچھی طرح داخل کرنا اور مکہ سے اچھی طرح نکالنا اور اپنے ہاں سے زور و قوت (والی سلطنت) سے میری مدد کرنا"۔ (۱۳) اسلام کی سب سے پہلی سلطنت

ینہ اور پاکستان میں اسلام کی قدر مشترک کی وجہ سے حد درجہ کی مماثلت پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں انفیادِ ملت کے لیے شعوری احساس مقصدیت موجود تھا جسے اقبال اور قائداعظم نے پایہ تکمیل تک پہنچا۔

قرآن و سنت کا دو قومی نظریہ تحریک پاکستان کی اساس ہے :

دو قومی نظریئے کے بارے میں قرآن و سنت میں بے شمار فرمان ملتے ہیں جن میں چند ایک درج ذیل ہیں جو قیامِ پاکستان کے لیے بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔

۱۔ حزب اللہ اور حزب الشیطان :

دنیا کے یہ دو گروہ آپس میں دوست نہیں ہو سکتے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "تمہارے دوست تو بس اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان ہیں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہوگا۔ بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔ (۱۴)" اے ایمان والو دوست نہ بناؤ اپنے باپوں اور بھائیوں کو اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلے میں زیادہ عزیز رکھنے والے ہوں اگر تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہی ظالم ہے۔ (۱۵)

۲۔ مسلمان اور کفار کس لیے لڑتے ہیں :

ارشاد باری تعالیٰ ہے "جو مومن ہیں وہ خدا کے لیے لڑتے ہیں جو کافر ہیں وہ بتوں کے لیے لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو کیونکہ شیطان کا داؤ کمزور ہوتا ہے۔ (۱۶)

۳۔ مسلمانوں اور کافروں کی الگ راہیں :

تحریکِ پاکستان کی سب سے اہم فکری اساس جداگانہ طریقہ عبادت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اے پیغمبر منکرین اسلام سے کہہ دو اے کافرو جن بتوں کو تم پوجتے ہو میں نہیں پوجتا اور جس خدا کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم نہیں کرتے اور جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے (معلوم ہوتے ہو) جس کی میں بندگی کرتا ہوں' تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین"۔ (۱۷)

۴۔ دنیوی اور دینی مملکت کے متضاد نظریئے :

دنیوی حکومت انسان کے بنائے ہوئے قوانین کی روشنی میں قائم ہوتی ہے اور حکمران گروپ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد اور مفادات کی بنا پر قانون سازی کرتا ہے دینی یا حکومت الٰہیہ کے صحیح اطلاق و نفاذ سے غیر مسلم حکومت کے تغلب استعمار اور استبداد سے بچا جا سکتا ہے جس کا مقصد مادیت پر مبنی استحصالی نظام سے نجات حاصل کرنا ہے۔ اس لیے غیر مسلموں کی تہذیبی' مذہبی اور ثقافتی یلغار کا مقابلہ صرف اسلامی حکومت میں ہی ممکن ہے۔ دونوں

قسمیں ایک دوسرے کی ضد ہیں جو یکجا نہیں ہو سکتیں۔ برصغیر کے مشہور بزرگ مجدد الف ثانیؒ مسلمانوں کو پہلے ہی خبردار کر چکے تھے کہ اسلام اور شرک بعد المشرقین ہے۔ رام اور رحیم کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔ اسلام اور کفر متضاد مذہب ہیں۔

تحریکِ پاکستان صوفیائے کرام کی اشاعت اسلام کی مرہونِ منت ہے:

صوفیائے کرام اپنے ہادی برحق اور ہادی کل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے حد درجہ متاثر اور مزین تھے اور نظریہ توحید و رسالت اور اپنی مرتاضانہ تربیت اور اسلام کے اخلاقی اور فیاضانہ اصولوں کی روشنی میں ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کی۔ صوفیائے کرام نے غیر مسلموں خصوصاً نچلی ذات کے چھوت چھات کے مارے ہندوؤں میں خاصی مقبولیت اختیار کر لی۔ وہ اپنی روحانی اور اخلاقی کشش کے باعث اپنا حلقہ بگوش (اسلام) لیتے اور خارجی ہندو طبقہ بتدریج غیر ارادی طور پر اسلام میں جذب ہوتا گیا۔ جس کی شروعات کسی صوفی بزرگ توصیف اور پسندیدگی غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لانا اپنا اولین روحانی اور مقدس فرض خیال کرتے تھے۔ حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ خواجہ معین الدین چشتیؒ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ شاہ بو علی قلندرؒ اور بہاؤ الدین زکریاؒ قا ذکر ہیں وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک ہی جگہ مساویانہ اور یکساں طریقے پر اپنے نظریات اور تعلیمات سے مستفید کرتے۔ قائداعظم کے نزدیک پاکستان تو اس دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے' نہ کہ وطن اور نسل ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہ رہا وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا اور ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی' شدھی اور سنگٹھن کی تحریکیں کامیاب نہیں ہوئیں۔ ایسی مثالیں مشکل سے ملتی ہیں کہ نو مسلم ہندوؤں کے ظلم یا ورغلانے سے ارتداد کے مرتکب ہوئے ہوں۔ وہ اپنے دین پر قائم رہے اور مسلم معاشرہ برصغیر میں وسعت پذیر ہوتا چلا گیا۔

تحریکِ پاکستان میں کارفرما عناصر فرمانِ رسول ﷺ کی روشنی میں:

تحریک پاکستان میں کارفرما اصولوں کو فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے کسی تحریک' انقیادِ ملت یا تکوین امت کے لیے ایک امیر سپہ سالار اور قائد کی حیثیت مندرجہ ذیل عناصر کی موجودگی کو نہایت اہم قرار دیا ہے۔

ا۔ الجماعۃ: سب سے اہم پہلی شرط امت کی اجتماعی تنظیم کا قیام ہے۔ یعنی ایک ایسی جماعت کا قیام ضروری ہوتا ہے جو تمام برائیوں کا خاتمہ اور نیکیوں کا حکم جاری کرے جس کا مقصد انسانیت کی تنظیم بھلائی اور فلاح و بہبود ہو۔ مفسد عناصر سے برسرپیکار ہو کر عظیم الشان سوسائٹی اور اللہ تعالیٰ کے فطری نظام کو بروئے کار لائے

صغیر کے مسلمانوں نے جب یہ محسوس کیا کہ ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے تو وہ معاشرتی مذہبی' سیاسی اور عاشی حقوق کے تحفظات کے لیے منظم ہونا شروع ہوئے اور ایک سیاسی جماعت کا قیام ضروری تھا۔ رہبر آدمیت ر محسن انسانیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمان جاری کیا کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ باہم بستہ و پیوستہ ہنا اور اسلامی حکومت کے قائد اور امام سے ربط محکم استوار رکھنا لہذا آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ ہر رف یہی نعرہ بلند ہوا کہ اگر مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ۔ اس جماعت کے قیام کا اہم مقصد مسلمانوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنا' سیاسی مفادات کا حصول ممکن بنانا اور حکومت کے سامنے مسلمانوں کے مسائل صحیح طریقے سے یش کرنا اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کے احساس کو ختم کرنا تھا۔ اور بالآخر تحریک پاکستان کو کامیاب بنا کر قیام کستان تھا۔

۱۔ **والسمع** : والسمع سے مراد امیر کے حکم کی فرمانبرداری ہے۔ فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ر تم پر کوئی غلام بھی حاکم بنادیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کی بات سنو اور اطاعت رو۔ مسلم لیگ کے امیر قائداعظم نے قوم کو جو بھی حکم دیا اس کی پوری اطاعت کی گئی۔ قائداعظم مسلم اجماع کے یروکار تھے اور ان کا کردار ایک بے لوث پر خلوص اور صاف ذہن کے وکیل کا تھا جو اپنے موکلوں کے جذبات کی صحیح کالت کر رہا تھا اس لیے جوق در جوق مسلمانان ہند ان کے اطاعت شعار بن گئے۔ جہاں جاتے پاکستان زندہ باد' قائداعظم زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج اٹھتی۔ اس عظیم مشن میں انہوں نے اپنے قائد کا پورا ساتھ دیا۔

۲۔ **والطاعۃ** : سے مراد اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ مسلم امہ کے لیے آفاقی اصول و قوانین قرآن سنت کی روشنی میں وضع کر دیے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "تمہارے لیے رسول ﷺ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے"۔(۱۸) "اگر تم سچے دل سے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں ذرا کمی نہیں کرے گا بے شک اللہ غفور رحیم ہے"۔(۱۹) "اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی اگر تم ایماندار ہو"۔(۲۰) چونکہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت اور دینِ اسلام آزادی کے لیے جذبہ متحرکہ ہے۔ قائداعظم نے فرمایا کہ ہمارا دین' ہماری تہذیب ہمارے اسلامی تصورات وہ اصلی طاقت ہیں جو ہمیں آزادی حاصل کرنے کے لیے متحرک کرتے ہیں۔(۲۱) "میں ایک مسلمان کی حیثیت سے پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن پاک کو آخری قطعی راہبر سمجھ کر صبر ورضا کے طریقے پر کاربند ہو جائیں اور خدائے پاک کے اس ارشاد کو فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی ایک طاقت یا کئی طاقتوں کا اتحاد بھی مغلوب نہیں کر سکتا۔ ہم تعداد میں کم ہونے

کے باوجود فتح یاب ہوں گے اور اسی طرح کامیاب ہوں گے جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران اور روم کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تھے۔ (۲۲)

۴۔ والجہاد : ارشاد باری تعالیٰ ہے "جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرے پھر شہید ہو جائے یا غلبہ پائے ہم عنقریب اسے بڑا ثواب دیں گے"۔ (۲۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے "اے پیغمبر کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو ان سے سختی سے پیش آؤ۔ (۲۴) اے ایمان والو اگر تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تمہیں کامیابی نصیب ہو گی۔ (۲۵) قائد اعظم نے بھی قوم کو آگاہ کیا کہ ہمارے راستے میں کوئی چیز مزاحم نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی چیز نصب العین سے منحرف کر سکتی ہے۔ کوئی چیز ہمیں مغلوب نہیں کر سکتی ہمارے مطالبات حق و انصاف پر مبنی ہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے دس کروڑ مسلمانوں کی جماعت مٹائی نہیں جا سکتی خواہ ہم کو کتنی ہی مصیبتوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑے۔ ہم پاکستان لے کر رہیں گے۔ پاکستان کے بغیر مسلمانان ہند تباہ و برباد ہو جائیں گے اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (۲۶) اور ہم ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

۵۔ والہجرۃ : تکوین امت' اجماع ملت اور قیام ریاست کے لیے ہجرت کرنا پڑے تو وہ بھی کی جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے "جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اللہ کے نزدیک یہی لوگ بڑے کامیاب ہیں۔ (۲۷) ہجرت کا محرک خواہ کچھ ہی ہو قیام پاکستان کے موقع پر کروڑوں ہندوستانی شہریوں کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ ان مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ تو ایک طرف اس بھاری انخلا اور ترک وطن نے پاکستان کو ہمیشہ کے لیے قطعی مسلم اکثریتی علاقہ میں تبدیل کر دیا۔ ہجرت اسلام کی ترقی' تبلیغ اور امت کا روشن دیباچہ اور مسلمانوں کی روایت کا جزو لاینفک ہے مسلمانوں نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی اس طرح اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔

رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ان عناصر خمسہ کی بدولت آبائی معاشرے اور محدود قومیت نے وسیع حلقہ میں قدم رکھا۔ ایک نظام حکومت' تحریری قانون اصلاح و فلاح کے لیے بروئے کار آیا۔ جس کا نصب العین عالمگیر امن' عالمگیر مساوات عالمگیر آزادی اور عالمگیر حکومت ہے۔ پیغمبر مالک الملک کی بادشاہی میں سفیر ہے۔ (۲۸) جس کی تمام تر توجہ انسانیت عامہ کی اصلاح' فلاح اور روشن مستقبل کی طرف ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ (۲۹) ارشاد باری تعالیٰ ہے: "بے شک تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔ (۳۰)

ریک پاکستان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا قیام تھا:

آقائے نامدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سلطان نصیر کی طلب سکھلائی تھی جس میں
ں قربانیاں' ایثار' جذبہ اور غلبہ موجزن تھا۔ تحریک پاکستان کے فکری محرکات میں ایک ایسی مملکت کا قیام تھا جس
یاد فطرت کے اصولوں پر رکھی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فطرت کے اصولوں کے تحت کی ہے۔ دین
م فطرت کے آفاقی اصولوں پر مبنی ہے۔ ایسی نظریاتی مملکت میں اول اور اہم ہستی فرمانروائے اعلیٰ کی ہوتی ہے۔
می حکومت موثر تنظیمات اور احکام و قوانین کے اجراء اور اقتدار کے دائرہ میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی واحد ہستی کو
ت کا اصل مالک سمجھتی ہے۔ جو خیر الحاکمین ہے۔ (۳۱) اس میں جان ومال عزت و آبرو اور انسانی حقوق کا پورا پورا
ا ہوتا ہے۔ وہ مالک الملک ہے جس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کی مملکت کی وسعت کی کوئی
نہیں جدھر دیکھو ادھر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو کہ صاحب وسعت اور باخبر ہے۔ (۳۲) وہ انسانیت عامہ کا فرمانروا
الناس ہے۔ (۳۳) وہ ملک الحق یعنی سچا بادشاہ ہے اس کے قوانین اور بادشاہی حق اور سچ پر مبنی ہیں اس غالب
ران کی شدید گرفت ہے لیکن خطائیں بخشنے والا ہے۔ (۳۴) اس نے فرمانروائے اعلیٰ کی حیثیت سے تمام جہانوں
فلوق کی پرورش ورزق کی فراہمی کا ذمہ لیا ہوا ہے۔ (۳۵) انسان کے ٹھہرنے کے لیے جگہ (یعنی وطن) بنایا
۔ (مصور ہونے کے ناطے) انسان کو بہترین شکل سے نوازا کھانے کے لیے پاکیزہ چیزیں عطا کیں پروردگار عالم
بابرکت ہے۔ (۳۶) انسان اس کی کون کون سی نعمت کو جھٹلا سکتا ہے۔ (۳۷) اسی نے انسان کو (اپنی بالادست
ت میں) نمائندہ حکومت قائم کرنے کا اختیار دیا ہے۔ (۳۸) آفاقی حکومت میں کسی شخص پر ظلم روا نہیں رکھا
وہ اپنی مخلوق کے ہر فرد کو عدل کے مطابق سزا دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ (۳۹) کیونکہ وہ عالی مرتبہ گراں قدر اور
العظیم ہے۔ (۴۰) حاکم الحاکمین ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کو حکم جاری کرنے کا حق نہیں۔ مذہب کا فوق
وہ نظریہ صحیح اور مثالی اور اصولی حکومت قائم کرتا ہے کیونکہ قانون سازی اور حاکمیت کا سرچشمہ ہی اللہ تعالیٰ کی
ت کبریائی ہے۔ فطری مملکت ایک فطری قانون کے تابع ہوتی ہے۔ انسانوں کے اس انبوہ کثیر میں عقائد نظریات
رسم ورواج کے مطابق تقسیم ایک مسلسل اور ناگزیر عمل ہے۔ بعثت رسول ﷺ سے قبل دنیا تاریکی میں ڈوبی
ئی تھی۔ آفتاب رسالت رشد وہدایت کے پیغام کے ساتھ طلوع ہوا۔ دنیا سچائی' عدل وانصاف اخلاق اور خوف
کی اعلیٰ قدروں سے روشناس ہوئی ایک منظم امت مسلمہ کی تشکیل عمل میں آئی جس کا منتہائے مقصود تمام دنیا کی
نمائی کر کے ایک دستور' ایک نصب العین' ایک رسول ایک اللہ اور ایک انسانیت عامہ کے عقیدے پر جمع کرنا تھا۔
۔ تعالیٰ نے حکومت کو پیدا کیا۔ وہ اپنی بلند وبرتر غالب وحاوی یکتا ویگانہ ہستی کے اعتبار سے حکومت کی فرض شناسی
جدوجہد کا نشان امتیاز ہے وہ ایک حقیقی وحدت ہے جس کے نام پر قومیں' ملتیں' ممالک' مکین' طبقے' جماعتیں'

مذہب اور سیاسی مسلک کی تمام تقسیمیں سمٹ کر ایک ہو جاتی ہیں یہی محرکات اور عوامل تحریک پاکستان میں کارفرما
جو تحریک پاکستان کے قائدین کے ذہنوں میں جاگزین تھے۔

تحریک پاکستان عالمی اسلامی وحدانی نظام کا حصہ اور تسلسل ہے :

اسلامی حکومت عالمگیر متحدہ وحدانی حکومت ہے جو خلافت امامت شوریٰ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ
وسلم نے روئے زمین کو انسانیت کا وطن قرار دیا جو اپنے آفاقی اور عالمگیر نظام کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس کے پیغام
حکمت عملی کا تعلق تمام معمورہ ارض سے ہے۔ (۴۱) انبیاء علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت رہی
کہ وہ ایک جماعت کی صورت میں منظم رہیں امت کے معنی وہ گروہ ہے جس کے افراد آپس میں تعاون کرتے ہ
اور اپنے مابین اختلاف اور افتراق سے دور رہیں۔ یہ وہ اہم حکم ہے جو اسلام کے اجتماعی میدان اور فکری تحریکوں
لیے اساس کا درجہ رکھتی ہے۔ جو عطیہ خداوندی ہے جس کی بدولت ریاست میں حقیقی نظم و نسق اور قوت کو
رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ حکم خداوندی ہے کہ "سب مجتمع ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو (اللہ کے حکم پ
ہو جاؤ) اور جماعت کے نظم و نسق کو متفرق نہ ہونے دو"۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی جماعت کے قیام کو فرض
دیتے ہیں۔ (۴۲) پاکستان انہی تصورات کا حامل ہے۔ جس کی جڑیں امتِ مسلمہ کے اسمائے حسنہ اور ان کے مق
میں پیوست ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

ا۔ **ملت ابراہیمؑ :** امت مسلمہ اپنی اجتماعی تنظیم کے اعتبار سے ملت ابراہیم کے نام سے موسو
جو ہزار ہا سال قبل فکری لحاظ سے مذہبی شیرازہ بندی پر منتج ہوئی۔ اور ایک امت عظمیٰ کی داغ بیل پڑی۔ (۴۳
مقصد کے لیے امام امت کی حیثیت سے ابراہیم علیہ السلام چار چیزوں پر مشتمل ریاست کے لیے خداوند عالم
حضور دعا گو ہوئے جو بارگاہ عرش میں درجہ قبولیت پر فائز ہوئی۔

(الف) شہر امن : ایسی سلطنت جو تمام دنیا کے لیے مرکز امن وامان ہو۔
(ب) پر ثمر زندگی : زندگی کی تمام ضروریات اور ثمرات جو تمام شہریوں کے لیے یکساں اور عام دستیاب ہو
(ج) واحد امتِ مسلمہ : ایک امت جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حکم برداری کرتی رہے۔
(د) ایک رسولِ معلم : ملت کے افراد کی رہنمائی کے لیے ایک رسول معلم قانون و سیاست اور رہ
مذہب واخلاق۔

۲۔ **امت واحدہ :** اس کائنات ارضی کے تمام انسان نفس واحدہ سے نکل کر بساط وجود میں آ
اگر اللہ چاہتا تو (ایمان کے اعتبار سے) سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا۔ (۴۴) اسلامی معاشرے کے اصل

ابتدائی نظم کو امتِ واحدہ کا نام دیا گیا ہے۔ جس میں دنیا کے تمام افراد قوم واحد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام دنیا کے لوگوں کو ایک مربوط نظام کے تحت متحد دیکھنا چاہتا ہے۔ "ابتداً سارے انسان ایک امت تھے"۔(۴۴) پہلے تو سب لوگ ایک امت تھے۔(۴۵)

ا۔ امتِ مسلمہ : امت مسلمہ سے مراد اللہ عزوجل واحد کی حکم بردار قوم ہے۔ جس میں دنیا کے ہر علاقہ اور ہر نسل کے انسان برابری اور بھائی چارہ کے اصول پر جمع ہوں اور اللہ کے احکام کے مطابق انسانیت عامہ کی بہتری اور فلاح و بہبود کے لیے کام کریں دین اسلام کی بنا پر مستقل طور پر جمع ہونے والوں کی وحدت کو امت مسلمہ کہا گیا ہے۔

ب۔ امت وسطیٰ : امت مسلمہ کی ابتدا چونکہ ایشیا' افریقہ اور یورپ سے ہوئی تھی اس لیے اسے امت وسطیٰ کہا گیا۔ "اور اس طرح ہم نے تم (مسلمانوں) کو ایک امت وسط بنایا ہے۔(۴۳)

ج۔ خیر الامت : امت اسلامیہ کو خیر الامم کہا گیا ہے جو کہ اسلام کے اصولوں' احکام اور قوانین کو تسلیم کرنے والوں کی اجتماعی تنظیم اور ہیئت کو ظاہر کرتی ہے۔ اسے تمام دنیا کی حکومتوں کے لیے ایک مثالی نمونہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انسانوں کو اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔ یہ وہ امت ہے جس کے قوانین مکمل' اصول محکم اور مذہبی روایات قرین عقل و دانش ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت دنیا کی بہترین امت قرار دی گئی ہے"۔(۴۷) اسے بہترین امت اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں امام' مثالی انسان' معلم خیر اور تمام کمالات و فضائل کے حامل انسان شامل ہیں۔

د۔ امت عظمیٰ : رہبر آدمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خداوند کریم کے حکم کے بعد عالمگیر سیاسی معاشرے کے لیے تحریک اور مہم کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا۔ "انسانو توحید کو قبول کرو اسی میں عام انسانیت عامہ کی بہتری کا پروگرام موجود ہے"۔ پھر شہنشاہوں کے نام خطوط ارسال کیے گئے نقیب مقرر ہوئے۔ قبائل کو شیر و شکر کیا گیا۔ جہاد کا حکم جاری ہوا۔ مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست اور پاکستان کی اسلامی ریاست میں اقتدار کی بے حد مماثلت پائی جاتی ہے' دونوں میں قدر مشترک "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" جو نظریہ توحید و رسالت ہے۔ اس طرح ہر مسلمان کا نصب العین ایک عظیم تر امت عظمیٰ ہے جس کی وسعت اس تمام کائنات ارضی پر کلمہ طیبہ محیط ہو۔ کلمے کا اعلان اسلام میں داخلہ کے لیے شرطِ اول ہے۔ اس کو نماز میں شامل کیا گیا افضل الذکر قرار دیا گیا جو کہ تحریک اسلامی کا نعرہ بن گیا۔

تحریکِ پاکستان مسلمان اقلیت کا خدشہ محکومیت تھا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے "جو سختی تکلیف اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہیں وہ سچے لوگ اور متقی ہیں"۔(۴۹) "کیونکہ وہ کافروں پر زور آور ہیں"۔(۵۰) تحریک پاکستان بلاشبہ ایک اسلامی قومی تحریک تھی اس کا اصل جذبہ ایک چھوٹی قوم کا یہ خوف اور خدشہ تھا کہ کئی گنا زیادہ بڑی قوم اس کے ساتھ برابری اور انصاف پر مبنی برتاؤ نہیں کرے گی بلکہ سیاسی اعتبار سے اسے محکوم بنانے کی کوشش کرے گی۔ معاشی سطح پر اس کا استحصال کرے گی سماجی' معاشی' معاشرتی' تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے اس کے تشخص کو ختم کرنے کی کوشش کرے گی اور اسی پر اکتفا نہیں کرے گی بلکہ ہر ممکنہ ذریعہ سے اپنی گزشتہ محکومی کا بدلہ لینے اور حساب چکانے کی کوشش کرے گی۔ ایک ہزار سالہ غلامی کا انتقام لے گی۔ مسلمانوں میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر یہ خوف اور اندیشہ نہ فرضی تھا اور نہ خیالی۔ بلکہ روز روشن کی طرح ایک حقیقت تھی یہ خدشہ برصغیر کے مسلمانوں کے ہر طبقے اور شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں ان کے سابقہ تجربات اور ہندو قوم کے عزائم کی بدولت تھا۔ اس لیے وہ اپنے جداگانہ تشخص کے تحفظ' سیاسی و معاشی حقوق کی ضمانت' و حفاظت کے لیے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ کسی تحریک کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار تعداد کی قلت یا کثرت پر نہیں ہوتا بلکہ یہ تو جدوجہد کرنے والوں کی قوت ایمانی اور اخلاقی کیفیت پر منحصر ہوتا ہے۔ تعداد خواہ کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو وہ اللہ کے حکم سے بڑی سے بڑی تعداد پر غلبہ پا سکتی ہے۔ "کتنی بار چھوٹا دستہ اللہ کے حکم سے بڑی فوج پر غالب آ گیا۔ مسلم لیگ کی قیادت ملت اسلامیہ کے عظیم دانشور' سیاست دان اور ماہر قانون قائداعظم نے کی جو ان کے تدبر اور مخلصانہ جدوجہد کا شاہکار اور ما حاصل پاکستان ہے۔ انہوں نے کسی ایسے نظام کو قبول کرنے سے یکسر انکار کر دیا جو مسلمانان ہند کے قومی تشخص کے منافی ہو جس میں مسلمانوں کے حقوق و مفادات کی ضمانت نہ دی گئی ہو۔ انہوں نے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ یہ شکست خوردہ ذہنیت کی انتہا ہو گی کہ مسلمانوں کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ اس سے بڑھ کر کوئی غداری نہیں ہو سکتی۔ اگر اس پالیسی کو اختیار کیا گیا تو مسلمان اپنی تباہی اور بربادی مول لیں گے اور ملک کی قومی زندگی اور حکومت میں اپنے جائز حقوق سے محروم ہو جائیں گے۔ قائداعظم نے تاریخی خطبے میں فرمایا۔(۵۲) کہ ہندوستان دو قوموں کا وطن ہے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مفادات یکجا نہیں ہیں۔ چونکہ ہندو اکثریت میں ہیں اس لیے جو بھی آئین ہو گا وہ مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اس لیے ہندوستان کو تقسیم ہونا چاہیے اسلام کے پیروکار ایک الگ معاشرتی نظام کے داعی ہیں ان کی سوچ اور انداز ہندوؤں سے الگ ہے۔ اسلام ایک کامل نظام ہے جسے ہندومت میں ضم نہیں کیا جا سکتا ہندو اکثریت ماضی میں مسلمانوں کو نقصان پہنچاتی رہی ہے اور مستقبل میں بھی ان سے اچھائی کی توقع رکھنا فضول ہے ماضی کے تجربات نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ ایک الگ وطن کا مطالبہ کریں وہ کسی ڈر یا

کے تحت اپنے مطالبہ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کی تنظیم کو برقرار رکھنے کے لیے سیاسی معاشرے کی وحدانیت اور اتحاد پر زور دیا کہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ ارشاد رب العزت ہے۔ "مومنو اگر تم کافروں کا کہا مان لو گے تو وہ تم کو الٹے پاؤں پھرا کر (مرتد) کر دیں گے پھر تم بڑے خسارے میں رہو گے۔ یہ کافر تمہارے مددگار نہیں ہیں بلکہ خدا تمہارا مددگار ہے"۔ (۵۳)

ہندو مسلم ثقافت کے متصادم نظریات:

اسلام فرد اور ملت دونوں کے لیے بہتری، اصلاح اور فلاح کا دین ہے یہاں تک کہ کسی فرد اور جماعت خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، کی حق تلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتحاد، اخوت، فلاح، پاکیزگی، جود و سخاوت، اعمال صالح، اعلیٰ اخلاق و کردار، امن و سلامتی کی راہیں متعین کی ہیں۔ وہی انسانیت عامہ کے لیے کامیابی و کامرانی کی ضمانت ہے۔ لیکن برصغیر میں ہندوؤں نے اسلام کے اس نظام سے چنداں فائدہ نہیں اٹھایا۔ مرے ٹائٹس اپنی کتاب "انڈین اسلام" میں لکھتا ہے کہ بارہ صدیوں تک اسلام ہندوستان میں ہندومت کے ساتھ رہا اور دونوں قومیں ایک دوسرے کے مدمقابل رہیں ان میں عقائد کی تفریق، قومی معرکوں کی روایات اور دوسری جانب قومیتی تحفظ کے فطری جذبات تنازعات کا سبب بنتے رہے اور وہ سلسلہ جاری ہے۔ برصغیر میں تفرقہ پرداز قومیں اور مذہبی جذبات کے سہارے نفاق پیدا کرنے والی قوتیں زیادہ موثر رہی ہیں جس میں افہام و تفہیم صلح و آشتی، اتحاد و اخوت کے جذبات پیدا کرنے والی قوتیں اکثر غیر موثر کردار کی حامل رہی ہیں۔ ایسی کوششیں کارگر نہیں ہوئیں کیونکہ ان کے اصل محرکات ثقافت اور مذہب کے متصادم نظریات و عقائد تھے۔ اسلام ایک نظریاتی آفاقی اور دینی ثقافت کے لحاظ سے ہندومت کی عین ضد ہے۔ جو قرآن (کلام الٰہی) اور حدیث و سنت پر مبنی ہے۔ اور اس نے ماحول سے جو کچھ بھی خارجی یا داخلی ذرائع سے حاصل کیا اگر وہ قرآن و سنت کے منافی نہیں تو اپنے اندر سمو لیا کیونکہ اسلام اجتہاد کے ذریعے کسی علاقے کے رسم و رواج اور ثقافتی ورثہ کو اپنے اندر ضم کرنے اور جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کے دینی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔ ہندومت جامد اور صنم پرستانہ ہے۔ جب کہ مسلم ذہنیت قائل جوہریت تجریدی، اقلیدسی، بت شکن، اور توحید پرست واقع ہوئی ہے۔ تصور امت کی منفرد تخصیص میں خود تحفظی کی جبلت مذہب کی بدولت بدرجہ اتم موجود تھی اسی جذبے نے مسلم امہ میں اجماع اور اتحاد ملت کے معروف نصب العین کی طرف راہ ہموار کی۔ اجماع امت کا انحصار دونوں کی گنتی پر نہیں ہوتا بلکہ اعلیٰ مقتدر ہستیوں اور قومی دانشوروں کی طویل المیعاد آراء، افکار اور فرمودات پر ہوتا ہے۔ ہندومت مذہبی عمل کے شخصی پہلوؤں پر زور دیتا ہے جب کہ مسلمان اس عمل کو امت کی اجتماعیت میں شامل کرنے پر زور دیتا ہے۔ مسلمان ویدک ملحدانہ ماحول سے متنفر تھے۔ دونوں میں جماعت بندی مذہبی وابستگی اور علاقائی تعصب کا احساس نمایاں تھا۔ دونوں کے

متصادم نظریات اور تمدنی آسودگی ایک دوسرے میں منطبق اور ضم نہ ہو سکی۔ دونوں کا باہمی عمل، ربط و ضبط اخلاق طور طریقے رسم و رواج، توہم پرستی، تصوف اور مشترکہ اقتصادی زندگی اور ایک دوسرے کی ثقافت کے نمایاں خدو خال کو ذرا سا بھی اپنے اندر جذب نہیں کیا یہ صورتحال دونوں متضاد نظریات اور متعصبانہ ہندو رجحانات کی عکاسی کرتی ہے۔ در حقیقت پاکستان کے قیام کا سب سے بڑا محرک ہندو کی عصبیت، مسلمانوں سے نفرت، تنگ نظری اور مسلمان دشمنی تھی۔ اس کے برعکس رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عصبیت کی طرف لائے، عصبیت کی خاطر لڑے اور عصبیت پر مرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (۵۵)

تحریک پاکستان متعصّبانہ ہندو قوم پرست تحریکوں کا نتیجہ تھی :

قوم پرستی اور دوسروں کی نفرت میں بہت کم فرق ہے۔ قوم پرستی ایک مستحسن جذبہ ہے بشرطیکہ اس کی بنیاد بلاوجہ کسی دوسرے فرقے کے مفاد کو ضرب کاری لگانے اور اس کے خلاف منافرت پھیلانے پر نہ ہو۔ خصوصاً جب کہ ملک میں ایک سے زائد مذہبی فرقے آباد ہوں۔ اگر ہندو ذات پات اور چھوت چھات سے آزاد ہو کر وسیع النظری کا مظاہرہ کرتے تو شاید پاکستان نہ بنتا اور ہندو مسلمان ہمسائیگی میں پر امن زندگی بسر کرتے۔ اور جو مسلمان بادشاہوں اور دانشوروں اور صوفیائے کرام نے اس سرزمین میں محبت اور ہم آہنگی کی فضا قائم کی تھی مذہبی اختلافات کے باوجود برصغیر میں متحدہ وطنی قومیت کا شعور بیدار ہو جاتا۔ لیکن ہندوؤں کے تنگ نظر، انتہا پسند اور متعصب لیڈر ہندو قوم کو منظم اور بیدار کرنے کی خاطر مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے لگے۔ جنگ آزادی کے کچلے ہوئے مسلمانوں پر ہر طرف سے تحریکوں کی یلغار شروع کر دی گئی۔ تاکہ مسلمانوں کی قوت مدافعت ختم ہو جائے۔ بنگال میں بنکم چیٹر جی، مہاراشٹر میں بال گنگا دھر تلک ہندو جارحانہ قوم پرستی کا علم بلند کرتے ہیں۔ گنیش پوجا اور گئو رکشا کی تحریکیں شروع کیں اور مسلمانوں کے خلاف اکسایا اگر وہ گئو رکشا نہیں کرتے تو ان پر حملے کیے جائیں تاکہ وہ گئو کشی سے باز آجائیں۔ سوامی دیو آنند سرسوتی نے آریہ سماج کی مذہبی تحریک کی بنیاد ڈالی جس میں اسلام کے خلاف زہر اگلنا اور خالص ہندو قوم پرستی کا احیاء اور ارتقا تھا۔ اسلام اور مسلم ثقافت پر کھلے ہندوں حملے کیے شمالی ہندوستان میں آریہ سماجی تحریک میں مسلمانوں کے خلاف منافرت اور ہندوؤں میں سیاسی بیداری اور جارحانہ قوم پرستی پیدا کرنے کی مہم جاری تھی لالہ ہر دیال ڈاکٹر مونجے نے سنگھٹن کی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ جس کی رو سے ہندوؤں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ ہندوستان ہندوؤں کی ماتر بھومی ہے۔ ایک وسیع ہندو سیاسی گروہ کے ذریعہ اگر ہندو منظم ہو جائیں تو مسلمانوں کو سر جھکانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے اور "قومی ہندو مملکت" مذہب کی بنیاد پر قائم ہو سکتی ہے، بعد ازاں مسلمانوں کو کہا جائے گا کہ وہ ہندو مت قبول کر لیں اسی طرح شدھی تحریک کے بانی شردھانند مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانا چاہتے تھے اس کے نزدیک مسلمانوں کے لیے دو ہی راستے ہونے چاہئیں یا تو وہ ہندو ہو جائیں یا پھر ملک سے

ہر نکل جائیں۔ لیکن ہندو لیڈر سریندر ناتھ کے مقاصد پورے نہ ہوئے تو "تحریک اتحاد" کا آغاز کیا ان کے مطابق برطانوی ہند کے لوگ مشترکہ نصب العین کے حصول کے لیے متحد ہو سکتے ہیں۔ اس نے سر سید احمد خان کو بھی ہمنوا بنا لیا لیکن بعد ازاں انہیں ہندوؤں کی تنگ نظری سے بڑا صدمہ ہوا۔ ان تحریکوں کے علاوہ بھگتی تحریک جس میں خدا کے تصور کو بھی شامل کر کے برصغیر میں اسلام کی اشاعت کو روکنا تھا۔ اور نو مسلموں کو دوبارہ ہندو مت میں واپس لانا مقصود تھا رامانند بھگت کبیر' نانک' ولبھ اچاریہ۔ اصل میں اس خالص ہندو تحریک کے بانی تھے ہندوؤں کی تحریکوں نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور نظریاتی اور سیاسی منزل کی تلاش میں سرگرم ہو گئے۔

تحریکِ خلافت تحریکِ پاکستان کے لیے فکری محرک تھی :

تحریکِ خلافت کا مقصد اسلام کی عظیم الشان خلافت عثمانیہ کی بقا اور تحفظ تھا۔ برصغیر کے مسلمان اور ان کے قائدین جذبہ ملی اور جوش عمل سے سرشار تھے اور وہ خلافت اسلامیہ کی بقا کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار تھے۔ ترکوں نے جنگ آزادی کے دوران جرمنی کا ساتھ دیا تھا اس لیے انگریز دولت عثمانیہ کے حصے بخرے کر کے اسے ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف ہمہ گیر تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا کئی قرار دادیں منظور کی گئیں کہ وہ اتحادیوں کی فتح کی تقریبات میں حصہ نہ لیں اور اگر دولت عثمانیہ کی بقا کے مطالبات تسلیم نہ کیے جائیں تو برطانوی مال کے مقاطعہ کی تحریک شروع کی جائے مولانا محمد علی جوہر نے برطانیہ اور یورپ کے مسلمانوں کو یاد دہانی کرائی کہ اس کا تعلق صرف ترکی سے نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام سے ہے اس لیے خلافت عثمانیہ کا فیصلہ کرتے وقت مسلمانوں کے جذبات کا احترام کیا جائے کئی قرار دادیں منظور ہوئیں جن کے ذریعے ہندوستان کے مسلمانوں نے سلطان ترکی سے اطاعت کا اعلان کیا اور زور دیا کہ ان کے مطالبات تسلیم کیے جائیں۔ جزیرہ العرب اور دیگر مقدس مقامات کی تقدیس کے مطالبات تسلیم کیے جائیں سمرنا اور تھریس سلطنت عثمانیہ کا حصہ رہیں گے اور نہ ہی کوئی حصہ یونان کے حوالے کیا جائے گا۔ اس طرح مسلمانوں میں پہلی مرتبہ ایک سیاسی شعور اور ملت کے لیے تڑپ پیدا ہوئی۔ لیکن ہندوؤں کو یہ تحریک ہرگز نہ بھاتی کیونکہ وہ اس سے بدگمانی سے شکوک و شبہات اور بغض و حسد کا شکار ہو گئے اور تحفظ خلافت ان کے لیے باعث تشویش بن گئی کہ کہیں اسلامی ممالک کی بدولت مسلمان پھر سے ہندوستان میں اپنی حکومت نہ قائم کر لیں۔ اور اس سیاسی بیداری کو اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگے۔ ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ پر لالہ لاجپت رائے کہتے ہیں کہ "میں نے گزشتہ چھ سال میں زیادہ وقت مسلمانوں کی تاریخ اور قانون کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندو مسلم اتحاد ممکن اور قابل عمل نہیں" اس کے بعد مسلمانوں نے بھی تبلیغ اور تنظیم کی تحریکیں شروع کر دیں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اے اہل ایمان مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام لو"۔ (۵۶)

ہندوؤں کی بداعتمادی :

رام گوپال اپنی کتاب "انڈین مسلم" میں لکھتا ہے "میں ہندوستان میں سات کروڑ مسلمانوں سے نہیں ڈرتا لیکن یہ سات کروڑ مسلمان' افغانستان' وسط ایشیا' عراق' عرب اور ترکی کے جنگجو مسلمانوں سے مل جائیں تو ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد چاہتا ہوں مسلمان لیڈروں پر پوری طرح اعتماد کرنے کو بھی تیار ہوں لیکن قرآن و حدیث کا ان پر جو اثر ہوتا ہے۔ اس کا کیا کیا جائے مجھے امید ہے کہ ہندوؤں کی ذہانت اور روشنی طبع اس مشکل سے نجات کی کوئی راہ دریافت کر سکے گی"۔ رام گوپال کے خدشات درست تھے کیونکہ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ مشرک اور یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔

علامہ اقبال نظریہ پاکستان کے روح رواں تھے :

علامہ اقبال جو کہ بنیادی طور پر شاعر اور فلسفی تھے انہوں نے مسلمانوں کے سیاسی مسائل کا جائزہ سیرت طیبہ کی روشنی میں لیا اور ان کا حل پیش کیا۔ ان کے خطبات' فلسفیانہ فرمودات شاعری اور دوسری تحریروں نے مسلمانوں کو تعطل کے اس دور میں ایک فکر انگیز تصور دیا جس کی بدولت ایک ملی تحریک نے جنم لیا۔ آپ نے وطن کی جائے اسلامی مملکت اور اسلام کو بنیاد قرار دیا کہ ہندوستان دو قوموں کا وطن ہے۔ مسلمان ایک الگ قوم ہیں وہ اپنا کلچر' زبان' مذہب' رسوم و رواج' تاریخ سوچ اور دیگر خصوصیات رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے آئینی تعطل کو ختم کرنے کے لیے یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ مسلمان الگ قوم ہیں۔ ہندو یہ چاہتے ہیں کہ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے مشترکہ جدوجہد کی جائے لیکن علامہ اقبال کے نزدیک مسلمان اور ہندوؤں کو ایک گروپ میں یکجا کرنا خلاف فطرت تھا۔ مسلمانوں کا فرقہ ہر لحاظ سے ایک الگ فرقہ اور ان کے الگ مفادات ہیں جن کے تحفظ کے لیے خصوصی اقدامات کی ضرورت تھی۔ بین الاقوامی تصورات کے مطابق دنیا کی ہر قوم کو اپنی علیحدہ منزل کے حصول کا حق حاصل ہے۔ جس طرح ہندو غلامی کے طوق کو اتار کر انگریزوں کے دباؤ سے آزاد زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی ہندوؤں سے الگ اپنے آزاد وجود کے قیام کا مطالبہ کرنے میں حق جانب ہیں۔ علامہ اقبال کا تمام فلسفہ سیاست و ریاست توحید و رسالت کے فطری و آفاقی اصولوں پر مبنی تھا۔ ہر قوم کے مذہب' رسوم' تہذیب اور معاشرتی اداروں کا احترام کرنا دوسری قوموں کا فرض ہے۔ مسلمان تو ویسے ہی قرآنی تعلیمات کے تحت ایسا احترام کرنے کے پابند ہیں قرآن حکیم ان کے لیے لازمی قرار دیتا ہے کہ دوسرے مذاہب اور فرقوں کے عقائد' مذہبی اداروں کے

تقدس کا خیال رکھیں اور مسلمان یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ دوسرے بھی اس کے مذہب' رسوم اور تہذیب کا احترام کریں۔ مسلمانوں کا مذہب ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ یہ اپنا الگ کلچر' تصنیفات' تصورات اور معاشرتی اصول رکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کو ایک الگ گروہ' الگ فرقہ اور الگ قوم تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ ہندوستان کے تمام گروہوں جن کی نسل' زبان اور مذہب مختلف ہوں اور ان میں علاقائی تصور کے سوا کوئی خصوصیت مشترک نہیں جس کا حل صرف یہی ہے کہ مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا کے ناموں سے دو الگ ریاستیں قائم کر دی جائیں۔ شروع شروع میں علامہ اقبال کے اس تصور نے فوری طور پر ایک چونکا دینے والا محرک تو مہیا نہ کیا لیکن بتدریج یہی تصور مسلمانان ہند نے اپنے سیاسی مسئلہ کا واحد حل قرار دیا اور یہی اساس پاکستان ثابت ہوا اس طرح اسلام کو کفر کے مقابلے میں فتح نصیب ہوئی۔ اور پاکستان ایک زبردست مسلم اکثریتی ریاست کے طور پر دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ علامہ اقبال مسلم امت واحدہ کی تشکیل چاہتے تھے۔ ان کے فلسفہ میں مسلمان عقل و ادراک کی حقیقت کے ذریعے عناصر پر لامحدود غلبہ اور اقتدار حاصل کریں اور تعلیمات نبوی ﷺ اور تعلق باللہ سے سرشار ہو کر اس سرزمین میں اللہ کی خلافت اور نمائندہ حکومت قائم کریں تاکہ امت مسلمہ کے انفرادی اور اجتماعی کردار کی تعمیر ممکن ہو سکے اور پھر یہی امت واحدہ اپنی صلاحیتوں اور کشش کے باعث تمام دنیا کی اصلاح اور راہنمائی کرے۔(۵۷)

علامہ اقبال نے مسلم اکثریت کے صوبوں میں پنجاب' شمال مغربی سرحدی صوبہ' سندھ اور بلوچستان کو ایک علیحدہ مسلم ریاست میں شامل کرنے کی تجویز پیش کی کہ مسلمانوں کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حل نہیں اور یہی مسلمانوں کی منزل ہے ویسے بھی ایسی الگ ریاست کا وجود الگ ہندوستان کو بیرونی حملوں سے دفاع کرنے اور خطرے سے محفوظ رکھے گی۔ چوہدری رحمت علی کیمبرج یونیورسٹی کے طالب علم جو لفظ پاکستان کے موجد ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ بشارت انہیں عبادت و ریاضت کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی۔

اقبال کے نزدیک مسلم ریاست میں اسلام کو برتری حاصل ہو گی۔ اسلام چرچ سے مختلف ہے جو انسان کو صرف رہبانیت کا درس دیتا ہے بلکہ دین اور دنیا دونوں میں کامل بناتا ہے۔ اس میں مسلمانوں کی جمعیت کی ایک وحدت ہو گی جو اپنے مخصوص نصب العین اور اقتدار کے لیے اجتماعی جدوجہد کرے گی۔ مسلمانوں کے جداگانہ اقدار کا بہترین تحفظ ایسی ہی ریاست میں ممکن ہو گا۔ تمام مسلم ایشیاء کے ممالک مجموعی طور پر بھی اسلام کے لیے اتنی گراں بہا متاع نہیں جتنی اکیلی ہندوستان کی ملت اسلامیہ۔ مسلمانوں کی تمام بیماریوں کا علاج یہی ہے کہ وہ آپس میں متحد ہو کر ایک ریاستی نظام میں منسلک ہو جائیں۔ مسلم قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان ہے نہ اشتراک وطن نہ اشتراک اقتصادی اغراض بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی اس لیے شریک ہیں کہ مظاہر کائنات کے متعلق ہمارے سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس

ہے۔ برطانوی استعمار پسندی اور ہندو نیشنلزم (سیکولرازم) کی مسلمانوں نے اس لیے مخالفت نہیں کی کہ انہیں ان میں کم مادی فوائد ملیں گے بلکہ مخالفت اس بنا پر تھی کہ اس میں ملحدانہ مادیت پرستی کے بیج تھے جو انسانیت کے لیے عظیم خطرہ ہے۔ آزادی سے مسلمانوں کا اولین مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقتور بن جائیں۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنی دارد۔ مسلمان تو یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کلیۃً نہیں تو بڑی حد تک دار السلام بن جائے اگر آزادی ہند کا یہ نتیجہ ہو کہ جیسا دار الکفر ہے ویسا ہی رہے یا اس سے بھی بدترین بن جائے تو ایسی ازادی پر مسلمان ہزار بار لعنت بھیجتا ہے۔

ہر مسلمان کا مقدم فرض ہے کہ پوری جماعت ایثار کے لیے تیار کرے جس کے بغیر کوئی غیرت مند قوم باعزت زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کی حریت پسندی کو للکارتے ہوئے کہا "اے مسلمان ہادی برحق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر آپ کا قرب حاصل کرو کیونکہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات ہی مکمل دین ہے اگر تو نے خود کو آپ ﷺ تک نہ پہنچایا تو تیرے افعال ابو لہب (دشمن رسول) کی روش کے مترادف ہوں گے"۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے چتا رہتا ہے اس کی (نافرمانی سے) تو یہی لوگ کامیاب ہیں"۔ (۵۸) افکار اقبال صحیح معنوں میں امت مسلمہ اور خصوصاً مسلمانان ہند کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں اور انہی اصولوں پر تحریک پاکستان کا احیاء ارتقاء اور نشوونما ہوتی رہے گی یہاں تک کہ مسلمانوں کا امت عظمیٰ کا خواب شرمندہ تعبیر ہو جائے۔

تحریک پاکستان قائداعظم کی طویل جدوجہد کی مرہون منت ہے:

مشیت ایزدی نے انسانیت کو صراط مستقیم پر لانے 'ایک امت میں متحد کرنے اور نمائندہ حکومت قائم کرنے کے لیے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین ہستی کا اصطفیٰ کیا جو وقت کے بدترین حالات میں بہترین انتخاب تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطرت کے مطابق ایک عظیم مفکر' فرمانروا' سپہ سالار ہادی اعظم اور رسول برحق ہیں۔ آپ کی صفات حمیدہ قول و فعل' طرز تفکر طور طریقے اور اسوہ حسنہ دوسروں کے لیے رہنمائی کا بہترین نمونہ ہیں۔ آپ ﷺ نے دنیا کو امن و امان کا پیغام دیا تقویٰ کو انسانی عظمت قرار دیا۔ انسان کو دوسرے انسان پر قومیت حسب و نسب' ثروت و منصب کی بنا پر برتر قرار نہیں دیا۔ ان میں حرص و ہوس اور دنیوی دولت کے حصول کی کوئی تمنا نہیں تھی ان کی تمام ترسعی امت مسلمہ کے لیے وقف تھی۔ قناعت کو سب سے بڑی دولت سمجھتے تھے دوسروں کے حقوق کو پوری ذمہ داری اور ایمانداری سے ادا کیے اس میں کسی قسم کی کوتاہی کو خیانت سمجھتے تھے انہوں نے مسلمانوں کو متحد کیا۔ وہ بولتا ہوا قرآن' نور ہدایت کا پیکر مکمل نمونہ حیات' خیر البشر' آقائے نامدار ممتاز دو جہاں' مظلوموں کا غم خوار' انسانیت کا محسن اعظم جس کا نصب العین دنیا میں اللہ کی سلطنت قائم کرنا۔ احکام

الہیہ کی تعمیل کرتا تھا۔ وسائل کے فقدان اور مسائل کے بر ہان کے باوجود آپ ﷺ نے ایک متحدہ قومیت کی بنیاد رکھی اور ایک مکمل نظام' ضابطہ حیات اور مکمل آئین فراہم کر دیا۔ قائداعظم نے بھی سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں تحریک پاکستان کے سفر کو منزل مقصود تک پہنچایا۔ بر صغیر ہندوستان میں تحریک پاکستان ملت اسلامیہ کے عظیم مفکر' مرد مجاہد' سیاست دان اور منفرد قانون دان کی فہم فراست تدبر اور مخلصانہ جدو جہد کی مرہون منت ہے۔ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اس طویل سفر کی محنت و مشقت کا عظیم شاہکار اور ماحصل پاکستان ہے۔ قائداعظم نے اپنی صحت کی پرواہ کیے بغیر تحریکِ پاکستان کے مشن کو جاری رکھا۔ وہ انگریز کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوئے کہ بر صغیر کے کسی ایسے نظام یا طریق کار کو مسلمان قبول نہیں کر سکتے جو ان کے قومی تشخص کے منافی ہو۔ انہوں نے ایمان اتحاد اور تنظیم کے عظیم اسلامی اصولوں کو بنیاد بنا کر انگریزوں اور ہندوؤں سے پاکستان کی بازی جیتی۔ ان دنوں مسلمان انتشار اور بد نظمی کا شکار تھے اور انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی کی وجہ سے شکست خوردہ تھے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع کیا ان میں قومی نظم و ضبط خود اعتمادی اور انقیاد ملت کی نئی سوچ' امنگ اور وہ جذبہ پیدا کیا جو کہ مسلمان شہنشاہ بر صغیر کے مسلمانوں میں ایک ہزار سال کی حکمرانی میں نہ کر سکے۔ آپ نے تحریک پاکستان کو اسوہ حسنہ کے نقش قدم پر چلایا جس کا مدعا مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا احیاء اور عظمت رفتہ کی حالی تھا۔ وہ بر صغیر میں ہندو انگریز ذہنیت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل افکار' فرمودات و نظریات قابل ذکر ہیں۔

۱۔ **دو قومی نظریہ :** دو قومی نظریہ عین اسلامی ہے۔ قائداعظم کے نزدیک یہ محض نظریہ ہی نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان دو مختلف مذہبی فلسفوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی سماجی روایات اور ادب مختلف ہیں' ان کی تاریخ جنگی قصے ہیرو اور واقعات مختلف ہیں۔ ایک قوم کا ہیرو دوسری قوم کا دشمن تصور ہوتا ہے۔ ایک کی فتح دوسرے کی شکست ہے۔ ایسی قوموں کو ایک ہی حکومت کے تحت رکھنا جس میں ایک اقلیت ہو اور دوسری اکثریت میں اس کا نتیجہ بڑھتی ہوئی بے چینی میں نمودار ہو گا اور ایسی حکومت کے لیے وضع کیا جانے والا نظام تباہی کا شکار ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کفار یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔

۲۔ **پاکستانی جمہوریت کی بنیاد اسلامی اصولوں پر ہو گی :** نجات کا واحد ذریعہ سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر عمل کرنا ہے جو ہمارے پیغمبر اسلام نے عظیم کاموں کی شکل میں ہمارے لیے قائم کر رکھا ہے ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور اسلامی تصورات پر رکھنی چاہئیں۔ (۵۹)

۳۔ **تقسیم ہندوستان مسئلے کا واحد حل :** مسلمان اقلیت نہیں بلکہ ایک مستقل قوم ہیں اگر برطانوی

حکومت لوگوں کی خوشحالی چاہتی ہے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہندوستان کو خود مختار ریاستوں میں تقسیم کر کے ان دو اہم قوموں کو علیحدہ ہو جانے دے۔ ہندوُمت اور اسلام مذہب ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مختلف معاشی نظام ہیں ہندو اور مسلمان دو مختلف تاریخوں سے وجدان حاصل کرتے ہیں۔ ان کا رزمیہ الگ' ان کے مشاہیر الگ وہ ایک دوسرے سے مختلف تاریخی ورثہ رکھتے ہیں۔ قومیت کی ہر تعریف سے مسلمان ایک قوم ہیں اور چاہیے کہ ان کے پاس قومی وطن ہو' ان کا اپنا ملک ہو' اپنی ریاست اور دولت ہو' ہماری یہ خواہش ہے کہ آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ اتحاد سے رہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم اپنے تصورات اور مزاج کے مطابق جس طرح چاہے روحانی ثقافتی اقتصادی اور سیاسی زندگی میں ترقی کرے۔ کروڑوں مسلمانوں نے ہم پر یہ مقدس فرض عائد کر دیا ہے کہ ہم کوئی باعزت اور پر امن حل نکالیں جو سب کے حق میں منصفانہ ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے دشواریوں اور نتائج کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو جائیں اور تمام قربانیوں کے لیے کمربستہ ہو جائیں جن کی ضرورت ہے۔ (۶۰)

۴۔ **ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں :** تحریک پاکستان کا سب سے اہم محرک سیاسی' مذہبی اور معاشی آزادی تھا۔ تاکہ مسلمان اپنے ملک کے مالک بنیں کیونکہ مسلمانوں کا مطالبہ آزادی میں ہی ہندوستان کی آزادی اور خود مختاری مضمر ہے۔ (۶۱)

۵۔ **پاکستان ہی ملت اسلامیہ کا منشور ہے :** یہ بات ہر ایک پر واضح ہو جانی چاہیے کہ پاکستان ہی مسلمانوں کا طے شدہ منشور ہے۔ ہم اس کے حصول کے لیے سب کچھ قربان کر دیں گے۔ مخالفین اپنے دل ودماغ سے یہ خیال نکال دیں کہ یہ کوئی سودے بازی کا نعرہ ہے یا کوئی جذباتی نعرہ۔ (۶۲)

۶۔ **اسلامی حکومت کا امتیازی تصور :** اس میں اطاعت اور وفاکشی کا مرکز خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں جو سیاست اور معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت جس کے لیے ہماری تحریک ہے وہ قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی کے لیے لامحالہ علاقہ اور الگ مملکت کی ضرورت ہے۔ (۶۳)

۷۔ **مسلمانوں کا علیحدہ تشخص :** مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں جن کے پاس اپنا خاص تمدن' زبان وادب' فنون لطیفہ' فن تعمیر' اسماء واصلاحات' اقدار' حیات کا تصور' عدالتی قانون' ضابطہ اخلاق' رسم ورواج' تقویم' تاریخ' روایات' رجحانات اور تمنائیں موجود ہیں غرضیکہ مسلمان زندگی کے متعلق ایک خاص تصور رکھتے ہیں اور بین الاقوامی اصولوں کے مطابق مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ (۶۴)

پاکستان کی غرض وغائیت اسوہ حسنہ کی تکمیل ہے : مسلمانوں کی نجات اس اسوہ حسنہ

[illegible]لنے میں ہے جو قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے بنایا۔ (۶۵) الراقم کی رائے

[illegible]یہ مقصد ابھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا۔ لڑائی میں کافروں کے مقابلے میں پوری سختی سے پیش آنے کی ہدایت کی

[illegible]ہے' ارشاد رب العزت ہے "اے ایمان والو ان کافروں سے لڑو جو تمہارے نزدیک ہیں اور چاہیے کہ وہ تمہارے

[illegible]سختی پائیں اور یقین کرو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے" (۶۶) یہ حکم اس لیے ہے تاکہ کفار مسلمانوں کو

[illegible]ر سمجھ کر ان پر حملہ کرنے کی نیت نہ کریں۔

[illegible]ف آخر :

قیام پاکستان کے موقع پر ہندوؤں نے مسلم کشی کا گھناؤنا منصوبہ تیار کیا۔ سکھوں کو ساتھ ملایا اور بھارت

[illegible]ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا تمام املاک لوٹ لیں کروڑوں

[illegible]لمانوں کو جلاوطن کیا گیا ہزاروں عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ کئی کو اغوا کیا گیا لٹے پٹے مہاجرین نے پاکستان کا

[illegible]خ کیا۔ طویل جدوجہد اور پر فتن حالات میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بن گیا اور برسوں پرانا خواب شرمندہ تعبیر

[illegible]ا۔ اور دنیا کا پہلا اسلامی ملک پاکستان اسلام کے نام پر دنیا کے نقشہ پر معرض وجود میں آگیا۔ پاکستان کی گولڈن جوبلی

[illegible]ے موقع پر ہمیں اپنا انفرادی اور اجتماعی محاسبہ کرنا ہے کہ کیا ہم اس عظیم مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں جس کے

[illegible]یے یہ مملکت رب داد پاکستان حاصل کی گئی تھی۔ ہم نے کس حد تک رذائل بد عنوانی' رشوت' استحصال' خیانت

[illegible]صب اور دیگر برائیوں کا خاتمہ کیا ہے ؟ کیا یہ بات درست نہیں کہ اگر ہمارے ہاں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں نہ

[illegible]تیں' اسلامی اقدار اور دو قومی نظریے کو اساسی طور پر اجاگر کیا جاتا تو پاکستان دولخت نہ ہوتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم

[illegible]موری طور پر انسانی ہمدردی اور تشدد' جھوٹ اور سچائی اور امانت اور خیانت میں واضح امتیاز کرنے سے قاصر رہے

[illegible]یں۔ اس کے لیے ہر فرد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور حاکمیت اعلیٰ کے روبرو جوابدہ ہے۔ اور لائق احتساب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

[illegible]عدہ ہے کہ (رسول ﷺ کی) امت کے ارکان کو ان کے بعد روئے زمین کی خلافت اور حکومت دی جائے گی۔ جو دنیا

[illegible]یں صحیح تمدن پھیلائیں گے' بدامنی دور کریں گے اور امن قائم کریں گے۔ بندگان خدا ان کی حکومت کی اطاعت

[illegible]ریں گے۔ یہ وعدہ پورا ہو چکا ہے۔ (۶۷) کیا اس مقصد کی تکمیل کے لیے ہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی

[illegible]طاعت کی ہے۔ جواب اظہر من الشمس ہے۔ ہم نے اللہ کے نعرہ توحید و رسالت یعنی لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ سے ہی تمام قوت حاصل کی ہے اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

پاکستان کے دونوں دستوروں مجریہ ۱۹۵۶ء اور ۱۹۷۳ء کی تمہید میں واضح کر دیا گیا تھا کہ تمام کائنات

ارضی و سماوی پر حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کی ہے اور اختیارات کا استعمال پاکستان کے شہری اللہ کی مقرر کردہ حدود میں
کر کریں گے جو ایک مقدس امانت ہے۔ مسلمانوں کو اختیار ہو گا کہ وہ اپنی زندگیوں کو انفرادی اور اجتماعی سطحوں
اسلام کی تعلیمات اور اسلام کے تقاضوں کے مطابق ترتیب دے سکیں۔ یہی پاکستان کے فکری محرکات اور اغراض
مقاصد تھے۔ اب یہ ہمارا اولین فرض ہے کہ جو مقدس امانت اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں بطور امانت سونپی ہے
میں ہم اپنی زندگیوں کو اسلام کے تقاضوں اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں ڈھالیں۔ یہ ہماری دینی اور آئینی ذمہ دا
ہے۔ پاکستان کو چلانے کے لیے ہم اپنے اختیارات کا صحیح استعمال کریں' ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح نہ دیں
اس کے خزانوں اور سرحدوں کی حفاظت کریں۔ بدعنوانی' رشوت گناہ برائی اور جرم کو روکیں۔ نیکی کا حکم دیں
عام کریں کیونکہ تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اخلاق فاضلہ کو شعار بنائیں۔ ذکر
کریں۔ اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی اللہ کے حضور معافی مانگیں' دولت پاکستان سے جائز ناجائز طریقوں سے
کیے ہوئے قرضے اور امانتیں واپس کریں۔ حکومت کی مسند پر فائز ہو جانے کا مقصد یہ نہیں کہ انسان دوسرے
کو غلام بنائے اس کا استحصال کرے۔ اس پر من مانے حکم چلائے۔ لوگوں سے بھاری ٹیکس وصول کر کے ان
خیانت مجرمانہ کا ارتکاب کرے اور اپنے لیے محل تعمیر کرائے اور حاکمانہ اختیارات کے ناجائز استعمال سے
عشرت کی زندگی بسر کرے۔ چاہیے تو یہ کہ اختیارات کے استعمال میں تمام تر سعی خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے
ہو۔ جو تنگ نظری' سیاسی' صوبائی یا گروہی مفادات اور تعصب سے پاک ہو۔ یہ نہ بھولنا چاہیے کہ "اللہ بادشا
مالک' وہ جسے چاہے حکومت بخشے اور جس سے چاہے چھین لے اور جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلیل کرے
طرح کی بھلائی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ (۷۹)

علامہ منصور انصاری کہتے ہیں "وقت آ چکا ہے کہ انسانی بہتری کے لیے سچی اور صحیح اجتماعی فطرت
اصول کو پھر قائم کیا جائے اور اس کو عصر حاضر کے سیاسی رہنماؤں اور ترقی یافتہ اقوام یورپ' امریکہ' جاپان'
ہندوستان' عرب اور افریقہ کی قوموں کے سامنے پیش کیا جائے کہ خلافت راشدہ کی طرز فطری (دینی) حکومت
ہے"۔ ۱۹۴۷ء میں مسلم لیگ کی قیادت میں پاکستان قائم ہوا اور پچاس برس کے بعد ۱۹۹۷ء میں پاکستان کے
نے بھاری مینڈیٹ دے کر مسلم لیگ کو کامیاب بنایا اور اب ہر ذی شعور پاکستانی کی نظریں مسلم لیگ کی قیادت
ہوئی ہیں کہ وہ قائداعظم کے اس مشن کی تکمیل کرے اور پاکستان کو فلاحی اور ناقابل تسخیر مملکت بنائے۔

پاکستان ہی ہماری شناخت ہے۔ اس کی بدولت ہماری قدر و منزلت اور عزت ہے ہماری یہ دلی خواہش
کہ یہ صحیح معنوں میں دارالسلام اور دارالامان بن جائے۔ اور چونکہ فکری تحریک ہمارے بزرگوں' قائدین اور
نے شروع کی تھی وہ پاکستان کے لیے نامکمل ایجنڈے کی تکمیل تک جاری و ساری رہے۔ بلکہ اسلامی حکومت

ور اس کی وسعت روئے زمین پر پھیل جائے۔ ہماری یہ دلی دعا ہے کہ امت مسلمہ میں جمال الدین افغانی' علامہ بال اور قائداعظم پیدا ہوتے رہیں اور تحریک پاکستان یونہی اپنی منزل کی طرف نصب العین کے حصول کے لیے ں رواں رہے۔ پاکستان کی گولڈن جوبلی کے موقع پر اللہ عزوجل کے حضور میں ہم دعا گو ہیں کہ اللہ پاکستان کا حامی و ر رہے۔ یہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشور ہے کہ مسلمانوں کی تمدنی یم سے جو اجتماعی ہیئت بنے گی اسے روئے زمین کی نیابتی حکومت اور عالمگیر غلبہ حاصل ہوگا۔ آج بھی اسلامی فلاحی شرے کی تشکیل اس کی بقا کے لیے ہمیں سیرت طیبہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اسوۂ حسنہ کو اپنی انفرادی اور ی زندگیوں کا محور اور لائحہ عمل بنانا ہوگا اسی میں ہماری دنیوی اور دینی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

پاکستان زندہ باد.........پاکستان پائندہ باد

ماخذ و مراجع اور حوالہ جات

سورۃ آل عمران۔ ۲۸

سورۃ التوبۃ۔ ۲۸

سورۃ المائدۃ۔ ۵۱

سورۃ البقرۃ۔ ۱۳۸

حدیث شریف۔ صحیح بخاری

محسن اعظم ﷺ (فقیر سید وحید الدین اور محسنینؓ)

سورۃ الذاریت۔ ۱۹

سورۃ المعارج۔ ۲۴

سورۃ البقرۃ۔ ۲۹

سورۃ الانعام۔ ۱۴۱

سورۃ الحج۔ ۴۱'۴۲

۱۔ محسن اعظم ﷺ اور محسنین۔ فقیر سید وحید الدین

۱۱۔ سورۃ بنی اسرائیل۔ ۸۰

۱۱۔ سورۃ المائدۃ۔ ۵۶

۱۵۔ سورۃ التوبۃ۔ ۲۳

۱۶۔ سورۃالنساء۔ ۷۶

۱۷۔ سورۃالکافرون۔ ۶۔۱

۱۸۔ سورۃالاحزاب۔ ۲۱

۱۹۔ سورۃالحجرات۔ ۱۴

۲۰۔ سورۃالانفال۔ ۱

۲۱۔ خطبہ قائداعظم فرنٹیئر مسلم لیگ ۲۱ نومبر ۱۹۴۱ء اجلاس

۲۲۔ خطبہ قائداعظم حیدر آباد دکن جلس عام ۱۱ جولائی ۱۹۴۶ء

۲۳۔ سورۃالبقرۃ۔ ۴۷

۲۴۔ سورۃالتحریم۔ ۹

۲۵۔ سورۃالانفال۔ ۴۵

۲۶۔ خطبہ قائداعظم قیصرباغ بمبئی ۔ ۳ اگست ۱۹۴۶ء

۲۷۔ سورۃ التوبۃ۔ ۲۰

۲۸۔ سورۃالاعراف۔ ۸۷

۲۹۔ حدیث شریف۔ مستدرک حاکم طبری

۳۰۔ سورۃالحجرات۔ ۱۰

۳۱۔ سورۃالفرقان۔ ۲

۳۲۔ سورۃالمائدۃ۔ ۴۸

۳۳۔ سورۃالناس۔ ۲

۳۴۔ سورۃالبروج۔ ۱۲

۳۵۔ سورۃ الفاتحۃ۔ ۱

۳۶۔ سورۃالمؤمن۔ ۶۴

۳۷۔ سورۃالرحمٰن۔ ۱۳

۳۸۔ سورۃالفاطر ۳۹

۳۹۔ سورۃالجاثیۃ۔ ۲۲

سورۃ الشوریٰ۔ ۴

بحر المحیط۔ ابو حیان اندلسی

موضح القرآن۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی

بحر المحیط۔ ابو حیان اندلسی

سورۃ یونس۔ ۱۹

سورۃ البقرۃ۔ ۲۱۳

سورۃ البقرۃ۔ ۱۴۳

روح المعانی

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سید سلیمان ندوی جلد اول

سورۃ البقرۃ۔ ۱۷۷

سورۃ الفتح۔ ۲۹

سورۃ البقرۃ۔ ۲۴۹

قرارداد پاکستان۔ خطبہ قائداعظم ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء

سورۃ آل عمران۔ ۱۵۰، ۱۴۹

انڈین اسلام۔ مرے ٹائٹس

حدیث شریف۔ ابوداؤد

سورۃ النساء۔ ۱۴۴

فلسفہ اقبال۔ عبدالرحمٰن مترجم افتخار احمد

سورۃ النور۔ ۵۲

تقریر قائداعظم۔ ۱۴ فروری ۱۹۴۰ء

خطبہ قائداعظم۔ ۱۰ مارچ ۱۹۴۰ء

تقریر قائداعظم۔ بمبئی ۲۶ مئی ۱۹۴۰ء

تقریر قائداعظم۔ علی گڑھ یونیورسٹی نومبر ۱۹۴۰ء

خطبہ قائداعظم۔ حیدرآباد دکن اگست ۱۹۴۱ء

مکتوب قائداعظم (گاندھی جی کے نام ۱۷ دسمبر ۱۹۴۰ء)

۶۵۔ خطبہ قائداعظم۔ سبی قبائلی دربار ۱۴ فروری ۱۹۴۷ء

۶۶۔ سورۃ التوبہ۔ ۱۲۳

۶۷۔ ابن کثیر۔ حافظ عمادالدین

۶۸۔ دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۹۵۶ء

۶۹۔ دستور اسلامیہ جمہوریہ پاکستان ۱۹۷۳ء

۷۰۔ سورۃ آل عمران۔ ۲۶

۷۱۔ تحریک قیام پاکستان۔ محمد رفیع انور

۷۲۔ ظہور پاکستان۔ چوہدری محمد علی

۷۳۔ تحریک قیام پاکستان۔ محمد انور رفیع

۷۴۔ مطالعہ پاکستان۔ محمد بشیر الدین ملک

۷۵۔ مطالعہ پاکستان۔ پروفیسر محمد بشیر احمد

۷۶۔ اسلامی حکومت کی خصوصیات۔ محمد طاہر مطوی اکیڈمی

۷۷۔ اسلام کا نظام حکومت۔ مولانا حامد الانصاری غازی

۷۸۔ اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور

۷۹۔ اسلامیات اسلام۔ مولانا محمد حنیف ندوی۔

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

محمد عبداللہ عامر، میانوالی

زیر نظر موضوع پہ قرآن حکیم و حدیث مبارکہ کی روشنی میں بحث سے قبل ایک مختصر تمہیدی جائزہ اس
[illegible] کا پیش کرنا ضروری ہے کہ قیام پاکستان کے اغراض و مقاصد کیا تھے؟
مسلمانان برصغیر نے ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیوں کیا؟ اور ایک الگ ریاست کے قیام کی جدوجہد کے
پیچھے کونسا نظریہ کار فرما تھا؟
اگر تاریخ تحریک پاکستان پہ نظر ڈالیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دسمبر ۱۹۰۶ء میں جنوبی ایشیاء کے
[illegible]لم اکابرین بڑی تعداد میں ڈھاکہ کے مقام پر جمع ہوئے نواب وقار الملک کی زیر صدارت وہ تاریخی جلسہ منعقد ہوا
[illegible]ں میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا سر آغا خان پہلے صدر مقرر ہوئے اور جماعت کا مرکزی دفتر علی
[illegible]ھ میں قائم کیا گیا۔
مسلم لیگ کے سامنے دوسرے مقاصد کے علاوہ سب سے اہم مقصد برصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی
[illegible]ثرتی، معاشی اور مذہبی حقوق کی نگہداشت اور ان کی ضروریات و خواہشات کو حکومت وقت کے سامنے پیش کرنا
[illegible]ویں صدی کی دوسری دہائی میں مسلم لیگ کی قیادت نوجوان طبقے کے ہاتھ میں آگئی ان نوجوانوں میں
[illegible]ئداعظم محمد علی جناحؒ سب سے نمایاں لیڈر تھے مارچ ۱۹۲۹ء میں قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مسلم لیگ کے
[illegible]جلاس میں اپنے مشہور چودہ نکات پیش کیے جن میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ "آئین میں مسلم تمدن تعلیم۔ زبان۔
[illegible]ہب۔ شرعی قوانین اور خیراتی اداروں کو تحفظ دیا جائے"۔ دسمبر ۱۹۳۰ء میں الہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کا

سالانہ اجلاس منعقد ہوا اس اجلاس کی صدارت علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے کی۔ انہوں نے اپنے تاریخی صدارتی خ
میں مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کے نظریے پر تفصیلاً روشنی ڈالی اور اسلام کے سیاسی تصورات کو واضح کرتے ہو
بتایا کہ مسلمان اپنے دینِ کامل اور اسلامی' سیاسی و ثقافتی و معاشی ورثے کی بدولت دیگر اقوام سے مختلف ہیں آپ
خطبے میں کہا "میری خواہش ہے کہ پنجاب۔ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک ریاست بنادی جائے شمال مغ
بر صغیر میں مسلم ریاست کا قیام مسلمانوں کا مقدر بن چکا ہے"۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مختلف مواقع پر اپنی تقاریر میں نظریہ پاکستان کی کھل کر وضاحت کی
مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کے تاریخ ساز اجلاس کے موقع پر کہا۔

"اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں ہیں بلکہ در حقیقت وہ دو مختلف معاشرتی نظام ہیں۔ چنانچہ
اس خواہش کو خواب وخیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے"۔

"میں واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں ک
ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں"۔

مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کراچی ۱۹۴۳ء کے موقع پر قائداعظم محمد علی جناحؒ نے قرآن حکی
طرف رجوع کرنے کی اہمیت اس طرح بیان کی۔

"وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؟ وہ کون سی
ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے
رشتہ وہ چٹان وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن مجید ہے مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں
اعتماد پیدا ہوتا جائے گا"۔

یہ وہ اغراض و مقاصد تھے اور نظریات تھے جن کی بنیاد پہ پاکستان معرض وجود میں آیا کیونکہ مسلمانو
اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں ہدایت و رہنمائی دین اسلام ہی سے ملتی ہے اسلام انسانوں کے مابین نہ ص
تعلقات و حقوق متعین کرتا ہے۔ بلکہ ریاست و معاشرت کو بھی منظم و مستحکم کرتا ہے۔ انفرادی و اجتماعی معا
زندگی کا اصل معیار اللہ تعالیٰ کی کتابِ مقدس اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی رہنمائی
متعین ہوتا ہے۔ مسلمانان بر صغیر کا یہی نظریہ تحریک پاکستان کی اساس بنا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ
رسول اللہ۔ یہی دین اسلام ہے۔ یہی سیرت طیبہ ہے اور یہی استحکام پاکستان کی ضمانت ہے۔ پھر یہ نعرہ بھی بر
کے کونہ کونہ میں گونج اٹھا۔ "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ"۔ گویا یہاں سیاسی' معاشرتی' اقتصادی اور روحانی غر
پوری زندگی کا نظام اللہ تعالیٰ کی ہدایت وسیرت طیبہ کے مطابق ہوگا۔

چونکہ یہی اغراض و مقاصد نظریہ پاکستان کی بنیادی اکائی کا درجہ رکھتے ہیں اس لیے یہی اعلیٰ مقاصد ہی استحکام پاکستان کے ضامن ہیں یعنی سیرت طیبہ سے رہنمائی ہی مستحکم پاکستان کی ضمانت ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کرنے کے متعلق فرامین الٰہی کیا ہیں۔

"اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے بڑی کامیابی حاصل کی"۔ (سورۃ الاحزاب: ۷۱)

"جو اللہ اور رسول ﷺ کی فرماں برداری کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں کامیاب وہی ہیں"۔ (سورۃ النور: ۵۲)

ان احکام الٰہی میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول ہی کامیابی کا زینہ ہے۔

اسی سورۃ میں آگے پھر حکم فرمایا "اور نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو امید ہے تم پر رحم کیا جائے گا"۔ (سورۃ النور: ۵۶)

اب اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں اور آپ ﷺ کی حیات مقدس کی کامیابیوں و کامرانیوں پہ نظر دوڑائیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ نے ہر شعبہ زندگی میں بے پناہ کامیابی و کامرانی حاصل کی۔

بنی نوع انسان کی زندگی دو شعبوں پر مشتمل ہے۔

شعبہ معاش اور شعبہ معاد

پہلے شعبہ کا تعلق انسان کے تعلقات انسان اور دیگر مخلوقات کے ساتھ سے ہے دوسرے شعبہ کا تعلق انسان کے تعلقات اپنے حقیقی خالق و مالک رب العالمین سے ہے پہلے شعبہ میں اعلیٰ ترین مرتبہ حکومت و حکمرانی ہے۔ اور دوسرے شعبہ میں عقائد و عبادات کے متعلق رہنمائی یعنی پیغمبری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیک وقت ان دونوں اعلیٰ کمالات سے نوازا گیا یعنی آپ ﷺ کی سیرت طیبہ 'زندگی کے ان دونوں اعلیٰ وارفع شعبوں' حکومت و حکمرانی اور پیغمبری و رسالت سے عبارت ہے۔

آپ ﷺ دنیا کی پہلی اسلامی فلاحی ریاست مدینہ کے کامیاب ترین حکمران ثابت ہوئے۔ آپ ﷺ نے سیاسی 'معاشی و اقتصادی' معاشرتی اور عدالتی نظام کے ایسے ایسے نمونے دنیا کے سامنے پیش کیے جن سے رہتی دنیا تک رہنمائی حاصل کی جاتی رہے گی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین (سورۃ الانبیاء : ۱۰۷)

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس دور میں مبعوث فرمائے گئے۔ اس وقت اقوام عالم خصوصاً عرب جہالت و گمراہی جبر و استبداد و بے انصافی، ظلم بے امنی اور عدم استحکام کا شکار تھے ہر طرف کفر و شرک اور بد اخلاقی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ہی اندھیرا تھا آپ ﷺ نے انسانیت کو تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں سے منور فرمایا آپ ﷺ نے اپنی مبارک زندگی کا عملی نمونہ پیش فرما کر بنی نوع انسان کو کج روی سے ہٹا کر صراط مستقیم پہ لا کھڑا کیا۔

آج جبکہ دنیا مختلف النوع وجوہات کی بنا پر ان گزشتہ ایام جہالت کے قریب تر بدامنی اور عدم استحکام کا شکار ہو چکی ہے تو صرف اور صرف سیرت طیبہ سے رہنمائی ہی استحکام اور امن و آشتی سے ہمکنار کر سکتی ہے اور معاشرے میں معاشی، معاشرتی، عدالتی، سیاسی اور روحانی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ (سورۃ الاحزاب : ۲۱)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے بہترین نمونہ عمل ہیں"۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہی ہمارے لیے ایک اعلیٰ نمونہ و مثال ہے۔ مشعل راہ ہے کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ حضور ﷺ کا ہر قول و فعل ایک قانونی حیثیت کا درجہ رکھتا ہے کسی مسلمان کی زندگی اس وقت تک اسلامی زندگی نہیں کہلائی جا سکتی جب تک کہ وہ احکام باری تعالیٰ قرآن کریم کے مطابق نہ ہو قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر سنت نبوی ﷺ کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو واجب التعمیل قرار دیا گیا ہے۔ رب کائنات کا فرمان ہے۔

"جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ"۔ (سورۃ الحشر : ۷)

پھر فرمان الٰہی ہوا۔

"آپ ﷺ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر مبنی ہوتا ہے" (سورۃ النجم : ۳)

ان آیات کریمہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت طیبہ سے ہمارے لیے رہنمائی کتنی اہم ہے۔ اور قرآن مجید کے بعد سنت نبوی ﷺ پہ عمل پیرا ہونا یعنی اطاعت رسول ﷺ ہی فلاح کا راستہ ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد

رو "(سورۃ محمد (ﷺ) : ۳۳)

ان آیات کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول کی نافرمانی گویا اپنے اعمال کو برباد کرنے کے مترادف ہے اور اعمال کا اجر سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہونے ہی میں مضمر ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں دنیا کی دونوں نعمتیں دین و دنیا کی برکتیں پائی جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے نیک اعمال کے بدلے صرف آسمانی بادشاہی کی خوشخبری نہیں دی۔ بلکہ آسمانی نعمتوں کے ساتھ ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی خوشخبری دی تاکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اللہ کی رضا جوئی بے خوف و خطر کی جا سکے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دنیا میں قائم ہو۔

فرمان رب العالمین ہے "اللہ تعالیٰ نے تم میں سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کو زمین میں حاکم بنائے گا۔ جیسا کہ ان کو حاکم بنایا تھا۔ جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لیے ان کے اس دین کو جس کو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے جمادے گا اور ان کی اس بے امنی کے بدلے امن دے گا وہ میری بندگی کریں گے میرے ساتھ کسی کو ساجھی نہ بنائیں گے"۔ (سورۃ النور : ۵۵)

آیئے دیکھیں کہ موجودہ صورتحال جو ہم سب کے سامنے ہے۔ اس بے امنی، عدم استحکام معاشی و اقتصادی بدحالی بے انصافی کرپشن اور دیگر بے شمار بیماریاں جو ملک عزیز کو لاحق ہو چکی ہیں ان کے خاتمے کے لیے سیرت طیبہ سے کس طرح رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی اولین اسلامی فلاحی مملکت کی تشکیل دی اور اس کے استحکام کے لیے کیا کیا ذرائع و طریقے اختیار فرمائے اور سیاسی نظام مملکت، معاشی و اقتصادی نظام، عدالتی نظام، سماجی و معاشرتی نظام اور روحانی نظام کس طرح جاری و ساری فرمایا اور ملک کو بے امنی سے امن میں کس طرح بدلا اور ملکی استحکام کیسے حاصل کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علی ہو سلم نے دس سال کے قلیل عرصہ میں عالم عرب جہاں قبل ازیں خودسر، خانہ بدوش، بتوں کے پجاری، کفر و شرک میں غرق قبائل خانہ جنگیوں میں مصروف تھے۔ جہاں ہر طرف بدامنی اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔

آپ ﷺ نے ایک مستحکم پر امن وسیع و عریض اسلامی فلاحی مملکت قائم کی حیثیت حاکم، سربراہ مملکت ایک ممتاز و کامیاب ترین حیثیت کے حامل قرار پائے آپ ﷺ نے ایک معلم اعظم سپہ سالار اعلیٰ، عظیم المرتبت منصف اور حیثیت اعلیٰ منتظم کے اتنا عظیم مقام پایا جس کی مثال آج تک نہ ملی ہے اور نہ ملے گی۔ آپ ﷺ ہمہ جہت شخصیت کاملہ کے مالک تھے یہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا ہی اعجاز تھا کہ ایک مختصر عرصہ میں تقریباً ۱۲ لاکھ مربع میل رقبہ اسلامی مملکت کے مطیع و ماتحت ہو گیا۔ تاریخ عرب میں یہ ناممکن واقعہ پہلی مرتبہ ممکن ہوا۔ اور یہ

آپ ﷺ کی معتدل دین فطرت کی تعلیمات ہی کا نتیجہ تھا۔ بمطابق فرمان خداوندی ”اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا“۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۰۱)

یہ آپ ﷺ کی قول و فعل کی یکسانیت اور تعلیم و تربیت کا اعجاز تھا کہ عرب جیسی گم نام بے علم جاہل گنوار خودسر غیر منظم قوم نے ایک مستحکم اسلامی فلاحی مملکت مدینہ قائم کر کے اقوام عالم کے سامنے ایک نمونہ و مثال پیش کی پھر بین الاقوامی تعلقات میں پیش رفت کی اور دنیا کو دین اسلام کی دعوت کا پیغام پہنچایا۔ جنہوں نے دین اسلام قبول کیا انہیں سایہ رحمت میں ڈھانپ لیا۔

آج کہیں صدارتی طرز حکومت کہیں پارلیمانی' جمہوریت کہیں اشتراکیت کے ذریعے نظام حکومت چلایا جا رہا ہے اور کہیں بادشاہت و شہنشاہیت طرز حکومت اپنائی ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پہ عمل فرمایا۔

”حکم تو بجز اللہ کے کسی اور کا نہیں“۔ (سورۃ الانعام: ۵۷)

سورۃ یوسف میں ارشاد ربانی ہے۔ ”جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیئے ہیں خدا نے اس کی کوئی سند نازل نہیں کی سن رکھو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے“۔ (سورۃ یوسف: ۲۰)

ہم اب ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں کہ ہم نے کون کون سے نظام اپنا رکھے ہیں کبھی سرمایہ دارانہ اور کبھی اشتراکی طرز حکومت اپناتے ہیں کبھی کسی نظام کو اپنا لیتے ہیں تو کبھی دوسرے کو نہیں اپنایا تو صرف اسلامی نظام۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے لوگو تم تو ویسے' ہی وزارتوں۔ عہدوں کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہو۔ حالانکہ یہ تمام حکومتیں۔ عہدے۔ وزارتیں۔ بادشاہی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔:

”آپ ﷺ کے لیے اے اللہ ملک و سلطنت تو جسے چاہے حکومت دے دے اور تو جس سے چاہے حکومت چھین لے۔ جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے حکومت چھین لے ذلیل کر دے بھلائی تیرے اختیار میں ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے“۔ (سورۃ آل عمران: ۲۶)

جب حکومت' عزت و ذلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور ہر چیز کا مالک و خالق وہی رب کائنات ہے قادر مطلق ہے تو پھر یہ امر بھی طے ہے کہ ہم نظام حکومت بھی اسی کے احکام و فرامین کے مطابق چلائیں تمام نظام ہائے حکومت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و رہنمائی میں سرانجام دیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سیاست و حکومت کی غرض و غایت اور اغراض و مقاصد واضح طور پر متعین فرما دیئے ہیں حکومت' اسلامی فلاحی مملکت کا اولین مقصد دین اسلام کی ترویج و اشاعت اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے

ت کوشاں رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں اسلامی حکومت کا ایجنڈہ کچھ اس طرح پیش فرمایا ہے: "یہ ایسے لوگ ہیں کہ ر ہم ان کو زمین میں حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں گے' نیکیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے وکیں گے"۔ (سورۃ الحج: ۴۱) اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں یہ چار نکاتی اصول حکومت کا حکم استحکام پاکستان کے لیے یک بہترین نسخہ کیمیا ثابت ہو سکتا ہے اسلامی نظام حکومت کی اساس اگر ان چاروں قرآنی اصولوں پہ رکھ کر اسلامی ظام حکومت رائج کر دیا جائے تو بلا شبہ پاکستان کو استحکام نصیب ہو گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا شبہ انہیں صولوں کے مطابق ریاست مدینہ کی داغ بیل ڈالی۔ قلیل عرصہ میں ایسی عظیم الشان فتوحات نصیب ہوئیں اور اتنی عظیم و مستحکم اسلامی مملکت قائم کی کہ اقوام عالم انگشت بدنداں رہ گئیں آپ ﷺ نے اس مستحکم حکومت کے ذریعے پے در پے فتوحات اور وسعت مملکت اسلامیہ کے جو ریکارڈ قائم کیے۔ وہ آج تک کسی قوم نے نہیں توڑے ہیں۔ چنانچہ دس سال کے عرصہ میں عراق ایران فلسطین' شام' مصر' طرابلس' تیونس ترکستان اور آرمینا کو فتح کر لیا ور وہاں اسلام کا جھنڈا گاڑھ دیا۔

اعجاز سیرت طیبہ سے قائم کردہ اسلامی فلاحی ریاست مدینہ آج بھی انتظامی واستحکامی لحاظ سے ہمارے لیے قابل تقلید نمونہ ہے۔ اتنی مضبوط و مستحکم حکومت قائم ہوئی جس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ قرآن و تعلیمات نبوی ﷺ پر مبنی ایک ایسا دستور حکومت پیش کیا۔ جس پہ قائم اسلامی حکومت ہمیشہ مستحکم و مضبوط حکومت ثابت ہو سکتی ہے۔ جب تک ماضی میں اسی اسلامی اساس ودستور کے مطابق اسلامی حکومتیں قائم رہیں وہ اسلامی حکومتوں کا زریں دور کہلایا اور وہ اسلامی زریں دور حکومت ہمارے لیے قابل فخر ہے۔ اس پر عمل پیرا ہو کر آج بھی دنیا کے سامنے عظیم الشان مملکت مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم کی جا سکتی ہے "باسور تھ سمتھ" اس ضمن میں اپنی کتاب "محمد ﷺ اینڈ محمڈن ازم" میں تحریر کرتے ہیں "وہ ریاست اور مذہب کے سربراہ تھے۔ وہ بیک وقت قیصر اور پوپ دونوں تھے لیکن نہ قیصر کی جیوش وعساکر ان کے پاس تھے۔ نہ کوئی حراس اور پاسبانوں کا گروہ تھا نہ کوئی محل تھا نہ کوئی مقررہ آمدنی تھی اگر کبھی کسی انسان کو حکومت کرنے کا ربی حق نصیب ہوا ہے تو وہ محمد ﷺ تھے کیونکہ اگرچہ ان کو اقتدار مطلق حاصل تھا مگر اس کی ظاہری اشکال اور مادی سہارے مفقود تھے"۔ (محمد ﷺ اینڈ محمڈن ازم از باسور تھ سمتھ لنڈن ۱۸۷۶) اب صورتحال کچھ اس طرح ہی کہ دیگر اقوام نے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے استفادہ حاصل کیا اور ان اقوام نے آپ ﷺ کی ریاست مدینہ کی اساس پہ حکومتوں کی بنیاد رکھی مثال کے طور پر جمہوریت کو اپنے نظام حکومت میں شامل کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آج سے چودہ سال قبل فرمایا۔

"اور آپ ﷺ ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیں"۔ (سورۃ آل عمران: ۱۵۹)

جمہوریت' جمہوری نظام حقیقتاً امتہ مسلمہ کی وراثت ہے لیکن پاکستان میں اس پر بہت کم عمل کیا گیا ہے اسی طرح اسلامی اصول حکومت سے فرار و دوری اور اسلامی نظام پاکستان میں رائج نہ کرنے کی وجہ سے عدم استحکام سے دوچار ہوئے۔ فرمان الٰہی ہے۔

"ان (مسلمانوں) کے معاملات باہمی مشورے سے انجام پاتے ہیں"۔ (سورۃ الشوریٰ : ۳۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشی و اقتصادی نظام اس طرح منظم و قائم فرمایا کہ گردش دولت کا اصول و حکم ہر طرف نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے قانون وراثت و وصیت۔ سود کی ممانعت۔ پس انداز دولت و جائیداد پر زکوۃ و عشر وصول کرنے کا باقاعدہ مالی نظام قائم فرمایا غیر سودی مالی نظام۔ نظام زکوۃ نظام صدقات و خیرات اس نہج پہ منظم فرمایا کہ دولت صرف مالداروں اور امراء میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔ بلکہ اسلامی معاشی نظام کے مطابق امراء سے دولت حاصل کر کے اسے غریبوں' محتاجوں' یتیموں مسکینوں بیواؤں اور مسافروں و حقداروں میں تقسیم کرنے اور ان کے نان و نفقہ و رہائش کا انتظام فرمایا۔ جیسا کہ قرآن میں حکم خداوندی ہے۔ "جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے خرچ نہیں کرتے تو آپ ﷺ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیں"۔

(سورۃ التوبۃ : ۳۴)

آپ ﷺ نے مال و متاع پر زکوۃ و صدقات کے احکام کے ذریعے ارتکاز دولت و جائیداد کی بنیادوں کی بیخ کنی کر دی۔ پیغمبر اسلام نے بنیادی طور پر یہ معاشی و اقتصادی پیغام دنیا کے سامنے پیش فرمایا کہ دولت صرف مالداروں اور امیروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتی رہے بلکہ محروموں' تہی دستوں' غریبوں' مسکینوں کا بھی اس دھن و دولت پہ حق ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

"تاکہ وہ مال تمہارے دولت مندوں ہی میں نہ پھرتا رہے"۔ (سورۃ الحشر : ۷)

بلکہ یہاں تک حکم ہوا کہ یہ مال و دولت امراء مساکین و غرباء کو خیرات سمجھ کر نہ دیں بلکہ یہ غرباء و مسکین کا حق ہے حکم رب العالمین ہوا "اور ان کے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے" (سورۃ الذاریات : ۱۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول زکوۃ و صدقات اس طرح بیان فرمایا :

"ان کے مالداروں سے لی جائے اور ان کے محتاجوں میں تقسیم کی جائے"۔ (صحیحین)

آج معاشی و اقتصادی کشمکش و بدحالی کا ایک پہلو مال و زر کی ہوس و لالچ ہے زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کے لیے عوام کو مختلف ناجائز ذرائع سے پریشانی و تکالیف میں مبتلا کیا جا رہا ہے ناجائز منافع خوری' ذخیرہ اندوزی' رشوت' کرپشن' سمگلنگ اور مہنگائی نے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے ادنیٰ سے اعلیٰ تک ہر فرد ملت دولت و زر کے پیچھے سب کچھ قربان کر کے بھاگ رہا ہے دین و ایمان قناعت و سادگی دیانت و ایمانداری عنقا ہے اس کا نتیجہ

پ سب کے سامنے ہے۔ ہمیں دنیا کا نمبر دو کرپٹ ملک قرار دیا جارہا ہے۔ ہمارا خزانہ خالی ہو چکا ہے۔ ہم کاسہ گدائی لے کر مختلف ممالک واداروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے پر مجبور ہیں ان ممالک واداروں کی ہر جائز و ناجائز رائط ماننے پر آمادہ ہیں شاید وہ شرائط ہماری ملکی سالمیت و استحکام اور عوامی مفاد کے خلاف بھی ہیں۔ روز بروز قروض ہو کر اغیار کے احسانات تلے غیرت وحمیت دب رہی ہے اپنے تمام ملکی اثاثے فروخت کرنے پر مجبور ہیں ر ہر آئے دن غریب عوام کو مہنگائی کا تحفہ دینے پر بھی مجبور ہیں ہمارے وسائل کم اخراجات بے تحاشہ زیادہ ہیں۔ ادگی کم اور عیش و عشرت و شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ زیادہ ہیں معاشی عدم استحکام کی سب سے بڑی وجہ ہمارا غیر اسلامی معاشی ظام ہے آج بھی ہم سیرت طیبہ کی رہنمائی میں قرآنی معاشی نظام جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اپنا کر اپنی معاشیات و قتصادیات کو مستحکم کر سکتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں پ ﷺ نے اپنے ہر ہر قول و فعل کے ذریعے ہمارے سامنے مثالیں پیش فرمائیں دنیا کی تمام تر آسائشیں' مال و ولت حکومت و سلطنت آپ ﷺ کے قدموں میں تھیں لیکن آپ ﷺ نے ہمیشہ سادگی و قناعت پسند فرمائی۔ یت المال پہ عام آدمی کا حق فائق سمجھا۔ سب کچھ میسر و ممکن ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے ہمیشہ بذات خود اور آل یت نے تنگی سے گزر اوقات فرمائیں۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔

"آل محمد ﷺ نے تین دن بھی کبھی گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ کا وصا ل ہو گیا اور آپ ﷺ کے دستر خوان سے تاحیات کبھی فالتو کھانا نہیں چنتا تھا"۔ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکہ میں نہ دینار چھوڑے نہ درہم نہ بکری نہ اونٹ اور نہ آپ ﷺ نے سی بات کے لیے وصیت کی (طبقات ابن سعد)۔

آج نہ صرف پاکستان بلکہ دیگر اقوام بھی معاشی بدحالی اور عدم استحکام سے دوچار ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ امراء اور مالداروں کے لیے ایک نمونہ مثال ہے ذرا عدم مساوات معاشیات ملاحظہ فرمائیے یہاں ایک طرف روپوں ڈالروں' دیناروں سونا اور چاندی سے تجوریاں اور بنک بھرے پڑے ہیں تو دوسری طرف تہی دست۔ محتاج' غریب و مسکین دو وقت کی روٹی سے محتاج ہیں ایک طرف سرمایہ دارانہ نظام دوسری طرف اشتراکی نظام (جو کہ اب دم توڑ رہا ہے) اقوام عالم کی معاشی رہبری کا دعویٰ کرتے رہے ہیں لیکن وہیں ان کے سامنے چند لوگوں کے پاس مال و دولت کے انبار ہیں تو کروڑوں بنی نوع انسان نان شبینہ کے لیے ترس رہے ہیں کوئی محل میں آرام و آسائش کی زندگی بسر کر رہا ہے تو کوئی سامنے جھونپڑی میں ٹھٹھر ٹھٹھر کر مر رہا ہے۔

مزدور' ہاری' غریب ملازمین دن رات ایک کر کے کام کر رہے ہیں لیکن ان کو برائے نام تنخواہ دے کر سیٹھ' امیر سے امیر تر ہو رہے ہیں نہیں نہیں یہ کیسا معاشی نظام ہے۔ یہ باطل معاشی نظام ہے قرآن کریم میں اللہ

تعالیٰ کا اعلان ہوتا ہے۔

"انسان کے لیے وہی کچھ ہے جتنی کہ وہ کوشش کرتا ہے"۔(سورۃ النجم :۳۹)

یعنی جو شخص جتنی محنت و کوشش کرے اس کے مطابق اسے معاوضہ و مزدوری و محنتانہ ملنا چاہیے محنت کرنے والے کو اس کا پورا پورا حصہ دیا جانا چاہیے۔

اسلام کے معاشی نظام میں جو کہ آپ ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا اس کے ہر ہر اصول گردش دولت Distribution and crculation of money کا حکم کار فرما ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ القصص آیات ۷۵ تا ۸۱ قارون کا واقعہ نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ جو معاشیات کے طالب علموں اور ماہر معاشیات کے لیے لمحہ فکریہ ہے اس کی ایک آیت کا ترجمہ اس طرح ہے۔ "اور جو مال تم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلایئے" سورۃ القصص : ۷۷ غرباء و مساکین کو ان کا حق ادا کرنا گویا اپنی آخرت دین و دنیا سنوارنا ہے۔ اس طرح معاشی بدحالی و عدم استحکام کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ آج سے چودہ سال قبل یہ تاریخی واقعہ دنیا نے دیکھا کہ صحابہ کرام زکوۃ و صدقات' مال و دولت اٹھائے مدینہ کی گلیوں میں حقداروں مساکین و غرباء کو تلاش کر رہے ہیں کہ انہیں مال و دولت دیں لیکن انہیں کوئی حق دار نہیں مل رہا تھا۔ حکومت مدینہ قلیل عرصہ میں معاشی طور پر اتنی مستحکم ہو چکی تھی کہ ہر طرف دولت کی ریل پیل عوام کی خوشحالی و آسودہ زندگی گزار رہے تھے ملک میں کسی چیز کی کمی نہ تھی ہر طرف خوشحالی و فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ ادھر حضور اکرم ﷺ اس حجرہ میں آرام فرما رہے تھے جہاں آپ ﷺ کی اشیاء ضرورت موجود تھیں حضرت عمرؓ حاضر ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ ایک چمڑے کے تکیہ سے جس میں کھجورؑ کے پتے اور چھال بھری ہوئی تھی ٹیک لگاتے ہوئے ایک کھردری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جسم اقدس پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں حجرہ میں تین سوکھے چمڑوں کے سوا کوئی دوسرا اثاثہ موجود نہ تھا۔ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے حضور ﷺ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ عرض کی اے اللہ کے نبی ﷺ میں کیوں نہ روؤں جب میں یہ دیکھ رہا ہوں بستر نہ ہونے کے سبب چٹائی کے نشان پشت مبارک پر پڑ گئے ہیں اور آپ ﷺ کا کل اثاثہ' ملکیت میرے سامنے ہے۔ ادھر قیصر و کسریٰ عیش و عشرت کر رہے ہیں۔ اور حضور اللہ کے رسول ﷺ ان سے بے نیاز ہیں"۔

ارشاد ہوا۔ اے ابن خطاب! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہم آخرت لیں اور وہ دنیا؟

حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ ہاں! بے شک یا رسول اللہ ﷺ!

اب ہم سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنے آپ کو دیکھیں اپنے حکام کو دیکھیں ادنیٰ سے اعلیٰ تک ہر انسان اپنا احتساب کرے تب ہی معاشی استحکام پاکستان ممکن ہے۔

کسی ملک کے استحکام کا دارومدار بلاشبہ نظام عدل ہی سے وابستہ ہوتا ہے اسلام کا اپنا بہترین نظام عدل ہے
، تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

"اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو" (سورۃ النساء : ۵۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے نزدیک محبوب اور سب سے مقرب امام عادل ہو گا اور
ب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ دور امام ظالم ہو گا۔ (ترمذی باب الاحکام)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نہ صرف منصف 'جج' مجسٹریٹ کے لیے عادل ہونا ضروری قرار دیا
ہے۔ بلکہ سربراہ حکومت کے لیے بھی امام عادل ہونا ضروری قرار دیا ہے اور پھر انصاف کے لیے شہادت و گواہی کے
یے یہ فرمان جاری فرمایا کہ گواہی صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور خوف خدا پیش نظر رکھ کر دی جائے۔ "اے لوگو!
ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ ہو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد میں
د تمہاری ذات پر تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب اللہ
سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنے خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا
پائی سے پہلو تہی کی تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے"۔ (سورۃ النساء : ۱۳۵)

ان آیات مبارکہ میں رب کائنات نے نہایت تفاصیل 'فصاحت و بلاغت سے اسلامی نظام عدل کے تمام
پہلوؤں کو کس طرح خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے اگر ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر قانون شہادت بنایا جائے اور
لی پر عمل پیرا ہو کر ہماری عدالتیں انصاف مہیا کریں تو عوام کے بڑے بڑے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ عوام
دالتوں کچہریوں میں مارے مارے نہ پھرتے رہیں۔

سورۃ المائدۃ میں فرمان الٰہی ہے:

عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو
للہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ (سورۃ المائدۃ : ۸)

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں عدل صفت خداوندی ہے عدل والا (عادل)

علماء نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ "اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق
ہے" اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی مقامات پر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا تمام نظام کائنات جو آسمان سے زمین تک وسیع و عریض ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے عدل و
انصاف کے بل بوتے پر قائم و دائم ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے (سورۃ النحل: ۹۰)

پھر فرمایا: "اور خاص کر یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو" (سورۃ النساء: ۱۲۷)

اللہ تعالیٰ کے نظام عدل وانصاف پر قائم ہے اس طرح بلاشبہ پاکستان کا استحکام بھی اسلامی نظام عدل سے وابستہ ہے۔

غیر ملکی بدیسی عدالتی نظام سے آئے دن گوناگوں مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔

عوام انصاف حاصل کرنے کے لیے مدتوں مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔

باپ مقدمہ کرتا ہے تو شاید بیٹا بھی اس کے فیصلہ سے مستفید نہیں ہو پاتا۔

یہی عدل اسلامی اور انگریز کے عدالتی نظام میں فرق ہے۔

آپ ﷺ نے فتنہ وفساد' مذہبی ولسانی' علاقائی تفرقہ بازی ختم کرنے اور امن وامان قائم کرنے کی تعلیم دی۔ انسانی قتل خون بہانے' قتل عمد کو گناہ عظیم قرار دیا۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

"جو کوئی کسی جان کے یا زمین میں فساد (کے عوض) کے بغیر مار ڈالے تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک کو بچالیا تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو بچالیا۔ (سورۃ المائدۃ: ۳۲)

آج جس انداز میں فتنہ وفساد بپا ہے بدامنی پھیل رہی ہے امن وامان کا مسئلہ پیدا ہو رہا ہے مذہبی وعلاقائی لسانی تفرقہ بازی پھیلائی جارہی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ (سورۃ آل عمران: ۱۰۳)

اسی قرآن حکم کے تحت جب آپ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے انصار اوس وخزرج دو مخالف گروہوں میں تقسیم تھے آپ ﷺ نے ان کو آپس میں شیر وشکر کر دیا سینکڑوں مہاجر جو مکہ مکرمہ کے مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں اور انصار مدینہ میں مواخات کا رشتہ قائم کر دیا اور وہ بھائی بھائی ہو گئے وہ ایک منظم و مستحکم و متحد قوت بن کر دنیا کے سامنے آئے۔ بلا لحاظ رنگ' نسل و قوم ان کو ایک ہی اسلامی نظام وا… میں مربوط اور جملہ مساوی حقوق شہریت میں برابر کا درجہ دے دیا۔ غیر مذہب کو مذہبی آزادی عطا کی۔ لیکن جب یہودیوں نے مشرکین سے مل کر ریشہ دوانیاں شروع کیں تو ان کا قلع قمع کیا۔ سرحد پر رومیوں کے حملوں کا سدباب کیا۔ اس طرح دس لاکھ مربع میل اسلامی سلطنت میں اسلامی نظام کے ذریعے امن وامان قائم کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان حقیقت کا روپ دھار چکا تھا کہ "ایک زمانہ آئے گا جب صنعاء سے ایک خاتون محمل نشین سفر کرے گی اور اللہ کریم کے سوا اسے کسی قسم کا خوف نہ ہوگا"۔

آج دہشت گردی' تفرقہ بازی' بے امنی سے نجات کا واحد راستہ سیرت طیبہ سے رہنمائی ہی ہے۔ اللہ بزرگ وبرتر پر کامل ایمان وبھروسہ اتباع سیرت طیبہ میں وہ قوت وطاقت پوشیدہ ہے جو استحکام پاکستان کی ضامن ہے۔

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

خلیل احمد علیم، فیصل آباد

استحکام پاکستان کے ضمن میں بابائے قوم حضرت محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو مجلس دستور ساز سے خطاب کرتے ہوئے حکومت کی تین بنیادی ذمہ داریوں پر زور دیا تھا جو کہ درج ذیل ہیں۔

شہریوں کے جان و مال اور مذہبی عقائد کی حفاظت کے لیے امن و امان برقرار رکھنا۔

کرپشن، بلیک مارکیٹنگ کا خاتمہ اور

اقرباء نوازی، رشوت و بد عنوانی کی لعنت کا قلع قمع۔

یہ ہیں وہ مندرجہ بالا زریں اصول جو استحکام پاکستان کے لیے نہ صرف اساسی خیالات ہیں بلکہ اس کے نتیجے میں پاکستان واقعتاً ایک فلاحی مملکت کے سانچے میں ڈھل سکتا ہے کیونکہ ایک فلاحی مملکت ہی ایسی معیشت کی نمائندہ ہے جو انسان کی دنیا و آخرت کی ہر قسم کی فلاح و کامرانیوں کی نہ صرف غماز بلکہ ضامن بھی ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایسی فلاحی مملکت جو دراصل اسلامی مملکت ہی کا دوسرا نام ہے انسانی ذہن کے اختراع کردہ قوانین کی مرہون منت نہیں ہوتی نہ اسے انسانی قواعد و ضوابط کی ضرورت ہے اس کے پاس ایک بنا بنایا اور تیار شدہ دستور ہوتا ہے جو اس خطہ ارضی پر بسنے والے تمام بنی نوع انسان کی ضروریات کا کفیل ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر مشتمل ہوتا ہے۔ انسانی تمدن بدلتا رہتا ہے، انسانی ذہن کے سانچے نئے نئے قالب اور نئے نئے انداز اختیار کرتے رہتے ہیں ہر ملک اور ہر قوم کے جذبات و احساسات، طرز بود و باش اور طرز فکر و نظر میں بڑا فرق ہے مگر دستور الٰہی کبھی نہیں بدلتا کیونکہ یہ دستور اس حقیقی قانون ساز کا وضع کردہ ہے جو علیم و خبیر اور علام الغیوب ہے اسے انسانی ضروریات کا بخوبی

علم ہے یہی دستور حیات ایک فلاحی مملکت کی خشت اول ہے اور ایک مستحکم پاکستان کی ضمانت بھی۔

یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے کہ پاکستان کا استحکام اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک پاکستان کو صحیح معنوں میں فلاحی مملکت کے قالب میں نہیں ڈھالا جاتا اور فلاحی مملکت کا قیام اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اس کی اجزاء ترکیبی کی ترتیب و تشکیل سیرت طیبہ کی روشنی میں نہیں کی جاتی اس لیے آئندہ سطور میں ایک فلاحی مملکت کے اجزاء ترکیبی اور اس کے خدوخال کے حوالہ سے ہی خیالات الفاظ کا جامہ پہنیں گے تاکہ ان عناصر ترکیبی کے حصول کے لیے حکومتی عناصر اور ارباب حل عقد اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکیں تاکہ پاکستان فلاحی مملکت بن سکے۔

استحکام پاکستان اور فلاحی مملکت کے اجزاء ترکیبی

استحکام پاکستان دراصل متقاضی ہے ایک فلاحی مملکت کا۔ جبکہ فلاحی مملکت کے اجزاء ترکیبی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے الفاظ میں اس طرح بیان فرمائے کہ "الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر" یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوۃ دیں گے' نیکیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے...... یعنی فلاحی مملکت کے ارباب حل و عقد کا ذاتی کردار فسق و فجور اور غرور کی بجائے اقامت صلوۃ ہوتا ہے ان کی دولت عیاشیوں اور نفس پرستی کی بجائے زکوۃ و خیرات میں صرف ہوتی ہے ان کی حکومت نیکیوں کے فروغ و ترویج کے لیے ہمہ وقت مصروف عمل رہتی ہے اور ان کی طاقت برائیوں کے استحصال اور ان کے قلع قمع میں صرف ہوتی ہے۔ آیت مذکورہ میں فلاحی مملکت کے احکام کے فرائض اور مشن کی نشاندہی کر دی گئی ہے جو کہ اصول اربعہ کے نام سے متعارف ہیں یعنی

۱۔ نظام صلوٰۃ کا اہتمام

۲۔ نظام زکوۃ کی ترتیب و تنظیم

۳۔ نیکیوں کے فروغ و اشاعت کے لیے موثر اقدامات

۴۔ منکرات و فواحش یعنی برائیوں کے انسداد کے لیے موثر اداروں کا قیام

مذکورہ اصول اربعہ کی تفصیل و تشریح اگرچہ ہزاروں صفحات کی متقضی ہے مگر اس تمامتر تفصیل کو صرف دو لفظوں میں بیان کر سکتے ہیں یعنی (۱) عدل و احسان (۲) معاشی تکفل یا اجتماعی کفالت۔

بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ استحکام پاکستان کے لیے عدل و احسان کے نظام اور کفالت عامہ یعنی معاشی تکفل کے ضامن کسی ادارہ کے وجود کا قیام ازبس ضروری ہے۔

استحکام پاکستان اور نظام عدل

یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ استحکام پاکستان کے لیے سیرت طیبہ کی تعلیمات پر مشتمل ایک عادلانہ نظام از بس ضروری ہے کیونکہ نظام عدل نہ صرف استحکام پاکستان بلکہ انسانی معاشرے کی بقاء واستحکام کے لیے بھی بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے سیرت طیبہ ﷺ سے مرصع نظام عدل معاشرے میں امن وامان اور جان ومال کے ساتھ ساتھ عزت وآبرو کے تحفظ کے لیے بھی از بس ضروری ہے۔ نظام عدل کی ضرورت واہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ریاست کے ارکان ثلثہ یعنی مقننہ' عدلیہ اور انتظامیہ تینوں ہی محور عدل کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس عادلانہ نظام کی کامیابی کے لیے قرآن وحدیث نے نہ صرف کسی ایک شعبہ زندگی سے وابستہ افراد کو مخاطب کیا ہے بلکہ عدل کی فرمانروائی تمام شعبہ حیات میں جاری وساری کر دی ہے۔ مثلاً

۱۔ عائلی زندگی کے حوالہ سے ارشاد فرمایا گیا ”و ان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ“

۲۔ اور پھر ایک معاشرتی زندگی کے حوالہ سے ارشاد فرمایا گیا ”فاذا قلتم فاعدلوا“

۳۔ پھر عدالتی نظام کے اہم کردار یعنی گواہ کو مخاطب کر کے کہا گیا ”کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط“

۴۔ پھر فریق مخالف کے حوالہ سے امت کو متنبہ کیا گیا ” ولا یجرمنکم شنآن قوم علی الأ تعدلوا“

۵۔ ایک جج اور قاضی کو اس کا فرض منصبی یاد دلاتے ہوئے کہا گیا ”و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل“

۶۔ پوری ملت اسلامیہ کو آمادہ عدل کرنے کے لیے حکم دیا گیا ”اعدلوا ھو اقرب للتقوی“

۷۔ پھر معاشی زندگی کے حوالہ سے خرچ واخراجات میں توازن اور عدل کا حکم بڑے ہی خوبصورت پیرائے میں دیا گیا چنانچہ ارشاد ہے ”ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا“

مندرجہ بالا ارشادات باری تعالیٰ اس بات کے عکاس ہیں کہ صاحب سیرت علیہ السلام نے قرآن کی وساطت سے نظام عدل کو تمام شعبہ ہائے حیات میں جاری کر دیا ہے اور پھر ایک مستحکم حکومت کی تشکیل وترتیب اور اس کی بقاء واستحکام بھی صرف اور صرف ایک عادلانہ نظام حکومت پر ہی موقوف ہے کیونکہ کسی بھی ظالم حکومت کو نہ تو دوام ہے اور نہ ہی ثبات۔ جس کا اشارہ قرآن میں بھی ملتا ہے۔ ”و ما نھلك القری الا و اھلھا ظلمون“ یعنی ہم اس وقت تک کسی بستی کو تباہ نہیں کرتے جب تک کہ اس کے باشندے ظلم کرنے والے نہ ہوں۔

عادل حکومت اور صاحب سیرت علیہ السلام

کسی بھی حکومت کا استحکام عدل کی فرمانروائی کے بغیر ممکن نہیں اور بالخصوص استحکام پاکستان کا تصور بغیر عادلانہ نظام کے نقش بر آب کی مانند ہے کیونکہ قیام پاکستان کا پس منظر صرف اور صرف اسلامی ضابطہ حیات کا عملی نفاذ ہے اور اسلامی ضابطہ حیات کا تصور عادلانہ نظام حکومت کے بغیر ادھورا ہے یہی وجہ ہے کہ سیرت طیبہ ایک عادل حکومت کا جو تصور پیش کرتی ہے اس کی نظیر کسی اور نظام زندگی میں نہیں جس کا اندازہ درج ذیل ارشادات پیغمبر علیہ السلام سے خوبی لگایا جاسکتا ہے۔

۱۔ یوم من امام عادل افضل من عباده ستین سنة (ترمذی) یعنی عادل بادشاہ کے انصاف کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

۲۔ ان افضل عباد الله منزلة یوم القیامة امام عادل و ان شرالناس عند الله منزلة یوم القیامة امام جابر۔(بیہقی) یعنی قیامت کے دن خدا کے ہاں بزرگ ترین آدمی عادل حکمران ہوگا اور بد ترین ظالم بادشاہ ہوگا۔

۳۔ ان احب الناس یوم القیامة اقربهم منه مجلسا امام عادل و ان ابغض الناس الی الله یوم القیامة اشد هم عذابا و فی روایة و ابعد هم مجلسا امام جابر۔(ترمذی)

یہ انہی ارشادات پیغمبر علیہ السلام کا نتیجہ ہے کہ دور سعادت میں جس کسی پر خلافت کی ذمہ داری آپڑتی اس خدا کے سامنے جوابدہی کا احساس اور خوف خدا کا غلبہ کچھ ایسا حاوی رہا کہ اس کی رات کی نیند اور دن کا آرام حرام ہو کر رہ گیا ایسے ہی لوگ ملت کی فلاح و بہبود میں ایسے منہمک ہوئے کہ ان کے اہل خانہ اور خاندان والے ان کی ذاتی شخصی حیثیت سے محروم ہو گئے ان کا وجود ملت کا اجتماعی سرمایہ بن کر رہ گیا ان کا یہی انداز فکر و عمل اسلامی مملکت کے استحکام کا باعث بن گیا جس کی جھلک درج ذیل واقعات میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہے۔

استحکام مملکت کے لیے فلاحی حکمرانوں کا انداز فکر

۱۔ جب پوری امت مسلمہ کی رہنمائی اور مملکت کی زمام کار سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ آئی تو انہوں نے اپنے پہلے خطبہ میں ہی ارشاد فرمایا:

"اگر میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دوں تو میری مدد کرنا اور اگر کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کرنا تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقتور ہے تا آنکہ میں اس کا حق اسے دلادوں جب تک میں اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرنا اور اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت کی ذمہ داری نہیں"۔(طبقات ابن سعد ج اول ص ۱۲۹)

زندگی کے آخری لمحات میں جب سیدنا صدیق اکبرؓ نے خلافت کی ذمہ داری اور حکومت کی زمام کار
ضرت فاروق اعظمؓ کے سپرد کی تو انہیں وصیت فرمائی کہ :

"جب تک تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے یہ لوگ تم سے ڈرتے رہیں گے اور جب تک تم سیدھے راستے پر
وگے یہ لوگ بھی تمہارے لیے سیدھے رہیں گے"۔

جب سیدنا فاروق اعظمؓ مسند خلافت پر جلوہ فروز ہوئے تو آپ نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں ارشاد فرمایا :

"تم مجھ سے اپنے حقوق اور میری ذمہ داریوں کا مواخذہ کرتے رہنا میں نے اللہ کے مال کو یتیم کے مال کی
نیت دے رکھی ہے میرے لیے اس میں سے دو کپڑے پہننا حلال ہے ایک سردی کے لیے اور ایک گرمی کے لیے
ری اور میرے گھر والوں کی خوراک وہ ہوگی جو قریش کے کسی متوسط گھرانے کی ہوتی ہے اس کے بعد میں عام
لمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں جو ان کو ملے گا مجھے بھی وہی ملے گا"۔ (الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۲ ص ۱۲۸)

سیدنا فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عثمانؓ تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے بھی
پنے پہلے ہی خطبہ میں ایک مستحکم فلاحی مملکت کی عکاسی اور اس کی راہ متعین کرتے ہوئے فرمایا :

"سنو میں پیروی کرنے والا ہوں نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں۔ جان لو کتاب اللہ اور سنت رسول
ﷺ کی پیروی کرنے کے بعد میں تم سے تین باتوں کی پابندی کا عہد کرتا ہوں ایک یہ کہ میری خلافت سے پہلے
نے باہمی اتفاق سے جو قاعدے اور طریقے مقرر کیے ہیں ان کی پیروی کروں گا دوسرے یہ کہ جن معاملات میں
لے سے کوئی قاعدہ قانون مقرر نہیں ان میں سب کے مشورے سے اہل خیر کا طریقہ مقرر کروں گا تیسرے یہ کہ
پر ظلم نہیں کروں گا جب تک کہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی کرنا قانون کی رو سے واجب نہ ہو۔ (طبقات ابن
عد ج ۳)

شہادت عثمانؓ کے المناک سانحے کے بعد جب سیدنا حضرت علیؓ نے زمام حکومت سنبھالی تو آپ نے بھی
پنے پیشرووں کی طرح اپنی فلاحی مملکت اور استحکام سلطنت کے خد و خال ان الفاظ میں واضح کیے کہ :

"لوگو میں تم میں سے ایک آدمی ہوں جو حقوق تمہارے ہیں وہی میرے لیے بھی ہیں تمہیں تمہارے نبی
کے طریقہ پر چلاؤں گا اور مجھے جن باتوں کے نفاذ کا حکم دیا گیا ہے انہیں نافذ کروں گا"۔ (حیات ابی طالب ص ۱۱۰)

جب خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سر بر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے اپنے پہلے خطبہ میں
رشاد فرمایا :

"مجھے اس آزمائش میں میری مرضی کے بغیر مبتلا کر دیا گیا میں دستبرداری کا اعلان کرتا ہوں"...... مگر
عوام الناس نے آپ کو خلافت کے لیے مجبور کر دیا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ :

"لوگو آگاہ رہو جب خالق کی نافرمانی ہو رہی ہو تو مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے جس نے خود اللہ کی اطاعت کی اس کی اطاعت کرنا واجب ہو گیا مگر جس نے اللہ کی نافرمانی کی اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے جب تک میں تمہارے معاملے میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری اطاعت کرنا مگر جب میں اللہ کی نافرمانی کروں تو پر میری اطاعت واجب نہیں"۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۱۰۸)

مندرجہ بالا خطبات کے اقتباسات ان خلفاء راشدین کے اولین خطابات ہیں جن کی خلافت و سلطنت پہلو سے کامیاب اور مستحکم تھی ان کی خلافت کے استحکام کا راز صرف اور صرف اس عادلانہ نظام حکومت میں مضمر جس کی تعلیم و رہنمائی ان نفوس قدسیہ کو سیرت طیبہ سے حاصل تھی دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں مملکت کا استحکام سیرت طیبہ اور عادلانہ نظام کے بغیر ناممکن ہے اور یہی وہ راز اور نسخہ کیمیا ہے جو استحکام پاکستان باعث بھی ہے اور ضامن بھی۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی
(اقبالؒ)

معاشی تکفل یا اجتماعی کفالت

گذشتہ صفحات میں استحکام پاکستان کے ضامن ایک اہم جزو یعنی عادلانہ نظام کے حوالہ سے گذارش سپرد قلم کی گئی تھیں جبکہ آئندہ صفحات میں ایک فلاحی مملکت کے دوسرے اہم ترین جزو یعنی کفالت عامہ حوالے سے خیالات کی شیرازہ بندی کی جائے گی کیونکہ معاشی تکفل استحکام پاکستان کی ضمانت بھی ہے۔

مملکت رب داد پاکستان کیونکہ ایک اسلامی ریاست ہے اور اسلامی ریاست پر عوام کی کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یعنی وہ افراد مملکت اور عوام الناس کو بنیادی ضروریات فراہم کرنے کا اہتمام کرے تاکہ ریاست کوئی باشندہ بھی ان سے محروم نہ رہے ان ضروریات میں خوراک' لباس اور رہائش بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اگرچہ علاج معالجہ اور حصول تعلیم کے مواقع بھی اب ضروریات میں شمار ہونے لگی ہیں۔ عام حالات میں افراد مملکت خود اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ضروریات زندگی بہم پہنچائیں گے لیکن اگر کوئی شخص معذوری یا کسی اور وجہ سے بنیادی ضروریات کی تکمیل سے قاصر ہو تو اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ ان وسائل حیات سے محروم نہ رہے جو ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے درکار ہیں بلکہ ریاست کو ایسا انتظام کرنا پڑے گا کہ وہ بآسانی اور بلا تاخیر اس فنڈ سے بقدر ضرورت مال حاصل کر سکے تاکہ اسلامی ریاست کا کوئی باشندہ بھوکا پیاسا' بے لباس' رہائش سے محروم یا بیمار ہونے کی صورت میں لاعلاج نہ رہے ایسی ہی مملکت و ریاست کی تشکیل و تنظیم سیرت طیبہ کی اصل منشا

مقصود ہے اور یہی انداز حکومت کسی بھی مملکت کے استحکام کا باعث ہے بالخصوص استحکام پاکستان کا راز صرف اور صرف سیرت طیبہ ﷺ کے بتائے ہوئے انداز حکومت میں ہی مضمر ہے یعنی پاکستان کے ارباب بست وکشاد کو سیرت طیبہ کے بتائے ہوئے معاشی تکفل اور کفالت عامہ کے نظام کو رائج کرنا ہوگا جس کا عملی نمونہ عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں علی وجہ الکمال دیکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ذیل کی سطور میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ایک مملکت کس طرح اپنے معاشی نظام کو ترتیب دے جس کی بدولت وہ تمام باشندگان ریاست کے معاشی مسائل سے عہدہ برآ ہو سکے اور وہ صحیح معنوں میں ایک مستحکم اور اسلامی مملکت بن سکے۔ قارئین محترم کسی بھی مملکت کے استحکام کا راز اس میں ہے کہ وہاں کفالت عامہ کے نظام کو رائج کیا جائے بالخصوص امت مسلمہ کے حکمرانوں کو سیرت طیبہ اس معاشی تکفل کے لیے نظام زکوٰۃ اور نظام صلوٰۃ کے اجرا کا حکم دیتی ہے جیسا کہ ارشاد گرامی ہے: ”الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ“ یعنی اگر ہم ان کو اقتدار عطا کر دیں تو ان کا کام نظام صلوٰۃ کا قیام اور نظام زکوٰۃ کا اہتمام کرنا ہے۔ کیونکہ نظام زکوٰۃ دراصل اسلامی معاشرے کے افراد کو خوش حال اور فارغ البال کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی معاشی پریشانیوں کے خاتمے اور ان کے فقر و افلاس کو دور کرنے کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔

معاشی پریشانی اور آپ کی بے چینی

سیرت طیبہ ﷺ وہ واحد نظام زندگی ہے جس نے حصول دنیا اور مال و اموال کے حصول پر کوئی قدغن نہیں لگائی بلکہ اسے خدائی انعام قرار دیتے ہوئے: ”وابتغوا من فضل اللہ“ کا حکم صادر فرمایا اور کبھی اس مال و دولت کو لفظ خیر سے تعبیر کیا بشرطیکہ یہ مال و دولت جائز ذرائع سے حاصل شدہ ہو یہی وجہ ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی معاشی تنگدستی اور غربت و افلاس کے ازالہ کے لیے خدا کی بارگاہ میں اپنے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اپنی پرنم اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ اپنی امت کو خدا کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”اللھم انھم حفاۃ فاحملھم اللھم انھم‘ عراۃ فاکسھم‘ اللھم انھم جیاع فاشبعھم“

یعنی اے اللہ یہ لوگ پیادہ ہیں انہیں سواری عطا کیجئے اے اللہ یہ لوگ بے لباس ہیں انہیں پوشاک عطا کر دیں اے اللہ یہ لوگ بھوکے ہیں انہیں شکم سیر کر دیں۔ (مسلم شریف‘ نسائی شریف باب الزکوٰۃ‘ مسند احمد جلد ۴ ص ۳۵۸)

یہی رحمۃ للعلمین ﷺ ہیں جن کے سامنے کچھ لوگ فقر و افلاس کی تصویر بنے حاضر ہوتے ہیں تو حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت کے مطابق ان افلاس زدہ اور کمبل پوش افراد پر سرور کائنات کی نظر مبارک کا پڑنا تھا کہ: ”فتمعّر وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ یعنی چہرہ اقدس اداس پڑ گیا۔ (مسلم شریف) حضرت جابر بن عبد اللہؓ کا بیان ہے کہ ان لوگوں کی یہ کیفیت دیکھ کر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے (غالباً کوئی

چیز گھر میں نہ ملی) پھر باہر تشریف لائے اور حضرت بلالؓ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کو جمع کرو لوگ جمع ہوئے اور ان کو ان غریبوں کی امداد پر آمادہ کیا اور کافی امدادی سرمایہ جمع ہو گیا جو ان غرباء کے حوالے کر دیا گیا حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ وہ چہرہ مبارک جو تھوڑی دیر پہلے ان کی غربت و بیچارگی دیکھ کر اداس ہو گیا تھا: "فرائیت وجه رسول الله ﷺ یتھلل کانه مذھبة" (مسلم شریف) یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو دیکھا کہ وہ سونے کی طرح دھک رہا تھا...... گویا فرط مسرت سے چہرہ انور پر سرخی چھا گئی۔

قارئین محترم!

آپ ﷺ نے ملاحظہ کیا کہ اسلامی مملکت کے بانی اور اولین سربراہ ﷺ کو اپنی امت اور رعایا کے فقرو افلاس کی کتنی فکر دامن گیر تھی یہی وجہ ہے کہ آج کا مسلم معاشرہ اب یہ اچھی طرح جان چکا ہے کہ اسلام کوئی فرسودہ مذہب نہیں بلکہ سیرت طیبہ کی تعلیمات پر مشتمل ایک مکمل نظام زندگی ہے وہ انسان کو خواہ مخواہ فقرو فاقہ میں مبتلا دیکھنے والا اور خیرات کی روٹی پر زندگی بسر کرنے والا مذہب نہیں بلکہ انسان کو پستی سے اٹھا کر بلندی کی طرف لے جانے والا اس کے تمام تر مسائل کا صحیح حل پیش کرنے اور روح و قلب کو سچی روحانی بالیدگی بخشنے والا نہایت ہی عظیم انتہائی جدید اور حد درجہ ترقی پسند نظام زندگی ہے یہ وہ نظام زندگی ہے جو کسی بھی وجہ سے معاشی وسائل سے محروم رہ جانے والوں کو مسجدوں کے دروازے پر دست سوال پھیلانے یا ہمیشہ کی دریوزہ گری کرنے کو ان کا حاصل زیست سمجھ لینے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ: "السوال ذل" یعنی مانگنا ذلت کا کام ہے کہہ کر معاشرے کے اہل ثروت اور مخیر حضرات کو حکم دیتا ہے کہ ان کا حق مانگنے سے پہلے ہی ان کو دے دو کیونکہ یہ ان کا حق ہے تم کو ان کا یہ حق بہر طور ادا کرنا ہے جیسا کہ قرآن نے ارشاد فرمایا: "وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم" بہر حال یہ بات واضح ہو گئی کہ سیرت طیبہ کی تعلیمات نہ صرف افراد کی اصلاح بلکہ ایک فلاحی مملکت اور مستحکم حکومت کی کامیابی کی بھی ضامن ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک مستحکم حکومت اور بالخصوص استحکام پاکستان کے لیے معاشی تکفل کا ضامن نظام زکوۃ کے ادارہ کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا ہوگا اگرچہ زکوۃ کے علاوہ اور بھی بہت سے اقدامات سیرت طیبہ نے تجویز فرمائے ہیں جو ریاست کے باشندوں کے معاشی کفالت میں موثر کردار ادا کرتے ہیں مثلاً "انفاق فی سبیل اللہ' صدقات نافلہ' صدقۃ الفطر' عشر' وخمس' وغیرہ۔ مگر ان سب میں زکوۃ ہی ایک ایسا موثر نظام ہے جو کسی بھی مملکت کے لیے فلاح و خوشحالی اور استحکام کا باعث بن سکتا چنانچہ زکوۃ کے حوالہ سے مولانا مودودی مرحوم ایک جگہ رقم طراز ہیں...... "کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کا یہ قاعدہ رکھا ہے کہ پہلے تو نیکی اور بھلائی کے کاموں کا ایک عام حکم دیا جاتا ہے تاکہ لوگ اپنی زندگی میں عموماً بھلائی کا طریقہ اختیار کریں پھر اسی بھلائی کی ایک خاص صورت بھی تجویز کر دی جاتی ہے تاکہ اس کی خاص طور پر پابندی کی جائے۔

بس ایسا ہی معاملہ زکوۃ کا بھی ہے یہاں بھی ایک حکم عام ہے اور ایک خاص ایک طرف تو یہ ہے کہ بخل اور تنگ دلی سے بچو کہ یہ برائیوں کی جڑ اور بدیوں کی ماں ہے اپنے اخلاق میں اللہ کا رنگ اختیار کرو جو ہر وقت بے حد و حساب مخلوق پر اپنے فیض دریا بہا رہا ہے حالانکہ کسی کا اس پر کوئی حق اور دعوی نہیں ہے' راہ اللہ میں جو کچھ خرچ کر سکتے ہو کرو اپنی ضرورتوں سے جتنا بچا سکتے ہو بچاؤ اور اس سے اللہ کے دوسرے ضرورت مند بندوں کی ضرورتیں پوری کرو دین کی خدمت میں اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے میں جان اور مال سے کبھی دریغ نہ کرو اگر اللہ سے محبت رکھتے ہو تو مال کی محبت کو اللہ کی محبت پر قربان کر دو یہ تو ہے عام حکم۔ اس کے ساتھ ہی خاص حکم یہ ہے کہ اس قدر مال اگر تمہارے پاس جمع ہو تو اس میں سے کم از کم اتنا اللہ کی راہ میں ضرور صرف کرو اور اتنی پیداوار اگر تمہاری زمین میں ہو تو اس میں سے کم از کم اتنا حصہ تو ضرور اللہ کی نذر کر دو پھر جس طرح چند رکعت نماز فرض کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس یہ رکعتیں پڑھتے وقت ہی اللہ کو یاد کرو اور باقی سب وقتوں میں بھول جاؤ اسی طرح مال کی ایک چھوٹی سی مقدار راہ اللہ میں صرف کرنا جو فرض کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی یہ نہیں کہ جن لوگوں کے پاس اتنا مال ہو بس انہی وہ راہ اللہ میں صرف کریں اور اس کے بعد کوئی ضرورت مند آئے تو اسے جھڑک دیں یا دین کی ضرورت کا کوئی موقع آئے تو کہہ دیں کہ ہم تو زکوۃ دے چکے ہیں اب ہم سے ایک پائی کی امید نہ رکھو زکوۃ فرض کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ کم از کم اتنا مال تو ہر مالدار کو راہ اللہ تعالیٰ میں دینا ہی پڑے گا اور اس سے زیادہ جس شخص سے جو کچھ بن آئے وہ اس کو صرف کرنا چاہیے۔ (معاشیات اسلام ص ۳۱۳۔ ۳۱۲)

معاشی تکفل کے سلسلہ میں زکوۃ کے حوالہ سے مذکورہ بالا اقتباس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ زکوۃ کی اصل روح کیا ہے؟ اس طرح نظام زکوۃ ہو یا معاشی کفالت کی کوئی بھی صورت' مقصود اس سے باشندگان ریاست کے فقر و افلاس کو دور کر کے ان کو معاشی خوشحالی سے ہمکنار کرنا ہے کیونکہ احادیث نبوی میں فقر و فاقہ کو ایک بہت بڑی آفت سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے برے اثرات سے فرد' سوسائٹی' عقیدہ و ایمان' اخلاق و کردار اور فکر و دانش وغیرہ غیر محفوظ ہو جاتے ہیں بلاشبہ فقر و فاقہ اور تنگدستی انسان کے عقیدہ و ایمان کو آزمائش میں ڈال دیتی ہے انہی خطرات کے پیش نظر صاحب سیرت علیہ السلام سے فقر و فاقہ سے حفاظت کی دعائیں منقول ہیں چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

۱۔ اللھم انی اعوذبك من الکفر و الفقر (ابو داؤد) یعنی اے اللہ میں کفر اور فقر و فاقہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

۲۔ اللھم انی اعوذبک من الفقر والقلة والذلة۔ (ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ) یعنی اے اللہ میں فقر و فاقہ قلت اور ذلت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

بہر حال معاشی پریشانیوں سے نجات دلا کر عوام کو فقر و افلاس سے رہائی ایک فلاحی مملکت کی ذمہ داری ہے ایسے ہی جب پاکستانی حکمران پاکستانی عوام کو معاشی پریشانیوں سے نجات دلادیں گے تو پاکستان کے استحکام میں یقیناً اضافہ ہوگا اور یہ استحکام پاکستان عادلانہ نظام اور معاشی تکفل کے بغیر ناممکن ہے۔

استحکام پاکستان کے لیے عملی تجاویز سیرت طیبہ کی روشنی میں

۱۔ عدل و انصاف کا اہتمام

عدل و انصاف کا قیام کسی بھی حکومت کی بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر اس کو بقاء و استحکام نصیب نہیں ہوتا بالخصوص استحکام پاکستان کے لیے اس کا وجود ناگزیر ہے اسی لیے فرمایا گیا "اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ" جبکہ آنحضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کہ بادشاہ اس کائنات ارضی میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے ہر مظلوم اس کے دامن عاطفت میں پناہ لیتا ہے جب وہ انصاف کرتا ہے تو ایسے انصاف کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جب ظلم اور ناانصافی کرتا ہے تو اس پر بے انصافی کا بوجھ ہوتا ہے اور رعیت کو چاروناچار صبر کرنا پڑتا ہے۔(ترمذی)

۲۔ جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ

جان و مال اور ناموس و آبرو کی حفاظت کرنا حکومت کا اولین فریضہ ہے اگر ملک میں بدامنی اور شر و فساد کا دور دورہ ہو تو اس کا انسداد کرنا حکومت پر لازم ہے اس کے بغیر نہ جان و مال کی حفاظت ممکن نہ کسی کی آبرو محفوظ رہ سکتی ہے۔اسی لیے پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "کلکم راع و کل مسئول عن رعیته"

۳۔ اہل افراد کا تقرر

حکومت کی مشینری قابل اشخاص کے کل پرزوں سے چلتی ہے لہذا استحکام پاکستان کے لیے حکومتی عہدوں پر مناسب اور اہل افراد کا تقرر ضروری ہے اس ضمن میں اقربانوازی اور کینہ پروری کے جذبات کا کوئی عنصر شامل نہیں ہونا چاہیے ورنہ استحکام پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا اسی لیے قرآن نے واضح طور پر ارشاد فرمایا۔ان الله يأمركم ان تؤدوا الامانات الى اهلها

۴۔ رعایا یعنی عامۃ الناس سے شفقت و ہمدردی

حکومت کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ عامۃ الناس کی خیر خواہی کرے ان سے مہربانی، نرمی اور شفقت سے پیش آئے ان پر ناروا ٹیکس اور لگان نہ لگائے اسی تناظر میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی کہ: "اے اللہ جو شخص میری امت کا حاکم مقرر ہو اور وہ انہیں مشقت میں ڈال دے تو، تو بھی اسے مشقت میں

ڈال اور جو میری امت کا والی قرار پائے اور ان کے ساتھ نرمی و مہربانی سے پیش آئے تو تو بھی اس پر مہربانی کر۔(مسلم)

ایسے ہی ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی قوم پر حاکم ہو اور اس کی موت اس حالت میں آئے کہ وہ رعایا کا بد خواہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔(بخاری و مسلم)

۵۔ اقلیتوں کا تحفظ

جو غیر مسلم اسلامی ریاست میں اقامت پذیر ہوں انہیں ذمی کہا جاتا ہے جس طرح مسلم رعایا کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کرنا حکومت پر فرض ہے اسی طرح غیر مسلم اقلیت کا تحفظ بھی از بس ناگزیر ہے اسلامی حکومت میں ان کو ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل ہو گی معاشی اعتبار سے بھی وہ آزاد ہوں گے جو پیشہ چاہیں اختیار کریں بشرطیکہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو اس سے ٹھیس نہ لگتی ہو ان کو مسلمانوں کے ساتھ معاشرتی مساوات بھی حاصل ہوئی ان خدمات کے عوض ان غیر مسلم کو معمولی سا ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے جسے جزیہ کہا جاتا ہے البتہ بچے' بوڑھے اور معذور افراد اس ٹیکس سے مستثنیٰ ہوں گے جبکہ جو غیر مسلم ذمی معذور ہوں ان کو قومی بیت المال سے وظیفہ ملتا ہے۔

۶۔ بیت المال یعنی قومی خزانے کا صحیح استعمال

ارباب حکومت کا فرض ہے کہ قومی دولت کو ضائع نہ کرے قومی خزانے کو ذاتی مفادات کے لیے استعمال نہ کرے اس سلسلہ میں خلافت راشدہ کا نظام حکومت بہترین ماڈل اور نمونہ ہے۔

محترم قارئین!

یہ تھا ایک اسلامی فلاحی مملکت اور مستحکم حکومت کا مختصر خاکہ اور اس کا ہدف و نصب العین جو کہ صرف اور صرف نتیجہ ہے عادلانہ نظام اور معاشی تکفل کا...... اسی لیے یہ بات علی وجہ البصیرت کہی جا سکتی ہے کہ استحکام پاکستان سیرت طیبہ کے عطا کردہ نظام عدل اور معاشی تکفل کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے اس سلسلہ میں اگرچہ تفصیلات و تشریحات سے گریز کیا گیا ہے تاہم اہم باتوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے یہی اہم باتیں استحکام پاکستان کا باعث ہیں بالخصوص اس تناظر میں کہ پاکستان کا قیام بھی صرف اور صرف اسلامی ضابطہ حیات پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہے جبکہ اس کا استحکام بھی اسلامی ضابطہ حیات میں ہی مضمر ہے۔

وما علینا الا البلاغ

مصادر و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ الجامع السنن للترمذیؒ

۳۔ سنن نسائی

۴۔ الجامع الصحیح للمسلمؒ

۵۔ سنن ابن ماجہؒ

۶۔ سنن ابو داؤدؒ

۷۔ مسند احمد

۸۔ بیہقی

۹۔ الاسلام والحضارۃ العربیۃ

۱۰۔ سیرت عمر بن عبد العزیزؒ

۱۱۔ حیات ابی طالبؒ

۱۲۔ معاشیات اسلام از مولانا مودودیؒ

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

ظفر علی، چشتیاں

مملکت عطائے اللہ تعالیٰ پاکستان دو قومی نظریہ کی بناء پر معرض وجود میں آئی۔ اور دو قومی نظریہ اسلامی تعلیمات کا نمائندہ اور ترجمان ہے۔ "پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا نعرہ جدوجہد آزادی کے دوران گونجتا رہا۔ اس ملک کے قیام کے لیے اسلامیان ہند نے ایک جہاد مسلسل کیا۔ بے شمار مالی، جانی اور دیگر قربانیوں کے بعد وہ اپنی منزل پانے میں کامیاب ہوئے۔ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والے ملک کو استحکام کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ جواب صرف اور صرف یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات پر مکمل طور پر عمل پیرا ہو کر ہی یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں سیرت طیبہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام، جو کہ اسلامی تعلیمات کی صحیح اور مکمل عملی تعبیر و تشریح ہے، اس سلسلے میں ہمیں بہترین راہنمائی مہیا کر سکتی ہے۔

وطن عزیز کو قائم ہوئے پچاس سال ہونے کو ہیں مگر ہم ابھی تک اسے ایک مثالی اسلامی فلاحی مملکت نہیں بنا سکے۔ پچاس برس کا عرصہ کوئی معمولی مدت نہیں۔ اقتصادی، سیاسی، تعلیمی اور معاشرتی شعبوں میں سے کسی ایک میں بھی ہماری کارکردگی قابل رشک نہیں بلکہ مایوس کن ہے۔ ہم نے غالباً اپنی آسانی کے لیے قسط وار اور مرحلہ وار ایک وقت میں صرف ایک شعبے میں محنت کر کے اسے ترقی سے ہمکنار کرنا چاہا ہو مگر ایسی بھی کوئی کوشش دکھائی نہیں دیتی۔ دراصل ہم نے وہ راستہ ہی چھوڑ دیا جو ہمیں اپنی منزل مقصود کی طرف لے جاتا۔ ہماری کوتاہ بینی اور نا اہلی کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ملک کا ایک اہم حصہ ہم گنوا بیٹھے ہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود ہم پاکستان قیام کی گولڈن جوبلی منانے میں بڑے جوش و خروش سے مصروف ہیں۔ اس حقیقت سے کسی پاکستانی کو

اختلاف نہیں کہ یہ ملک ہمارے لیے ایک عظیم نعمت خداوندی ہے۔ مگر قیام پاکستان کے بعد حیثیت ایک قوم ہم نے اس کے استحکام کے لیے کیا کیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ہم قوت عمل سے محرومی کے ساتھ ساتھ قوت غور و فکر سے تہی دست ہیں۔ ایسا کیونکر ہوا؟ خود غرضی اور بد عنوانی نے ہمیں اس نوبت تک پہنچایا ہے۔ اب تو ہمیں دوسروں کے طعنوں اور تبصروں کی بھی پروا نہیں۔ یہ سب کچھ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ ماہ مارچ ۱۹۹۷ء میں ہمارے قومی اخبارات میں گولڈن جوبلی کے سلسلے میں وائس آف امریکہ کی ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے عنوان ملاحظہ ہو:

"چودہ کروڑ محنتی' سمجھدار افراد کا ملک پاکستان بہتر حالات کا مستحق ہے قومی قول ایمان' اتحاد اور تنظیم محض الفاظ بن کر رہ گیا ہے اپنے اندر جھانکنے کی ضرورت ہے"۔

یہ مختصر سا تبصرہ ہمارے قابل غور ہے اگر ہم اپنا احتساب کرتے رہتے اور اپنی کارکردگی کا غیر جذباتی طور پر جائزہ لیتے رہتے تو آج ہماری یہ حالت زار نہ ہوتی اور نہ ہمیں اقوام عالم سے جلی کٹی باتیں سننے کو ملتیں۔

آج بھی اگر ہم تجدید عزم کر لیں تو ہماری منزل زیادہ دور نہیں۔ ہم اپنی نظریاتی بنیادوں کو مستحکم کر لیں اور سچے دل کے ساتھ اتحاد و اتفاق کی فضا میں محنت کو اپنا شعار بنالیں اور ماضی کے افسوسناک اور تلخ تجربات کے تجزیے کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل تیار کر لیں تو پاکستان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک مثالی اسلامی فلاحی مملکت بن سکتا ہے۔ قرارداد مقاصد میں اسلام کو بطور دین زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کرنے کا عہد کیا گیا تھا۔ مگر اب ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اسلام کو صرف عبادات تک ہی محدود کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور دیگر تمام شعبہ ہائے زندگی میں اپنی اپنی پسند کے مطابق کام کرنا چاہتے ہیں اور یہی بات دین سے ہماری دوری کا سبب ہے۔ بطور مسلمان ہمیں یہ بات معلوم ہے اور ہمیں ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں پر محیط اور حاوی ہے اسے کسی ایک شعبے میں محدود اور مقید کرنا ہمارے ہی لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ہم مادی ترقی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں مگر یاد رکھیے کہ انسان روحانی ارتقاء کے بغیر صرف حیوان ہے۔ جبکہ روحانی ارتقاء سے انسان مادی ترقی سے بھی محروم نہیں رہتا۔

آں کہ بر آسماں رفتارش بود
بر زمیں رفتن چہ دشوارش بود

اسلامی تعلیمات پر مکمل طور پر عمل صرف اس وقت ممکن ہے جب ہم اسلام کو بطور ایک ناقابل تقسیم اکائی تصور کرتے ہوں۔ اس نکتہ کی توضیح اس حدیث مبارکہ سے ہوتی: الاسلام و السلطان اخو ان توامان لا یصلح و احد منهما الا بصاحب و فا لایت اسس والسلطان حارس و مالا اسس له لیهدم وما لا حارس

ضائع۔ (کنز العمال)

"اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست
ں ہو سکتا پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر
تی ہے۔ اور جس کا کوئی نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں استحکام پاکستان کے سلسلے میں
وضاحات پیش کرنے سے قبل دین کی غرض و غایت اختصار کے ساتھ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ین کی غرض و غایت

دین کی غرض و غایت انسانوں کی راہنمائی اور فلاح نہ کہ ان کے لیے تکلیف اور پریشانی۔ ارشاد باری تعالیٰ
ہے: و جاهدوا في الله حق جهاده هو اجتبكم وما جعل عليكم في الدين من حرج "اور اللہ تعالیٰ کے کام
ں خوب کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو ممتاز فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی
ہیں کی"۔

انسان کو اس کی طاقت اور استطاعت سے زیادہ امور کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ بلکہ اس کی طاقت کے مطابق ہی
م کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے :

لا يكلف الله نفسا الا وسعها...... (البقرة: ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔

اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے لیے آسانی اور نرمی کو پسند فرماتا ہے احکام دین بھی انسان کی
تری اور بھلائی کے لیے ہیں۔ روزے کے مسائل کے بیان میں ارشاد ہے :

......يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر...... (البقرة۔ ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی ان آیات قرآنی کی مزید وضاحت ہوتی
ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان الدين يسر...... (صحیح بخاری۔ کتاب الایمان)

بے شک دین آسان ہے۔

آپ ﷺ نے اپنے صحابیوں حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو حاکم اور مبلغ کی حیثیت
سے یمن جاتے وقت انہیں نصیحت فرمائی :

يسروا لا تعسروا بشروا لا تنفروا وتطاوعا (صحیح بخاری۔ کتاب الاداب)

(تم دونوں) آسانی کرنا' سختی نہ کرنا اور خوش خبری سنانا' نفرت نہ دلانا بلکہ شوق دلانا۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں : شارع نے تمام امور اور افعال کو انسان کی قدرت اور استطاعت سے وابستہ ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہؒ)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی مایہ ناز تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ میں تحریر فرمایا ہے :

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شریعت کے احکام میں کوئی مصلحت نہیں ہوا کرتی اور اعمال اور ان میں جو من جانب اللہ مقرر ہیں، کوئی مناسبت نہیں...... یہ گمان بالکل فاسد ہے"۔

استحکام پاکستان سیرت طیبہ کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے :لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ......(الاحزاب)

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی ہستی) میں بہترین نمونہ ہے۔

اس آیت مبارکہ کے مفہوم و مدعا کو اور کوئی قرآنی آیات بھی بیان کرتی ہیں۔ اور کئی احادیث مبارکہ بھی اس آیت شریفہ کی مزید تشریح و توضیح ہوتی ہے۔

سید سلیمان ندویؒ کے خطبات مدراس میں اس آیت مبارکہ کی تشریح مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت کی گئی ہے :(۱) تاریخیت (۲) اکملیت (۳) جامعیت (۴) عملیت۔

سید صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں : "ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے......... اس لیے طبقات انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے، اس کے سامنے نوحؑ و ابراہیمؑ ایوبؑ و یونسؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سب کی سیرتیں موجود ہیں گویا تمام دوسرے انبیائے کرام کی سیرتیں...... ایک ہی جنس کی اشیاء کی دوکانیں ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار ہے جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلب گار کے لیے بہترین سامان موجود ہے"۔

ایک امریکی ماہر نفسیات Jules Masserman نے عظیم انسانوں کی شخصیت کی جانچ پرکھ کے لیے مندرجہ ذیل تین خصوصیات متعین کی ہیں۔

۱۔ انسانیت کی بھلائی میں راہنمائی۔

۲۔ ایک ایسے معاشرے کا قیام جس میں لوگ ہر طرح کا سکون و اطمینان ہو اور وہ

۳۔ لوگوں کو ایک عقیدہ یا مذہب دیا جائے۔

مختلف عظیم شخصیات کے مابین موازنہ کرنے کے بعد یہ امریکی ماہر نفسیات کہتا ہے کہ تاریخ میں نف

اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایسی ہستی ہیں جن میں یہ تینوں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

آپ ﷺ کی ہمہ گیر شخصیت اور آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کے بارے میں سید حسین نصر اپنی کتاب Ideals and Realities of Islar میں لکھتے ہیں:

"The Hadith literature , in both sunni and shitie source, is a momental treasury of wisdom which is at once ■ commentary upon the Quran and a complement to its teachings. the prophetic sayings concern every domain from pure metaphysics to table manners. In them one finds what the prophet said at the time of distress, in reciving and ambassador, in treating a prisoner, in dealing with his family, and nearly in every other situation which touches upon the domestic economics, social and political life of man."

ایک نو مسلم خاتون اسی نکتے کو کچھ یوں بیان کرتی ہیں:

"I am often askad about the main reasons which made me accept. It is diffcult for me to tive a satisfactorily answer to this because the example of Islam....... as a EuropeanMuslim has put it.... is like that of a complete and perfect geometrical pattern whose wery part completes its other parts and its real beauty lies in harmony and cohesion of these and it is this characteristic of Islam wich has a profound in fluence on human being. Seen from a distance Islam's deep insight into generality of things, motives, deeds, its explanations about the Muslim Government will amaze you and if you look at its

details you find it an incomparable guide for social life
as it is on straight forward and true ethical values.

(Ayesha Bridget Honey).

مندرجہ بالا بیانات سے واضح ہوا کہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ مبارک حکومتی ور
معاملات میں بھی ہماری مکمل اور بھرپور راہنمائی کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی
اسے اپنا اور مہاجرین کا مستقل مسکن قرار دیا۔ آپ ﷺ نے یہاں ایک ایسی مثالی اسلامی فلاحی مملکت کی بنیا
استوار کیں جو خلافت راشدہ کے دوران اپنے نقطہ عروج پر پہنچی۔ آپ ﷺ کا یہ مبارک دور حکمرانی مملکت خدا
پاکستان کو استحکام بخشنے اور اسے ایک مثالی اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے لیے ہمارے لیے ایک مینارہ نور ۱۹۹۲ او
قومی سیرت کانفرنس کا مرکزی موضوع "اسلامی فلاحی ریاست اسوہ حسنہ کی روشنی میں تھا۔ تمام موصولہ مقالا
خلاصہ جناب ڈاکٹر شیر محمد زمان صاحب نے ایک مقالے میں سمو دیا جس میں موصوف نے اسلامی فلاحی مملکت
مغربی فلاحی مملکت کے مابین فرق کو مندرجہ ذیل نکات کے ذریعے واضح کیا تھا۔

۱۔ اہل مغرب کے ہاں فلاحی مملکت کا تصور اور اس کا عملی نفاذ وغیرہ زیادہ سے زیادہ تین سو برس پرانا
جبکہ اسلامی تاریخ میں یہ بات عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ کی ہے۔

۲۔ مغربی فلاحی مملکت میں قانون سازی کا حق پارلیمنٹ کو حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ مسلم مملکت میں قانون
صرف قرآن وسنت کی روشنی میں کی جاسکتی ہے۔

۳۔ مغربی فلاحی مملکت صرف دنیوی اور مادی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں ہوتی ہے جبکہ اسلامی فلاحی مم
دنیا و آخرت دونوں کی فلاح وصلاح کی ضامن ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے مقالے میں مختلف عنوانات مثلاً عدل وانصاف، تعلیم، انتظامیہ اور امن عامہ وغیر
عنوانات کے تحت اسلامی فلاحی مملکت کے لائحہ عمل کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔

دفاع و تعلقات خارجہ

ہر ملک کی طرح پاکستان کو بھی داخلی اور خارجی ہر دو طرح کے استحکام کی ضرورت خارجی استحکام کے لیے
مین دو امور بڑے اہم ہیں۔ (۱) دفاع اور خارجہ تعلقات۔

اسلام کے لفظی معنی سلامتی اور امن ہیں۔ اسلامی تعلیمات اور سیرت طیبہ کی رو سے دشمن کی طرف
سے صلح کی پیش کش کو قبول کر لینا ضروری ہے۔ صلح حدیبیہ اور دیگر ایسے معاہدات صلح ہمارے لیے روشن مثالیں
ہیں۔ پھر ان معاہدوں کی پابندی بھی لازمی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

...... و اوفوا بالعهد ان العهد کان مسئولا (بنی اسرائیل۔ ۳۴)

اور عہد کو پورا کیا کرو۔ بیشک عہد کی باز پرس ہونے والی ہے۔

نیز احادیث نبویہ ﷺ میں عہد کی پابندی کا بڑا تاکیدی حکم ہے۔ اور وعدہ خلافی کو منافقت کی علامت قرار دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مملکت کو کسی ممکنہ جارحیت سے بچانے کے لیے مناسب دفاعی نظام بھی ضروری ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

و اعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخیل ترهبون به عدو الله و عدوکم و آخرین من دونهم...... (الانفال۔ ۶۰)

اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اس کے ذریعے سے تم رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی (جن کو تم نہ جانتے ہو)۔

احادیث نبویہ ﷺ میں تیر اندازی اور نشانہ بازی میں مہارت پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (مسلم) نیز غزوات نبوی کے مطالعے سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ممکن حد تک ان تمام غزوات میں وسائل سے بھرپور استفادہ کر کے دشمن سے مقابلہ فرمایا۔ اور مفید جنگی چالوں سے اس سلسلے میں خوب استفادہ فرمایا۔ جنگ احزاب میں خندق تیار کر کے دشمن کا مقابلہ کیا گیا۔ مگر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ غزوہ تبوک میں آپ ﷺ دشمن کا انتظار فرماتے رہے اور جب وہ سامنے نہ آیا کئی دن تک انتظار کرنے کے بعد آپ ﷺ نے واپسی کا حکم دے دیا۔ بلکہ فوجی طاقت کا استعمال صرف منصفانہ مقاصد کے لیے دیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"و قاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین" (البقرۃ۔ ۱۹۰)

اور تم لڑو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے مت نکلو واقعی اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

سیرت طیبہ ہمیں یہ راہنمائی فراہم کرتی ہے کہ عبادت گاہیں' عورتیں' بوڑھے' بچے اور جنگ نہ لڑنے والے افراد قابل احترام ہیں نیز مویشی' باغ اور کھیت وغیرہ بھی تباہ نہ کیے جائیں اور جہاد کے لیے اعلان کرنا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح دشمن پر زبردستی کوئی معاہدہ تھوپنا بھی منع ہے اور جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ معاہدے کی پابندی ضروری ہے دشمن اگر عہد شکنی کرے تو مسلمانوں کو پھر بھی ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ آئندہ کے لیے خلاف ورزی نہ کرنے کے لیے تنبیہ کر دی جائے۔

خارجہ تعلقات کے سلسلے میں اسوہ حسنہ میں ہمارے لیے بہترین راہنمائی موجود ہے۔ ہمسایہ ممالک سے

اچھے تعلقات استوار کیے جائیں۔ اس سلسلے میں سفراء کا تبادلہ ہونا چاہیے۔ باہر سے آنے والے وفود کی خاطر و مدارا
کا حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی تاکید سے صادر فرمایا۔ آپ ﷺ خود بھی ایسے وفود کی بڑی تواضع فرمات
فقہائے اسلام نے جنگ و صلح کے معاملات کو السیر (السیرۃ کی جمع) کا نام دے دیا ہے۔ مثلاً کتاب السیر امام
متاخرین علماء نے انہیں احکام سلطانیہ کے عنوان سے مدون کیا ہے مثلاً احکام السلطانیہ قاضی ماوردیؒ علاوہ از
قدیم علماء کرام نے ان معاملات کو الاموال اور الخراج کے عنوان کے تحت مرتب فرمایا ہے۔ مثلاً کتاب الخر
قاضی ابو یوسفؒ اور کتاب الاموال۔ ابو عبید قاسم۔

امور خارجہ کے سلسلے میں ایک اور اہم بات جو سیرت طیبہ سے اخذ کی جا سکتی ہے وہ ہے مسلم ممالک
خصوصی برادرانہ تعلقات اور مسلم لمۃ کا اتحاد۔ جس طرح مسلمان افراد ایک دوسرے کے ایمانی بھائی ہیں اسی طر
تمام ممالک بھی ایک دوسرے کے لیے بھائیوں کی مانند ان کے آپس میں خصوصی اور مخلصانہ تعلقات ہونا چاہئیں
ان سب کو کسی نہ کسی شکل میں ایک وحدت بن جانا چاہیے اس سلسلے میں رنگ و نسل اور زبان و ثقافت یا کوئی اور ع
حائل نہیں ہونا چاہیے۔

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و ازیک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است
کہ ما پروردہ نو بہاریم

داخلی استحکام کی خاطر امن و امان اور معاشی ترقی و خوشحالی نہایت ضروری ہیں۔ ان ہر دو کے بغیر کوئی
مستحکم نہیں ہو سکتا۔ کسی ملک میں معاشی استحصال اور امن عامہ کا فقدان خونی انقلاب کے پیش خیمہ ہوتے ہیں۔
یہ بیرونی جارحیت سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔

امن عامہ

ملک میں امن و امان قائم کرنا حکومت کا اولین فرض ہے۔ قرآن پاک میں فساد فی الارض کی از حد مذ
کی گئی ہے اور مفسدین کے لیے سخت عبرتناک سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ سیرت طیبہ ﷺ اس سلسلہ میں ہمیں
اور بھرپور راہنمائی مہیا کرتی ہے۔ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کی شہری ریاست قائم فرمائی۔ اس ریاست کا
قیام میثاق مدینہ کے ذریعے عمل میں لایا گیا۔ یہاں رہنے والے مسلمانوں، یہودیوں اور دیگر مذاہب کے ماننے وا
کو ایک قوم قرار دیا گیا۔ (انھم امۃ واحدۃ) تاکہ ریاست کے دفاع اور مفادات عامہ کے لیے متحد ہو کر کام کر
یہاں اور نکتہ بھی قابل غور ہے کہ ملک میں بسنے والی غیر مسلم اقلیتیں ہمسایہ کا درجہ رکھتی ہیں اور ہمسایوں کے ح

ایگی از حد لازمی اور ضروری ہے ملک تمام شہریوں کے جان ومال اور عزت و آبرو کی حفاظت اسلامی ریاست کی
داری ہے۔ اسلامی تعلیمات میں افراد کے شخصی واجتماعی حقوق وفرائض کا واضح طور پر تعین کر دیا گیا ہے۔ اور کسی
حقوق کو غصب کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور آخرت میں خسارے کا موجب قرار دیا گیا ہے علاوہ ازیں بعض اہم
ق کی عدم فراہمی کو قانون کے ذریعے بھی قابل مواخذہ قرار دیا گیا ہے فقہاء کرام کی اصطلاح میں امن عامہ کو
ر خمسہ کی حفاظت و نگہداشت کہا جاتا ہے۔ علامہ شاطبی اپنی مشہور تصنیف الموافقات میں لکھتے ہیں: ”دنیا و
ت کے مصالح کا انحصار امور خمسہ (دین' جان' نسل' عقل اور مال) پر ہے اگر ان میں اختلال آجائے تو دنیا کا نظام
اتی نہ رہے۔ سو اگر دین نہ ہو تو اخروی جزاء کا تصور ختم ہو جائے اور اگر انسان معدوم ہو جائے تو دین کی تکلیف اٹھ
ئے اسی طرح نسل انسانی کی حفاظت پر خود نوع انسان کی بقاء کا انحصار ہے اسی طرح اگر عقل باقی نہ رہے تو انسان کی
گی بے مقصد ہو جائے اور اگر مال نہ ہو انسان کی زندگی باقی نہ رہے“۔

انسانی جان کا اتلاف اسلامی تعلیمات کی رو سے روئے زمین پر موجود تمام انسانوں کے قتل کے مترادف
ہ۔ اسی طرح کے دیگر جرائم مثلاً چوری' زنا اور تہمت وغیرہ بھی معاشرے میں بدامنی اور خرابی کا باعث بنتے ہیں ان
ائم کے قلع قمع کے لیے سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ یہ سزائیں صرف اور صرف امن عامہ کی حفاظت کے لیے
ں جیسا کہ قصاص کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

ولکم فی القصاص حیٰوۃ یاُولی الالباب لعلکم تتقون (البقرہ۔۱۷۹)

اور فہیم لوگو! (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ
یز گار ہو گے۔

سیرت طیبہ میں اگرچہ رحمت و مودت بہت زیادہ نمایاں ہے اور آپ ﷺ کا یہ فرمان اس سلسلے میں بڑا اہم
ہے: الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (شعب الایمان۔ بیہقی)

مخلوق (گویا) اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے پس اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سے سب سے محبوب وہ ہے جو اس کی
لوق کے ساتھ بھلائی کرے۔

تاہم آپ ﷺ نے ثبوت جرم پر سزا جاری کرنے میں ذرا بھی دیر نہ فرمائی۔ کیونکہ امن عامہ آپ ﷺ
کے نزدیک نہایت اہم اور ضروری تھا۔ ہم جب تک مجرموں کو سزا دینے میں ناکام رہیں گے امن وامان کا مسئلہ سنگین
سے سنگین تر ہوتا جائے گا۔ —

معاشی ترقی واستحکام

سیرت طیبہ ﷺ میں ترک دنیا یا ترک اسباب کی ہدایت ہرگز نہیں ملتی۔ البتہ مال و دولت کی حد سے

بڑھی ہوئی حرص کی ممانعت کی گئی ہے۔(۱) مال کا غلط استعمال بھی قابل مذمت قرار دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں مال
دولت کو کئی مقامات پر "خیر" اور "اللہ کا فضل" کہا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نعم الما
الصالح للرجل الصالح (مشکوٰۃ المصابیح)

"اچھا مال نیک آدمی کے لیے بہترین مال ہے"۔

دولت کو ضائع اور برباد کرنے سے بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے:

............و كان ينهى عن قيل و قال و كثرة السوال و اضاعة المال و منع وهات و عقو
الامهات و و اد البنات (بخاری۔ کتاب الرقاق)

اور رسول اکرم ﷺ منع فرمایا کرتے تھے بے فائدہ بحث و گفتگو سے' زیادہ سوال سے' اور مال کو ضائع
کرنے سے' بخل و گدائی سے' ماؤں کی نافرمانی سے اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے سے۔

آپ ﷺ کا ایک اور فرمان ہے: امسکوا اموالکم لا تفسدوھا...... (مسلم)

اپنے مال اپنے رکھو اور انہیں خراب نہ کرو۔

آپ ﷺ نے محنت اور کام کی اہمیت کو یوں واضح فرمایا ہے:

اطلبوا الرزق فی خبایا الارض (طبرانی و کنز العمال)

تم زمین کی پنہائیوں میں رزق تلاش کرو۔

ملکی اور ریاستی وسائل پر تمام شہریوں کا یکساں حق ہوتا ہے۔ اور ان کی کمی یا زیادتی میں انہیں برابر کا
شریک ہونا چاہیے۔ اشعریین یمن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے یہ بڑے شریف اور بہادر لوگ تھے۔ ان کا
دستور تھا کہ اگر ان کے کسی فرد کا توشہ وغیرہ (سفر یا حضر دونوں میں) کم پڑ جاتا تو یہ حضرات اپنا اپنا غلہ یا توشہ جمع
کرتے اور پھر اسے آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا دستور بہت پسند
تھا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے:

ھم منی و انا منھم (صحیح بخاری)

امام ابن حزمؒ نے اپنی مشہور کتاب المحلی میں تحریر فرمایا ہے:

"اور ہر ایک شہر کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر
مال فے (بیت المال کی آمدنی) ان غرباء کی معاشی کفالت کے لیے کافی نہ ہو تو سلطان (امیر) ان ارباب دولت کو ان کی
کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ (یعنی ان کے فاضل مال سے جبراً لے کر فقراء کی ضروریات کے لیے صرف کر
سکتا ہے) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق

روٹی مہیا ہو۔ پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش گرمی دھوپ اور سیلاب جیسے حوادث سے محفوظ رکھ سکے"۔

امام موصوف نے یہ مسئلہ چند احادیث مبارکہ سے اخذ کیا ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ جس کے پاس مال فالتو ہے وہ کسی اور حاجت مند کو دے دے۔ ایک روایت حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے ایک اور روایت ہے کہ غالباً (کسی سفر جہاد کے دوران) امیر لشکر حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح نے سامان خورد و نوش کو کم پڑتا دیکھ کر تمام اہل لشکر کو اپنا اپنا توشہ یکجا کرنے کا حکم دیا اور پھر سب میں سب کی قوت لا یموت کا سامان برابر تقسیم کر دیا۔

جہاں تک ملازمین کی تنخواہوں اور مراعات کا تعلق ہے وہ ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی ہوں۔ اور اگر وہ اپنی مقرر تنخواہ وغیرہ سے زائد کوئی چیز لیتے ہیں تو خیانت کے مرتکب ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا: من استعملناه علی عمل فرز قناه رزقا فما اخذ ذلك فهم غلوم (سنن ابی داؤد)۔

جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مقرر کیا اور اس کو اس کام کی اجرت (یعنی تنخواہ) متعین کر دی ہو اس کے بعد بھی وہ کچھ لے گا۔ یعنی سرکاری مال میں سے تنخواہ سے زیادہ لے گا) تو یہ خیانت ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ بن خطاب کا اپنی تنخواہ کے بارے میں یہ قول سربراہان حکومت اور حکام کے لیے مشعل راہ ہونا چاہیے۔ (یہ قول سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶ کے مفہوم کی ترجمانی کرتا ہے)

انما انا لکم کولی الیتیم ان استغنیت استعففت ان افتقرت اکلت

میں تمہارے لیے یتیم کے ولی کی حیثیت رکھتا ہوں اگر مستغنی ہوا تو تمہارے مال میں کچھ نہیں لوں گا اور اگر حاجت مند ہوا تو (صرف) بقدر ضرورت اس میں سے کھاؤں گا۔

لیکن ہمارے ہاں حکام کی تنخواہیں اور دیگر مراعات حد سے زیادہ ہیں جبکہ چھوٹے ملازمین کی تنخواہیں ان کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ یہ بات بھی اسوہ حسنہ اور سیرت طیبہ کی روشنی میں حل طلب ہے ویسے اگر مغربی ممالک کے تنخواہ وغیرہ کے نظام کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ برطانیہ کے پارلیمنٹ کے ممبر کی تنخواہ وہاں کے کالج کے لیکچرار کے برابر ہوتی ہے۔ اور پارلیمانی کمیٹیوں کے سربراہ کے لیے کوئی خاص مراعات حاصل نہیں ہوتیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہاں کے ایک ممبر پارلیمنٹ پر گورنمنٹ تقریباً ایک لاکھ پاکستانی روپے خرچ کرتی ہے۔

پاکستان کی انتظامیہ کے شاہانہ اخراجات بھی کم ہونا چاہیں اور کم از کم دیگر ممالک کی انتظامیہ کے اخراجات سے موازنہ کر کے ایک خاص اور مناسب حد مقرر کی جانی چاہیے۔

غیر ملکی قرضہ جات

سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں اگر ہم اپنے فالتو اخراجات اور ناروا مراعات وغیرہ کو ختم کر دیں گے تو کافی ساری رقم بچ جانے کا امکان ہے جس سے ہم اپنے قرضے اتار سکیں گے اور آئندہ کے لیے قرض لینے کی ذلت سے بچ جائیں گے۔ بلاوجہ قرض لینا بھی سیرت طیبہ کے تقاضوں کے منافی ہے۔ اگرچہ آپ ﷺ لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کے لیے قرض لیا کرتے تھے تاہم مسنون دعاؤں میں قرض کے بوجھ سے پناہ مانگی گئی ہے۔ (بخاری و مسلم) ملکی معیشت کی ترقی و توسیع کے لیے قرض لینا اگر ناگزیر ہو تو غیر مسلم مالیاتی اداروں کا محتاج ہونے کے بجائے دولت مند مسلم ممالک سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ مقروض ملک یا مقروض انسان قرض دینے والا کا احسان مند اور دست نگر بن جاتا ہے۔ اس طرح ملکی وقار اور قومی حمیت کے مجروح ہوتے ہیں۔ مسلم ممالک اور اسلامی ترقیاتی بنک کم از کم ہمارے اپنے بھائی بند اور مشترکہ ادارہ ہیں۔ ہماری معیشت ۱۹۵۰ء سے غیر ملکی قرضوں پر چل رہی ہے۔ اور ہمارے بجٹ کا کافی سارا حصہ قرضوں اور ان کے سود کی ادائیگی کی نذر ہو جاتا ہے۔ موجودہ حکومت کی "قرض اتارو۔ ملک سنوارو" سکیم ایک خوش آئند آغاز ہے۔ دیار غیر بسنے والے پاکستانی اس سکیم میں بھرپور دلچسپی لے رہے ہیں۔ اور اندرون ملک بھی کافی مقبول ہے۔ قوم میں مزید احساس خودداری پیدا کیا جائے۔ لیکن حکومت کا اولین فرض ہے کہ وہ قرض چور افراد کا سخت محاسبہ کرے۔ ان سے قرض کی رقوم فوراً واپس لی جائیں۔ اور اس سلسلے میں کوئی رو رعایت نہ برتی جائے۔ حکومتی اداروں اور سیاست ان حضرات کا مکمل احتساب کیا جائے۔ اس سلسلے میں بھی پیش رفت ہو چکی ہے لیکن مستقل محنت اور مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اب تک لیے گئے قرضہ جات کی واپسی کے لیے ایک واضح پروگرام بنایا جائے۔ اس سلسلے میں کچھ ماہرین معیشت نجکاری کی تجویز پیش کرتے ہیں اگر کچھ ادارے فروخت کر کے ہم اپنی معیشت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر سکتے ہیں تو اس کام میں بھی دیر نہیں ہونا چاہیے لیکن نجکاری کا عمل واضح اور شفاف ضرور ہونا چاہیے۔ پاکستان کے تیرہ کروڑ انشاء اللہ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ لیکن جب ان کے دل و دماغ مطمئن ہوں گے اور انہیں ان کے حقوق باسانی ملیں اور اس کے ساتھ ساتھ حکمران حکام بھی اپنا اپنا معیار زندگی عوام کی سطح کے معیار زندگی کی سطح پر لے آئیں۔ سیرت طیبہ حکمرانوں اور حکام سے یہی تقاضا کرتی ہے کہ وہ پہل قدمی کریں اور عوام ضرور ان کا اتباع کریں گے۔

نکتہ شرع مبیں این است و بس
کہ کس نباشد درجہاں محتاج کس

سماجی بہبود

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ ریاست میں سماجی بہبود یا خدمت خلق پر بڑا زور دیا گیا اور اسے بہت بڑی نیکی قرار دیا گیا۔ خلق خدا کے ہم پر کچھ حقوق بھی ہیں۔ جنہیں پورا کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ لیکن آپ کی قائم کردہ ریاست میں ان حقوق کی ادائیگی سے بڑھ کر خدمت خلق کے کام کیے گئے۔ حکومت خود بھی سماجی بہبود کے لیے کام کرتی ہے مگر جب تک عوام الناس پر اس کی ضرورت و افادیت واضح نہ کی جائے تو مقاصد پورے نہیں ہو سکتے۔ آپ ﷺ کا ایک اور واضح فرمان ہمیں ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہیے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ خدمت خلق سے ہمارا مقصود و مدعا صرف اور صرف رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہیے نہ کہ دکھاوا اور شہرت۔ اگر ہمارا مقصود رضائے الٰہی ہوگا تو خدمت خلق نہایت ہی بلند اور عظیم کام بن جائے گی۔

ز تسبیح و سجادہ و دلق نیست

طریقت بجز خدمت خلق نیست

خدمت خلق دوسرے نیک کاموں کی طرح دوگونہ فوائد کی حامل ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ تو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کا ذیلی اور ضمنی فائدہ معاشرے کی فلاح و بہبود ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ کی رو سے بیماروں کی عیادت کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا' بھوکوں کو کھانا کھلانا گویا ذات باری کو کھانا کھلانا اور پیاسوں کو پانی پلانا گویا رب ذوالجلال کو پانی پلانا ہے (اور حالانکہ وہ ان مادی حوائج سے پاک ہے)(صحیح مسلم)

آپ ﷺ نے ہر ذی روح کے ساتھ بھلائی کو نیکی قرار دیا ہے۔

خدمت خلق کیسے کی جائے؟ اس کے مختلف طریقوں سے ہم بخوبی واقف ہیں۔

ضرورت مندوں مثلاً بھوکے کو کھانا کھلانا' بیمار کی خبر گیری' کمزور اور معذور کی مدد (سڑک پار کرنے میں یا کسی اور طرح سے جانوروں کی فلاح کے کام' راستے سے نقصان دہ چیز کا ہٹانا' اجنبی کو راستہ بتانا اور صحیح مشورہ دینا وغیرہ اگر ہم سیرت طیبہ میں خدمت خلق کے باب کا کچھ حصہ ہی اپنی توجہ کا مرکز بنا لیں تو پاکستان کے سماجی شعبہ میں ہم شاندار کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

نظام حکومت اور حکومتی مشینری

ملک کا نظم و نسق کامیابی سے چلانے کے لیے ایک عمدہ نظام حکومت اور ایک اچھی حکومتی مشینری نہایت ضروری ہیں۔ جناب رسالت مآب افضل البشر اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ہونے کے باوجود اپنے آپ ﷺ کو ایک عام آدمی سے زیادہ نہیں تصور فرماتے تھے۔ لوگوں کی تلخ اور کڑوی باتیں نہایت تحمل سے سنتے تھے اور اپنے

آپ ﷺ کو احتساب سے ماوراء تصور نہیں فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدینؓ کا انتخاب کسی نہ کسی صورت میں معتبر اور صائب الرائے لوگوں کی تائید سے ہوا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی قابل ذکر ہے۔

"تم لوگ سرداری اور امارت کی حرص کرو گے اور یہ قیامت کے دن ندامت (کا باعث) بنے گی۔ یہ بہترین دودھ پلانے والی (یعنی اس کا آغاز نہایت خوشنما اور دل پسند ہوتا ہے) اور بدترین دودھ چھڑانے والی ہے۔ (یعنی انجام برا ہوتا ہے)"۔ (صحیح بخاری)

پاکستان کے قیام کے بعد ہم مغربی جمہوریت کو اپنا سب سمجھ بیٹھے ہیں۔ کیا ہم اس میں اپنے مفاد کو مد نظر رکھ کر اچھی تبدیلیاں نہیں کر سکتے۔ ہمیں مفکر پاکستان کا شعر بھی محض شعر سمجھ کر نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ مطلق آمریت بھی ہمارے لیے فائدہ مند نہیں۔ علاوہ ازیں پارلیمنٹ میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق افراد کے لیے نشستیں مخصوص ہونا چاہئیں اور ان کی اہلیت کے لیے موزوں شرائط ہونی چاہئیں۔

کسی بھی حکومت کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اچھی انتظامی مشینری درکار ہوتی ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم قابلیت اور صلاحیت کے مطابق لوگوں کو حکومتی عہدے عنایت فرماتے تھے مگر ہمارے ہاں میرٹ کا معیار ہی الٹ ہو گیا ہے یہی وجہ ہے کہ حکومتی کارکردگی ہمیشہ ناقص اور ادھوری رہتی ہے۔ ہمارا انتظامی ڈھانچہ بھی فوری طور پر قابل اصلاح ہے۔ افسر شاہی اور سرخ فیتہ کی اصطلاحیں برطانوی سامراجی دور کی یادگار ہیں۔ برطانیہ میں ڈپٹی کمشنر اور کمشنر وغیرہ کے عہدے نہیں ہیں۔ وہاں یہ سب کام بلدیاتی اداروں کی زیر نگرانی ہوتے ہیں ہندوستان میں انگریزوں نے عوام پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے افسر شاہی طبقہ تیار کیا۔ جو عوام کو اچھوت سمجھتا ہے۔ اور آج بھی اس نابغہ روزگار طبقہ کی رائے عوام الناس کے بارے میں کچھ اچھی دکھائی نہیں دیتی۔ جب یہ لوگ اپنے آپ کو عوام کا مخلص نہیں سمجھیں گے یہ ملک و قوم کی بہتری کے لیے کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ مقصد فرض شناس اور دیانت لوگوں پر تنقید کرنا نہیں۔ دراصل یہ ناقص اور غیر مفید تربیت کا نتیجہ ہے اگر ہم اپنے افسران کی صحیح طریقے سے تربیت کا اہتمام کریں اور انہیں احساس دلائیں کہ وہ آخرت میں اپنے فرائض میں کوتاہی کے سلسلے میں قابل مواخذ ہوں گے اور یہ کہ محض دولت میں اضافہ ہمارے ذاتی مسائل کا حل نہیں اور یہ کہ وہ سچے دل سے اپنے آپ کو ملک اور قوم کا خدمت گار تصور کریں اور یہ کہ ملک عوام کی ترقی ہی میں ان کی ترقی اور مفاد ہے اور یہ کہ ان کے قبضہ و تصرف میں موجود سرکاری رقوم بطور امانت ان کے سپرد کی گئی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ حکومتی اور

انتظامی مشینری درست نہ ہو۔ بدعنوان اور بددیانت حکام کے مواخذے میں فوری کارروائی سے بھی اچھے نتائج سامنے آئیں گے لیکن کسی کے خلاف محض انتقامی کارروائی نہ کی جائے اور یہ بات ذہن میں پوری طرح جاگزیں کرلی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہماری تمام کارروائیوں کو دیکھ رہا ہے اور ہم اس سے کوئی بات ہرگز ہرگز چھپا نہیں سکتے۔ آخر میں حضرت علیؓ کے ایک مکتوب مبارک سے ایک مختصر اقتباس پیش ہے یہ مکتوب جناب نے مصر کے گورنر کی راہنمائی کے لیے ارسال فرمایا تھا:

"ان (یعنی افسروں) کا انتخاب محض اپنی فہم' اپنے رجحان طبع اور اپنی خوش گمانی کی بناء پر نہ کرنا کیونکہ چرب زبان اور ظاہر دار لوگ اپنے آپ کو حکمران کے مزاج کے مطابق بنا کر پیش کرتے ہیں حالانکہ ان میں خیر خواہی اور امانت داری کا جذبہ بالکل نہیں ہوتا تم لوگوں کو ان کی پچھلی کارکردگی کے لحاظ سے پرکھنا جس کا وہ نیک حکمرانوں کے ماتحت رہ کر مظاہرہ کر چکے ہوں۔

اصلاح اخلاق و کردار

تمام اہل ایمان ایک برادری ہیں۔ جن کی بھلائی سے غیر مسلم بھی محروم نہیں رہتے۔ اسلامی تعلیمات میں محاسن اخلاق کو بڑی اہمیت دی گئی ہے کیونکہ ان کے بغیر مثالی فلاحی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا۔ جو کام قانون کی مدد سے نہیں لیا جا سکتا وہ اعلیٰ اخلاق کے ذریعے لیا جا سکتا ہے۔ سیرت طیبہ ﷺ اس سلسلے میں بھی ہمارے لیے ایک مینارہ نور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی تعریف و تحسین فرمائی ہے آپ ﷺ نے اپنی بعثت مبارک کا ایک مقصد یوں ارشاد فرمایا:

انما بعثت لأتمم حسن الاخلاق (الموطا)

بے شک مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا:

خیارکم احسنکم اخلاقا (ترمذی)

تم میں سے اچھے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

آپ ﷺ نرم خو' ملنسار اور متحمل مزاج تھے برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے۔ گفتگو بڑے حکیمانہ طریقے سے فرماتے خوشی اور غصے کا اظہار اعتدال سے فرماتے۔ خطاکار سے درگذر فرماتے۔

فتح مکہ کے موقعہ پر آپ ﷺ نے اپنے مخالفین کے لیے عفو عام کا اعلان فرما کر تاریخ عالم میں ایک عدیم الوجود مثال قائم کی۔ یہ عظیم الشان واقعہ ہمارے لیے رہنمائی کے دفتر کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ ﷺ نے اہل ایمان کو رشتہ اخوت میں اچھی طرح سے منسلک کرنے کے لیے ایک دوسرے کو سلام

کہنے اور مصافحہ و معانقہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ ﷺ نے لایعنی باتوں سے مسلمانوں کو باز رہنے کی تلقین فرمائی جھوٹی باتیں سنا کر لوگوں کو ہنسانے سے منع فرمایا۔ غصہ، کینہ، حسد اور دیگر رذائل اخلاق کی برائیوں کو اجاگر فرما کر ان سے نفرت دلائی۔ سنی سنائی باتیں بغیر تحقیق کیے لوگوں تک پہنچانے سے منع فرمایا آج اگر ہم غیر جانبدرانہ طور پر دیکھیں تو اخلاق نام کی کوئی چیز ہمارے اندر موجود نہیں مگر ہم نام لیوا اس صاحب خلق عظیم کے ہیں کہ دشمن تک جس کے اخلاق حسنہ کے معترف تھے۔ یہ دولت بے پایاں ہمیں سیرت طیبہ ﷺ سے ہی مل سکتی ہے۔ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے: ”تم دوسروں کی دیکھا دیکھی کرنے والے نہ ہو کہ کہنے لگو کہ اگر لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے اور اگر لوگ ظلم کا رویہ اختیار کریں گے تو ہم بھی ویسا کریں گے بلکہ اپنے دلوں کو اس بات پر پکا کرو کہ اگر اور لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو اور اگر وہ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم کا رویہ اختیار نہ کرو گے (بلکہ احسان ہی کرو)“۔ (ترمذی)

ہمیں یہ بات بھی ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ فرمان الٰہی کے مطابق عدل و احسان دونوں ہی ضروری ہیں معاشرے سے عدل ختم ہو جائے تو وہ مٹ جاتا ہے اور اگر احسان ختم ہو جائے تو وہ سخت ناہمواریوں اور مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔

حرف آخر

اسوہ حسنہ اور سیرت طیبہ ﷺ اہل اسلام کے لیے کس قدر اہم ہیں؟ اس بارے میں یہ ارشاد باری تعالیٰ قول فیصل ہے:

فلا و ربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى انفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليما۔ (النساء۔ ۶۵)

پس قسم ہے آپ ﷺ کے رب کی یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ ﷺ سے تصفیہ کرائیں اور پھر آپ ﷺ کے اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اسے پورا پورا تسلیم کر لیں۔

اس ارشاد باری کی روشنی میں ہم بطور مسلمان جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مبارکہ کو دل و جان سے تسلیم کرنے اور ان پر عمل کرنے کے پابند ہیں اور کسی ایک فرمان مبارک کے بارے میں چون و چرا کرنا اپنے ایمان کو تباہ و تلف کرنا ہے۔

ہم سب مسلمانوں کا سب سے بڑا اور فوری مسئلہ انتشار و عدم اتحاد ہے۔ اور اسی نااتفاقی کی وجہ سے ہم مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المؤمن للمؤمن كالبنیان یشد بعضه بعضا ثم شبك بین اصابعه (بخاری و مسلم)

مسلمان مسلمان کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت دیتا ہے پھر (اس بات کو مزید واضح فرمانے کے لیے) آپ ﷺ نے ایک دست مبارک کی انگلیوں کو دوسرے دست مبارک کی انگلیوں میں پیوست فرمایا۔

آپ ﷺ کے اس فرمان کی روشنی میں ہمیں اتحاد و اتفاق کی بھرپور فضا قائم کرنا چاہیے اور باقی دیگر معاملات میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے راہنمائی حاصل کرنا چاہیے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا وطن عزیز مکمل طور پر مستحکم نہ ہو اور پاکستان ایک مثالی اسلامی فلاحی مملکت بن کر اہل عالم کے سامنے نہ آئے۔

اللهم و فقنا لما تحب و ترضی و صل علی محمد و آله و صحبه وسلم عدد ما فی علمك

کتابیات

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ ترمذی۔ ابو داؤد

۳۔ مشکوۃ المصابیح (جلد دوم)

۴۔ سفینہ نجات۔ انتخاب احادیث نبویہ ﷺ، مولانا جلیل احسن ندویؒ

۵۔ سیرت النبی ﷺ جلد پنجم، ششم و ہفتم، مولانا سید سلیمان ندویؒ

۶۔ نبی رحمت۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ خطبات بہاولپور۔ ڈاکٹر حمید اللہ

۸۔ اسلام کا اقتصادی نظام۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

۹۔ "فکر و نظر" "سیرت نمبر ۱۹۹۲ء"

۱۰۔ سنت خیر الانام ﷺ۔ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ

۱۱۔ حکمرانوں کے لیے حضرت علیؓ کا ہدایت نامہ۔ ترجمہ و تدوین محمد شاہد رفیع

۱۲۔ اسلام میں عمال حکومت اور ان کی ذمہ داریاں۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ

۱۳۔ Islam Our Choice (Impressions of Reverts to Islam)

۱۴۔ The Concept of an Islamic State by Sohail Mahmood

۱۵۔ اسلام کا نظام حکومت۔ مولانا حامد الانصاری

۱۶۔ نقوش رسول نمبر جلد ۲،۴، ۵

۱۷۔ جناب احمد دیدات The Choice

۱۸۔ اسلامی ریاست۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

۱۹۔ اسلامی ریاست۔ جسٹس شمیم حسین قادری مرحوم

۲۰۔ مقالات سیرت ۱۹۹۱ء شائع کردہ وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان۔

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

محمد صحبت خان کوہاٹی، کراچی

ایک عالم اس زندۂ جاوید حقیقت پر گواہ ہے کہ "پاکستان" اسلام کے مقدس نام پر معرض وجود میں آیا ہے۔ بر صغیر کے کروڑوں مسلمانوں نے یہ خطہ پاک بے مثال اور لازوال قربانیوں کے بعد اس مقصد کے لیے حاصل کیا تھا کہ وہ آزاد فضاؤں میں اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل کریں گے۔ اطاعت الٰہی اور اتباع نبوی میں زندگی کے شب و روز بسر کریں گے۔

جس طرح رب ذوالجلال تمام مخلوقات سے افضل واعلیٰ ہے، اسی طرح اس کا کلام بے مثال (قرآن پاک) تمام کلاموں سے افضل واعلیٰ ہے، اسی طرح اس افضل ترین کلام کا کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" افضل ترین کلمہ ہے جو ہمارے وطن کی اساس اور بنیاد ہے۔ افضل ترین اساس پہ قائم ہمارا وطن (پاکستان) اوطان عالم میں ممتاز و منفرد بھی ہے اور افضل و عظیم بھی۔ اور یہ محض حسن اتفاق ہے کہ افضل ترین مہینے (رمضان المبارک) کی افضل ترین رات (لیلۃ القدر) اس کے قیام کا مقدر بنی۔

ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ہم آج بھی اپنے مسائل کا اگر حل چاہتے ہیں۔ اتحاد و یگانگت محبت اور مودت کے پاکیزہ جذبات کے متلاشی ہیں، ہر طرح کی برائیوں سے چھٹکارا پانے کے آرزو مند ہیں، جدید و قدیم علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنے کی تڑپ رکھتے ہیں چین، سکھ اور اطمینان کی دلربا فضاء سے محظوظ ہونا چاہتے ہیں، اخلاق و کردار کی عظمتوں پر فائز ہونے کے متمنی ہیں، بارگاہ خداوندی میں دنیوی اور اخروی کامیابی کی امنگ رکھتے ہیں، پاکستان کی ترقی، مضبوطی، استقلال اور

استحکام کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتے دیکھنے کی آس رکھتے ہیں تو اس کا ایک ہی حل ہے کہ ہم سرور کون و مکاں صلی
علیہ وسلم کے دامن رحمت کو تھام لیں۔ "اسوہ حسنہ" کو اپنا لیں۔ "سیرت طیبہ" کو مشعل راہ بنا لیں۔ انشاء
کامیابی اور شادابی، سرخروئی اور سروری ہماری مقدر ہوگی۔

زیر بحث اس اہم موضوع پر اظہار خیال سے قبل مناسب ہوگا کہ موضوع میں شامل بعض الفاظ و تراکیب
مثلاً استحکام، پاکستان (استحکام پاکستان) رہنمائی اور سیرت (طیبہ) کے مطالب و مفاہیم پر غور کر لیا جائے تاکہ نفس
مضمون پر گفتگو آسان اور بامعنی متصور ہو۔

استحکام

علمی اردو لغت کے اعتبار سے استحکام کا مطلب ہے مضبوطی، پختگی اور استقلال (۱) عربی گرا
(صرف و نحو) کے مطابق لفظ استحکام باب استفعال کا مصدر ہے۔ اس کا مادہ حکم ہے جس کا لفظی معنی ہے۔ مضبو
مضبوط کرنا یا مضبوط ہونا۔ مستحکم کا لفظ اسی سے آتا ہے جو مضبوط کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی کی مشہور لغ
لسان العرب، مصباح اللغات، المنجد، فیروز اللغات اور المعجم الوسیط وغیرہ میں لفظ استحکام کا معنی و مفہوم اس طرح بیا
کیا گیا ہے۔

استحکم الامر تمکن صار محکما متقنا

یعنی کسی کام کا محکم و مضبوط ہونا استحکام کہلاتا ہے۔ اہل لغت کا بیان ہے کہ یہ لفظ عربی ہے، مذکر ہے اور اسم ہے۔
یہ مضبوطی اور پختگی کے معنی (۲) دیتا ہے۔ اس لحاظ سے "استحکام پاکستان" کا مطلب ہوگا پاکستان کا مضبوط ہونا یا پاکست
کا مستحکم ہونا۔

پاکستان (لفظی معنی)

پاکستان کا لغوی معنی ہے پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ۔ جیسے افغانستان افغانیوں کے بسنے کی جگہ، بلوچستا
بلوچوں کا مسکن، اسی طرح اور اسی ترکیب پر آنے والے بقیہ الفاظ کا مفہوم بھی یہی ہوتا ہے۔ چونکہ پاکستان کے
جدوجہد کرنے والے، اس کے لیے بے بہا قربانیاں دینے والے، اس کی خاطر جان و مال قربان کرنے والے، اس
لیے تن، من، دھن وارنے والے اس کے قیام کے لیے ہر طرح کے مصائب جھیلنے والے، ہر طرح کی مشکلات
والے، ہر طرح کے طوفانوں سے ٹکرانے والے، مسلمان تھے اور مسلمان، پاک و صاف اور شفاف انسان ہوتا ہے ا
لیے اس خطہ زمین اور اس مملکت کا نام پاک دل و پاکباز لوگوں کے مسکن کے طور پر "پاکستان" تجویز کیا گیا۔ یہ پیار
نرالا نام تحریک پاکستان کے ایک مخلص سپاہی، بانی پاکستان کے ایک معتمد ساتھی جناب چوہدری رحمت علی (مرحو

نے تجویز کیا تھا۔

کستان کا اصطلاحی مفہوم

دنیا کا وہ واحد اسلامی نظریاتی ملک جو اسلام کے مقدس اور متبرک نام پر افضل ترین مہینے رمضان المبارک بابرکت اور باسعادت ساعتوں میں سرزمین جنوبی ایشیاء میں قائم ہوا۔ یہ قائداعظم' بانی وطن محمد علی جناح مۃ اللہ علیہ کی قیادت میں برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی بے مثال اور لازوال قربانیوں کے نتیجے میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشہ پر وجود میں آیا۔ جس کا خواب حکیم الامت شاعر مشرق علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے یکھا تھا۔

کستان کا تعارف (رقبہ' آبادی' محل وقوع)

پاکستان ایک اسلامی وفاقی جمہوری پارلیمانی مملکت ہے۔ اس کا کل رقبہ 310403 مربع میل 801408 مربع کلومیٹر) اور آبادی ۱۴ کروڑ سے متجاوز ہے۔ کل آبادی کی ۱۰ء ۸۸ فیصد مسلمان ہیں۔ ۸ء ۵ فیصد ندو ۹ء ۴ فیصد نچلی ذاتیں ۱۸ فیصد عیسائی اور ۴ء ۲ بدھ ہیں۔ (۳)

پاکستان کے شمال میں چین' مشرق میں بھارت' جنوب میں بحیرہ عرب مغرب میں ایران اور شمال مغرب یں افغانستان اور روس آباد ہیں۔ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے پاکستان تمام عالم اسلام کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز ور ہے۔ یہ بری' بحری اور فضائی راستوں کے ذریعے تمام اسلامی ممالک سے ملا ہوا ہے۔

سطح کے اعتبار سے پاکستان تین بڑے طبعی خطوں پہاڑی' میدانی اور سطح مرتفع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ نیا کی دوسری بلند ترین چوٹی کے ٹو پاکستان کے شمالی علاقے ہمالیہ میں واقع ہے۔ کشمیر' گلگت' چترال' ہنزہ' کاغان اور سوات کی سرسبز و شاداب اور خوبصورت وادیاں اس مملکت کے لیے قدرت کا حسین تحفہ ہیں۔

پاکستان خدائے مہربان کا عظیم احسان ہے۔ پاکستان خالق دو جہاں کا انعام ہے۔ اس کے حصول کا مقصد اثبات ایمان ہے۔ اس کا وجود باعث اطمینان ہے۔ اس کا استحکام ہر پاکستان کا دلی ارمان ہے۔ دنیا میں پاکستان کے استحکام سے ہی ہماری آن ہے۔ پاکستان کی ترقی اور خوشحالی ہی ہماری شان ہے۔

مضبوط پاکستان ہی ہمارا محافظ جان ہے۔ یہ ہماری امنگوں کا ترجمان ہے۔ یہ ہماری آرزوؤں کا نگہبان ہے۔ یہ ہمارے جذبوں کا پاسبان ہے۔ یہ ہمارے اسلاف کی جرأتوں' جذبوں اور ہمتوں کی لازوال داستان ہے۔ (۴)

پاکستان ہمارے بزرگوں کی انمول قربانیوں کا واضح نشان ہے۔ یہ برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کا ثمر امتحان ہے۔ یہ تحریک پاکستان کے اکابرین کی محنتوں کا گلستان ہے۔ یہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے خواب کی تعبیر کا

سامان ہے۔ یہ قائداعظم علیہ الرحمۃ کی انتھک کوششوں کا بدل عظیم الشان ہے۔ مضبوط مستحکم اور سدا پھلتا پھو
پاکستان ہی ہمارے تاباں اور درخشاں مستقبل کا واضح اعلان ہے۔

مہربان خدا نے پاکستان کو بے بہا وسائل سے نوازا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بحیثیت مجموعی پاکستانی قوم
اس کے رہنما ناقدرے بھی ہیں اور ناشکرے بھی۔ پاکستان امسال اپنی پچاسویں سالگرہ (گولڈن جوبلی) منا رہا ہے لیک
نصف صدی گزر جانے کے باوجود ہم نے کھویا تو بہت 'پایا کچھ نہیں۔ ہمارا شمار آج تک ترقی پذیر ممالک میں ہوتا ہے
ملک اندرونی اور بیرونی قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ

"ملکی اور غیر ملکی قرضوں کی مالیت ۲۰ کھرب' ۵۳ ارب روپے سے زائد ہے۔ ہر پاکستانی مجموعی طور
۱۵ ہزار ۸۰۰ روپے کا مقروض ہے۔ (۵)

رہنمائی

رہنمائی کا لفظ دراصل دو لفظوں یعنی "راہ" اور "نمائی" سے بنا ہے۔ پہلے لفظ کا معانی ہے راستہ اور دوسر
کا مطلب ہے دکھانا۔ اسی سے رہنما آتا ہے بمعنی رہبر راہ دکھانے والا' ہدایت دینے والا۔ اردو کی مشہور اور
لغت ""فیروز اللغات" کے مطابق یہ لفظ ہدایت اور رہبری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں محت
عفت الماس نے اپنی کتاب "رہنمائی و مشاورت" میں یوں اظہار خیال کیا ہے۔

"رہنمائی کے لغوی معنی نشان دہی کے ہیں 'بعض لوگ رہنمائی کو مدد کرنے کے معنوں میں استع
کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ رہنمائی کا صحیح مفہوم اس سے ادا نہیں ہوتا۔ رہنمائی کا مطلب یہ ہے کہ کسی "گم
کردہ" کو اس کے راستہ کی نشاندہی اس طرح سے کردی جائے کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے"۔ (۶)

یہ سچ اور حق ہے کہ رہنمائی انسانی زندگی کی ناگزیر ضرورت ہے۔ زندگی کے سفر کی ہر منزل اور ہر مو
انسان اس سے استفادہ کرتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کی رو سے ہدایت اور رہنمائی انسان کی اولین اور بنیادی ضرور
ہے۔ انسان اپنی زندگی کو بہتر طور پر بسر کرنے اپنے نقطہ نظر کو پروان چڑھانے اور زندگی کی راہوں میں کام
حاصل کرنے کے لیے رہنمائی کا محتاج بھی ہے اور اس کا ضرورت مند بھی۔ یہی وجہ ہے کہ مہربان قدرت نے ہر
میں انسانیت کی راہبری اور رہنمائی کے لیے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ رب کا ارشاد ہے ولکل
ھاد اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے۔ (۷)

رت معنی و مفہوم (لفظی واصطلاحی)

ظی مفہوم

اہل لغت نے لفظ "سیرت" کے یہ معنی بیان کیے ہیں۔

جانا، روانہ ہونا، چلنا۔ ۲۔ طریقہ و مذہب ۳۔ شکل و صورت

۔ ہیئت ۵۔ حالت ۶۔ کردار ۷۔ کہانی ۸۔ سنت

۔ عادت ۱۰۔ طرز زندگی ۱۱۔ پرانے لوگوں کے قصے اور واقعات کا بیان وغیرہ۔

عربی لغت کی مشہور اور مستند کتاب "تاج العروس" کے مطابق

السیرۃ بالکسر: الطریقه و الهیئة(۸)

سیرت (س کی زیر کے ساتھ) طریقہ اور ہیئت (حالت) کو کہتے ہیں اسی طرح "المنجد" کے مطابق:

سیرت (اس کی جمع سیر) ہیئت، سنت، طریقہ اور مذہب کے معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(۹)

اردو دائرہ معارف اسلامی جلد ۱۱ کے مطابق

"لفظ سیرت دراصل سار یسیر سیرا و مسیرا سے نکلا ہے اور اس کے معنی ہیں جانا، روانہ ہونا، چلنا، طریقہ و ہب، سنت، ہیئت، حالت، کردار کہانی، پرانے لوگوں کے قصے اور واقعات کا بیان وغیرہ"۔(۱۰)

ڈاکٹر سید عبداللہ المحترم کی رائے میں سیرت کا مفہوم طریقہ و مذہب، سنت، ہیئت، حالت اور کردار تک ود نہیں بلکہ اس سے مراد داخلی شخصیت، اہم کارنامے اور اکابر کے حالات زندگی بھی ہیں۔(۱۱)

قرآن پاک میں لفظ سیرت جہاں چلنے پھرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے وہاں ہیئت اور حالت کے معانی ے لیے بھی آیا ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سنعیدھا سیرتہا الاولی

یعنی ہم اسے پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔(۱۲)

اہل لغت نے سیرت کا ایک معنی سوانح عمری بھی بیان کیا ہے۔ سیرت کے ساتھ طیبہ کا لفظ پاک، اور اف کے معنوں میں آتا ہے۔ سیرت طیبہ کا مطلب ہوگا، پاک سیرت۔

یرت کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں سرکار دو عالم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس طریقے، آپ ﷺ کے پاکیزہ الات زندگی اور مغازی کے بیان کو سیرت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق

"سیرت کا مطلب، خصوصیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کا بیان اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کا بیان جو غیر مسلموں کے ساتھ جنگ (اور صلح) میں آپ نے روا رکھا اور آخری صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات کا بیان معنی سوانح عمری"۔ (۱۳)

اس اعتبار سے ہم سیرت کے اصطلاحی مفہوم کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

"اصطلاح میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس طریقہ کردار، رویہ، حالات زندگی اور جملہ اوصاف حمیدہ "سیرت طیبہ کے زمرہ میں آتے ہیں"۔

قرآن کریم نے اسی سیرت طیبہ ﷺ کو "اسوہ حسنہ ﷺ" سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی ایک ایسی زندگی جس میں حسن ہے، جس میں جمال ہے، جس میں کمال ہے، جس میں برکت ہے۔ جس میں راحت ہے، جس میں رحمت ہے، جس میں پاکیزگی ہے، جس میں تقدس ہے، جس میں رفعت ہے، جس میں کرامت اور شرافت ہے۔ معروف اور مقبولیت سیرت نگار عالی وقار علامہ طالب ہاشمی اپنے پر مغز مقالے "تاریخ ساز سربراہ مملکت" کے ابتدائیہ میں "سیرت طیبہ کی عظمتوں کے گیت گاتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے کسی بھی پہلو پر نگاہ ڈالیں، اس میں خیر خواہی خیر اور رحمت ہی رحمت نظر آئے گی۔ آپ کی حیات طیبہ قرآن حکیم کی عملی تفسیر تھی۔ قرآن پاک کے احکام و منشا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں سر مو فرق نہ تھا۔ آپ نے جو انقلاب برپا کیا وہ یکسر قرآنی انقلاب یا قرآنی انقلاب تھا۔ اس سے زیادہ بابرکت ہمہ گیر اور بھرپور انقلاب روئے زمین پر آج تک برپا نہیں ہوا۔ یہ انقلاب بیک وقت روحانی بھی تھا اخلاقی بھی اور معاشی بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن اصولوں کے داعی بن کر اٹھے وہ فرد، معاشرہ اور قوم کی ساری زندگی پر حاوی تھے۔ اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبے پر محیط تھے۔ آپ کا اسوہ حسنہ ایک مسلمان کی زندگی کے ہر پہلو کا داخلی نگران اور خارجی معیار ہے۔ امن ہو یا جنگ، تجارت ہو یا سیاست گھر ہو یا میدان، غم ہو یا خوشی، تنگ دستی ہو یا آسودہ حالی، سفر ہو یا قیام، خلوت ہو یا جلوت، ہر حالت میں حضور علیہ السلام کی حیات طیبہ میں ہمارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے"۔ (۱۴)

سیرت طیبہ ﷺ ہی نمونہ کامل ہے، رہبر و رہنما ہے اور اسی کی پیروی کا حکم ہے

ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی تمام مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام انسانوں کے لیے مشعل راہ، مینارہ نور اور نمونہ کامل ہے۔ زندگی کے ہر قدم پر، زندگی کے ہر موڑ پر، زندگی کے ہر معاملے میں، زندگی کے ہر مسئلے میں، زندگی کے ہر گوشے میں، زندگی کے ہر شعبے میں سرور کائنات، فخر موجودات، محبوب رب السموت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ (سیرت طیبہ) رہبری اور رہنمائی کے لیے

۔ گویا پوری دنیائے انسانیت کی رہبری ورہنمائی کے لیے تمام انسانوں کی رشد وہدایت کے لیے کائنات کے ہر
کی کامیابی وکامرانی کے لیے اگر کسی کی زندگی معیار اور نمونہ ہے تو وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات
یہ ہے۔ اس لیے یہی اور صرف یہی مقدس زندگی اس کی مستحق تھی کہ اسے بتمامہ وبکمالہ محفوظ کیا جائے۔

یقین کیجئے پوری انسانی تاریخ میں اگر کوئی زندگی پوری کی پوری سینوں اور سفینوں میں' حافظے میں' ذکر و
میں' ذہن میں' کاغذ میں' دل ودماغ میں بلکہ اعمال وکردار میں محفوظ رکھی گئی ہے تو وہ البیلی' نرالی اور انوکھی زندگی
، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فداہ ابی وامی اسی پاکیزہ زندگی کو "اسوہ حسنہ" کہا گیا ہے' یہی "سیرت
یہ" ہے یہی "نمونہ کمال" ہے' یہی "رہبر ورہنما" ہے اور اسی کی پیروی کا حکم خداوندی ہے۔ ارشاد ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب)۔(۱۵)

"یقیناً تمہارے لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے"۔

اسی مقدس ومنور زندگی میں انسانیت کے جملہ مسائل کا حل ہے۔ اسی کی اتباع واطاعت میں نجات
وی ہے۔ اسی کی پیروی میں فلاح دینوی ہے۔ اسی زندگی کو اپنانے میں کامیابی' ترقی اور استحکام ہے۔

آج بھی جو فرد' جو معاشرہ' جو قوم دامن مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء تھام لے' فلاح اس کا مقدر ہے۔ دنیا صلاح
اح کی اگر متمنی ہے' دنیا اگر امن وچین کی متلاشی ہے۔ اہل وطن کامیابی اور کامرانی کے آرزومند ہیں اور اپنے ملک
مضبوط ومستحکم دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی علاج ہے کہ وہ تعلیمات مصطفوی کو اپنا کر "سیرت طیبہ" کو مشعل
بنالیں۔ سچ ہے۔

دنیائے ہست وبود کی زینت تمہی سے ہے
دونوں جہاں کی والی و عقبیٰ تمہی تو ہو
صلی اللہ علیہ وسلم

تحکام پاکستان کے لیے سیرت طیبہ سے بہترین رہنمائی

اسلام کے مقدس نام پر معرض وجود میں آنے والا دنیا کا واحد اسلامی نظریاتی ملک مجموعی طور پر ہر شعبے
ں اسلامی اصولوں کے مطابق عمل پیرا ہو کر زبردست استحکام حاصل کر سکتا ہے۔ تاہم خصوصیت سے درج ذیل
ور میں سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کر کے مضبوط' توانا' مستحکم اور مثالی "پاکستان" تلاش کیا جاسکتا ہے۔

تعلیم: (قدیم وجدید علوم وفنون کا حصول اور مہارت)

دنیا کی کوئی بھی قوم علوم وفنون میں مہارت حاصل کیے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ جس قوم کے افراد جس

قدر زیادہ تعلیم یافتہ اور ہنر مند ہیں اسی قدر دنیا میں سر بلند ہیں۔ اسلام روز اول سے ہی تعلیم و تربیت کا درس دیتا
حدیث شریف کے مطابق "مہد سے لحد تک" علم حاصل کرنے کا امر ہے۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا فر
ہے:

الحکمة ضالة المؤمن

"یعنی علم و فن، دانش و بینش، تحقیق و ریسرچ مومن کی متاع گم گشتہ ہے"

اس تاریخی حقیقت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ اسلام کے دور عروج میں مسلمانوں کی ترقی اور سر بلند
ایک سبب یہ تھا کہ مسلمان قدیم و جدید دونوں طرح کے علوم و فنون میں کامل دسترس رکھتے تھے۔

ہم مانیں یا نہ مانیں مگر یہ حق ہے کہ عصر جدید میں علمی، سائنسی، اور فنی ترقی کے بغیر نہ معاشی ترقی
ہے، نہ سیاسی استحکام، نہ تعلیمی پیش قدمی اور نہ ہی اپنے ملک کی سرحدوں کا دفاع آسان ہے۔ لہذا ضرورت اس ا
ہے کہ ہم اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول محتشم، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اقدس کو اپنا راہنما بنا کر
دنیوی علوم میں کمال حاصل کریں۔

استحکام پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ اہل وطن علم و فن کے زیور سے آراستہ ہوں۔ حکومت کا
ہے کہ وہ تعلیم عام کرے، علوم و فنون کا حصول سہل بنائے۔ قوم کے نونہالوں کو حصول علم کے لیے حتی الم
سہولتیں فراہم کرے تاکہ اہل وطن اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک "طلب العلم فریضة
کل مسلم" پر پوری طرح عمل پیرا ہو سکیں اور اپنے ملک کو مضبوط و مستحکم بنا سکیں۔

اتحاد و یکجہتی

بحمدہ تعالیٰ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان، رب العالمین کی اس بڑی اور بھلی کائنات میں ساری دنیا سے
منفرد ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مسلمان دنیا کے کسی بھی کونے میں رہتا ہو، کوئی سی زبان بولتا ہو، کسی بھی قبیلے
ہو، کیسا ہی لباس زیب تن کرتا ہو کسی بھی نسل کا باشندہ ہو وہ عالمی اسلامی برادری کا ایک رکن ہے۔ مسلمانوں
ایک ہے، رسول ایک ہے، دین ایک ہے، کعبہ ایک ہے۔ کتاب ایک ہے، وہ رنگ و نسل اور زبان و قوم کے اختلا
کے باوجود ایک قوم، ایک ملت اور ایک امت ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہم نے یہ وطن عزیز علاقائی وابستگیوں اور صوبائی تعصبات سے بلند ہو کر اتحاد و یکجہتی
بدولت حاصل کیا تھا۔ آج بھی وحدت و یگانگت کا مظاہرہ کیا جائے تو پاکستان پہلے سے کہیں زیادہ مستحکم ہو سکتا ہے
اور حق یہ ہے کہ تعصبات، مفادات اور اختلافات خواہ صوبائی ہوں، لسانی ہوں یا طبقاتی ہمارے داخلی انتشار او
استحکام کا باعث بنتے ہیں اور ہماری قومی ملی اور اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لایا ہوا نظام حیات تمام جغرافیائی حد بندیوں سے بالا ہے۔ بقول علامہ اقبال علیہ الرحمۃ

نہ افغانیم و نے ترک و تاتاریم
چمن زادیم و ازیک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است
کہ ما پروردہ یک نو بہاریم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقائی حد بندیوں سے بے نیاز ہو کر ایک باہم شیر و شکر اور ہم آہنگ معاشرے کی بنیاد رکھی جس میں تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

چنانچہ باہمی یگانگت، محبت و رحمت اور لطف و کرم میں اہل ایمان کی مثال ایک جسم کی سی ہے اگر ایک عضو میں کوئی تکلیف ہو تو سارا جسم ہی شب بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔ (شیخین)(۱۶)

رب ذوالجلال کا ارشاد ہے۔ انما المؤمنون اخوۃ (الحجرات)(۱۷)

"بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اہل وطن اتحاد و یکجہتی کی بدولت ہر معرکہ سر کر سکتے ہیں، ہر مشکل آسان بنا سکتے ہیں، ہر مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مخلص قیادت وطن کے فرزندوں کو اتحاد کی لڑی میں پرو دے۔ پاکستان کے استحکام کے لیے ضروری ہے۔ کہ اس کے باسی اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل پیرا ہو کر باہم شیر و شکر ہو جائیں تاکہ فلاح و کامرانی ان کا مقدر بن جائے۔

امانت و دیانت

ایک اچھے انسان کو جن اعلیٰ اوصاف کا حامل ہونا چاہیے اور بالخصوص ایک اچھے مسلمان کو جن صفات سے متصف ہونا چاہیے ان میں ایک بہترین وصف امانت و دیانت ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی شہرہ آفاق تالیف "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کی جلد چہارم میں اسی عنوان کے تحت خوبصورت گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"آپس کے لین دین کے معاملوں میں جو اخلاقی جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ دیانت داری اور امانت ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے کاروبار میں ایماندار ہو اور جس کا جس کسی پر جتنا حق ہو اس کو پوری دیانت سے رتی رتی دے دے اسی کو عربی میں امانت کہتے ہیں"۔(۱۸)

پروردگار عالم کا بھی ارشاد ہے :

ان اللہ یأمرکم ان تؤ دوا الامانات الی اھلھا۔(سورۃ النساء)(۱۹)

"خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو"۔

ہر مسلمان کی شان یہ ہے کہ اپنی امانتوں کو ان کے اہل تک پہنچا کر دم لے۔ زندگی کے شب و روز او
زندگی کے معاملات میں بددیانتی اور خیانت کا مرتکب نہ ہو۔ کوئی مسلمان کسی بھی ادارے یا کسی بھی محکمے میں
برسرروزگار ہے تو وہ اللہ و رسول کے ان احکامات کا پاس کرے۔ اس کے ذمہ جو چیزیں ہیں ملک و قوم کی امانت ہیں
ان کا نقصان اس کا اپنا نقصان ہے۔ اگر ہم امانت و دیانت کا اصول اپنالیں اور ہر فرد عہد کرے کہ وہ خود بھی امین بنے گا
اوروں کو بھی یہ درس دے گا تو ہر محکمہ اور ہر ادارہ خوشحالی ترقی اور کامیابی کی نوید لائے گا یوں ہمارا ملک مضبوط او
مستحکم ہوگا۔

قناعت پسندی اور معیشت میں میانہ روی

سورۃ الفرقان میں خالق ارض و سما کا ارشاد پاک ہے:

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا و کان بین ذالک قواما (سورۃ الفرقان: ۶۷)(۲۰)

"اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بیجا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ
ضرورت سے زیادہ نہ کم"۔

اگر بندہ مومن اپنے معاملات اور اپنے معمولات میں قناعت پسندی اور میانہ روی سے کام لے' ا
اخراجات اور رہن سن کے انداز میں یہی اصول اپنائے تو یقین جانیے وہ کبھی گھاٹے میں نہیں رہے گا۔ ہمیشہ کامیا
زندگی گزارے گا' آسودگی اسے حاصل رہے گی اور وہ چین و اطمینان کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ میرے آقائے کر
علیہ الصلوۃ والتسلیم کا ارشاد ہے:

قد افلح من اسلم و رزق کفافا و قنعہ اللہ لما آتاہ (مسلم)(۲۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ آدمی کامیاب ہے
اسلام لایا اور بقدر ضرورت رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کو دیا اس پر اس کو قناعت کی توفیق بخشی"۔

ہماری بدنصیبی اور ناسمجھی یہ ہے کہ ہم دوسروں سے آگے بڑھنے کے لیے بیتاب ہوتے ہیں اس مقصد
لیے ناجائز ذرائع استعمال میں لانا پڑیں تو ہم اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اور ہمارا ضمیر بھی ہمیں نہیں جھنجھوڑتا۔

اگر اہل وطن قناعت پسندی کا اور معیشت میں میانہ روی کا یہ سبق پڑھ لیں' ہر شخص اپنے اپنے نصیب
صابر و شاکر ہو جائے' ہر آدمی اپنے اپنے حصے پر قانع ہو جائے تو اللہ کی عزت کی قسم پورا معاشرہ سدھر جائے۔ یہ ملک
ترقی کیا ترقیاں کرے۔ اس کے باسی راج کریں۔ ہر افسر اپنے اپنے دائرہ اختیار میں اپنی اپنی جائز اور محدود آمدنی

قناعت کرے تو یقین کیجئے رشوت' ناجائز منافع خوری بے انصافی' ظلم' زیادتی خود بخود کافور ہو جائے۔ کوئی سیرت طیبہ سے یہ سبق پڑھ کر اس پر عمل کر کے دیکھے رحمٰن و رحیم خدا کتنے شیریں ثمرات عطا کرتا ہے۔

ایثار و غمخواری

ایثار اور غمخواری کا مفہوم یہ ہے کہ انسان دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ذاتی ضرورت پر مقدم رکھے' خود بھوکا رہے اور دوسروں کو کھلائے' خود تکلیف اٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے ملک و قوم کی خاطر اپنی ذات فراموش کر دے اور ضرورت پڑنے پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے ہجرت کے موقع پر جس بے مثال ایثار کا اظہار کیا' انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ مکہ المکرمہ سے ہجرت کر کے جب مہاجر صحابہ بے خانماں ہو کر مدینۃ المنورہ آئے تو انصار نے سب کچھ ان کے دامن میں ڈال دیا' انہیں اپنے گھر دیئے' اپنے باغ اور کھیت دیئے' اپنے کاروبار میں انہیں شریک کیا' خود ہر دکھ جھیل کر انہیں ہر طرح کا سکھ پہنچایا' رب ذوالجلال نے ان کی مدح میں فرمایا:

"و یؤثرون علی انفسھم و لو کان بھم خصاصۃ "(الحشر۔۲۲)

"اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (ان مہاجر بھائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں"۔

بخاری شریف اور مسلم شریف کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مفسرین نے اس آیت کریمہ کے تحت ایک خوبصورت واقعہ لکھا ہے۔ پڑھیے اور ایثار و قربانی کے اس انوکھے' البیلے اور نرالے انداز پر قربان ہو جایئے۔

"ایک روز ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا' سخت بھوکا ہوں۔ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات سے پوچھا وہاں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ صحابہ کو فرمایا۔ کوئی ہے جو آج رات اس کی میزبانی کرے؟ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔ انصار میں سے ایک آدمی اٹھا' عرض کی۔ یہ سعادت میں حاصل کروں گا اور اس نووارد کو اپنے گھر لے گیا۔ اپنی بیوی سے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا مہمان ہے۔ اس کی خدمت میں خلل نہ کرنا۔ اس نے کہا خدا میرے پاس تو بچوں کے کھانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انصاری نے کہا بچوں کو بہلا کر سلا دینا۔ جب ہم کھانا کھانے بیٹھیں تو دیا بجھا دینا۔ آج رات ہم بھوکے گزاریں گے۔ جب کھانا تیار ہوا تو بچوں کو سلا دیا گیا۔ وہ نیک خاتون دیئے کو درست کرنے کے بہانے اٹھی اور دیا بجھا دیا۔ ایک ہی دستر خوان پر سب بیٹھ گئے۔ میاں بیوی اس طرح ظاہر کرتے رہے کہ وہ کھا رہے ہیں' مہمان کو احساس ہی نہ ہوا کہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔ رات بھوکے گزاری' صبح بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لقد اعجب اللہ او ضحک من فلان و فلانۃ

"فلاں شخص اور اس کی زوجہ نے جو کام کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے اسے بہت پسند کیا ہے یا اس پر ہنسے ہیں" (۲۳)

پیارے پاکستان کے جیالے لوگ سیرت طیبہ ﷺ کے ان بے مثال واقعات کو مشعل راہ بنا کر ایثار، قربانی اور ہمدردی و غمخواری کا مظاہرہ کریں تو "پاکستان" سارے عالم میں عظمت کا نشان بن جائے اور اس کے باسیوں کا حال و مستقبل تاباں و درخشاں ہو جائے۔

عدل و انصاف

علماء فرماتے ہیں "کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرا بھی کمی یا بیشی نہ ہو تو اسے عدل کہتے ہیں"۔ (۲۴)

عدل خود اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور سچ تو یہ ہے کہ دنیا کا یہ سارا کارخانہ جو آسمان سے لے کر زمین تک پھیلا ہوا ہے' صرف اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کے بل بوتے پر قائم ہے چنانچہ قرآن پاک کی متعدد آیات میں بار بار اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ ناپ تول میں بے انصافی نہ کرو' فیصلہ کرتے وقت عدل قائم رکھو' خرید و فروخت کے معاملات میں عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھو۔ مشہور آیت کریمہ ہے۔

"و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل" (النساء) (۲۵)

"اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو"۔

سچی بات تو یہ ہے کہ عدل و انصاف انسان کی طبعی اور فطری ضرورت ہے اور یہ کہ عدل و انصاف حکومت و سلطنت کی عمارت کا ستون ہے۔ اسی لیے اسلام نے ہر قسم کے مذہبی اور عدالتی فیصلے کیے عدل کو ضروری قرار دیا ہے اس لیے کہ اگر یہ نہ ہو تو کسی مظلوم کی دادرسی ممکن ہی نہیں۔ اسی خاطر ایک حاکم کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ عادل ہو۔

اگر کسی ملک میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو تو وہ ملک نہ صرف ترقی کرتا ہے' خوشحال ہوتا ہے بلکہ امن امان کی فضا راج کرتی ہے۔ جب ہر شخص کو انصاف ملے گا' جب ہر شہری کو اپنا حق میسر آئے گا تو وہ آسودہ ہو کر اپنے معاملات انجام دے گا اور کوئی جابر و ظالم اس کے عزائم کی تکمیل میں آڑے نہیں آئے گا۔ یوں ہر فرد اپنے فرائض تندہی سے انجام دے گا تو کامرانیاں اور شادمانیاں خود بخود وجود پذیر ہوں گی۔ خدا کرے ہمارے حکمران' ہمارے ارباب اقتدار عدل و انصاف سے متصف ہوں۔

قومی خدمت کا جذبہ : (خدمت خلق)

انسان بلا شبہ اشرف المخلوقات ہے۔ خالق ارض و سماء نے اس کے سر پر شرافت و کرامت کا تاج رکھ کر اسے تمام مخلوقات پر افضل قرار دیا ہے۔ یہ اشرف المخلوقات اس وقت اور بھی بھلا لگتا ہے جب خدمت کے بے لوث جذبات سے سرشار ہو کر اوروں کے کام آتا ہے' دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔ سرور کون و مکاں' سرور دل و جاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

خیر الناس من ینفع الناس

"یعنی بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے"۔

مسلمان' دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ ان کا نفع نقصان سانجھا ہے۔ اگر ہم اس جذبے سے سرشار ہو کر دوسروں کے کام آئیں' دوسروں کو فائدہ پہنچائیں' دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہوں اور ہم میں خدمت خلق کا قومی جذبہ پوری طرح بیدار ہو جائے تو ہم اللہ کے فضل و کرم سے ہر مشکل آسان بنا سکتے ہیں' ہر بحران پر با آسانی قابو پا سکتے ہیں اور اس بے پکراں جذبہ کی بدولت ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتے ہیں۔ خدا نہ کرے ملک عزیز پر کوئی کڑا لمحہ آئے' اگر ایسا ہو تو ہم قومی خدمت کے جذبہ کے بل بوتے پر سرخرو ہو سکتے ہیں۔ ہمارے رہبرو رہنما اپنی قوم میں اس اہم ترین قومی خدمت کے جذبہ کا احساس پیدا کریں۔

عمل پیہم اور محنت شاقہ :

قومیں' آرام و سکون کی نیند سو کر سربلند اور فتح مند نہیں ہوا کرتیں۔ کامیابی کامرانی' شادابی اور شادمانی انہی قوموں کا مقدر بنتی ہے جو ہر دم جواں جذبوں کے ساتھ عمل پیہم اور محنت شاقہ کے اصول اپناتی ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

الکاسب حبیب اللہ

ہاتھ کی (حلال) روزی کمانے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔

جو لوگ مسلسل کام کرتے ہیں' محنت مزدوری کو عار نہیں سمجھتے' حلال روزی کمانے کی تگ و دو کرنے میں لگے رہتے ہیں' وہ بلا شبہ اللہ کے دوست کا مقام پاتے ہیں۔ پروردگار ایسی روزی میں برکتیں اور رحمتیں بھی عطا کرتا ہے۔ اہل وطن عمل پیہم اور محنت شاقہ کے عادی ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم فخر سے سربلند نہ کر سکیں۔ ہر آدمی اپنے اپنے فرائض پہچانے اور پوری دیانت سے انہیں ادا کرے' تنگی' غربت' افلاس' پسماندگی' انشاء اللہ خود بخود ختم ہو جائے گی اور لوگ عزت کی روٹی کھا کر جئیں گے۔

احساس جوابدہی :

اس دنیا میں ہر انسان پر چاہے وہ کسی بھی مقام و مرتبہ پر فائز ہو' کچھ نہ کچھ ذمہ داریاں ضرور ہیں جن کے بارے میں وہ جواب دہ ہے۔ اس سلسلہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی ساری گفتگو کا ماحصل ہے اور اگر کوئی صدق دل سے صرف اس ایک ارشاد پاک پر عمل پیرا ہو جائے تو میرا ایمان ہے صلاح و فلاح اسی میں مضمر ہے۔ فرمایا :

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته

"یعنی تم میں سے ہر ایک گلہ بان (نگہبان) ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا"

کوئی کسی گھر کا سربراہ ہے یا کسی ملک کا بادشاہ' کسی محکمہ کا حاکم اعلیٰ ہے یا کسی ادارے کا افسر بالا' وہ جو کچھ بھی ہے اور جس منصب پر فائز ہے۔ اپنے اپنے دائرہ اختیار میں اپنی ذمہ داریوں سے متعلق جواب دہ ہے۔ قیامت کے روز اپنی رعایا کے بارے میں مسئول ہے۔

ہر شخص اگر احساس جوابدہی اپنے دل میں پیدا کرلے تو یقین کیجئے ہر فرد اپنا ہر قدم اٹھانے سے پہلے اس کے نتائج کے بارے میں سوچے گا اور ہر ناشائستہ کام کرنے پر آمادہ نہ ہوگا۔ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں تندہی کا مظاہرہ کرے گا' غفلت سے باز آئے گا اپنے ماتحت کے حقوق ادا کرے گا' ظلم و ناانصافی سے بچنے کی سعی کرے گا اور یوں ہر ادارہ ہر محکمہ ترقی کی نوید لائے گا۔ کاش! اہل وطن سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کریں تو ان کا "پاکستان" مضبوط و مستحکم ہوگا خود وہ اطمینان اور استحکام کی دولت سے شاد کام ہوں گے۔ کسی شاعر نے بہت عمدہ' بہت خوبصورت اور بہت مفید بات کہی ہے۔

احساس عمل کی چنگاری جس دل میں فروزاں ہوتی ہے
اس لب کا تبسم ہیرا ہے' اس کی آنکھ کا آنسو موتی ہے

حرف آخر اور اعتراف حقیقت :

ان محدود اور متعین صفحات میں اس اہم موضوع کا حق ادا نہ ہو سکا۔ حرف آخر اور اعتراف حقیقت کے طور پر صرف اتنا عرض ہے کہ

یہ قصہ لطیف ابھی ناتمام ہے

رب ذوالجلال اپنے محبوب خوش خصال صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ پیارا پاکستان سدا پھلے اور پھولے' مضبوط اور مستحکم ہو اور اس کے باسی چین' اطمینان اور سکھ کی زندگی بسر کریں۔ آمین ثم آمین۔

حوالہ جات

۱۔ علمی اردو لغت

۲۔ المنجد و دیگر عربی لغات (لسان العرب' مصباح اللغات' المعجم الوسیط وغیرہ)

۳۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۴۲۴

۴۔ شعلہ آواز

۵۔ روزنامہ نوائے وقت' راولپنڈی و مجلہ کاروان قمر شمارہ اپریل ۱۹۹۷ء

۶۔ رہنمائی و مشاورت (۲۳ اپریل ۱۹۹۷ء)

۷۔ سورۃ الرعد آیت ۷ پارہ نمبر ۱۳

۸۔ تاج العروس جلد ۳ صفحہ ۲۷۸

۹۔ المنجد   ۱۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۱

۱۱۔ سیرت کا مفہوم از ارم فضل

۱۲۔ طہ آیت ۲۱   ۱۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ

۱۴۔ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ رحمۃ العالمین نمبر صفحہ ۱۸۱۔۱۸۲

۱۵۔ الاحزاب آیت ۲۱

۱۶۔ ریاض الصالحین لامام نووی رحمۃ اللہ علیہ جلد اول صفحہ ۱۶۵۔

۱۷۔ الحجرات آیت نمبر ۱۰

۱۸۔ سیرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جلد ششم صفحہ ۱۹۹۔

۱۹۔ سورۃ النساء

۲۰۔ سورۃ الفرقان : ۶۷

۲۱۔ مسلم شریف بحوالہ ریاض الصالحین جلد اول

۲۲۔ سورۃ الحشر آیت ۹

۲۳۔ تفسیر ضیاء القرآن (سورۃ الحشر) جلد پنجم صفحہ ۱۷۷

۲۴۔ سیرۃ النبی ﷺ جلد ششم

۲۵۔ سورۃ النساء آیت ۸

تحریک پاکستان کے فکری محرکات
سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

عارف محمود۔ڈسکہ سیالکوٹ

جس طرح بیج سے پھول کا ظہور ایک دم نہیں ہوتا اسی طرح ملکوں اور قوموں کی تشکیل بھی ایک دن یا دور زماں کے ایک چکر میں نہیں ہوتی۔ اس عمل میں صدیوں اور نسلوں کی قربانیاں بنیاد کا پتھر بنتی ہیں' موسموں کے گرم اور سرد تھپیڑے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کی طرف کتنے ہی دور مکمل کرتے ہیں تب کہیں جا کر ایک ملک یا قوم کی عمارت اٹھائی جاتی ہے۔ تحریک پاکستان کا آغاز یوں تو انیسویں صدی کے نصف اول بلکہ زیادہ محدود تناظر میں نصف آخر میں ہوا لیکن اس کی فکری اساس چودہ صدیاں قبل صحرائے عرب میں استوار کی جا چکی تھی۔ تاریخ اسلام کی مسافرت جغرافیے یا خطہ ہائے ارض کی تسخیر کی ریاضت نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل و تکمیل کی تمنا کا سفر ہے جس میں انسانیت راحت' سکون اور فوز و فلاح سے آشنا ہو سکے۔ تاریخ کے اس تسلسل میں بیسویں صدی کے پانچویں دہے میں خطہ برصغیر میں پاکستان کا قیام اس یوٹوپیا' اس مثالی معاشرے کی جستجو کا ایک سنگ میل تھا جس کا خواب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی آنکھوں پر اتارا تھا۔

حمید رضا صدیقی رقمطراز ہیں:

"پاکستان کا قیام بیسویں صدی کی سیاسی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اہمیت اس لیے نہیں کہ جنوبی ایشیاء کے نقشے پر ایک نئی مملکت کا ظہور ہوا' نئی ریاستوں کا دنیا کے نقشے پر ابھرنا' ایک عام سی بات ہے۔ لیکن پاکستان کے قیام کو دنیا کی سیاسی تاریخ میں اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ یہ ایک مخصوص نظریے کی بنیاد پر قائم ہوا۔ اس کی

بنیادیں مغرب کے قوم پرستانہ نظریے پر استوار نہیں ہوئیں۔ بلکہ اس کا قیام مغربی نظریہ
قومیت کے لیے ایک کھلا چیلنج تھا"۔ (نظریہ پاکستان پس منظر و پیش منظر' لاہور)

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جسے قائداعظم نے مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کی حیثیت سے قائم کیا تھا کہ مسلمان وہاں اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ پاکستان جن اغراض و مقاصد کے لیے قائم ہوا تھا۔ اسے نظریہ پاکستان کہتے ہیں۔ اور چونکہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اس لیے نظریہ پاکستان درحقیقت نظریہ اسلام ہی کی بنیاد پر استوار ہے۔ اور یہی قیام پاکستان کا محرک اولین ہے۔ مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال نے اس بات کی وضاحت یوں کی ہے۔

"ایک ایسا خطہ زمین درکار ہے جہاں اسلامی اقدار حیات کی انفرادی تشکیل سیرت
اور اجتماعی کردار سازی کا پورا موقع حاصل ہو" (سید سلیم' تاریخ نظریہ پاکستان)

اسی بنیادی محرک اور نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے ۱۳ جنوری ۱۹۴۸ء کو اسلامیہ کالج میں فرمایا:

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا۔
بلکہ ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی
بسر کر سکیں"۔

آپ نے ۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو فرمایا:

"آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرک کیا تھا' مسلمانوں کے
لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی' تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس کی وجہ
ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا"۔

ہر مسلمان زندگی گذارنے کے لیے اسلامی حکومت قائم کرنے پر مجبور ہے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اطاعت خداوندی میں دینے کے لیے ایک لمحہ انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ تمام معاملات کے فیصلے خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی' قانون خداوندی کے مطابق کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے اصلی محرک اور اساس' اسلام کا' قرآن کا یہ مطالبہ بلکہ حکم ہے کہ و یکون الدین کله لله (الانفال۔ ۳۹) فیصلے قانون خداوندی کے مطابق ہونے چاہئیں۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا یشرك فی حکمه احدا (الکھف۔ ۲۶) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حکم دینے میں کسی کو شریک نہ بناؤ۔ چونکہ حکومت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور انسان کو زمین پر صرف نیابت یا خلافت کا حق حاصل ہے۔ یعنی زمین پر قرآنی فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے اقدامات کرنا۔ چنانچہ

سورۃ الفاطر آیت نمبر ۱۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے : ذالکم اللہ ربکم لہ الملك وہ تمہارا اللہ تمہارا رب ہے حکومت اسی کا حق ہے۔ اسلامی ریاست میں قانون سازی کا حق انسان کے پاس نہیں بلکہ انسان محض قانون خداوندی کے تحت زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ وہ اس قانون کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اعمال کا جوابدہ رہے گا۔ چونکہ تخلیق کائنات ایک خدائی فیصلہ ہے۔ لہٰذا حکمرانی کا حق بھی اسی کو حاصل ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی سے واضح ہے الا لہ الخلق و الامر (الاعراف۔ ۵۴) خبردار! خلق اور حکم دونوں خدا کے لیے مختص ہیں۔ البتہ قانون خداوندی کے اندر رہتے ہوئے فقہی مسائل کا استنباط اور ترتیب ایک علیحدہ ذمہ داری ہے جس کی شریعت میں اجازت ہے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد زمین پر حکومت الہیہ کا قیام تھا۔ تاکہ ایک صالح معاشرہ وجود میں آجائے۔ اہل ایمان اور اہل فسق کی تمیز اس وقت ممکن ہے جب معاشرے پر ایک ایسا نظام حکومت قائم و نافذ ہو جو انسان کا بنایا ہوا نہ ہو۔ ارشاد خداوندی ہے :وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (النساء : ۶۴) علی ھذا القیاس اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے حکمت رسالت واضح فرماتا ہے کہ : انا انزلنا الیك الکتاب بالحق لتحکم بین الناس (النساء : ۱۰۵) جب تک مسلمان ایک اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت قائم نہ کریں ایمان و اسلام کے تقاضے ادھورے رہیں گے۔ جب تک ایک خدائی نظام حکومت قائم نہ کیا جائے جس میں قانون خداوندی کو بالادستی حاصل ہو مسلمان کی زندگی حیثیت مسلمان نہیں گذر سکتی۔ لہٰذا خلافت الٰہی کے تحت نظام حکومت قیام انبیاء کے مشن میں شامل رہا ہجرت کرتے وقت آپ ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں دست آرزو بلند کر کے فرما رہے تھے کہ :

> "خداوند! آپ مجھے جہاں بھی لے جائیں سچائی کے ساتھ لے جائیں اور جہاں سے بھی نکالیں سچائی کے ساتھ نکالیں اور اپنی طرف سے ایک اختیار کے ذریعے میری مدد فرمائیں"۔ (بنی اسرائیل : ۸۰)

حکومت کی طاقت سے بگاڑ کو درس کیا جا سکتا ہے' خواہش اور منکرات کا سدباب ممکن ہو جاتا ہے' قانون عدل و انصاف جاری کیا جا سکتا ہے۔ تمام مفسرین حضرات' مثلاً حسن بصریؒ' حضرت قتادہؒ' ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے درج بالا آیت کا مفہوم یہی لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ہے :ان اللہ لیزع بالسلطان مالا یزع بالقرآن (تفسیر ابن کثیر) اسی طرح مزید فرمایا :الاسلام و السلطان اخوان توأمان لا یصلح واحد منھما الا بصاحبہ فالاسلام اسس و السلطان حارس و مالا اسس لہ لیھدم وما مارس لہ ضائع۔ (کنز العمال) یعنی اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ یہیں اسلام کی مثال ایک عمارت کی سی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے

ر جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے"۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلام میں جس قدر اہم فریضہ ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ امت مسلمہ کے پا کرنے کا مقصد یہی بتایا گیا ہے کہ: کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنھون عن منکر (آل عمران۔۱۱۰) اور قیامت تک کے لیے مسلمانوں کا یہی فرض قرار دیا گیا ہے: و لتکن منکم امة یدعون ی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینھون عن المنکر (آل عمران۔۱۰۴) اہل علم جانتے ہیں کہ امر و نہی کے لفظ ں اقتدار اور تحکم کی شان ہے۔ یہ نہیں فرمایا گیا کہ وہ بھلائی اختیار کرنے کی درخواست و عرض کریں گے اور برائی سے باز رہنے کی التجا کریں گے۔ پس امر و نہی کے لیے سیاسی اقتدار اور مادی قوت کی ضرورت ہے اور امت کا فریضہ ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے۔ صحیحین کی مشہور حدیث ہے۔ و من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع بلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالك اضعف الایمان (بخاری و مسلم) ظاہر ہے "تغیر بالید" کے لیے قوت و ختیار کی ضرورت ہے زبان سے روکنے کے لیے کچھ قدرت اور آزادی کی ضرورت ہے' اگر یہ کچھ نہیں تو بہتر درجے قناعت کرنی پڑے گی جو ایمان کا آخری درجہ رہ جاتا ہے مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ غلامی میں بدی کو دل سے برا سمجھنا رزشت و نیک کا بھی احساس جاتا رہتا ہے۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی فطرت اس بات کا مطالبہ کرتی ہے اور قرآن و حدیث کے نصوص اس امر تقاضا کرتے ہیں کہ اسلام کی سربلندی کے لیے آزاد فضا حاصل کی جائے اور ریاست اور حکومت کو دین کے فروغ ور اسلام کے بتائے ہوئے مقاصد حیات کے لیے ان حدود میں رہ کر استعمال کیا جائے جو قرآن و سنت نے متعین کر ی ہیں۔ جو ریاست ان مقاصد کے حصول کے لیے کوشش کرے وہ اسلامی ریاست ہے اور ایسی ریاست کے قیام کے بغیر اسلام کا نصب العین نامکمل رہے گا۔ خود پاکستان کے قیام کی جدوجہد بھی مسلمانوں کے اسی احساس کا نتیجہ تھی کہ ان کی ایسی ریاست ہونی چاہیے جہاں وہ اپنے عقائد و تصورات اور اپنے قانون حیات کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال نے خطبہ الہٰ آباد ۱۹۳۰ء میں مسلمانان برصغیر کے جداگانہ وجود اور ان کی معاشرتی' معاشی اور سیاسی حالت سدھارنے کے لیے ایک اسلامی ریاست کے قیام کی اہمیت پر زور دیا۔ اس سے پاکستان کی اساس کی واضح نشاندہی بھی ہو جاتی ہے۔:

"اسلامی قانون کے طویل و عمیق مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اس قانون کو اچھی طرح نافذ کیا جائے تو ہر شخص کے لیے کم از کم حق معاش محفوظ ہو جاتا

ہے۔ لیکن شریعت کا نفاذ اور ارتقاء ایک آزاد مسلم ریاست کے بغیر اس ملک میں ممکن نہیں"۔ (خطبہ الٰہ آباد ۱۹۳۰)

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے اس تصور کو اور اس کی اساس کو تحریک پاکستان کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد بھی متعدد بار واضح کیا۔ ان کی تقاریر کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے اساس پاکستان کی منظر کشی ہو جاتی ہے۔

اجلاس مسلم لیگ پشاور منعقدہ ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء

"مسلمانان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں' جہاں وہ خود اپنے ضابطہ حیات' اپنے تہذیبی ارتقاء اپنی روایات اور اسلامی قانون کے مطابق حکمرانی کر سکیں"۔

اور پھر آپ نے فرمایا!

"ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات اور اخلاقیات تک محدود نہیں' بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین' ایمان اور قانونِ حیات ہے۔ یعنی مذہبی' معاشرتی' تجارتی تمدنی' عسکری اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیں یہ حکم ہے کہ اس کا بغور مطالعہ کریں تاکہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی ہدایت کا باعث ہو"۔

قیام پاکستان کے بارے میں نصب العین کی وضاحت آپ نے یوں فرمائی۔

"ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تخلیق کریں جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں' جو ہماری تہذیب و تمدن کی روشنی میں پھلے پھولے اور جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی تصور کو پوری طرح پنپنے کا موقع ملے"

(حکومت پاکستان کے افسران سے خطاب اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اسلامی نظام حکومت کا قیام واجبات میں سے ہے۔ جس کے قیام کی کوشش ہر مومن اور مسلم پر فرض ہے۔ وعظ و تذکیر سے بعض اوقات بعض برائیوں کا ازالہ ممکن نہیں ہو جاتا جب تک کہ ایک قوت قاہرہ موجود نہ ہو جو زمین والوں کے لیے سایہ خداوندی کا کام دے چنانچہ ارشاد ہے۔ السلطان ظل الله فی الارض وجہ ہے کہ ابن کثیرؒ نے آیت انی جاعل فی الارض خلیفة کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے: ان هذه الاية تدل وجوب نصب الخليفة و ايضاً نصب الخليفة من اهم الواجبات (تفسیر ابن کثیر ذیل آیت متذکرہ)

اسلامی فکر کے تمام مکاتب فکر اس امر پر متفق ہیں کہ ملت اسلامیہ کے لیے منصب امامت لازمی

لیفہ اور امام کا تقرر واجب ہے کیونکہ نظم ملت' قیام امن' حصول نفع و دفع ضرر اور نفاذ احکام شریعت" امامت و ...فت کے قیام کے بغیر ممکن نہیں۔ علامہ ابن حزم اپنی کتاب الفصل بین الملل و النحل میں لکھتے ھیں اتفق جمیع اهل السنة و جمیع المرجیة و جمیع الشیعة و جمیع الخوارج علی وجوب الامامة و ان الامة ...جب علیها الانقیاد لامام عادل یقیم احکام الله و یسوسهم باحکام الشریعة التی اتی بما رسول الله ...لی الله علیه و سلم (ج ۴'ص ۸۷)

یعنی کل اہل سنت مرجعہ شیعہ خوارج سب کا اتفاق ہے کہ نصب امام واجب ہے اور یہ کہ امت پر ایسے امام ...دل کی اطاعت واجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام قائم کرے اور ان احکام شریعت کے مطابق ان کا سیاسی نظام قائم ...ے۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہؒ رقمطراز ہیں:

"مسلمانوں پر جامع شرائط خلیفہ کا مقرر کرنا واجب بالکفایہ ہے اور یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے" (ازالۃ الخفاء' فصل اول)

ابوالحسن ماوردیؒ نے لکھا ہے کہ امامت یعنی اسلامی حکومت نبی علیہ السلام کی نیابت برقرار رکھنے لیے دین ...سلام کی حفاظت کے لیے دنیا کا نظم چلانے اور اصلاح کرنے کے لیے ہے" قاضی ابو یعلیٰؒ فرماتے ہیں: و عقد الامامة ...من یقوم بما فی الامة واجب بالاجماع امام عبدالقاہر البغدادیؒ لکھتے ہیں: قال جمهورا صحابنا من ...متکلمین والفقهاء مع الشیعة والخوارج و اکثر المعتزلة بوجوب الامامة و انما فرض و واجب (اصول ...ین طبع لاہور)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے: ان ولا یة امر الناس من اعظم واجبات الدین (السیاسۃ الشرعیہ) ...یعنی حکومت اسلامیہ دین کا بلند ترین فرض اور واجب ہے۔ اسی طرح علامہ ابن ہمامؒ امام مجدد الف ثانیؒ شاہ ولی اللہ ...غیرہ نے اقامت حکومت اسلامی کو دینی فریضہ قرار دے کر عمل کرنے کو لازم ٹھہرایا ہے۔ ہماری اب تک کی بحث ...میں یہ بیان ہوا ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا اور یہ اس لیے ہوا کہ اسلام اور ریاست اور حکومت کا اتنا قریبی ...تعلق اور یہ ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہیں کہ اگر ریاست و حکومت اسلام کے بغیر ہوں تو وہ ظلم اور بے ...نصافی کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور ان کے نتیجے میں "چنگیزی" رونما ہوتی ہے اور اگر اسلام ریاست و حکومت کے بغیر ہوتی ...س کے ایک حصہ پر عمل ہی ممکن نہیں رہتا۔ اسی فرض کو نبھاتے ہوئے مسلمانان برصغیر نے الگ وطن پاکستان ...قائداعظم کی سرکردگی میں حاصل کیا۔ اب ذیل میں ہم قیام پاکستان یا تحریک پاکستان کے دوسرے اہم محرک یعنی دو ...قومی نظریے سے بحث کریں گے۔

براعظم پاک و ہند میں ہم مسلمان درجہ اول کے شہری تھے اور ہندو درجہ دوم کے فرق کی وجہ یہ تھی کہ چند کہ مسلمان اور ہندو دونوں یہاں رہتے تھے۔ دونوں کو اس ملک کی دولت کا کہیں اور لے جایا جانا ناپسند تھا۔ دونوں جان و مال سے اس مملکت کی حفاظت کرتے تھے مگر قانون ہمارا غالب تھا کیونکہ یہی قانون انسانی وقار کی حفاظت معاشرتی عدل اور معاشی نشوونما کا ضامن تھا۔ ہمارے اسلاف نے اس مملکت کے چپے چپے کو جان کی بازی لگا کر کیا تھا اپنے لہو سے سینچا تھا اور یہ ثابت کر دیا تھا کہ اقتدار تعداد کی کثرت سے نہیں، سیرت و کردار کی برتری کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اور صرف زوال سیرت کی بنیاد پر قومیں اقتدار سے محروم کی جاتی ہیں۔

جب ہم زوال پذیر مطلق العنان مملکت کا بدل سیاست میں اور زوال پذیر جاگیرداری نظام کا بدل معیشت میں پیدا نہ کر سکے تو ہمارا زوال ہو گیا اور ملک کو استعمار کے قبضے میں جانے سے نہ بچایا جا سکا۔ اس زوال پذیری کا اثر یہ کہ ہم نشوونما دینے کی آرزو اور صلاحیت سے محروم ہوتے چلے گئے۔ ہمارے زوال سیرت کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ جن علماء کے اسلاف نے ملکی قومیت کے تصور کو اکبر اور دارا شکوہ کی قیادت میں گوارا نہ کیا تھا انہوں نے گاندھی اور نہرو کی قیادت میں گوارا کر لیا۔ اسی زمانہ سے "وطنیت" کے نظریہ نے فروغ پانا شروع کیا یہ وہی نظریہ ہے جس کی بنا "چانکیہ سیاست" اور میکیاولی کے نظریہ سیاست پر تھی جو اس نے سولہویں صدی کے آغاز میں پیش کیا تھا۔ میکیاولی نے ۱۵۱۲ء کے بعد اپنی رسوائے عالم تصنیف کتاب الملوک The Prince مرتب کی جس میں سیاست اور حکومت کے لادینی تصور کی پوری وضاحت کی ہے۔ میکیاولی کے نزدیک سیاست میں قوت اور حصول قوت ہی قدر اعلیٰ ہے۔ قوت ہی حق و باطل اور عدل و انصاف کا پیمانہ ہے۔ حصولِ قوت کے لیے ہر حربہ جائز ہے کیونکہ بقول اس کے مقصد جائے خود وسائل کے لیے وجہ جواز بن جاتا ہے۔ حکمران کو شیر کی طرح قوی اور جری ہونے کے علاوہ لومڑی کی طرح مکار اور حیلہ باز بھی ہونا چاہیے حتیٰ کہ اگر وہ کسی حکومت سے کوئی سیاسی معاہدہ کرتا ہے تو اپنے مفاد کی خاطر معاہدہ شکنی میں اسے مطلق دریغ نہ ہو۔ وغیرہ اسی طرز سیاست کی بنیاد پر اہل مغرب اور ہندوؤں نے وطنیت کا نظریہ دے کر مسلم امت پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی۔ علامہ اقبال رقمطراز ہیں:

"مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتدا ہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ یورپ کے ملوکانہ اغراض اس امر کے متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدتِ دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے چنانچہ ان لوگوں کی یہ تدبیر جنگ عظیم میں کامیاب بھی ہو گئی تھی"۔

(ص ۲۲۲) (مقالات اقبال، مرتبہ سید عبدالواحد معینی، لاہور، ۱۹۶۳ء)

علامہ اقبالؒ نے اس سلسلے میں فرمایا تھا:

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

علامہ اقبال اسلام اور دوسرے فلسفوں کا تقابل اس انداز میں بھی کرتے ہیں :

"اسلام Dogonatic مذہب نہیں ہے۔ اس کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ نوعِ انسانی ایک گھرانہ اور ایک خاندان بن جائے۔ شعرا اور فلسفی اس اتحاد انسانی کے محض خواب دیکھتے رہے لیکن اسلام نے اس مقصد کے حصول کے لیے ایک عملی سکیم پیش کر دی...... آج دنیا میں اسلام کے سوا اور کوئی ایسا طریق نہیں جس پر کاربند ہو کر یہ امتیازات مٹ سکیں۔ اسلام نے جو بھی فرائض ارکان یا طریق عبادات مقرر کیے' ان سب کا مدعا یہ ہے کہ انسانی قلوب کو رنگ' نسل اور قوم کے امتیازات سے پاک کر دے"۔ (گفتار اقبال' ص ۲۲۳ مرتبہ محمد رفیق افضل' لاہور ۱۹۶۹ء)

اس حقیقت کا اعتراف آرنالڈ ٹائن بی بھی کرتا ہے :

Two Conspicuous Sources of danger..... one psychological and other material in the present relation of this cosmopolitan proletariat with the dominant element in our modern western society are race consciousniss and alcohol, and in the struggle with each of those evils the islamic spirit has a service to render which might prove, if it were accepted to be of high moral and social value.

(Civilization on trial, P.205, London 1957)

یہ دراصل وہی قرآنی تعلیم ہے کہ اللہ کے نزدیک معیار فضیلت تقویٰ اور پرہیزگاری ہے وطن اور نسل نہیں ہے' فرمایا: یایھا الناس انا خلقنکم من ذکرو انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم

عند اللہ اتقاکم (الحجرات : ۱۳)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا :

"اسلام ہمیشہ رنگ و نسل کے عقیدے کا جو انسانیت کے نصب العین کی راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں ہے' نہایت کامیاب حریف رہا ہے...... میں دیکھ رہا ہوں کہ قومیت کا عقیدہ جس کی بنیاد نسل یا جغرافیائی حدود ملک پر ہے' دنیائے اسلام میں استیلا حاصل کر رہا ہے اور مسلمان عالمگیر اخوت کے نصب العین کی نصب العین کو نظر انداز کر کے اس عقیدہ کے فریب میں مبتلا ہو رہے ہیں جو قومیت کو ملک و وطن کی حدود میں مقید رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے میں ایک مسلمان اور ہمدرد نوع انسان کی حیثیت سے انہیں یہ یاد دلانا مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کا حقیقی فرض سارے بنی آدم کی نشو و ارتقا ہے"۔ (اقبال نامہ حصہ اول' ص ۴۶۸' مرتبہ چراغ حسن حسرت تاج کمپنی لاہور)

برعظیم پاک و ہند میں بہت سی تحریکیں اٹھیں جن کا مقصود مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو دوبارہ حاصل کر[illegible] تھا کیونکہ مسلمانوں نے اس نئی حیثیت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ زندہ رہنا چاہتے تھے لیکن مسلمان [illegible] حیثیت سے محض ہندوستان میں بسنے والی ایک مخلوق کی حیثیت سے نہیں۔ انہوں نے آزادی کی کوشش کی [illegible] احمد شہیدؒ نے جہاد کا اعلان کیا اور تحریک مجاہدین نے آخری دم تک اعدائے اسلام کا مقابلہ کیا۔ فرائض تحریک [illegible] مشرقی ہند میں جہاد کا علم بلند کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی مسلمانوں ہی کے خون سے سینچی گئی اور اس طرح اپنی [illegible] تر خرابیوں اور کمزوریوں کے باوجود مسلمانوں نے اسلام کے اس مزاج کا بار بار اظہار کیا کہ وہ غلامی کو قبول نہیں کر[illegible] اور طاغوت کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ مگر مسلمانوں کو دوبارہ نہ ابھرنے دینے کے لیے جو اہتمام کیا گیا وہ "شاہی وسائل" کے ساتھ کیا گیا تھا۔ برطانوی استعمار نے باقی دنیا کو دھوکے میں مبتلا کرنے کے لیے ایک [illegible] نصب العین کا طلسم باندھا تھا کہ وہ برعظیم کے باشندوں کو جغرافیائی وفاداری کی اساس پر ایک قوم کی حیثیت سے [illegible] و نما دے کر آزادی کا حق دار بنائے گا' مگر اس کی محرک 'اسلام دشمنی' تھی کہ مسلمان اسلام کی اساس پر ایک قو[illegible] ہونے کے شعور سے محروم ہو جائیں۔ ان احوال میں سر سید نے علی گڑھ تحریک کے ذریعے مسلمانوں میں کلمہ طی[illegible] کے حوالے سے اجتماعی زندگی کا شعور پیدا کرنے کی سعی فرمائی کہ مسلمانوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] امت ہونا ان کے عمرانی وحدت کے شعور کی بنیاد ہے۔

چنانچہ ۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو علی گڑھ یونیورسٹی میں قائداعظم نے فرمایا :

"پاکستان اسی دن وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا یہ

اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے" وطن نہیں اور نہ ہی نسل۔ ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا۔ وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آگئی"۔ (Jamil ud din Ahmed, Speeches and writings of Mr. Jinnah, United Publishers P. 342)

یہ بالکل وہی بات تھی کہ مسلمان ایک ملت ہیں چاہے وہ دنیا میں کہیں بھی ہوں اور ان کے مقابلے میں الکفر ملة واحدة ہے۔ اور قرآن و حدیث میں بارہا اس بات کی طرف نشاندہی کی گئی ہے کہ کفار اور مسلمان الگ الگ اقوام ہیں۔ اور یہ علیحدگی ان کے عقیدے اور نظریے کی بنا پر ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

قل یا یھا الکفرون' لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عبدون ما اعبُد ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عٰبدون ما اعبد لکم دینکم ولی دین۔(الکافرون ۱تا۶)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں اور کفر کرنے والوں کے درمیان ایک واضح خط کھینچ دیا۔ فرمایا:

"ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم اور جو کفر کریں گے اور میری آیتیں جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہیں ان کو ہمیشہ اس میں رہنا ہے"۔

(البقرة :۳۸'۲۹)

حضرت شعیب علیہ السلام نے ملت کا فرق یوں واضح کیا:

"اس کی قوم کے متکبر سردار بولے اے شعیب قسم ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ یا تم ہمارے دین میں آجاؤ۔ کہا کیا اگر چہ ہم بیزار ہیں' ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے دین میں آجائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے بچایا ہے۔ اور ہم مسلمانوں میں کسی کا کام نہیں کہ تمہارے دین میں آئے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ جو ہمارا رب ہے ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے رب ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے"۔(الاعراف :۸۸'۸۹)

یہ آیات واضح طور پر بتاتی ہیں کہ گذشتہ زمانہ میں بھی مسلمانوں کی ملت جداگانہ اور کافروں کی جداگانہ

تھی۔ مدینہ منورہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست قائم کی اور جو دستور تیار کیا گیا اس میں مسلمانوں کی ایک امت اور یہود کو دوسری امت قرار دیا۔ چنانچہ یہ الفاظ آتے ہیں۔ "للمسلمین دینھم و للیھود دینھم" یہی تقسیم اور اصطلاح امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قائم ہے۔

اسی لیے قائداعظم نے فرمایا تھا:

"مسلمان اقلیت نہیں ایک قوم ہیں" قومیت کی ہر جامع اور مستند تعریف مسلمانوں کو ایک قوم ماننے پر مجبور ہے"۔ (حمید رضا صدیقی نظریہ پاکستان پس منظر و پیش منظر)

دو قومی نظریے پر قائداعظم کے یقین کا اندازہ ان کے اس خطاب سے کرنا چاہیے جو انہوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کے اجلاس میں منعقدہ لاہور میں فرمایا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے قومی تصور اور ہندو دھرم کے سماجی طور طریقوں کے باہمی اختلاف کو محض وہم و گمان بتانا ہندوستان کی تاریخ کو جھٹلانا ہے۔ ایک ہزار سال سے ہندوؤں کی تہذیب اور مسلمانوں کی تہذیب ایک دوسری سے دوچار ہیں اور دونوں قومیں آپس میں میل جول رکھتی چلی آئی ہیں مگر ان کے اختلافات اسی پرانی شدت سے موجود ہیں۔ ان کے متعلق یہ توقع رکھنا کہ ان میں محض اس وجہ سے انقلاب آجائے گا اور ہندو اور مسلمان ایک قوم ہو جائیں گے کہ ان پر ایک جمہوری آئین کا دباؤ ڈالا گیا سراسر غلطی ہے......

مزید فرماتے ہیں:

ہندوستان کا سیاسی مسئلہ فرقوں سے متعلق نہیں بلکہ قوموں سے متعلق ہے۔ اسے ایک بین الاقوامی مسئلہ قرار دینا چاہیے اور اسی نقطہ نگاہ سے اس کا حل تلاش کرنا لازم ہے جس پر کہ ہم اس بنیادی امر واقعہ کو تسلیم نہ کریں۔ جب تک ہم راستے درست نہ پائیں' ہمارا وضع کردہ آئین ناکام رہے گا اور تباہی لائے گا۔ اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں' بلکہ درحقیقت وہ دو مختلف معاشرتی نظام ہیں۔ چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے۔

قائداعظم نے مزید فرمایا:

"یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے (سورۃ النور آیت ۲۶ کے مصداق) نہ ایک دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں (انما المشرکون نجس کے مصداق) میں واشگاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں اور دونوں تہذیبوں کی بنیاد

ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں' بلکہ متصادم ہوتے رہتے ہیں۔ انسانی زندگی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی ترقی کی تمناؤں کے لیے مختلف تاریخوں سے نسبت رکھتے ہیں۔ ان کے تاریخی وسائل اور مآخذ مختلف ہیں۔ ان کی طربیہ نظمیں' ان کے سربر آوردہ بزرگ اور قابل فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کی بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور ایک حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور ان کو باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دونوں کے دلوں میں بے صبری اور بے چینی روز بروز بڑھتی رہے گی۔ جو انجام کار تباہی لائے گی' خاص کر اس صورت میں کہ ان میں سے ایک قوم تعداد کے لحاظ سے اقلیت ہو اور دوسری کو اکثریت حاصل ہو تو ایسی ریاست کے آئین کے مل خاک میں مل کر رہے گا"۔ (۲۳ مارچ ۱۹۴۰ لاہور)

قائداعظم کو دو قومی نظریے اور جغرافیے کے بجائے اسلام کی بنا پر اور ایک قوم ہونے پر اصرار کی وجہ سے و مخالفت برداشت کرنی پڑی اور جو استقامت انہوں نے برقرار رکھی وہ قائداعظم کے عزم اور ان کی صلابت کردار ں مظہر ہے ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ہماری آرزو کی تکمیل میں اگر کوئی چیز حائل ہے تو بے یقینی اور ول و فعل کا تضاد ہے۔ ہماری ناکامی (بنگلہ دیش بننا) دو قومی نظریے سے انحراف کے طرز عمل کا نتیجہ ہے اور یہی ظریے کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

ہم اپنی بے یقینی کی بنا پر سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں قائم ہونے والی پہلی اسلامی ریاست مدینہ طیبہ کے نام سے ۶۲۲ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے اور پاکستان کے درمیان کچھ مماثلتیں ہیں جن کی بنا پر ان دونوں کے مسائل ایک ہو گئے ہیں۔ مسائل ایک ہوں تو ان کے حل کرنے کا طریق کار بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ یہ مماثلتیں تاریخی تقاضے نے پیدا کی ہیں' سیاسی اور معاشی مفاد پرستوں نے نہیں۔ ان سے صرفِ نظر کرنا پاکستان کی بقا کی شرائط سے صرف نظر کرنے کے مترادف ہے۔

ا۔ مدینہ طیبہ کی ریاست کے وجود میں آنے سے پہلے مشرکین مکہ اس کے خلاف تھے اور پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے مشرکین ہند اس کے خلاف تھے۔

۲۔ مدینہ طیبہ کی ریاست کے قیام کے وقت کچھ مسلمان مکہ میں باقی رہ گئے تھے جن کی جان' مال اور آبرو

معرض خطر میں تھی اور پاکستان کے وجود میں آنے کے وقت بھی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہندوستان
میں رہ گئی جن کی جان و مال اور آبرو ہر وقت معرضِ خطر میں ہے۔

۳۔ مدینہ طیبہ کی ریاست میں پہلے دن سے غیر مسلم گروہ موجود تھے۔ اور پاکستان میں بھی غیر مسلم اقلیتیں
پہلے سے موجود ہیں اور ان کے مسائل مشترک ہیں۔

۴۔ مدینہ طیبہ کی ریاست میں مہاجر اور انصار دو گروہ تھے جن کے مفادات ٹکراتے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی تدبیر سے ٹکراؤ رفع ہو گیا تھا۔ اور پاکستان میں بھی مقامی اور مہاجر مفادات میں ٹکر
ہے۔ اور یہ اسی طرز پر حل ہو گا۔

۵۔ مدینہ طیبہ کی ریاست دوسری ہم عصر ریاستوں کے مقابلے میں ایک جزیرے کی حیثیت رکھتی تھی کیونکہ
وہ نظریاتی اساس پر وجود میں آئی تھی اور دوسری ریاستیں جغرافیائی یا نسلی یا معاشی مفاد کی وحدت پر قائم
تھیں اور پاکستان بھی تمام دوسری ہم عصر ریاستوں کے مقابلے میں ایک جزیرے کی حیثیت رکھتا ہے
کیونکہ نظریاتی اساس پر وجود میں آیا ہے اور دوسرے تمام ہمعصر ریاستیں جغرافیائی یا نسلی یا معاشی مفاد
ایک ہونے کی بنیاد پر قائم ہیں۔

۶۔ مدینہ طیبہ کی ریاست کے قیام میں بھی مسلمانوں کو جان و مال کی قربانیاں دینی پڑیں اپنا سب کچھ چھوڑنا
قیام پاکستان کے وقت بھی مہاجرین کو ایسا ہی کرنا پڑا۔

۷۔ مدینہ طیبہ میں تمام ادارے شروع سے قائم کرنے پڑے اور۔

تجارتی راستوں کی گذرگاہ پر تھی۔ پاکستان کی بھی دنیا کے لیے بہت اہم جغرافیائی حیثیت ہے۔

۹۔ مدینہ طیبہ کی ریاست کے قیام کے وقت بھی دنیا کو دو معاندانہ طاقتوں (قیصر و کسریٰ) کے عناد کی وجہ
امن عالم کو خطرہ درپیش تھا۔ اور پاکستان کو بھی یہی مسئلہ درپیش رہا کہ معاند و مخاصم طاقتوں میں سے
میں اپنے آپ کو ضم کیے بغیر اس منصب کو کیونکر پورا کیا جائے جس کے لیے پاکستان وجود میں آیا۔

۱۰۔ مدینہ طیبہ کی ریاست کے قیام کے وقت بھی مسلمانوں کے لیے ایک اہم نشان اور مقدس مقام کفار
پاس رہ گیا جس کے حصول کے بغیر اس ریاست کا قائم رہنا اور نشو و نما پانا مشکل ہی نہیں ناممکن
پاکستان کی شہہ رگ بھی کفار کے قبضہ میں ہے جسے ابھی حاصل کرنا ہے۔ تب ہی پاکستان کی تکمیل ہو
اور نظریہ پاکستان کا نامکمل ایجنڈا مکمل ہو گا۔

۱۱۔ ریاست مدینہ طیبہ میں بھی اسلامی تعلیمات کو نافذ کر کے دنیا کے لیے نمونہ اور بالآخر تمام دنیا کے انسانوں
کے لیے فلاح کا ذریعہ بنانا مقصود تھا جبکہ پاکستان کی تخلیق کا مقصد بھی قائداعظم نے یہی بتایا کہ اسلام

فلاحی مملکت دنیا کے لیے ایک نمونہ اور اتحاد عالم اسلامی کا منبع ہو گی۔

"ازل سے ابد تک انسانیت کا ایک ہی مسئلہ ہے کہ اپنی حرص و ہوس اور دوسروں کی حرص و ہوس کے شر
، نجات کیسے ملے؟ آج انسانیت کو کوئی ایسا مسئلہ درپیش نہیں جو کل درپیش نہیں تھا اور ہر آزاد کا علاج یہ ہے کہ
انحراف اور بد عہدی سے واپس لوٹا جائے جو قیام پاکستان کے بعد روا رکھی گئی۔ کیونکہ دنیا کی کوئی قوم اپنی نظریاتی
س سے ہٹ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ہماری بے مقصدی ہمارے زوال و اختلاف کا سبب ہے۔ اسلام کے مقصود کو
کر اس کے حصول کی جدوجہد ہر آزار کا مداوا ہے"۔ (ڈاکٹر برہان احمد فاروقی قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل'
وسز بک کلب ۱۹۹۴)

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی ہے

محمد علی، اسلام آباد

جب موسلادھار بارش ہوتی ہے تو سبزہ و گل، پودوں، درختوں اور فصلوں مین زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ان کی سر سبزی، شادابی سایہ و پھل اور پیداوار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ نسیم جانفزا معطر ہو جاتی ہے، موسم خوشگوار ہو جاتا ہے، ہوا صاف اور فضا زندگی کے لیے سازگار ہو جاتی ہے، مایوسیاں دور ہو جاتی ہیں، دلوں میں نئے عزائم پیدا ہونے لگتے ہیں، نئی امنگیں جنم لیتی ہیں، لوگ تعمیر و ترقی کے کاموں میں نئے ولولوں کے ساتھ سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بارش کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کہا جاتا ہے:

فانظر الی اثرِ الله کیف یحیی الارض بعد موتها ان ذلك لمحی الموتی و هو علی کل شئ قدیر (الروم: ۵۰)

اللہ کی رحمت (بارش) کے اثرات دیکھو کہ وہ کس طرح مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اسی طرح وہ بے شک مردوں کو بھی زندہ فرمائے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن حکیم میں رحمت للعالمین کا لقب دیا گیا ہے:

وما ارسلنٰك الا رحمة للعالمین (الانبیاء: ۱۰۷)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
(حالی)

خالق کائنات رب العالمین نے اپنے رسول امین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی:

و قل رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق وا جعل لی من لدنک سلطنا نصیرا (السراء ۸۰)

اور کہو کہ اے رب مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا اور اپنی قدرت کاملہ سے سلطنت کو میرا مددگار بنا دے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی تو ہجرت کا حکم ملا اور سلطنت مدینہ آپ ﷺ کو دے دی گئی۔

ریاست مدینہ کی ابتدا سے لے کر اس کا ارتقاء وحی الٰہی کی روشنی میں بتدریج ہوتا رہا اور دس سال میں لاکھوں مسلمانوں پر مشتمل وسیع ملک عرب پر اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نظام' دین اسلام کے مطابق ایک مستحکم حکومت قائم ہو گئی۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

(حالی)

ریاست مدینہ کے انتظام حکومت کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور دین کی تکمیل کا اعلان فرمادیا:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ : ۳)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ اب رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لیے سیرت طیبہ کو بہترین نمونہ عمل قرار دیا گیا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب :۲۱)

اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت طیبہ تمہارے لیے بہترین نمونہ عمل ہے۔

اسلام میں ریاست کی اہمیت :

ارشاد نبوی ہے:

ان اللہ یزع بالسلطان ما لا یزع بالقرآن (ابن کثیر)

جو خرابیاں قرآن کے وعظ و نصیحت سے نہیں رک سکتیں انہیں اللہ تعالیٰ سلطنت کی طاقت سے روک دیتا ہے۔ واقعی' تاریخ گواہ ہے کہ وعظ و نصیحت کو ماننے والے چند نیک فطرت لوگ ہی ہوتے ہیں۔ مگر جب نیکی کو قانون بنا دیا جائے تو کون ہے جو سرتابی کی جرات کر سکے۔ ایک اور حدیث میں مزید وضاحت ملتی ہے:

الاسلام والسلطان اخوان توامان' لا یصلح واحد منهما الابصاحبه۔ فالاسلام اس والسلطان حارس و ما لا اس له لیهدم و ما لاحارس لهٗ ضائع (مشکوۃ)

اسلام اور حکومت دو جڑواں بھائی ہیں۔ ان میں سے ایک کی درستی دوسرے کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پس اسلام ایک عمارت ہے اور حکومت اس کی پاسبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ ضرور گر جائے گی اور جس کا کوء پاسبان نہ ہو وہ ضائع ہو جائے گی۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (اقبال)

قیام پاکستان :

تحریک پاکستان میں بھی آزادی کے ساتھ ساتھ یہی جذبہ و نظریہ کار فرما تھا کہ اپنی تمام تر کوتاہ اعمالیوں کے باوجود مسلمان قوم میں ایمان اور حب رسول کی چنگاری موجود ہے۔ اگر انہیں ایک آزاد ملک میں حکومت مل جائے تو وہ دنیا کو دکھا دیں گے کہ رواداری' امن اور تعاون برائے ترقی کے وسیع امکانات قرآن اور سیرت طیبہ میں موجود ہیں کیونکہ ہمارے نبی ﷺ کا لقب رحمۃ للعالمین ہے علامہ اقبال نے محسوس کیا کہ اب تعلیمات قرآنی کی روشنی اور ہمارے ہادی برحق رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کی رہنمائی میں مسلمانوں کو مکمل تباہی سے بچا سکتی ہے چنانچہ انہوں نے مغربی تصور قومیت کے مقابلہ میں عالمگیر ملت اسلامیہ کا تصور پیش کیا۔ نظریہ پاکستان اسی سے ماخوذ ہے قائداعظم نے جس دو قومی نظریے کو بنیاد بنا کر مطالبہ پاکستان کی جنگ لڑی وہ بھی اسلامی نظام حیات پر مشتمل اسلامی تشخص ہی ہے :

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا ہمارا مقصود تھا جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں"۔ (قائداعظم اسلامیہ کالج پشاور) ایک طویل جدوجہد اور بے شمار قربانیوں کے بعد ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء بمطابق ۲۷ رمضان المبارک 'لیلۃ القدر' شب نزول قرآن کو پاکستان بنا وقت کی اس مطابقت و مناسبت میں یقیناً ایک غیبی اشارہ موجود ہے۔ مگر بدقسمتی سے آزادی کے بعد وہ غیبی اشارہ نہیں سمجھا گیا جو یقیناً استحکام پاکستان کی نوید تھا۔ وہ اشارہ تھا قرآن فہمی کا اور اسلام کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کا' اس کی بتائی نیکیوں کو قانونی شکل دینے کا' اس کی بتائی ہوئی برائیوں کو قانون کی طاقت سے روکنے کا۔ جب بنیادیں مضبوط ہوں گی تو عمارت مستحکم ہو گی اور قائم رہے گی۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ نظریہ پاکستان حصول آزادی اور اسلام تھا اور آزادی یقیناً اسلام میں شامل ہے اور اسلام کا بہترین عملی نمونہ سیرت طیبہ ﷺ ہے تو اب استحکام پاکستان کے لیے سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی کو بیان کرنا ضروری ہے۔

کام پاکستان :

تعلیم :

سیرت طیبہ ﷺ کی ایک اہم رہنمائی نظریہ علم اور طریق تعلیم ہے۔ آپ ﷺ کی ایک دعا تھی : رب علما (طٰہٰ ۱۱۴) اس سے معلوم ہوا کہ علم کا حقیقی اور اصلی منبع (Source) اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ کی مزید وضاحت آیت الکرسی میں ملتی ہے : ولا یحیطون بشیء من علمه الا بما شاء (البقرہ : ۲۵۵) اور کے علم میں سے کسی چیز کا وہ احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ خود چاہے۔ علم کو نور کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے جہالت ھیرا دور ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

الله نور السموت والارض (النور : ۳۵)

اللہ ہی زمین اور آسمانوں کا علم عطا کرنے والا ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے :

علم حاصل کرو یہ اپنے حامل کو درست اور غلط کے درمیان فرق کرنے کے قابل بناتا ہے۔ یہ جنت کی ں روشن کرتا ہے۔ یہ تنہائی کا ایک اچھا ساتھی ہے۔ خوشی کے راستے سجھاتا ہے۔ یہ دشمن کے خلاف ہتھیار اور ستوں کے درمیان زینت ہے (ابن عبدالبر)

نیز فرمایا :

ہر چیز کا کوئی نہ کوئی ستون یا مرکزی سہارا ہوتا ہے اور اس دین اسلام کا ستون علم ہے۔ (ابن عبدالبر)

قرآن مجید کائنات اور مظاہر فطرت کے مشاہدے اور ان پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے جو عقلی علوم' ئنس و فلسفہ وغیرہ کا ذریعہ ہے۔ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو معراج کے دوران عالم بالا کی سیر) کرائی۔ لقد رأی ن آیت ربه الکبریٰ (النجم : ۱۸) بے شک حضور ﷺ نے اپنے رب کی بہت بڑی بڑی نشانیاں (قدرتیں) یکھیں۔ ان میں جنت' دوزخ' میزان' فرشتے' آسمان وغیرہ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جو علم عطا فرمایا تھا حضور ﷺ آگے لوگوں کو تعلیم فرماتے تھے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ انما بعثت معلما (مشکوٰۃ) تعلیم کے راکز مساجد تھیں۔ جن کا پورے ملک عرب میں ایک جال بچھا ہوا تھا۔ صرف مدینۃ النبی ﷺ میں نو مساجد تھیں سیرۃ النبی) حضور ﷺ کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ آپ ﷺ قرآن حکیم کے علوم و احکام کی تفسیر اور روزمرہ کے فقہی سائل بیان فرماتے تھے۔ یہ علوم نبی ﷺ احادیث کی کتابوں کی شکل میں آج بھی محفوظ ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے :

العلم ثلاثة آیت محكمة' او سنة قائمة او فريضة عادله و ما كان سواه فهو فضل

(ابوداؤد' ابن ماجہ)

یہی وہ دینی علوم ہیں جن پر عمل کرنے سے اسلامی تشخص بنتا ہے جس پر پاکستان کی بنیاد ہے۔

حضور ﷺ نے سب سے پہلے معاشرے میں پڑھنے لکھنے کو رواج دیا۔ جنگ بدر کے قیدیوں کا فدیہ دس مسلمانوں کو پڑھانا لکھانا مقرر فرمایا۔ تعلیم نبوی ﷺ میں ہر وہ علم شامل تھا جس سے لوگوں کو کچھ فائدہ ہو۔ فضول باتوں اور لغو علوم سے آپ ﷺ منع فرماتے :

اللھم انی اعوذبك من علم لا ینفع (صحیح مسلم)

اے اللہ میں اس علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس سے کوئی فائدہ نہ ہو حضور ﷺ حفظان صحت اور ... کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ دانتوں کی صفائی ہاتھوں، جسم، لباس، گھر، گلی، محلہ ماحول بلکہ خیالات تک کی صفائی کی ... فرماتے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے :

الطھور شطر الایمان۔ (صحیح مسلم)

صفائی اور پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے۔ آپ ﷺ کی بتائی ہوئی دواؤں، غذاؤں اور پرہیز و دیگر تدابیر ... ورزش، تفریح اور کھیلوں وغیرہ کی بکثرت احادیث موجود ہیں۔ جن سے علوم نبوی ﷺ کی عظمت اور شان ... ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

تکلموا الناس علی قدرعقو لھم (نقد النثر ص ۸۲ بحوالہ فصاحت نبوی ﷺ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر)

تو سیرت طیبہ سے تعلیم میں ایک رہنمائی یہ ہے کہ ذریعہ تعلیم قومی زبان ہونا چاہیے۔

قومی کردار کی تعمیر :

سیرت طیبہ ﷺ کی ایک نمایاں خصوصیت اخلاق و کردار کی تعمیر ہے۔ ایک مضبوط قومی کردار باہمی ... بحال کرتا ہے اور ملکی استحکام اور قومی ترقی کا ضامن ہوتا ہے۔ قومی کردار سے مراد یہ ہے کہ اکثر افراد قوم اما... صداقت، محنت، صبر و تحمل، رواداری، اعتدال وغیرہ اخلاقی اقدار پر مضبوطی کے ساتھ کاربند ہوں حضور ﷺ کا ارشاد ہے :

انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق (موطا امام مالک)

مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے۔

قرآن حکیم آپ ﷺ کے اس منصب کو یوں بیان کرتا ہے : و یزکیھم (الجمعۃ : ۲)

وہ نبی ﷺ لوگوں کے افکار و اعمال کو پاکیزہ بناتا ہے۔

اس سلسلے میں حضور ﷺ نے لوگوں کے سامنے اپنا اسوہ حسنہ کامل نمونہ اخلاق اور بے داغ ماضی پیش فرما...

فقد لبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون (یونس :۱۶)

میں تمہارے درمیان اس سے پہلے ایک عرصہ رہا ہوں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ بعثت سے پہلے بھی حضور ﷺ اپنی قوم میں الصادق اور الامین کے ناموں سے مشہور تھے۔

قریش مکہ آپ ﷺ کے جانی دشمن ہو جانے کے باوجود اپنی قیمتی امانتیں آپ ﷺ کے پاس ہی رکھواتے تھے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اخلاق کی بہت اہمیت بیان فرمائی ہے۔

تم میں سے مومن کامل وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ (ترمذی)

تم میں سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

مومن اپنے حسن اخلاق سے وہ درجہ حاصل کر لیتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے سے حاصل ہو۔ (ابو داؤد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق و کردار کی بنیاد ایمان کی مستحکم بنیادوں پر استوار فرمائی۔

نماز کا قرآن مجید میں ستر سے زیادہ دفعہ حکم دیا گیا ہے مگر کسی وقت کتنی رکعتیں پڑھی جائیں اور ارکان نماز رکوع، سجدہ، قعدہ وغیرہ میں کیا کیا پڑھیں اس کا ذکر نہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے :

صلوا کمار أیتمونی اصلی (صحیح بخاری)

جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھو تم بھی اس طرح نماز پڑھو۔

رب تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (النساء :۶۴)

ہم نے ہر نبی اسی لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ ایک اور ارشاد باری تعالیٰ ہے :

یایھا الذین امنوا استجیبوا اللہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم (الانفال ۲۴)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول ﷺ کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی جب مسلمان صاحب خلق عظیم ﷺ کی سیرت طیبہ ﷺ کی پیروی کریں تو ایک یکساں قومی کردار سامنے آئے گا جو استحکام پاکستان کی ضمانت ہو گا۔

عدل وانصاف :

حکومت کا اصل کام عدل وانصاف قائم رکھنا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

و انزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط (الحدید :۲۵)

اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان عدل اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عدل کرنے والے اللہ کی دائیں طرف نورانی منبروں پر بیٹھیں گے (صحیح مسلم، سنن نسائی)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے عدل وانصاف کی بنیاد حقوق و فرائض پر رکھی۔ آپ ﷺ نے تمام طبقات انسانی، افراد معاشرہ اور اداروں کے باہمی حقوق و فرائض واضح طور پر متعین اور بیان فرمائے۔ حضور ﷺ رحمت للعالمین تھے اس لیے آپ ﷺ کے قائم کیے ہوئے نظام رحمت میں ہر ہر مخلوق کو اپنا صحیح اور فطری حق و مقام مل گیا۔ اس طرح اب عدل وانصاف کرنا بہت آسان ہو گیا۔ حضور ﷺ نے سارے ملک میں جگہ جگہ ماہر قانون قاضی مقرر فرمائے اور سلطنت مدینہ میں ایسا مثالی نظام عدل قائم کر دیا کہ رہتی دنیا تک بہترین نمونہ رہے گا۔

رواداری:

استحکام سلطنت مدینہ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے اور یہ کسی شہری ریاست کا پہلا تحریری دستور ہے۔ معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ:

یہودیوں کے عقائد کا احترام کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی ایذاء سے بچایا جائے گا۔

بعض اہل کتاب حضور ﷺ کے پڑوسی تھے۔ آپ ﷺ ان کو ہدیے بھیجتے اور ان کے ہدیے قبول فرماتے تھے۔

حبشہ کے عیسائی آئے تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی ﷺ میں ٹھیرایا اور ان کی مہمان نوازی کی خدمت خود اپنے ذمے لی۔ نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دی کہ وہ اپنی نماز اپنے طریقے پر مسجد نبوی ﷺ ہی میں ادا کریں۔

اہل کتاب کے ساتھ کھانا کھانے اور ان کی عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کی بھی حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت دی۔

سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی میں مذہبی فرقوں اور اقلیتوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرنا بھی استحکام پاکستان کا ایک ذریعہ ہے۔

امن وامان:

امن وامان قائم کرنا حضور ﷺ کی ایک بڑی خواہش تھی کیونکہ معیشت و معاشرت کے توازن واستحکام کا جو نمونہ آپ ﷺ قائم فرمانا چاہتے تھے وہ امن وامان کی فضا کے بغیر ممکن نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ

لڑائیوں کے خواہاں نہ تھے قریش اور یہودیوں نے لڑائیوں پر مجبور کر دیا تھا۔ تاہم جب بھی صلح کا امکان نظر آیا آپ ﷺ نے صلح میں پہل کی۔ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم تھا:

فان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی الله (الانفال: ۶۱)

پھر جب وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ مثلاً صلح حدیبیہ اور قبائل عرب کے ساتھ آپ ﷺ کے بے شمار معاہدات سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم دیکھو گے کہ صناء سے چل کر اکیلی عورت سارے ملک عرب کا سفر کرے گی اور خدا کے سوا اسے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور صحابہؓ نے باقاعدہ اس کی گواہی دی ہے۔ (سیرت النبی ﷺ)

رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله و یغفر لکم ذنوبکم والله غفور الرحیم

(آل عمران: ۳۱)

کہو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

(علامہ اقبال)

معاشی استحکام کے لیے سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی:

وطن عزیز پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے کافی معاشی وسائل، ذرائع پیداوار، زراعت، صنعت و حرفت، تجارت، معدنی و قدرتی اور انسانی وسائل سے نوازا ہے۔ مگر اس کے باوجود ہماری معیشت آج کل کافی دباؤ کا شکار ہے۔ دراصل پاکستان کے امور معیشت میں اصلاح و ترقی کی بہت گنجائش اور ضرورت موجود ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے:

اللهم اصلح لی دینی الذی هو عصمة امری و اصلح لی دنیای التی فیها معاشی (بخاری)

اے اللہ میرے لیے میرے دین کی اصلاح فرما کہ اس میں میرے کاموں کی پاکیزگی ہے اور میرے لیے میری دنیا کی اصلاح فرما کہ اس میں میری معاش ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذرائع پیداوار زراعت، تجارت اور معدنی وسائل وغیرہ اور امور معیشت کی ترقی کے لیے بہت سی اصلاحات نافذ فرمائیں۔ جن کی وجہ سے معیشت نے نشو و نما پائی، لوگ خوشحال ہو گئے اور اسلامی بیت المال کی آمدنی میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اس لیے امور معیشت میں

سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی کو بیان کیا جاتا ہے :

زراعت :

ارشاد نبوی ﷺ ہے : جو مسلمان بھی پودا لگاتا ہے یا کھیتی کاشت کرتا ہے اور اس میں سے پرندے ا
انسان جو کچھ کھاتے ہیں وہ اس کے لیے صدقہ ہے (متفق علیہ)

زرعی زمین کو خالی چھوڑ دینا بہت ناپسندیدہ بات ہے۔ حضور ﷺ زمین کی کاشت اور اصلاح اراضی کے
بہت خواہاں تھے :

آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

من کانت له ارض فلیزرعها اولیمنحها اخاه (صحیح مسلم)

جس کے پاس زرعی زمین ہو وہ اسے کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو اس مقصد کے لیے مفت د
دے۔ (متفق علیہ)

ایک اور ارشاد نبوی ﷺ ہے :

عاد الارض لله و للرسول ثم لكم و ليس لمحتجز حق بعد ثلاث سنين

(دین عمل : استاد فتحی عثمان ابو یوسف کتاب الخراج)

مدتوں سے ویران پڑی ہوئی زمین اللہ اور رسول ﷺ کی ہے پھر وہ تمہاری ہے۔ قبضہ جمائے رکھنے وا
کا تین سال کے بعد کوئی حق نہیں رہتا۔ حضور ﷺ نے زراعت اور کھیتی باڑی کے کام میں شراکت کی حوصلہ افزا
فرمائی جسے مزارعت کہا جاتا ہے :

النبی صلی الله علیه وسلم عامل اهل خیبر یشطر ما خرج من ثمرا و زرع (متفق علیہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باغات کے پھلوں اور زمین کی زرعی پیداوار کے ایک حصے کے عوض اہل
خیبر کے ساتھ مزارعت و مساقات فرمائی تھی۔ مزارعت کے اسلامی طریقے میں زمیندار کا بھی فائدہ ہے او
کاشتکار کا بھی۔ زمین کو بٹائی یا ٹھیکے پر دینے میں بہت سی خرابیاں ہیں :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب تک مزارعت میں حکومت ایک رکن کے طور پر شامل نہ ہو یہ ایک
فاسد معاملہ ہے۔ مزارعت اور مساقات کے سنت طریقہ میں بڑی حکمت پوشیدہ ہے اس میں زراعت کی موجود
خرابیوں کی اصلاح ہے اور جدید مسائل کا حل بھی موجود ہے مثلاً آج کل کسان عموماً اتنی استطاعت نہیں رکھتا ک

ده مہنگائی کے دور میں عمدہ بیج' کھاد' کیڑے مار دوائیں اور مشینری وغیرہ کے اخراجات برداشت کر سکے تو
عت کے پیشگی معاہدہ کی رو سے حکومت یہ لوازمات زمیندار کے ذمے لگائے اور انصاف سے زرعی پیداوار میں
ین کے حصے میں ان کی شراکت کے متناسب رکھے جائیں اور حقوق و فرائض کے تحفظ کو بھی یقینی بنایا جائے۔

ر کا نفاذ :

اپنی ذمہ داریوں اور حفاظت کے عوض حکومت غیر مسلم کاشتکاروں سے مالیہ' لگان یا خراج اور مسلمان
روں سے عشر وصول کر سکتی ہے۔ یہ حکومت کا حق ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے :

الارض لله (الاعراف : ۱۲۸) زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اس لیے حکومت کے قرآن سے ثابت شدہ حقوق
ر کیے جا سکتے ہیں۔

و اٰتوا حقه یوم حصاده (الانعام : ۱۴۱)

اور اس کا حق دو جس دن کٹے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اس آیت میں حق سے مراد عشر ہے۔ (صحیح بخاری)

اس لیے عشر زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

جس زمین کو آسمان (بارش) نے سیراب کیا ہو یا چشموں نے یا خود زمین سر سبز و شاداب ہو اس میں پیداوار
دسواں حصہ (عشر) ادا کرنا اور جس کو کنویں سے پانی دیا گیا ہو اس میں پیداوار کا بیسواں حصہ (نصف عشر) واجب
ہے۔ (صحیح بخاری)

اس لیے عشر کو ترک کرنا گناہ ہے۔ اور اس کے نافذ نہ کرنے کی وجہ سے حکومت اور عوام سب گنہگار ہوں
گے۔

اس لیے مسلمان زمین داروں کو عشر خوشدلی سے ادا کرنا چاہیے کیونکہ اس کی ادائیگی سے ان کا باقی مال
پاک ہو جائے گا۔ اس کے نفاذ میں زمیندار کاشتکار اور حکومت سب کا فائدہ ہے۔ عشر کی برکات بہت ہیں۔ ملک میں
خوراک کا مسئلہ مستقل طور پر حل ہو جائے گا۔ حکومت کو ہر سال گندم خریدنا پڑے گی۔ حکومت کے گودام عشر کا
غلہ جمع کرنے کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں اور وہ غلہ حکومت سارا سال فلور ملوں کو سپلائی کر سکے گی۔ معاشرہ سے
افلاس' رقابتیں' استحصال ختم ہو جائیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاشرے میں مکمل عدل قائم کرنے کے

بے حد خواہشمند تھے اس لیے آپ ﷺ نے زراعت کے معاملات مزارعت مساقات عشر وغیرہ کو اسلامی خ
استوار فرمایا۔ سیرت طیبہ کی رہنمائی میں عمر فاروقؓ نے زراعت اور بندوبست اراضی کے لیے مثالی اسلامی اصل
نافذ کیں تو زراعت کی ترقی کی وجہ سے لوگ خوشحال ہو گئے اور بیت المال بھر گیا' عمر بن عبد العزیزؒ نے جاگیر
اور مزارعین میں عدل قائم کیا تو لوگ اتنے مالدار ہو گئے کہ زکوۃ لینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ بر صغیر میں علاؤالدی
نے زراعت کی اعلیٰ منصوبہ بندی کی تو خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا' ضروریات زندگی اس قدر سستی ہو گئیں کہ
میں بطور مثال پیش کی جاتی ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے ملکی انتظام خصوصاً زراعت کے معاملات اسلامی قانو
مطابق بنائے تو امن و خوشحالی کا دور آگیا' غرض جس نے اسلام کا دامن تھاما خوشحالی نے اس کے قدم چومے۔

ولو ان اهل القرٰی امنوا واتقوا لفتحنا علیهم برکات من السماء والارض (الاعراف: ۹۶)
اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان پر زمین و آسمان کی برکتیں
کھول دیتے۔

ماہرین معیشت بھی کہتے ہیں کہ وطن عزیز کے موجودہ معاشی بحران کا حل زرعی شعبے کی ترقی میں
ہے۔ اس لیے آج اگر ہم چاہتے ہیں کہ امن و خوشحالی ہو' قومی خزانہ بھرا ہوا ہو' غربت جہالت اور بے روزگا
خاتمہ ہو جائے تو ہمیں جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ سیرت طیبہ کی رہنمائی میں وطن عزیز
مملکت پاکستان میں زراعت کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنا ہوگا۔

صنعت و تجارت:

صنعت و تجارت کو بھی پاکستان کی معیشت میں اہم مقام حاصل ہے۔ فولاد کی صنعت اور اس پر
انجینئرنگ مشینری کی صنعت ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ صنعت و تجارت کی ترقی پاکست
معیشت کو سہارا دے سکتی ہے۔ صنعت و تجارت ہی عوام کے لیے روزمرہ اشیائے ضرورت کی فراہمی کے
ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے صنعتکار کی کمائی کو سب سے زیادہ حلال روزی بتاتا ہے۔

ما اکل احد طعاما قط خیرا ممن یا کل من عمل یدہ و ان نبی اللہ داؤد کان یا کل من عمل
یدہ (صحیح بخاری)

صنعت و حرفت اسلام میں فرض کفایہ ہے۔ ملک میں ضروری صنعتوں اور ہر فن کو جاننے والے
ماہرین ہونے چاہئیں کہ ملک خود کفیل ہو سکے۔

تجارت بھی انسانی ضرورت ہے۔ اور ملکی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ سیرت طیبہ تجارت کے لیے

حسنہ ہے۔ قرآن حکیم میں ہے :

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم (البقرۃ:۱۹۸)

اس میں کچھ حرج نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو

رسول کریم ﷺ نے فرمایا :

سچا اور دیانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔(ابن ماجہ)

ارشاد نبوی ﷺ ہے :

روزی کے دس میں سے نو حصے تجارت میں ہے (امام غزالیؒ : کیمیائے سعادت)

انفرادی کاروبار' شراکت اور مضاربہ صنعت و تجارت کے اہم معاملات ہیں۔

مضاربہ کا رواج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی موجود تھا۔ آپ ﷺ نے خود حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر تجارت کی اور بیرون ملک بھی تجارت غرض سے تشریف لے گئے۔ اس سنت نبوی ﷺ سے مضاربہ کے کاروباری اصول' صدق و امانت کے معیار اور ان اسلامی اصولوں سے کاروبار میں ترقی اور کامیابی کا عملی نمونہ سامنے آیا۔

آج جبکہ کاروباری دنیا کے افق کو ہوس' خود غرضی' بد دیانتی' دھوکا فریب اور سودی اندھیروں نے تاریک بنا دیا ہے اسلام کا یہ روایتی تصور مضاربہ ہی روشنی کی ایک کرن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ملکوں خصوصاً عرب ملکوں میں مضاربہ فروغ پا رہا ہے پاکستان میں بنکوں نے بھی ایسے کاروبار شروع کیے مگر سودی نظام کی بے برکتی نے وہ نہ چلنے دیئے۔ ہونا یہ چاہیے کہ بینک جس مضاربہ کمپنی میں سرمایہ لگائیں ایک پیشگی معاہدہ کی رو سے منافع میں سے حصہ وصول کریں اور آگے کھاتہ داروں کو جن کا انہوں نے پیسہ لگایا ہو سرمائے کی نسبت سے مناسب حصہ منافع منتقل کریں۔ اس طرح معاملہ اسلامی ہو جائے گا۔ موجودہ اقتصادی بحران کو دور کرنے کا ایک طریقہ اسلامی مضاربہ بھی ہے۔ مخیر حضرات چھوٹی صنعتوں اور گھریلو کاروباروں کے لیے سرمایہ فراہم کریں۔ ہنر مند افراد اپنی خدمات پیش کریں۔ اس طرح سب مل کر محنت' دیانت اور کسب حلال کے جذبہ سے کام چلائیں۔ پھر دوسرے مرحلے میں بینکوں' فنی ماہرین اور انجینئروں کے اشتراک سے بڑے کارخانے لگیں گے اس طرح لوگوں کو روزگار ملے تو ملک سے بدامنی اور جرائم کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے :

"مفاوضہ کیا کرو کہ اس میں برکت ہے" (حدیث حوالہ ھدایہ' باب شرکت)

مفاوضہ کا مطلب شراکتی تجارت و صنعت کا کام ہے جس میں شراکت داروں میں مال' اختیار' محنت' دین

نفع نقصان ہر چیز میں مساوات ہو سیرت طیبہ کی رہنمائی میں آج اگر لوگ مال جمع نہ رکھیں کاروبار کریں' سود سے بچیں تو افراد اور ملک کو درپیش اقتصادی بحران دور ہو سکتا ہے۔

معدنیات و قدرتی وسائل :

زمین میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار خزانے رکھے ہوئے ہیں۔ارشاد خداوندی ہے :

و ان من شیء الا عندنا خزائنه و ما ننزله الا بقدر معلوم (الحجر :٢١)

اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو ایک معلوم اندازے کے مطابق اتارتے ہیں۔پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی معدنیات اور قدرتی وسائل سے نوازا ہے۔ان سے فائدہ اٹھانا اور ملک و قوم کو خوشحال بنانا حکومت کا کام ہے۔

معاشی ترقی اور استحکام کے لیے سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی یہ ہے کہ تجارت' معدنی و قدرتی وسائل کی قومی اور ملی سطح پر تنظیم کی جائے۔آج کل صنعتی ملکوں کی طرف سے اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم کے ذریعے معدنیات اور صنعتی خام مال پر مساوی حقوق کا دعویٰ کیا جارہا ہے :

The engoyment by all peoples of access, on equal terms to trade and to the raw materials of the world which are needed for their economic prosperity as well as the fullest collaboration between all nations in the economic field with the object of securing for all peoples improved labour standards, economic advancement and social security. (UN Special deutschland magazine 6, 1996)

مساوات کے ایسے مسحور کن نعروں کے سلسلے میں ہمیں قرآنی اصول :

و تعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا الله (المائدۃ : ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو"۔

پر عمل کرنے کے لیے سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت ہے :

ایک پہاڑی ندی سے آبپاشی میں حضرت زبیرؓ کا ایک انصاری سے جھگڑا ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے زبیر تم اپنے باغ کو پانی دے لو اور پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو۔ اس پر انصاری نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ اس لیے ہے کہ یہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد ہیں تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔ تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ زبیر! تم اپنے کھیت کو پانی دو اور وہیں بیٹھ جانا' جب پانی کھیت کی دیوار سے باہر نکلنے لگے تو پھر اپنے ہمسائے کی جانب چھوڑ دینا۔ (صحیح بخاری: کتاب المساقات)

نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے:

الناس سوی فی الماء والکلا والنار ولا حمی فی الاراك (ابو داؤد)

ابیض بن حمال یمن سے آئے اور حضور ﷺ سے نمک کی کان کی درخواست کی۔ چونکہ یہ افادۂ عام کی چیز تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے نمک کی کان کو ایک پبلک چیز (Pubic Property) کے طور پر قائم رکھا۔ (ابو داؤد: کتاب الخراج) سیرت طیبہ ﷺ کی ان مثالوں سے یہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ معدنیات و دیگر قدرتی وسائل پر پہلا حق ملکی صنعت کا ہے اس کے بعد ملت اسلامیہ کے اشتراک و تعاون سے جو صنعت و تجارت ہو اس کا حق ہے۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کے بعد جو خام صنعتی مال اور معدنیات وغیرہ بچ جائیں ان کی آزادانہ تجارت کی جا سکتی ہے۔

حضور ﷺ نے قلعہ شکن آلات منجنیق اور دبابہ کی ٹیکنالوجی سیکھنے کے لیے صحابہ کی ایک جماعت کو یمن کے شہر جرش بھیجا تھا (طبری: تفسیر) اس لیے پاکستانی انجینئروں اور صنعت کاروں کو ضروری ٹیکنالوجی حاصل کرنے کے لیے دوسرے ملکوں میں بھیجا جائے اور ان کی مدد سے ملک میں ایک خود کفیل صنعتی نظام قائم کیا جائے۔ ملک کے معدنی و قدرتی وسائل کو استعمال میں لا کر پاکستان کی صنعتی ترقی کے ذریعے مسلمانوں کے کھوئے ہوئے اقتدار کی بحالی بانی پاکستان قائداعظمؒ کی آخری دنوں میں ایک بڑی خواہش تھی (حیات قائداعظم: سعید رشید) بیرونی سرمایہ کاری کے سلسلے میں سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی یہ ہے کہ حکومت پاکستان ایسے تمام مضاربوں میں اپنی سرزمین' معدنی خام مال اور دیگر جدید سہولیات وغیرہ کی فراہمی کے عوض ایک متعین اور متفقہ حصہ منافع پر ایک شریک کار بن سکتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ مزارعۃ کا معاملہ فرمایا تھا۔ مزارعۃ بھی مضاربہ کی طرح مشارکہ کی ہی ایک قسم ہے۔ غیر مسلم سرمایہ کاروں کے لیے سرمایہ داری نظام کے پیروکار ہونے کی وجہ سے رشوت' سفارش اور کرپشن وغیرہ کوئی بری چیز نہیں چنانچہ' وہ ان تکنیکوں کا آزادانہ استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات وہ اپنی طاقتور حکومتوں کی مدد سے سرمایہ کاری کرانے والے ملکوں کی حکومتوں کا استحکام سے کھیلتے رہتے ہیں۔ ایسی کئی مثالیں حالیہ تاریخ سے مل سکتی ہیں۔ اس کا علاج مسلمانوں کے پاس سیرت طیبہ کی رہنمائی کی شکل میں موجود ہے

جس کی طرف اوپر اشارہ کر دیا گیا ہے۔ معیشت کی حالی اور استحکام پاکستان کیلئے سیرت طیبہ کی اس رہنمائی پر عمل کرنا حکومت کا کام ہے۔

تجارتی ٹیکس : عشور

سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی میں عہد فاروقیؓ میں مسلمان تاجروں پر ڈھائی فیصد سالانہ، غیر مسلم بیرونی تاجروں پر دس فیصد اور ذمیوں پر پانچ فیصد کاروباری ٹیکس لگایا گیا۔ (الفاروق : شبلی نعمانی) عشور کا مقصد ملکی کاروباروں میں سے بیت المال کا حصہ وصول کرنا ہے۔ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اسلامی ریاست میں تجارت اور کاروبار غیر مسلموں کے ہاتھوں میں نہ چلے جائیں۔ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے عوض جزیہ لیا جاتا تھا۔ بچوں اور عورتوں کو جزیہ معاف تھا غیر مسلم کاشتکاروں سے زرعی پیداوار کا ایک حصہ خراج کے نام سے لیا جاتا تھا۔ جزیہ اور خراج کی رقم فوجی اخراجات کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ (سیرت النبی ﷺ جلد دوم : شبلی نعمانی)

سیرت طیبہ کی ایک اور رہنمائی جس کا ذکر یہاں مناسب ہے کفایت شعاری ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

مَاعال من اقتصد (ترمذی)

جس نے میانہ روی اختیار کی وہ تنگدست نہ ہوگا

اور

الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة (مشکوۃ)

اخراجات میں کفایت شعاری معیشت کا نصف حصہ ہے۔

نظام احتساب کا یہ کام کہ فضول خرچی پر بعد میں سزا دلوادے صرف آدھا کام ہے معیشت کی اصلاح کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ تمام قومی شعبہ جات کا جائزہ لے کر امور معیشت کو ملکی ضروریات اور قومی تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے انہیں معلومات اور رہنما ہدایات (Guide Lines) فراہم کی جائیں۔

معاشرتی استحکام :

سیرت طیبہ کی رہنمائی میں قائم ہونے والے اسلامی معاشرے کو بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ ہوں (صحیح بخاری)

تم مسلمانوں کو دیکھو گے کہ آپس کی محبت، شفقت اور مہربانی میں ایک جسم کی طرح ہیں کہ جب ایک عضو

میں تکلیف ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کے خون کی قدر و قیمت برابر ہے۔ان میں سے عام آدمی بھی کسی کو امان دے دے تو سب پر اس کا لحاظ رکھنا لازمی ہو جاتا ہے۔ان کا دور کا فرد بھی ان کی ذمہ داری میں شامل ہے اور وہ غیر کے مقابلے میں ہاتھ کی طرح متحد ہیں۔(ترمذی)

مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے عمارت کی اینٹیں کہ ایک اینٹ دوسری کو سہارا دیتی ہے۔(بخاری)

مومن کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے جو پاکیزہ کھاتی ہے اور پاکیزہ شہد کھلاتی ہے۔(سنن دارمی :مقدمہ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے سے ذات پات' رنگ و نسل' نسب و زبان وغیرہ پر مبنی جاہلانہ تفاخر اور امتیازات کو مٹادیا۔ آپ ﷺ نے معاشرے کی بنیاد مساوات' آزادی' انسانی احترام' تحفظ' تعاون' رواداری اور عدل واحسان جیسی اعلیٰ اخلاقی اقدار پر قائم فرمائی۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے :

"لوگو! بے شک! تمہارا رب ایک ہے۔ عربی کو عجمی اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ تمہارا سب کا باپ ایک ہے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔

تمہارے جان و مال اور عزت تا قیامت اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح آج خانہ خدا حج کے دن حج کے مہینے اور اس شہر مکہ میں قابل احترام ہیں۔ امانتیں اہل امانت کو پہنچاؤ۔ قرض قابل ادائیگی ہے۔ جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا ہے۔

قتل عمد میں قصاص ہے۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کا کوئی مال لے لے سوائے اس کے کہ وہ خوشدلی سے کچھ دے۔ لوگو! تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے۔ اور ان پر تمہارا حق بھی ہے۔ تم پر ان کے لباس و خوراک کی معروف طریقے پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ تمہارے اختیار میں ہیں اور وہ خود اپنے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتیں' وہ اللہ کی امانت ہیں' اور وہ اللہ کے حکم سے تمہارے پاس ہیں۔ اس لیے عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ ان کی بھلائی کے لیے کوشاں رہنا (خطبہ حجتہ الوداع)

خواتین کی اسلامی حیثیت کی بحالی

سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی میں خواتین کی اسلامی حیثیت کی بحالی کے بغیر معاشرتی استحکام ممکن نہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے :

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته الرجل راع علی اهله و هو مسئول' المرأة راعیة بیت زوجها و ولده و هی مسئولة عنهم (صحیح بخاری و مسلم)

تم سب نگران ہو اور سب سے ان کے زیر نگرانی امور کی باز پرس ہو گی۔ مرد اپنے اہل خانہ کا محافظ ہے اس سے ان کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد پر نگران ہے اس سے ان کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔

اسلام میں مرد کے ذمہ روزی کمانا اور عورت کے ذمہ گھر کا انتظام ہے۔ گھریلو ذمہ داریوں کو پورا کرنا نصف کام بھی ہے۔ اور یہ فریضہ باقی دنیوی کاموں سے بہتر بھی ہے کیونکہ حیثیت بیوی' ماں اور بیٹی معاشرے کی اکائی' خاندان' کی اصلاح فرد اور معاشرے کی ترقی کی شاہ کلید (Master Key) ہے۔ بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے پہلا مدرس ماں کی گود ہے۔ بچے کی ذہنی اور جسمانی نشوونما' عادات و اطوار کی نگرانی و اصلاح' اسلامی ذہن کی تعمیر کی بروقت بنیاد رکھنا اور اخلاق و کردار کی اصلاح عورت کا فریضہ ہے۔ عورت ہی اس کام کی اہل ہے۔ بچپن میں جو ذہن و کردار بن جاتا ہے وہی بڑے ہو کر قومی کردار ہوتا ہے۔ یہ جو کہا جا رہا ہے کہ :

"نصف آبادی کو ملکی ترقی سے دور رکھ کر کوئی قوم کس طرح ترقی کر سکتی ہے ؟" تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام عورتوں کو ملکی معاملات اور قومی ضرورتوں سے الگ تو نہیں رکھنا چاہتا بلکہ اصل ضرورتوں کی طرف کام پر لگاتا ہے جن پر ترقی کا دارومدار ہے۔ مسلمان عورت بالواسطہ سیاست میں حصہ لیتی ہے۔ ہر کامیاب شخص کے پیچھے ایک دانا عورت کا ہاتھ ہوتا ہے...... عورت نئی نسل میں مجاہدانہ اوصاف پیدا کر کے جہاد میں بھی حصہ لیتی ہے ! عورت کا اصل جہاد اپنے خاوند کے گھر کی حفاظت ہے۔ (حدیث نبوی ﷺ حوالہ تفسیر ابن کثیرؒ)

گھریلو زندگی سے عہدہ برآ ہونے اور نئی نسل کی کردار سازی کے لیے عفت و عصمت اور حیا کی صفات کی حفاظت کے لیے عورت کو پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

یا ایها النبی قل لا زواجك و بنتك و نساء المؤمنین یدنین علیهن من جلا بیبهن ذلك ادنی ان یعرفن فلا یؤذین و کان الله غفوراً رحیماً (الاحزاب ۵۹)

اے نبی اپنی بیبیوں اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں تاکہ پہچانی جائیں تو ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

المرأة عورة فاذا اخرجت استشرفها الشیطان (ترمذی)

عورت پردہ دار ہے۔ جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے۔
خواتین اور گھر کے اخراجات کی ذمہ داری مرد پر ڈالی گئی ہے۔
ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن و طعامھن (ترمذی)
کہ ان کے لیے لباس و طعام کا اچھا انتظام کرو وراثت میں خواتین کا حصہ مقرر ہے' مہر ان کا حق ہے اور
دی کے تحفے وغیرہ یہ سب ان کی ملکیت ہیں۔ ان پر اخراجات کی کچھ بھی ذمہ داری نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے
رتوں کی تعلیم کے لیے الگ جگہ ایک دن ان کے لیے مقرر فرمایا۔ (صحیح بخاری: باب العلم)
اسلام میں جمعہ و جماعت سے عورتیں مستثنیٰ ہیں۔ (ابوداؤد)
جنگ بدر میں اسلام کا جھنڈا ام المومنین حضرت عائشہؓ کے دوپٹے کو بنایا گیا۔ (کتاب المعارف: قتیبہ) گویا
سلام خواتین کے احترام کا علمبردار ہے۔ اسلام میں ماؤں کی خدمت کا بدلہ جنت ہے:
الجنۃ تحت اقدام الامھات (صحیح بخاری و مسلم)
بہنوں' بیٹیوں کی پرورش اور ان سے اچھا سلوک کرنے پر بھی جنت کی بشارت ہے۔ (صحیح مسلم) اور
ویوں سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید ہے: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو۔ (ترمذی)
ملازمتوں اور کاروباروں میں مرد کا حق فائق ہے کیونکہ اخراجات کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی گئی ہے۔
ورتوں کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان کے معاشی حقوق پر قانونی طور پر ان کی ملکیت کو تحفظ فراہم کیا جائے۔
عورتوں کے حق میں بھی یہ بہتر ہے کہ بے روزگاری دور ہو مردوں کو روزگار ملے تو ان کو نکاح کی ترغیب
و۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے النکاح من سنتی۔ (بخاری)

جدید مسائل میں سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی:

انسانی زندگی کے ثقافتی تمدنی اور مکینیکاتی سانچے تبدیل ہوتے رہتے ہیں لیکن انسان کی فطرت اور نفسیات
نہیں بدلتی۔ رب تعالیٰ کا فرمان ہے: لا تبدیل لخلق اللہ (الروم: ۳۰) اس لیے عملی نمونہ سیرت طیبہ بھی ہمیشہ
کے لیے قابل عمل ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: وآخرین منھم لما یلحقوا بھم (الجمعۃ: ۳)
سیرت طیبہ ان بعد میں آنے والوں کے لیے بھی نمونہ ہے جو ابھی ان پہلوؤں سے نہیں ملے۔
اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ کی سیرت طیبہ موجودہ زمانے کے مسائل میں بھی رہنمائی کرتی
ہے۔

آبادی کا مسئلہ :

لوگوں کی خوراک' رہائش' صحت' تعلیم اور روزگار وغیرہ کی منصوبہ بندی اور اس پر عمل کرنا استحکام پاکستان کے لیے ضروری ہے۔ ملک کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس لیے وسائل اور آبادی میں توازن نہیں رہتا اور کوئی فلاحی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آبادی کو کنٹرول کرنا بہت ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے حکومت پاکستان خاندانی منصوبہ بندی کے ایک ملک گیر پروگرام پر عمل درآمد کے لیے کوشاں ہے عہد رسالتماب میں غلامی کا رواج تھا۔ غلامی کو ختم کرنے کے لیے اسلامی احکام میں سے ایک حکم یہ تھا کہ جس لونڈی کی اولاد ہو جائے وہ آزاد ہو جائے گی۔ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی لونڈیاں ان کے ہاتھ سے نکل جائیں اس لیے وہ ضبط ولادت کے لیے عزل کرتے تھے جو خاندانی منصوبہ بندی کا ہی ایک طریقہ ہے۔

جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت (بیوی) سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وسنت کی رو سے خاندانی منصوبہ بندی جائز ہے۔ (دینِ عمل : استاذ فتحی عثمان)

منع حمل قتلِ اولاد ہرگز نہیں کیونکہ یہ قتل اولاد تب ہوتا ہے جب بچہ وجود میں آ جائے۔ (امام غزالی احیائے علوم' کتاب النکاح)

ہمارے زمانے میں منع حمل (Birth Control) کے نئے نئے طریقے ایجاد ہو گئے جن کو استعمال کر کے بچوں کی پیدائش میں وقفہ جو بہت ضروری ہے' بہت آسان ہو گیا ہے۔ (حلال وحرام : یوسف القرضاوی)

حب الوطنی :

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا عصبية ان يحب الرجل قومه ولكن من العصبية ان ينصر الرجل قومه على الظلم (مسند احمد' ابن ماجہ)

یہ تعصب ہرگز نہیں کہ کوئی شخص اپنی قوم سے محبت رکھے۔ تعصب تو یہ ہے کہ کوئی اپنی قوم کے ظلم پر ہونے کے باوجود اس کی مدد کرے۔

سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی میں اپنے وطن عزیز پاکستان سے ہم سب کا محبت رکھنا اور اس کی تعمیر و ترقی کے لیے محنت و کوشش کرنا بھی استحکام پاکستان کا سبب ہو گا۔ حضور ﷺ نے صحابہؓ کی ایک جماعت کو منجنیق (اس زمانے کا جدید قلعہ شکن آلہ و مشینری) بنانے و چلانے کا فن سیکھنے کے لیے یمن کے شہر جرش بھیجا۔ (طبری تفسیر)

یاسی استحکام :

حکمرانی ایک عظیم الشان کام ہے۔ اس کے لیے ایمان و تقویٰ' علم و حکمت' تدبر و سیاست اور عزم و تقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ نگاہ بلند' سخن دلنواز' جاں پر سوز' یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے (علامہ بال)

یاست :

سیاست' حکومت اور اقتدار کے بارے میں چند ارشادات نبوی ﷺ یہ ہیں :

جو لوگ خود خواہش کرتے ہیں ہم ان کو عامل مقرر نہیں کرتے۔ (صحیح مسلم)

خود حکومت کی خواستگاری نہ کرنا۔ اگر تمہاری خواستگاری پر حکمت ملی تو تم کو تنہا چھوڑ دیا جائے گا اور اگر بر طلب ملے تو تمہاری مدد کی جائے گی۔ (متفق علیہ)

تباہی امراء کے لیے' تباہی ہے سربراہوں کے لیے' تباہی ہے خازنوں کے لیے! کتنے ہی لوگ قیامت کے ن تمنا کریں گے کہ کاش ان کی چوٹیاں ثریا سے باندھ دی جاتیں اور وہ آسمان و زمین کے درمیان لٹکا دیئے جاتے۔ مگر نہیں صاحب اختیار نہ بنایا جاتا۔ (ابن حبان والحاکم)

ابوذرؓ تم کمزور ہو اور یہ منصب ایک امانت ہے۔ قیامت کو یہ رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگا بجز اس کے کہ س نے حق سے لیا اور حق ادا کیا۔ (مسلم)

لعنت ہے اس پر جو رشوت دے اور اس پر جو حاکم ہو کر رشوت لے۔ (ترمذی) حضور ﷺ حکومت کا تساب فرمایا کرتے تھے حضور ﷺ کا ان ارشادات سے مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں اقتدار کے لیے رسہ کشی نہ ہو ور صحیح سیاست دان اور اہل لوگ آگے آئیں :

حضرت یوسف علیہ السلام نے خود بادشاہ سے وزارت خزانہ کا عہدہ طلب کیا تھا :

واجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم (یوسف : ۵۵)

مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کردو کیونکہ میں حفیظ اور علیم ہوں۔ حضور ﷺ جب کسی کا تقرر کرتے تو فرماتے : لوگوں کو خوشخبری دو' نفرت نہ دلاؤ۔ آسانی پیدا کرو' مشکل میں نہ ڈالو (صحیح بخاری) اور یہ بھی فرماتے تھے کہ : مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔ (صحیح بخاری)

دفاع :

حضور ﷺ مسلمانوں کو صحت قائم رکھنے کی تاکید فرماتے۔ ورزش' کھیل' تفریح' نشانہ بازی' گھوڑ دوڑ

وغیرہ کے مقابلے کرواتے تھے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ صحت مند اور قوی مسلمان اللہ تعالیٰ کو کمزور مسلمان سے زیادہ پسند ہے۔ (صحیح مسلم)

جو مسلمان اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا دین بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اللہ کی راہ میں ایک دن رات اسلامی ملک کی سرحد پر چوکیداری کرنا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ)

سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی یہ ہے کہ صحت بخش ورزشوں کھیلوں کے مقابلوں اور فوجی تربیت کی حوصلہ افزائی ہو اور ثقافت کے نام پر فضول مشاغل اور فحاشی بند کی جائے۔

قانون:

پاکستان اور پچاس سے کچھ اوپر مسلمان ملکوں کا دین اور نظریہ حیات اسلام ہے۔

هذا بيان للناس (آل عمران: ۱۳۸) قرآن حکیم اس نظریہ حیات کو بیان کرتا ہے۔ و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیهم (النحل: ۴۴) احادیث رسول ﷺ قرآن حکیم کی تشریح ہیں۔ ملکی قانون کے دو بنیادی ماخذوں پر سب مسلمانوں کا اتفاق اور اجماع ہے۔

سیاست میں سیرت طیبہ کی رہنمائی:

قانونی مساوات' جمہوریت و مشاورت اور قانون کی بالادستی ہے۔ لہذا مختلف مذہبی اور سیاسی نظریات رکھنے والے فرقوں جماعتوں اور سیاسی لیڈروں کو مشاورت اور میٹنگوں کے ذریعے ملکی قانون پر متفق کیا جائے قانون کی بالادستی قائم کی جائے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: تم سے پہلے قومیں اس لیے تباہ ہو گئیں کہ جب کوئی طاقتور جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور اگر کوئی کمزور جرم کا مرتکب ہوتا تو اس کو سزا دیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمہارے حاکموں میں سے بہترین حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ اور جن کے لیے تم دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں۔ اور بدترین حاکم وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں اور تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہم ان کو معزول نہ کر دیں اور جو عہد ان سے کیا ہوا ہے توڑ نہ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تک نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کریں۔ خبردار' جو شخص تم پر حاکم بنایا جائے اور تم اس کے کسی فعل کو دیکھو کہ وہ خدا کی نافرمانی پر مبنی ہو تو تم اس کے اس فعل کو برا سمجھو مگر اس کی اطاعت سے دست بردار نہ ہونا۔ (صحیح مسلم)

حضور ﷺ کے سوا تاریخ میں ایسی کوئی شخصیت نہیں جو حکمران، سپہ سالار، معلم، سیاست دان کامیاب ، ماہر علم و ادب قادر الکلام مقرر اور واعظ، ماہر طب و صحت اور رحمۃ للعالمین ﷺ ہو۔ کتاب "سو بڑے ں" کے مصنف پروفیسر مائیکل ہارٹ نے حضور ﷺ کو کامیاب ترین رہنماؤں میں پہلے نمبر پر شمار کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو ایمان اور توحید کی ی دعوت کو قبول کر کے اس حال میں مریں گے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔ میری امت کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے میری شفاعت میرے ساتھ مخصوص ہوگی۔ (جامع ترمذی)

ارشاد نبوی ہے:

ان قامت الساعة و بيد احد كم فسيلة فاستطاع له تقوم حتى يغرسها فليغرسها فله بذالك (مشکوۃ)

اگر قیامت برپا ہو جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ پنیری کا ایک پودا ہو اور قیامت سے پہلے وہ اسے ت کر سکتا ہو تو یہ پودا اسے لگا دینا چاہیے کیونکہ ایسا کرنے والے کو اس کا اجر ملے گا سیرت طیبہ کی رہنمائی مسائل کا بھی پیش کرتی ہے اور عمل کا پیغام بھی دیتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

و يضع عنهم اصرهم والاغلال التى كانت عليهم (الاعراف: ١٥٨)

اور وہ نبی ﷺ ان پر سے بوجھ اتارتا ہے اور وہ طوق بھی جو ان پر تھے۔

سیرت طیبہ ﷺ جہالت، توہمات، ظلم و استحصال، ذات پات طبقاتی اور سماجی ناہمواریوں کی اصلاح کے بہترین رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اس مینارہ نور میں سیاسی، معاشرتی، معاشی، دفاعی اور نظریاتی ہر طرح کے کام مملکت کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ سیرت طیبہ میں دنیا کی فلاح بھی ہے۔ اور آخرت کی نجات بھی مسائل کا بھی ہے اور عملی تدابیر بھی اس لیے استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہو سکتی

تحریک پاکستان کے فکری محرکات
سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

سید شجاعت علی شاہ۔ مانسہرہ

فکری ارتقاء

پاکستان ایک حقیقت کی عملی صورت ہے جو ایک فکر اور نظریہ کی بنیاد پر قربانیوں کے مراحل طے ہوئی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشہ پر برصغیر کی تقسیم کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ پاکستان کی فکری ار[illegible] سلسلہ بڑا مبسوط ہے۔ گو کہ ۱۹۴۷ء کو وجود میں آنے والے ملک کا موجودہ شکل میں مطالبہ ۱۹۴۶ء کے مسلم لیجسلیٹو کنونشن کی ترمیمی قرارداد کی صورت میں منظر عام پہ آیا کہ مسلمان اکثریتی آبادی والے علاقے یعنی آسام، پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان اور شمالی مغربی ہندوستان کے زون کو پاکستان کا نام دے کر علیحدہ خود[illegible] مملکت بنایا جائے تاہم یہ ترمیم اس قرارداد کی تھی جو ۲۲۔ ۲۴ مارچ ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے ستائیس[illegible] اجلاس منعقدہ لاہور میں متفقہ طور پر منظور ہوئی تھی اور اس قرارداد میں یہ طے ہوا تھا کہ مسلمان کوئی ایسا فیصلہ [illegible] نہیں کریں گے جو مسلم اکثریت والے علاقے میں مسلمانوں کو آزادی و خود مختاری کا حق عطا نہ کرے اور [illegible] اقلیتی علاقوں میں مسلمانوں کے مذہبی ثقافتی معاشی سیاسی انتظامی اور دوسرے حقوق کے بھرپور تحفظ کی ضمانت [illegible] در حقیقت یہی پاکستان کا مطالبہ تھا اور اسی بنیاد پر درمیانی عرصہ میں خاصی پیش رفت دیکھنے میں آئی اور کانگریس کے معاندانہ رویہ کے باوجود بالآخر وجود پاکستان کی حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی۔ کانگریس چونکہ قولاً ہندوستان کے باسیوں کی نمائندہ جماعت تھی اور اس کا مطالبہ یہ تھا کہ ملک اور اس کے باسی انگریز کی غلامی سے نجات پا کر اپنے [illegible] میں اپنا راج قائم کریں۔ تحریک آزادی کی بھرپور جدوجہد کانگریس کے زعماء کی انتھک کوششیں اور ان کی قربانیاں

وی وطن کے لیے تھیں۔ لیکن کانگریس ہندوستان کے اتحاد کے نام پر آزادی کے پردے میں مسلمان ہند سے ان صدیوں پر محیط تاریخی کارناموں کا حساب چکانا چاہتی تھی۔

مئی ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن کی آمد اور تجاویز کے وصولیابی پر کانگریس مسلم لیگ کے مشترکہ اجلاس ، بعد کانگریس کے جاری کردہ اعلامیہ میں کہ ہندوستان میں ایک وفاق کے تحت واحد قانون ساز ادارہ ایک متفقہ ین مرتب کرے جس کے تحت امور خارجہ' دفاع' مواصلات' بنیادی حقوق' خزانہ' کسٹم' منصوبہ بندی اور ایسے ہر امور مرکز کے زیر اثر ہوں۔ اسی نام نہاد متحدہ وطن کی میٹھی گولی سے ہندو ملک پر اپنا تسلط جمانا چاہتا تھا۔ جبکہ سلم لیگی بیدار مغزر ہنماؤں نے اپریل ۱۹۴۶ء میں اپنا یہ فیصلہ کہ پاکستان بنانا ہوگا پہلے ہی سے دے دیا تھا۔ (۱)

کانگریس اور مسلم لیگ دونوں آزادی کے خواہاں تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ کانگریس اس ملک کو متحد اور بیوں کو ایک انتظام کے تحت رکھنا چاہتی تھی۔ جبکہ مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے ہندوؤں سے علیحدہ اپنے وطن ے مطالبہ پر زور دیتی تھی کہ مسلمان یہاں اکثریت میں ہیں وہاں وہ آزاد و خود مختار حیثیت میں اپنے جداگانہ وجود کو قرار رکھ سکیں۔ کانگریس اپنے متحدہ ہندوستان کے جال میں مسلمانوں کو ایک غلامی سے دوسری اور اصل غلامی کی رف پھانسا چاہتی تھی کہ اقتدار ہندو کا ہو اور نام نہاد آزادی کے نام پر چند مراعات کے پردہ میں مسلمانوں کے مدیوں پرانے اقتدار کا بدلہ چن چن کر لیا جائے۔ انڈین نیشنل کانگریس جو کہ ۱۹۸۵ء میں پہلے فلاحی ادارے کی ورت میں قائم ہوئی اور پھر سیاسی جماعت کا روپ دھار ا بیاں ہند کی نمائندگی کا نعرہ بلند کرتی تھی۔ ہندو اور مسلم نوں اس میں شامل ہوئے مگر جلد ہی مسلمان رہنماؤں پر یہ قلعی کھل گئی کہ یہ دراصل ہندو کے مفادات کے تحفظ ر مسلمانوں کی غلامی کے دوام کا ایک حربہ ہے۔ ان ہی عوامل نے مسلمانان ہند کو مسلم لیگ کی صورت میں سلمانوں کی علیحدہ نمائندگی کا موقع فراہم کیا اور بعد کے ہر لمحہ کے واقعات نے اس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچایا کہ ندو اور مسلم دو الگ قومیں ہیں۔ دونوں کے مفادات الگ ہیں دونوں مذہبی۔ نظریاتی' ثقافتی' تعلیمی اور انتظامی معاملات میں اپنا اپنا الگ تشخص رکھتی ہیں۔ دونوں ایک ملک میں ایک وحدت کے ساتھ آزاد نہیں رہ سکتیں۔ بلکہ آزادی کا یہ مطلب ہے کہ دونوں ہر معاملے میں بالعموم اور انتظامی امور میں بالخصوص خود مختاری حاصل رکھیں۔ تقسیم بنگال کا مرحلہ ہو یا منٹو مارلے مراعات۔ ۱۹۳۵ء کی آئینی مراعات ہوں یا گول میز کانفرنس وغیرہ ہر موقع اپنی جگہ اس بات کی گواہی ہے کہ ہندو اور مسلم دو الگ الگ قومیں ہیں اور پھر اس دو قومی نظریہ نے باوجود مخالفتوں اور مخاصمتوں کے آخر کار وجود حاصل کر لیا۔

تاریخ کے تناظر میں اس دو قومی نظریہ کا تصور بہت پہلے کا ہے بلکہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اس دو قومی نظریہ کی ابتداء ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ الکفر ملة واحدة اسی دو قومی نظریہ کا ظاہر کرتا ہے کہ مسلمان

ایک ملت واحدہ ہیں اور وہ کفر کے ساتھ یکجا نہیں ہو سکتے بلکہ کفر علیحدہ دین ہے۔"لکم دینکم ولی دین" (
الکفرون) مکہ مکرمہ سے ہجرت اور مدینہ منورہ میں قیام حکومت اور پھر قریش مکہ سے غزوات کا سلسلہ اور فتح مکہ
بعد حکومت مدینہ کی وسعت۔ طائف میں حنین کا معرکہ اور پھر طائف کی صوبائی حیثیت کا قیام مسلمانوں کی آزا
خود مختار حیثیت کو واضح کرتے ہیں۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عالمی نبی ہونے کے ناطے اور آخری نبی ہونے کی حیثیت سے پوری انسا
آپ کی امت میں شامل ہے مگر امت کو امت دعوت اور امت اجابت کا نام دینا اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مس
علیحدہ قوم ہیں۔

قرآن کا مطالعہ کرنے سے بھی یہ عقیدہ اس وقت بالکل عیاں ہو جاتا ہے جب قاری یاایھا الذین امنو
یا ایھا الکفرون اوران الذین امنوا اور والذین کفروا کی تلاوت فکر و تدبر سے کرتا ہے۔

اسلامی حکومت کا قیام۔ خلافت راشدہ کا نظام۔ غزوات و سرایا۔ اور مختلف اسلامی جنگی۔ خلافت اس
کی وسعت اسی بات کا مظہر ہیں کہ مسلمان اور غیر مسلم ہر لحاظ سے جدا حیثیت کے حامل ہیں اور اسلام کا مکمل
زندگی کسی پیوندکاری یا مدد و معاونت کا محتاج نہیں اور نہ ہی کسی غیر کے ساتھ جزوی یا کلی اختلاط کا متحمل ہو سکتا
بلکہ ہر جگہ اور ہر وقت ایک دوئی نظر آتی ہے جو قیام پاکستان کے وقت دو قومی نظریہ کے نام پر زبان زد عام ہوتی

محمد بن قاسم کا ہند پر حملہ اور کامیابیاں اور اس کے بعد مختلف فرمانروایان ہندوریاستہائے ملحقہ سب
سب کسی نہ کسی درجہ پر اسی دو قومی کو منظر عام پر لاتے رہے۔

محمود غزنوی کے حملہ اور پھر سومنات کی فتح بھی اسی غرض سے تھی۔ ان کے ساتھ ابوریحان البیرونی
آمد ہند۔ مطالعہ تاریخ اور پھر کتاب الہند کے نام پر ایک تاریخی دستاویز کی تیاری اسی لیے تھی کہ ہندو اور مسلمان
جدا حیثیت کے مالک اور ہر معاملے میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔

البیرونی نے کتاب الہند میں ہندو کی تہذیب و ثقافت کو بیان کرنے سے قبل کتاب کے پہلے باب میں ان
وجوہات کا بتفصیل ذکر کیا ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے دور رکھتی ہیں اور جسے انہوں نے خلیج سے
تشبیہہ دی ہے۔ ڈاکٹر ایڈورڈ سی اپنے انگریزی ترجمہ Alberunis India کے پہلے باب میں تفریق کا ذکر ان
نقل کرتے ہیں۔

Hundu entirely deffere from us (Muslim) in every respect, many subject apearing intricate and abscure which would be perfectly clear if ther ewere more con-

nection between us. The barries which separate the Muslims and Hindus rest on defferent causes. (۲)

س کے بعد اس باب میں یکے بعد دیگر ان تمام اسباب و عوامل کا مدلل و مفصل ذکر ہے۔ جو زبان' مذہب' رسم و رواج' ثقافت وغیرہ پر مشتمل ہے۔ آگے چل کر یوں لکھتے ہیں :

This too. render any connection with them quite impossible and constitute the widest Gulf between us and them. (۳)

اکبر کے دور حکومت میں رواداری کے نام پر ہندو مسلم اتحاد کے لیے دین الٰہی کی اختراع نکالی مگر اس وقت کے عظیم مجاہد حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اس کے آڑے آئے اور یہ ثابت کر دیا کہ مسلم الگ ہیں اور ہندو کی سیاسی مذہبی و ثقافتی حیثیت بالکل جدا ہے۔ اکبر کی اس پیوند کاری کو ہندوؤں نے بھی پسند نہ کیا۔

پروفیسر سمیع اللہ اپنی کتاب قیام پاکستان کا تاریخی و تہذیبی پس منظر میں یوں بیان کرتے ہیں۔

"شیخ احمد کی جدوجہد سے پھر واضح ہونے لگا۔ انہوں نے تصوف کی تطہیر کے حوالے سے در حقیقت مسلمانوں کی جداگانہ وحدت کو استحکام بخشا اور یہی ان کی تحریک کا سیاسی پہلو تھا...... بلکہ ہندوؤں نے بھی اکبر کی تحریک ادغام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور وہ صدق دل سے اس کی کوششوں میں کبھی شریک نہ ہوئے۔ اس اعتبار سے ہندو اور مسلمان دونوں قومیں ہی اکبر کے رویے اور طرز عمل سے بدظن تھیں۔ چنانچہ دہلی کے مضافات میں دین الٰہی کے خلاف بھرپور ردعمل اکبر کی موت کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا"۔ (۴)

ہندو راجہ مان سنگھ جو کہ اکبر کا بڑا مطیع و فرمانبردار تھا کے حوالے سے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں :

"ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں جب اکبر نے مان سنگھ کے سامنے جو اس کا سسرالی عزیز تھا دین الٰہی کی دائرے میں داخل ہونے کی تجویز پیش کی تو اس نے کہا (ہندو ہوں۔ مسلمان ہو سکتا ہوں۔ ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں جانتا) (۵)

ڈاکٹر صفدر محمود لکھتے ہیں :

"تاریخ شاہد ہے کہ صدیوں تک اکٹھے رہنے کے باوجود ہندو اور مسلمانوں نے اپنا مذہبی اور ثقافتی تشخص قائم رکھا۔ اور ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہے۔ ۱۸۵۷ سے تقسیم بنگال تک اور پھر ۱۹۴۷ء تک ہندوؤں نے مسلمانوں کے لیے اپنی نفرت چھپانے کی ہر

گز کوشش نہ کی۔ بلکہ جب بھی موقع ملا مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کی کوشش کی"۔(۶)

برصغیر کی مشہور علمی شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب کا حوالہ بھی مسلمانوں علیحدہ حیثیت کو سمجھنے کے لیے نہایت ہی اہم ہے۔ انہوں نے اس وقت جب کہ مغل حکومت کمزور اور مرہٹہ طاق قوت بن کر منظر عام پر آرہے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہندوستان میں عمل دخل شروع تھا۔ کابل کے حکمران احمد ابدالی کو لکھا۔

In Short the Muslim Community in pitiable condition. All control of the machienery of Govt. in the hand of Hindus because they are the only people who are capable and industrious...... at this time you are the only king who are power full far sighted and capable of defeating the every force. Certainly it is incombant upon you to march India destroy Marhatta domination and rescue weak and old Muslim from the clutches. of Non Muslims.

ہندوستان پر انگریزوں کی مکمل گرفت کے بعد انہوں نے اس دوئی کو خوبی جان لیا اور پھر اقتدار کے دوام کے لیے طریقہ چنا کہ مسلمان کو جو کہ اسلام کے زندہ نظریہ حیات کا دعویدار اور سابقہ مقتدر حیثیت کا مالک ہے پیٹنے جائے۔ اور اس کے معاملے میں ہندو کو خوب نواز کر اپنا الو سیدھا کیا جائے۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی پر سر ولیم کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کے حوالے سے لارڈ ایلن بر یہ بات نقل کرتے ہیں۔

"میں اپنی آنکھیں کیسے بند کرلوں جب کہ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ مسلمان نسل کا رویہ بنیادی طور پر ہمارے خلاف معاندانہ رہا اس لیے ہماری صحیح پالیسی یہی ہونی چاہیے کہ ہم ہندو کے سر پر ہاتھ رکھیں"۔(۸)

پروفیسر صاحب اسی لارڈ ایلن برا کے ۱۸۴۲ء کے تحریر شدہ خط برائے ڈیوک آف ویلنگڈن کا حو دیتے ہیں کہ۔

"ہندو کی سرپرستی کی جائے اور ان کے ساتھ خاص مہربانی کا سلوک کیا جائے جو

برصغیر کی کل آبادی کا ۹۰۱۰ حصہ ہیں۔ انہوں نے مزید لکھا کہ مجھے یہ نہایت درجہ خلاف عقل معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم کو آبادی کے ۱۰۰ا حصے کی مخالفت کا یقین ہے تو ۹۰۱۰ حصے پر جوش تائید کیوں نہ حاصل کریں جو ہمارے وفادار ہیں"۔(۹)

مسلمانوں پر ہر قسم کا ظلم و تشدد ان کی معاشی ناقہ بندی اور تہذیب و تمدن اور مذہب و رسم و رواج کی راہ میں مختلف روڑے اور پھر اردو اور ہندی کا جھگڑا یہ سب دو قوموں کی جدا قومی حیثیت کی غمازی تھی جسے قائداعظم نے اپنی سیاسی بصیرت سے جانا اور فہم و تدبر سے اس کا حل تلاش کر کے مسلمانان ہند کو اس حالت کرب و ملال سے نجات بخشی۔

اخبار انڈیپنڈنٹ کے ۱۲ مئی ۱۹۴۰ء کے شمارے میں قائداعظم کا یہ فرمان نقل کیا ہے۔

"کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک شخص جو ہزار سال یا اس سے بھی پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ وہ ہندو فلسفے اور ہندو مذہب کی رو سے اسی وقت ذات سے باہر ہو کر ملیچھ ہو گیا تھا اور ہندوؤں نے تمام مذہبی اور معاشرتی و تہذیبی رشتے اس سے توڑ لیے تھے۔ کیونکہ مسلمان ایک جداگانہ نظام سے تعلق رکھتا ہے"(۱۰)

قائداعظم کی ایک تقریر کا اقتباس

"ہماری تہذیب جدا' تمدن مختلف' زبان علیحدہ فنون و ادب۔ طرز تعمیر' نام اور نام رکھنے کے اصول بالکل جداگانہ۔ قدریں اور قدروں کا شعور الگ احساس تناسب جدا۔ رسوم و رواج جدا۔ تقویم مختلف۔ تاریخ علیحدہ روایات مخصوص۔ رجحانات اور عزائم میں نمایاں فرق۔ غرض یہ کہ زندگی کے بارے میں ہمارا زاویہ نگاہ بھی جدا اور حاصل نگاہ بھی جدا ہم خود ایک قوم ہیں"۔(۱۱)

آخر کار مہاتما گاندھی بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے اور ہندوستان ٹائم کو انٹرویو دیتے وقت بے اختیار ان کی زبان سے نکل پڑا۔

"اگر ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان فی الواقعہ اسی سکیم کو نافذ کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس خطہ عرض پر کوئی ایسی طاقت نہیں جو انہیں روک سکے۔ خواہ کتنے ہی تشدد آمیز یا تشدد کے ذریعے اس کی مخالفت کی جائے"۔(۱۲)

گو بعد میں اس حقیقت کو چھپانے کے لیے انہوں نے کھسیانی بلی کی طرح کئی ایک اوپر تلے بیانات جاری کیے۔ مگر قیام پاکستان ایک اٹل فیصلہ تھا اور دو قومی نظریہ ایک حقیقت۔ لاکھ جھٹلایا مگر وہ پورا ہونا تھا ہو کر رہا۔

ہند کے باسی اور اسلام کی آمد

ہندوستان کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ پتھر کے زمانے کے بعد ۱۵۰۰ قبل مسیح میں آریوں کا یہاں ورود "آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا" میں ملتا ہے۔ ہندومت کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے ۱۵۰۰ قبل مسیح سے لے کر طلوع اسلام تک ہندوستان کے مختلف علاقوں میں یونانی کاہن وغیرہ رفتہ رفتہ آتے رہے۔ مگر بقول لیبان یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی۔

کہ عہد اسلامی سے قبل جس نے اس پر تسلط کیا اور اپنا اثر ڈالنا چاہا وہ یا تو خود مٹ گئے یا اس میں ضم ہو کر فنا ہو گئے۔

بدھ مت کی طرح بعض اور مذاہب اور تہذیبیں آئیں مگر ملک بدر ہونے پر مجبور تھیں۔ اسلام کی اشاعت کے بعد اسلام کا پیغام حق مختلف واسطوں اور راستوں سے ہندوستان کی سرزمین پر پھیلتا رہا۔ اور مسلمان مختلف حیثیتوں میں یہاں آتے رہے کبھی تاجر کبھی مسافر اور کبھی فاتح بنے اور کچھ مکمل طور پر یہاں کے باسی ہو رہے اور کچھ نے یہاں کے پہلے باسیوں کو اسلام کی دولت سے نوازا۔ الغرض تب سے اب تک فروغ اسلام کا سلسلہ جاری ہے۔ اور ہمہ وقت مسلمانوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں ہی مکران تک مسلمان فاتحین پہنچ چکے تھے اور باقاعدہ حملہ محمد بن قاسم نے ۷۱۲ء میں سندھ کی طرف سے کیا اور ملتان کے قریب پنجاب کی سرحدوں کے اندر داخل ہو گیا۔ اس کے سندھ سے جانے کے بعد پھر ہندو راجاؤں کا غلبہ ہوا تاہم اسلام کی روشنی باقی رہی۔ مسلمان صوفیا نے اشاعت و تبلیغ اسلام کا بہت زیادہ کام کیا اور آہستہ آہستہ ہندوستان کے بعض علاقے مکمل طور پر مسلمانوں کی بستیوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ اس کے بعد شمال مغربی دروں کے راستے مسلمان حملہ آوروں کا ایک سلسلہ جاری ہوا محمود غزنوی نے نویں صدی کے چوتھے عشرے میں کئی ایک حملے کیے مگر یہاں کوئی مستحکم حکومت قائم نہ ہوئی۔ اور یہ سلسلہ ۱۱۹۳ء تک چلتا رہا جب کہ سلطان محمود غزنوی کی بادشاہت و حکومت مختلف نشیب و فراز کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار پر قبضے تک جاری رہی۔ انگریز تاجر بن کر آئے اور پھر بدو کے اونٹ کی طرح خیمے میں داخل ہو کر سونے کی چڑیا کے مالک بن گئے۔

انگریز کی آمد اور دور غلامی

۱۷۵۷ سے قبل ہی کمپنی نے انتظامی امور میں دخل اندازی شروع کی ہوئی تھی۔ پلاسی کے میدان میں اپنوں کی غداری کی بنیاد پر حاصل شدہ فتح نے ان کے پاؤں اور مضبوط کر دیئے اور پھر ۱۸۵۸ء میں مغلوں کی نام نہاد سلطنت دہلی بھی مکمل طور پر ختم ہو گئی۔ یکم نومبر ۱۸۵۸ میں ملکہ برطانیہ نے ہندوستان کو باضابطہ تاج برطانیہ کے

تحت کر کے ہندوستان کے لیے حکومت برطانیہ کے نمائندے کے طور پر وائسرائے گورنر جنرل کا تقرر کیا۔ لارڈ کیننگ پہلے گورنر جنرل اور وائسرائے مقرر ہوئے۔(۱۴) اس کے بعد انگریز بہادر نے استحکام حکومت کے لیے کامیاب حربے کے طور پر ہندوؤں کو مسلمانوں پر ہمیشہ فوقیت دیتے ہوئے ہر طرح کا جبر و تشدد مسلمانوں پر روا رکھا۔ ہندوؤں میں جب آزادی کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے بظاہر آزادی کے نعروں میں مسلمانوں کو ضرور شریک کیا مگر درحقیقت وہ انگریز کی غلامی سے خود نجات حاصل کر کے مسلمانوں کو اپنا غلام بنانا چاہتے تھے۔ تاکہ ان سے ان کی قدیم اسلامی سلطنت کا حساب چکا سکیں۔

حصول آزادی

انگریزوں نے آمد کے ساتھ ہی ہندوؤں پر دست شفقت دراز کیا اور مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ۔ اس کی وجوہ یہ بیان کی جاتی ہیں کہ مسلمانوں میں اقتدار کے مالک ہونے کے ناطے وفاداری کا عنصر ہندوؤں کی نسبت کم تھا اور دوسری وجہ یہ کہ ہندو مذہب و تہذیب بجز چند ایک رسم و رواج کے اور کچھ نہ تھا۔ جب کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کے ناطے نوواردوں کے لیے زیادہ خطرے کا باعث تھا۔ ہندو مقتدر طبقہ ہونے کے ناطے انگریزوں کو ہر لحاظ سے مسلمانوں پر فوقیت دیتا تھا اور انگریز کی عنایت خصوصی نے اسے ایک طرف جہاں مسلمانوں سے علمی اور مالی اعتبار سے بہت آگے کر دیا تھا وہاں احسان مند ہونے کی بنا پر انتہائی مطیع و فرمانبردار بھی بنا دیا تھا۔

پہلے پہل مسلمان زعما تحریک آزادی میں ہندوؤں کے شریک تھے اور انگریز کو نکالنے کی صدا بلند ہوتی تھی۔ مگر بہت جلد مسلمان یہ بات جان گئے کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہو رہا ہے۔ یہ دراصل مسلمانوں کی آزادی کی نہیں دائمی غلامی کی صدا ہے۔ ہندوؤں نے ہر موقع پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مخلص نہیں اور کانگریسی لیڈروں کا نعرہ محض کھوکھلا ہے۔

اردو زبان اور ہندی کا تنازعہ۔ شدھی تحریک۔ رادھا تعلیمی منصوبہ۔ کانگریس کی وزارتیں۔ نہرو دستوری رپورٹ۔ بندے ماترم کا پڑھنا وغیرہ وغیرہ جیسے واقعات اس بات کا بین ثبوت ہیں۔

مسلمانوں کے بیدار مغز رہنماؤں نے جن میں علامہ اقبال جیسے زیرک فلسفہ دان چوہدری رحمت علی جیسے نکتہ رس۔ سر آغا خان جیسے مدبر اور قائداعظم جیسے معاملہ فہم و عقدہ کشاد اور شبیر احمد عثمانی (مولانا) جیسے صاحب بصارت و بصیرت شامل تھے۔ بروقت قومی قیادت کی باگ ڈور سنبھال کر ان کا رخ صحیح سمت کی طرف پھیر دیا اور پھر کانگریسی عیار و مکار ہندو لیڈروں کی کوئی چال اور فریب خوردہ یا سادہ لوح مسلمانوں کی سادگی ان کی راہ میں حائل نہ ہو سکی۔ نتیجتاً پاکستان کے لیے کی جانے والی کوشش رنگ لائی اور مسلمانوں کے لیے ایک ملک وجود میں آگیا جس میں مسلمانان ہند کی مذہبی' تہذیبی' ثقافتی اور ہر لحاظ سے آزادی کی ضمانت تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کے بقول :

"پاکستان سے میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم محض غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں اس سے حقیقی مراد مسلم نظریات کا تحفظ ہے۔ ہم نے صرف آزادی حاصل نہیں کرنی ہم نے اس قابل بنا ہے کہ اپنی آزادی کی حفاظت کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں"۔(۱۵)

علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی ایک موقع پر فرمایا:

"پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے۔ یہ نام سن کر کسی کو کبھی بھی غلط فہمی یا خوش فہمی نہیں پیدا ہونی چاہیے کہ اس خطہ میں فوراً بلا تاخیر خلافت راشدہ یا خالص قرآنی اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ ضرورت سے زیادہ امیدیں دلانا توقعات باندھنا کسی عاقبت اندیش حقیقت پسند کے زیبا نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان ایسا ابتدائی اقدام ہے جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ قائم ہونے پر کسی وقت منتج ہو سکتا ہے۔ جس کے قیام کا نام نہاد قومیتِ متحدہ کی حکومت کے ذریعہ بظاہر کوئی امکان نہیں"(۱۶)

قائداعظم محمد علی جناح شروع ایام میں ایک قومی نظریے کے حامی تھے اور ہندوستان کی آزادی کے خواہاں تھے۔ ہندو کے رویہ نے ان کی آنکھیں کھولیں۔ کھلی آنکھ سے دیکھ کر انہوں نے فرمایا۔

"ہماری تہذیب جدا۔ تمدن جدا۔ زبان علیحدہ۔ فنون و ادب طرز تعمیر۔ نام رکھنے کے اصول بالکل جداگانہ۔ قدریں اور قدروں کا شعور الگ۔ احساس تناسب جدا رسوم و رواج جدا۔ تقویم مختلف تاریخ علیحدہ۔ روایات مخصوص۔ رجحانات اور عزائم میں نمایاں فرق غرض یہ کہ زندگی کے بارے میں ہمارا زاویہ نگاہ بھی جدا اور حاصل نگاہ بھی جدا۔ ہم خود ایک قوم ہیں"۔(۱۷)

جب یہی بات صحیح سمجھ کر مان لی گئی تو اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے وقت نہیں بلکہ ہمت۔ جرات اور جذبے کی ضرورت تھی جو مسلمان لیڈروں کے دل و جان میں رچا بسا ہوا تھا۔ اسی کی بدولت ۱۹۴۰ء میں بات بن کے سامنے آئی۔ ۱۹۴۶ء تک نکھری اور ۱۹۴۷ء مین عملی شکل میں وجود پذیر ہو کر پاکستان بن گئی۔

اسلام ایک نظریہ ایک فکر

اسلام کا دائرہ کار بھی بڑا وسیع ہے۔ مذہب کے مغربی و مشرقی مفہوم کے اعتبار سے صرف چند عبادات یا رسوم و رواج کا مجموعہ نہیں جبکہ اپنے اسی اسلامی مفہوم کے تحت انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ جس کے لیے

قرآن مجید نے "امنوا و عملوا الصلحت" کی دو اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ محمود شلتوت مصری نے اپنی کتاب "الاسلام" میں ان کے لیے عقیدہ اور شریعت کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ایمان یا عقیدہ پانچ غیبیات کے اقرار و تصدیق کا نام ہے اور اعمال صالح یا شریعت نام ہے اپنی پوری باقی زندگی اطاعت خداوندی کے طابع کرنا جس میں عبادات کے علاوہ معاملات اخلاقیات و سیاسیات سب شامل ہیں۔

ابتدا اور ارتقاء

درحقیقت جملہ انبیاء و رسل اسلام ہی کے دعویدار ہیں۔ مگر ہر نبی و رسول کی ایمانیات کے بعد شریعت مختلف تھی۔ حضور پاک ﷺ آخری نبی ہونے کے حوالے سے قیامت تک کے آخری انسان کے لیے دائی حق اور ایک ہی واحد و یکتا شریعت کے مبلغ تھے۔ آپ کی تعلیمات میں نہ صرف زندگی کے ہر شعبہ کی تفصیل ہے بلکہ آپ ﷺ نے عملی طور پر ہر معاملے کی ایسی روشن مثالیں چھوڑی ہیں جو رہتی دنیا تک بنی نوع انسان کے لیے مدد و معاون رہیں گی۔ آپ کی تعلیمات کو آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے شاگردوں اور خلفاء نے عملی طور پر اپنایا۔ اور پھر پوری امت محمدیہ کے لیے علمی خزانے کے طور پر محفوظ کر لیا جس سے قیامت تک استفادہ ہوتا رہے گا۔

تحریک پاکستان کا تقابل

آپ ﷺ نے حیات طیبہ میں عبادات و معاملات و اخلاقیات کی تعلیم و تربیت کے ساتھ حکومت الہیہ بھی قائم کی۔ انتظامی امور طے کیے اور غیروں کے ساتھ تعلقات استوار کیے ہی نہیں بلکہ جب پانی سر سے گزرتا ہوا نظر آیا تو حکم الہی کے مطابق میدان جہاد میں تیر و تفنگ اور تیغ نہاں کے جوہر دکھاتے ہوئے عدو اللہ اور عدو الرسول کو جہنم رسید بھی کیا۔

الغرض سنت نبوی ﷺ میں اس بات کی واضح تعلیم موجود ہے کہ اپنوں کے علاوہ غیروں سے کیسے برتاؤ کیا جائے وہ اگر مملکت کے شہری ہوں تو کیا حقوق ہیں۔ حکومت ان کی ہو تو مسلمانوں کی کیا حیثیت ہوگی اور اگر وہ معاندانہ رویہ روا رکھیں تو پھر اس کا مداوا کیسے ہو۔

تحریک پاکستان کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں بیان کردہ صورتحال کے پیش نظر یہی امور غور طلب ہیں۔ اور پاکستان کے حامی و مخالف اور خاموش تماشائی (تینوں طبقے) یہیں پر اپنی راہ متعین کرتے ہیں۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ مغلوں کے دور حکومت کے اختتام پر اس بات کا امکان کہیں نظر نہیں آتا کہ مسلمانوں کو پھر وہ اقتدار اور شان و شوکت حاصل ہوگی۔ اس پر مستزاد یہ کہ انگریز بہادر نے اپنے پاؤں مضبوط کرنے کے لیے ہندوؤں کو وہ سبق پڑھا دیا جو ان حالات میں مسلمانوں کے لیے مہلک تھا دوسری صورت یہ تھی کہ مسلمان اور ہندو ایک انتظام

کے تحت ہوتے یہ جوڑ بھی ملتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ مگر مصالحت پسند زعماء قوم نے قومی مفاد کے پیش نظر ایک صدی حالات وواقعات بطور تجربہ جانچے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو کا تعصب انگریز کا سبق اور پھر مسلمانوں کا مذہبی، ثقافتی، رواجی، تعلیمی، تہذیبی و لسانی جدا تشخص اس جوڑ کے سراسر منافی بلکہ نتیجتاً ہلاکت خیز تھا۔ اب تیسری صورت یہ رہ جاتی تھی اور یہ حقیقت کے بھی عین مطابق حالات کے بھی موافق تھی کہ مسلمان جہاں اکثریت میں ہیں وہاں اپنی علیحدہ حکومت بنائیں۔ جہاں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق فیصلے کر سکیں شریعت مطہرہ کا تقاضا اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اولین درس بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری اور پھر پہلا کام میثاق مدینہ کی صورت میں دستور اور پھر انتظامی امور پر توجہ۔ سب کچھ چھوڑ کر اگر صرف اس تاریخی دستاویز کو بغور دیکھا جائے تو سارا عقدہ ہی کھل جاتا ہے۔ مدینہ کے یہودی بطور یہودی کے رہ سکتے ہیں مگر وہ مسلمانوں کے مطیع اس اعتبار سے ہوں گے کہ مقدمات کے فیصلے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمائیں گے۔ دفعہ ۴۲ (نقوش رسول نمبر ۱۸ جلد ۵)۔ گویا اقدار آپ ﷺ کے پاس رہے گا اور یہودی عام شہری کی حیثیت سے وہاں ضرور رہ سکیں گے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ دو قومی نظریہ کی نفی کے مترادف ہے کہ مدینہ میں تو یہودی اور مسلمان ایک قوم تھے بلکہ صاف اور واضح بات ہے کہ قومیں علیحدہ تھیں اور حقوق سب کو حاصل ہونے کے ناطے اتحاد مگر اپنے اپنے حقوق و فرائض نے اتحاد میں تفریق کو بھی شامل کیا ہوا تھا۔ دفعہ ۱ میں یہ مضمون بڑا واضح ہے کہ یہ دستور در حقیقت بنیادی طور پر مسلمانوں کے لیے ہے جو ایک امت ہیں جو دو طبقات یعنی قریش اور مہاجرین پر مشتمل ہیں ایسی دستاویز کے چند اور اہم دفعات کہ یہودی کسی ایسے گروہ کے ساتھ معاہدہ یا تعلق نہیں رکھیں گے جو مسلمانوں کا مخالف ہے۔ (دفعات ۱۶، ۲۴، ۳۶، ۴۰، ۴۳ وغیرہ) (۱۹) یہ بات بھی اس وضاحت کے لیے کافی ہے کہ مقتدر طبقہ مسلمانوں کا اور جہاں ان کی سالمیت کے لیے کوئی خطرہ ہو کوئی شہری چاہے اپنا ہو کہ غیر اس خطرہ کی نہ حمایت کر سکتا ہے نہ اس کو حمایت و مدد کی یقین دہانی کرا سکتا ہے۔ بلکہ جارحیت کی صورت میں ان غیروں کو جنہیں ملک کی شہریت حاصل ہے مسلمانوں کے شانہ بشانہ دشمن کا مقابلہ کرنا ہوگا اور کسی بھی سازش کی صورت میں ان کی شہریت نہ صرف ختم ہوگی بلکہ دشمنوں کی طرح انہیں مار بھگایا جائے گا۔

تاریخ کے اوراق اس کی گواہی دیتے ہیں کہ مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ بعینہ یہ معاملہ ہوا اور پھر جب خیبر میں انہوں نے مرکز کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کیں تو خیبر کا معرکہ ایک ایسی شہادت بن گیا جسے آج بھی فخریہ انداز میں یاد کیا جاتا ہے۔

ہندوستان کی صورت یہ تھی کہ پہلے پہل لوگوں نے اس طرح کی ترتیب بنانے کا سوچا مگر ہندوؤں کی اکثریت ان کی تعلیمی برتری اور مالی فروانی انہیں اس کے خلاف مجبور کر رہی تھی اور ان حالات میں مسلمانوں کی

حیثیت صرف نچلی ذات تک محدود ہو کر رہ جانے کا قوی امکان تھا۔ ۱۹۱۹ء سے لے کر ۱۹۴۰ء تک کے حالات اس کی غمازی کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے متعصب لیڈروں نے گزشتہ سات سو سالہ تاریخ کے حوالے سے مسلمانوں کو غاصب قرار دیا ہوا تھا اور اب وہ ایک دن کے لیے بھی ان کا اقتدار قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ یہاں تک بھی کہہ دیا گیا کہ :

"ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہے۔ مسلمان یہاں مہمان ہیں ان کو یہاں رہنا ہے تو انہیں چاہیے کہ مہمانوں کی طرح رہیں"۔(۲۰)

اسی پہ بس نہیں بلکہ انتہاء پسند ہندو لیڈر لالہ ہر دیال نے ۱۹۲۶ء کے تیج اخبار میں صاف لکھ دیا :

"ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل صرف ایک ہی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو شدھی کے ذریعے ہندو دھرم میں شامل کر لیا جائے"۔(۲۱)

۲۰ فروری ۱۹۲۹ء کی اخبار سٹیٹمین میں مسٹر ساورکر کا یہ بیان بھی شائع ہوا کہ :

"لفظ ہندو سے عبارت ہے ہر وہ شے جو ہندوستان کی ہو مثلاً ثقافت، نسل اور روایات وغیرہ اور ہندو کے معنی ہیں ہر وہ شخص جو ہندوستان کا رہنے والا ہو"۔(۲۲)

ان حالات میں کلی اقتدار کا مسلمانوں کے لیے قطعاً امکان نہ تھا اور جزوی اقتدار میں ان کی حیثیت ثانوی بھی نہ ہوتی بلکہ آہستہ آہستہ شودر کا مقام دے دیا جاتا۔

فطری صورت یہی تھی۔ جو ۱۹۴۰ء کو اشارتاً اور ۱۹۴۶ء کو وضاحتاً کہی گئی اور پھر عملی صورت سامنے آگئی کہ مسلمانوں کے علاقوں میں اپنا اقتدار ہونا چاہیے۔ فیڈریشن ہو یا کنفیڈریشن ہر دو صورتوں میں ثمر ملتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مسلمان وہاں عبادات کا نظام بھی قائم کریں معاملات بھی سنواریں اور دعوت دین الٰہی کا اپنا اصل فریضہ بخوبی انجام دے سکیں کیوں کہ حکم ربی یہ ہے :

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر۔(۲۳)

وہاں مسلمان احکم الحاکمین کی حاکمیت قائم کریں کہ ان الحکم الا للہ اور فیصلے اللہ کے حکم کے مطابق کریں کہ و کتبنا علیھم فیھا۔(۲۴)

کتب علیکم القصاص۔(۲۵)

فاقطعوا ایدھما۔(۲۶)

فاجلدوا کل واحد منھما۔(۲۷)

وہاں مسلمان اپنے مالی معاملات کو اکتساب و انفاق کے قرآنی اصولوں کے مطابق طے کریں اور اس کے علاوہ دیگر امور قرآنی و فرمانی طے کیے جائیں۔ یہ اگر تا حال نہ ہو سکا تو قرض ہے جس کا چکانا ضروری ہے۔

دوسری صورت میں خدانخواستہ اگر ہندو کو کل اختیار مل جاتا تو بقول علامہ اقبال

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
نادان یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

آزادی سلب ہو جاتی۔ بلکہ پھر یہ آزادی کی ظاہری صورت بھی دکھائی نہ دیتی اور اس ظلم عظیم کی تمام تر ذمہ داری ان بہی خواہان قوم پر ہوتی جو ان حالات میں اتحاد کے حوالے سے اکھنڈ بھارت کی بات کرتے تھے۔ اللہ کا بڑا احسان ہوا کہ اس وقت تیر نشانے پہ لگ گیا اور اللہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ ملک مل گیا۔ قرض ابھی باقی ہے خدا توفیق دے اور قرض جلد از جلد اتر جائے۔

سیرت نبوی ﷺ اور زمانہ خلافت راشدہ کے حوالے سے یہ بات عیاں ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت تھی اور غیر مسلم یا ذمی اور با جزار ہو کر مسلمانوں کے مطیع و فرمانبردار ہوتے یا پھر مسلمان حاکم کسی بھی غیر مسلم ریاست کو بطور معاہدہ کے تسلیم کر کے امن کے معاہدے طے کر لیتے تھے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ مسلمان اقتدار میں یوں شریک ہوں کہ ان کی اپنی حیثیت ہی گم ہو کر رہ جائے۔ دار الحرب اور دار الکفر کے مسلمانوں کے لیے شریعت نے علیحدہ مسائل بیان فرمائے ہیں کہ وہ وہاں کیا کریں کیسے رہیں۔ ہندوستان کی یہ صورت مسلمانوں کے لیے لازماً آزادی کے معاملے میں انتہائی ذلت آمیز ہوتی۔ اس لیے یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی کہ ہندوستان کی ۱۸۵۸ء سے لے کر ۱۹۴۰ء کی صورتحال کا تقاضا یہی تھا کہ مسلمانوں کو ان کی اکثریت والے علاقے میں اپنا علیحدہ اقتدار ملے اور وہ ہندو سے آزاد ہو کر اپنے مستقبل کے بارے میں از خود سوچ سکیں۔

تحریک پاکستان کا صحیح نہج پہ آنا۔ یقیناً رحمت خداوندی کا نتیجہ تھا اور پھر خداوند قدوس کی نصرت کی بدولت وجود پاکستان کا حصول نعمت خداوندی اور لائق شکر انعام تھا۔ جس کی قدر ہر ذی فہم مسلمان پہ لازم ہے۔

تحریک پاکستان ایک فکر کا نام ہے جسے سیرت طیبہ کے مینارہ نور سے روشنی ملی اور بالآخر مملکت خداداد پاکستان کی صورت میں اس کا نتیجہ ظہور پذیر ہوا۔

حوالہ جات

The Emergence of Pakistan- by Ch. Muhammad Ali (Published by Services Book Club)

Allerunis India Translated by Dr. Edward-e-sachau.

صفحہ ۱۹ جلد اول' صفحہ ۲۳

قیام پاکستان کا تاریخی و تہذیبی پس منظر از پروفیسر سمیع اللہ قریشی۔ سنگ میل پبلی کیشنز' صفحہ ۲۰

ایضاً' صفحہ ۲۶

درد آگہی' ڈاکٹر صفدر محمود۔ جنگ پبلشرز صفحہ ۴۸

Pakistan the formalui phsre 57-48 Khalid bin Sayed page 4

قیام پاکستان کا تاریخی و تہذیبی پس منظر۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی صفحہ ۳۷

ایضاً صفحہ ۳۶

ایضاً صفحہ ۹۱

ایضاً صفحہ ۹۱

ایضاً صفحہ ۹۶

عصر جدید نومبر ۱۹۴۵ء

ایضاً

قیام پاکستان کا تاریخی و تہذیبی پس منظر صفحہ ۹۱

نقوش رسول نمبر جلد ۵ صفحہ ۳۰۰

ایضاً

قیام پاکستان کا تاریخی و تہذیبی پس منظر۔ صفحہ ۸۴

ایضاً صفحہ ۶۶

۲۲۔ ایضاً صفحہ ۶۷

۲۳۔ سورۃ الحج آیت ۴۱

۲۴۔ سورۃ المائدۃ آیت ۴۵

۲۵۔ سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۸

۲۶۔ سورۃ المائدۃ آیت ۳۷

۲۷۔ سورۃ النور آیت

تحریک پاکستان کے فکری محرکات سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر سعید اکرم۔ چکوال

استحکام کے لغوی معنی مضبوطی، پختگی اور استقلال کے ہیں۔

مفہوم کے اعتبار سے کسی چیز کے استحکام سے اس کی وہ حالت مراد لی جاسکتی ہے کہ اس کی بنیادیں مضبوط ہوں۔ کوئی اندرونی یا بیرونی عمل اس کی بنیادوں کو متزلزل نہ کر سکے۔ زمین کے ساتھ اس کا رشتہ پختہ ہو۔ کوئی سرد یا گرم موسم اس کے وجود کو چیلنج نہ کر سکے۔ وہ اپنی نشوونما کا عمل جاری رکھے۔ ہر دیکھنے والی آنکھ اس کی زندگی اور اس کے وجود کی گواہی دے اور ہر آنے والے کل کے آئینے میں اس کی خوب تر تصویر دیکھی اور دکھائی جاسکے۔

جہاں تک کسی ملک کے استحکام کا تعلق ہے اسے یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اس ملک کی جغرافیائی سرحدیں کسی ایک نقطے پر بھی کسی بیرونی طاقت در آنے کی اجازت نہیں دیتی۔ کوئی قوت ہوا سے گذر کر یا زمین کے اندر سے سرنگ لگا کر اس کے وجود کی یا اس کی روح کی دنیا میں دخل اندازی نہیں کرتی۔ اس میں بسنے والے لوگ سیسہ پلائی دیوار نظر آتے ہیں۔ معاشرتی، معاشی سیاسی اور نظریاتی اعتبار سے وہ ملک دوسرے ملکوں کے لیے مثال ہوتا ہے۔ کوئی دشمن اس کو میلی نظر سے دیکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اس کے جسم کے اندر بیماری کا خطرہ بننے والا ہر فاسد مادہ اس کی مضبوط صحت اور تندرستی کے مقابل میں از خود نابود ہو جاتا ہے۔

استحکامِ پاکستان سے کیا مراد ہے

یوں تو پاکستان بھی دوسرے ممالک کی طرح جغرافیائی سرحدوں کا حامل ایک خطہ زمین کا نام ہے لیکن چونکہ اس کی تخلیق محض نصف صدی پہلے عمل میں آئی۔ اس کا وجود ایک مخصوص اور طویل جدوجہد کے نتیجے میں

اور ایک خاص مقصد کے حصول کی خاطر عمل میں آیا' اس لیے اس کی تعریف بعینہ وہ نہیں کی جاسکتی جو دوسر
ممالک کے سلسلہ میں کی جاسکتی ہے۔ اس لیے یہاں ماضی میں زیادہ دور جائے بغیر اگر حضرت قائداعظمؒ کے
فرمودات نمونہ کے طور پر بیان کردیئے جائیں تو لفظ مذکورہ کی تعریف اور تفہیم میں زیادہ آسانی ہوگی۔

حضرت قائداعظم نے فرمایا "آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا تقسیم ہند
ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے' نہ انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مط
تھا"۔ (خطاب ۸ مارچ ۱۹۴۴ء)

"ہم دونوں قوموں میں صرف مذہب کا فرق نہیں۔ ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہمارا دین ہ
ایسا ضابطہ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر
چاہتے ہیں"۔ (پشاور نومبر ۱۹۴۵)

"...... میرا خیال ہے عوام اچھی طرح بیدار ہیں۔ وہ صرف آپ سے ہدایت چاہتے ہیں اسلام کے خد
گاروں کی طرح آگے آؤ اور اپنی قوم کو اقتصادی' معاشرتی' تعلیمی اور سیاسی حیثیت سے منظم کرو۔ مجھے یقین ہے
ایسی طاقت ہوں گے جس کو سب تسلیم کریں گے"۔ (لاہور۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء)

حضرت اقبالؒ نے فرمایا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ﷺ ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی

شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے

ان دونوں رہنماؤں کے فرامین اور ان گنت شہیدوں کے خون کی روشنی میں ایک اسلامی ریاست کے
لے سے کہا جا سکتا ہے کہ :

پاکستان ایک ایسا اسلامی ملک ہے جہاں توحید ربانی عملاً نافذ اور کار فرما ہے۔ یہ ملک سر سید احمد کی تحریک
گڑھ کی تدریسی اور منطقی ارتقاء کا حامل ہے۔ یہ علامہ اقبالؒ کے اس خواب کی تعبیر اور تصویر ہے جو انھوں نے
خطبہ الہ آباد میں پیش کیا تھا۔ یہ قائداعظمؒ اور ان کے جانثار ساتھیوں کی اس جدوجہد کا نام ہے جسے دوسرے
ں میں پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ دینی' سماجی' معاشی' ثقافتی' تمدنی اور
ں بنیادوں پر مسلمان قوم کے ایک الگ تشخص کا دوسرا نام ہے۔ یہاں ایک ایسا طاقتور انسانی جذبہ کار فرما ہے جو ہر
نی جبلت پر غالب رہتا ہے یہ اس عالمگیر جذبے کی آماجگاہ ہے جو افراد کو ایک مضبوط دینی اور فکری رشتے میں
لک کر کے ان کی قومی یک جہتی اور قومی ہم آہنگی کا ضامن ٹھہرتا ہے۔ یہاں صداقت' امانت دیانت اور ایفائے عہد
ساسات پر استوار اخلاق کی عظیم الشان عمارتیں آسمان سے باتیں کرتی دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہاں ایک ایسا نظام
موجود ہے جو مرد اور عورت' فرد اور ریاست اور سرمایہ اور محنت کے مابین ایک مضبوط اور حسین توازن قائم رکھتا
اسے ایک ایسی مخلص قیادت میسر ہے جس کے قول اور فعل میں کہیں تضاد نظر نہیں آتا۔ اس کے خلوص پر
م مکمل اعتماد کرتے ہیں۔ اس کے دفاع اور اس کی خوشحالی کو بلاشبہ پورے عالم اسلامی کی خوشحالی قرار دیا جا سکتا
۔ یہاں ہر شعبہ زندگی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی سچی حکمرانی کا منظر دیکھا جا سکتا

لیکن اب اس تعریف کے فریم میں موجودہ پاکستان کی تصویر کو فٹ کر کے دیکھیں تو کیا :
"ہم اپنے آپ کو خلاؤں میں بھٹکتا ہوا نہیں پاتے؟ کیا مذکورہ بالا سب باتیں محض واہمے اور گمان نہیں
؟ کیا ہمیں (We stand nowhere) کا شدت سے احساس نہیں ہوتا؟"

ہم اقبالؒ اور قائداعظمؒ اور تحریک پاکستان کے شہیدوں کی بے مثال قربانیوں سے لے کر اب تک کے
ن سالوں میں کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں۔ ہم نے اپنی تاریخ ہی نہیں اپنا جغرافیہ بھی بدل کر رکھ دیا ہے...... ہم
کفران نعمت کا ایک مسلسل جرم کیا ہے۔ ہم نے اپنے آباء کی امانت میں وہ خیانت کی ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔

پاکستان کا وہ پودا جسے اسلامیان ہند نے اپنے لہو سے سینچا تھا ہم نے اس کی جڑوں ہی کو نہیں کاٹا اس کی شاخوں' پتوں پھولوں اور پھلوں کو بھی تباہ کیا ہے...... اور آج ہر پاکستانی جس کے دل میں حب وطن کی ذرا سی بھی رمق باقی ہے سب کچھ دیکھ کر پکار اٹھتا ہے۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا

ہم نے توحید کا دامن چھوڑ کر شرک کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا لیا۔ لا الہ الا اللہ کا وہ نعرہ جو تحریک پاکستان کے دوران بچے بچے کی زبان پر تھا' آج اسے اکیلے میں بھی کہتے ہوئے ہم شرما جاتے ہیں۔ حیوانی جبلتیں راج کرتی نظر آتی ہیں لالچ' خود غرضی اور تعصب نے ہر ذہن اور دماغ کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ گلیوں اور کوچوں میں نفرت مارے لوگوں کو دیکھ کر فوراً زبان پر آجاتا ہے۔

نہ پوچھ حال کسی بھی اداس چہرے کا
ہر ایک شخص کی اپنی الگ کہانی ہے

دنیا میں آج پاکستان کا شمار ایک غیر مستحکم اور مائل بہ انحطاط ممالک میں ہوتا۔ ہر قسم کی کرپشن میں دنیا ہمیں سرفہرست قرار دیتی ہے۔ غیر ملکی ناقدین جو ہمارے متعلق رائے رکھتے ہیں وہ سن کر دل دہل جاتا ہے۔ پروفیسر زائرنگ (۱) جو شاف کالج لاہور سے ایک عرصہ تک وابستہ رہے' نے اپنی ایک تحریر میں لکھا تھا کہ پاکستان تاحال اپنے جداگانہ تشخص کا جواز پیش نہیں کر سکا لہذا عنقریب مزید حصے بخرے ہونے کے عمل سے دوچار ہو جائے گا (اعاذ نا اللہ من ذلک)

ہم اب تک جن حادثات سے دوچار ہو چکے ہیں ان کے زیر اثر اب ذرا سی بھی تیز ہوا چلے تو جسم کانپنے لگتا ہے۔ یقین کی کشتی ہچکولے کھانے لگتی ہے۔ مختار مسعود کی وہ بات کہ (جب مینار پاکستان تعمیر ہو چکا تو)" میں نے مینار پاکستان کی رفعت سے افق پر نگاہ ڈالی' مجھے چاٹگام اور سلہٹ تک کے پہاڑ نظر آئے۔ اب مجھے مینار کی عظمت کا احساس ہونے لگا' دل نے کہا آج مطلع صاف ہے اور نظر دور تک جاتی ہے۔ اگر غبار آلود ہوا تو شائد تمہیں اس مینار سے لاہور کا شہر بھی دھندلا دکھائی دے گا"۔

.... کس قدر سچی نظر آتی ہے۔

دریں حالات ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری قوم بغور جائزہ لے کہ ہم اس صورتحال سے کیوں دوچار ہوئے۔ ہمارے اس پیارے وطن کے عدم استحکام کی وجوہات کیا ہیں۔ ہم نے کہاں کہاں لغزش کھائی ہے۔ ہم نے دنیا کے سامنے اپنی نالائقی کے کیا کیا ثبوت فراہم کیے ہیں ہم نے اپنے قائد کی اس بات کو کہ "پاکستان قائم رہنے

نا ہے "کو غلط ثابت کرنے کے لیے کون سی کوشش ہے جو نہیں کی۔

م استحکام کے اسباب

جس طرح بعض اوقات کسی بات کے سو فیصد سچ معلوم ہونے کے باوجود دل چاہتا ہے کہ کاش یہ بات ٹ ہو۔ اسی طرح ہم بھی خواہ مخواہ اپنے آپ کو خوش گمانی میں مبتلا کر کے کہنے لگتے ہیں کہ پاکستان کے عدم م کی باتیں محض پاکستان دشمن لوگوں کی باتیں ہیں۔ یہ اہل پاکستان کو بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا رکھنے کے ے ہیں...... لیکن نہیں۔ ہم ذرا غور کریں تو ہم پر صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ اسی خوش گمانی نے ہمیں پہلے بھی کے سامنے ذلیل ورسوا کیا۔ ہم نے ہمیشہ خطرے کو سامنے دیکھ کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں۔ ہم حقیقت ریب جانے سے ہمیشہ کتراتے رہے۔ ہم نے کبھی یہ نہ سوچا کہ قرآن تو فیصلہ دیتا ہے کہ :

تلك امانيهم۔ قل هاتوا برهانكم ان كنتم صٰدقين (سورة البقرة)

یہ ان کی خواہشات ہیں۔ کہیے پیش کرو دلیل کو اگر تم سچے ہو۔

ہم کیوں نہیں سوچتے کہ ۱۹۴۷ء کا پاکستان اب کہاں ہے۔ ہم کیوں نہیں سوچتے کہ سانحہ مشرقی پاکستان ے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بن چکا ہے۔ ایک مختصر سی جنگ کے نتیجے میں اتنی بڑی شکست اور اتنی بڑی تعداد میں ن فوجوں کا قید ہو جانا......!

یاد ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

ہم کیوں نہیں سوچتے کہ سرزمین پاکستان ایک طویل عرصہ تک آئین کو ترستی رہی۔ کبھی آئین بنا تو اسے ج کی روشنی بھی ہم نے دیکھنے کی مہلت نہ دی۔ کبھی آئین بنا تو اسے ایک طویل عرصہ تک ہم نے طاق نسیاں پر ر کھا۔ کبھی بحال ہوا تو جب چاہا اپنی مرضی سے اس کا چہرہ تبدیل کر ڈالا۔

ہم کیوں نہیں سوچتے کہ ہمارے متعدد رہنما کیوں پاکستان کے اندر رہتے ہوئے کنفیڈریشن کا مطالبہ ۔ رہتے ہیں۔ وہ کیوں (۳) علی اعلان کہتے ہیں کہ (خاکم بدہن) "اب وقت آگیا ہے کہ پاکستان کو توڑ دیا جائے" جمہوریت کی حمایت اس لیے نہیں کرتے کہ جمہوریت پاکستان کی بقا کا ذریعہ بن جائے گی"۔

ہم اپنے کس کس عیب کو چھپائیں گے۔ قدرت ہماری کہاں تک پردہ پوشی کرے گی

چرالی قمریوں نے' طوطیوں نے' عندلیبوں نے
چمن میں ہر طرف بکھری پڑی ہے داستاں میری

آیئے اب غور کریں کہ سب کچھ کیوں ہوا اور کیوں ہو رہا ہے :

اصل سبب یہ ہے کہ پاکستان ایک عظیم نظریاتی ریاست کی حیثیت سے وجود میں آیا تھا۔ پاکستان صرف
اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ قدرت نے پاکستان کی صورت میں اسلامیان ہند پر ایک عظیم احسان کیا تھا۔ لیکن
افسوس کہ ہم بے وفا نکلے۔ ہم نے احسان فراموش کے قدم قدم پر ثبوت فراہم کیے۔ ہم نے خدا' رسول ﷺ ان
دین اور اپنے نظریے سے غداری کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ ہماری منزل کچھ اور تھی اور ہمارا سفر
اور سمت میں جاری رہا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا ہم اپنے حقوق اور فرائض سے عاری ہوتے چلے گئے۔ امامت
نظامت اور حفاظت' غرض ہر منصب پر اپنا حق جانا اور اپنے ہر فرض سے اغماض برتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ۔

نہ خدا ہی ملا' نہ وصال صنم
نہ اِدھر کے رہے' نہ اُدھر کے رہے

ہم نے تو کہا تھا۔

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا جائے گی

لیکن ہم نے تو اپنی جبیں خاک مغرب سے آلودہ کرنے میں سعادت سمجھی۔ ہم نے کبھی نہ سوچا کہ پاکستان
ہے تو ہم ہیں۔ یہ باعزت ہے تو ہم باعزت ہیں۔ اس کا استحکام ہمارے زندہ رہنے کا ضامن اور اس کی مضبوطی ہماری
غیرت کی علامت ہے۔ ہم نے یہاں شریعت محمدی کہ جس کے نفاذ کے لیے ہی یہ خطہ حاصل کیا تھا۔ سرے سے
پس پشت ڈال دیا اور اس کے بجائے آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے ہر حکم کو حکم خداوندی سمجھ کر قبول کیا۔ اغیار
اسلام کو بنیاد پرستوں کا دین کہہ کر عالمی سطح پر ہمارا مذاق اڑایا لیکن ہماری رگ حمیت میں جنبش تک پیدا نہ ہوئی۔
یہاں کشمیر کا ذکر بھی قطعاً بے جا نہ ہوگا کہ اس تنازعے نے بھی ہمارے عدم استحکام میں بڑا اہم کردار ادا
دیا ہے۔ یہاں تاریخ دہرانے کی گنجائش نہیں لیکن اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ انگریز نے بڑی دور اندیشی سے کام لے
تقسیم ہند کے دوران کشمیر کا فیوز لگا کر ہمیں مستقل طور پر عدم استحکام سے دوچار کر دیا۔ لیکن یہ گلہ اس لیے قطعاً
معنی لگتا ہے کہ دشمن کا کام تو ہوتا ہی دشمنی کرنا ہے دشمن سے اپنے استحکام کی توقع رکھنا بے حمیت قوموں کی نشانی
کرتی ہے۔

استحکام پاکستان کا راز کہاں چھپا ہے؟

استحکام پاکستان کا راز کیا ہے۔ اس پر غور کرنے سے پہلے ہمیں قرآن مجید جو لاریب فیہ کا علمبردار ہے۔
اللہ پاک کے ان ارشادات کو ذہن میں رکھنا ہوگا جن میں کہا گیا ہے کہ دین حق تو بہر حال غالب آکر رہے گا اور
ضمن میں ہمیں بھی پختہ یقین ہونا چاہیے کہ اگر اس کی حفاظت کا حق ہم نے ادا نہ کیا تو قدرت اس کی حفاظت کا فر

کسی اور کے سپرد کر دے گی۔

و ان تتولوا یستبدل قوما غیر کم (سورۃ محمد ﷺ)

اور اگر تم پیٹھ موڑلو گے تو اللہ تم کو چھوڑ کر کسی اور قوم کو قبول کرلے گا۔

و اللہ متم نورہ (سورۃ الصف ۸)

اللہ اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون (سورۃ الحجر ۹)

ہم نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

لئن شکر تم لأزیدنکم ولئن کفر تم ان عذابی لشدید (سورۃ ابراہیم ۷)

اگر تم ہمارے احسانات پر قدر شناسی اور احسان مندی کی روش اختیار کرو گے تو ہم تمہیں مزید نوازیں گے اور اگر تم نے ناقدری اور کفران نعمت کیا تو (جان لو) ہماری سزا بھی سخت ہوتی ہے۔

اللہ رب العزت اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح خبردار کرنے کے بعد ہمیں یقین کر لینا چاہیے کہ اللہ پاک کا سچا اور آخری دین تو بہر حال قیامت تک زندہ رہے گا لیکن اس کی عطا کی ہوئی اس نعمت یعنی پاکستان اور اس انمول آزادی کی قدر نہ کی اور اس کے دین کی سربلندی کہ جس کے لیے اس نے یہ نعمت عطا کی ہے کا فریضہ انجام نہ دیا تو وہ یہ نعمت ہم سے چھین بھی سکتا ہے۔ اب اس نعمت کی قدر دانی کا حق کیونکر ادا کیا جا سکتا ہے۔ تو اس کا صرف اور صرف طریقہ یہ ہے کہ ۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش کہ دیں ہمہ اوست

گر باونہ رسیدی تمام بولہبیست

ہمیں یقین کر لینا چاہیے کہ اللہ کا دین محکم و مستحکم ہو گا تو پاکستان مستحکم ہو گا۔ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اگر یہاں زندہ ہوتی رہیں گی تو پاکستان بھی زندہ و پائندہ رہے گا۔ ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ دین اسلام کا مکمل نفاذ ہی ہمارے استحکام اور ہماری بقا کی ضمانت ہو سکتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب۔ ۳)

تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

تو آیئے! اس ابدی مثل کی روشنی میں وہ طریقے تلاش کرتے ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہو کر ہم خدائے عزو جل کی رضا حاصل کر سکتے ہیں اور اس کی اس نعمت کا کما حقہ شکر ادا کر سکتے ہیں۔

۱۔ یقین محکم

سب سے پہلی اور سچی بات یہ ہے کہ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد ہمیں کوئی ایسی قیادت میسر نہیں آئی کہ جس کی صورت میں ہم اپنے آنے والے کل کو محفوظ پاتے۔ ہماری بے یقینی کی کیفیت روز بروز فزوں تر ہوتی چلی گئی۔ اس بے یقینی نے ہمیں حد درجہ خود غرض لالچی اور ابن الوقت بنادیا"معلوم نہیں کل کیا ہوگا" کی سوچ کے زیر اثر ہر شخص ہر جائز اور ناجائز طریقے سے لوٹ مار میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتا گیا۔ جس ایمان کی قوت کے بل بوتے پر ہم نے ہندو اور انگریز جیسی عیار قوموں کو شکست دی تھی' اس کے رخصت ہو جانے کے سبب ہم اپنے نفس کے غلام بن کر رہ گئے۔ ہمارا استحکام عنقا ہو گیا۔

اس لیے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم کو اس بے یقینی کی کیفیت سے نکال کر دلوں کے نور ایمان سے منور کیا جائے۔ بالکل اسی طرح جیسے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دلوں پر محنت کی۔ ایمان اور یقین مضبوط بنائے۔ دلوں سے غیر اللہ کا خوف نکالا۔ دنیا کی فانی دولت کا لالچ دل سے نکال کر اعمال صالح کی صورت میں" اخروی دولت جمع کرنے کی فکر پیدا کی' اگر ہماری قیادت بھی اپنی صداقت اور دیانت کے طفیل ہمارے سینوں کو یقین کے جذبوں سے مزین کر دے تو ہم بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے گھر کا گھر اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرح اپنا سب کچھ اپنے رہنماؤں کی ایک پکار پر قربان کر سکتے ہیں۔

فضائے بدر پیدا کر' فرشتے تیری نصرت کو

اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

کیونکہ کسی گھر کے استحکام کے لیے پہلی شرط یہی قرار پاتی ہے کہ اس میں رہنے والے لوگوں کی اس کے ساتھ وابستگی لازوال ہو۔ کوئی بڑی سے بڑی چمک اس وابستگی میں دراڑ نہ ڈال سکے۔ قائداعظم اتنے بڑے معرکے میں کیوں سرخرو ہوئے۔ اس لیے کہ ان کی اپنے مشن کے ساتھ وابستگی اور اس کے سچا ہونے کا یقین اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔

۲۔ نظریہ پاکستان پر کامل ایمان

اسلام منافقت کو کفر سے بھی بدتر قرار دیتا ہے۔ لیکن ہم نے پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد منافقت کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنالیا۔ ہماری زبان پر اسلام کے نفاذ کا نعرہ رہا لیکن عملاً ہم نے ہر غیر اسلامی روایت کو چراغ راہ بنایا۔ ہم نے ہندو کو مشرقی پاکستان میں کھل کھیلنے کا موقع دیا تو اس نے مشرقی پاکستان کو ہم سے جدا کر کے کوئی مانے یا نہ مانے) ہمارے دو قومی نظریے کی نفی کا اس طرح ثبوت فراہم کر دیا کہ بنگلہ دیش کے پہلے وزیر خارجہ ڈاکٹر

کمال حسین نے علی الاعلان کہا کہ "اگرچہ دنیا میں اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد بنگلہ دیش میں ہے۔ لیکن ہم بنگلہ دیش کو ایک مسلمان ملک کہلانا پسند نہیں کریں گے" وجہ یہ تھی کہ ہم نے کبھی اپنے آپ کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے منوانے کی کوشش ہی نہ کی۔ ہمارا قومی تشخص کسی موڑ پر بھی نمایاں ہو کر دنیا کے سامنے نہ آیا۔ قرآن مجید تو کہے :

یایها الذین امنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتب من قبلکم والکفار اولیاء (المائدۃ ۵۷)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' تمہارے پیش رو اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنا لیا ہے' انہیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور اپنا رفیق نہ بناؤ"۔ یعنی غیر مسلم تمہارے دوست ہو ہی نہیں سکتے اور ہم ان کی مرضی کے خلاف ایک لقمہ بھی منہ میں نہ ڈالیں۔ ان حالات میں ہمیں استحکام کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔

ذرا سوچیں تو...... کہ کیا یہ حقیقت نہیں ہم پاکستان کی بنی ہوئی اچھی اور سستی اشیاء کے مقابلے میں غیر ملکی گھٹیا اور مہنگی اشیاء خریدنا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم خود پاکستانی قوم کو کرپٹ اور ہر غیر مسلم قوم کو دیانت دار تصور کرتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج ہمارا ہر کام (جائز کاموں سمیت) رشوت اور سفارش کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنی اس نسل کو جو پاکستان کے بعد پیدا ہوئی اسے نظریہ پاکستان کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ ہم نے قائداعظم کے نظریہ پاکستان یعنی 'اتحاد' تنظیم اور یقین محکم......اور کام کام اور کام......کو اپنا ایمان بنانے پر محنت نہیں ہی نہیں کی۔

غیرت مند انسان اپنی جان دے دیتا ہے لیکن وہ اپنے نظریے کے تقدس پر آنچ نہیں آنے دیتا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قریش نے تبلیغ اسلام کے ترک کرنے کے بدلے میں ہر قسم کی دولت عزت اور مرتبے کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا "خدا کی قسم اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دو تو پھر بھی میں حق کی تبلیغ سے باز نہیں آؤں گا"۔

حضرت وثنہ رضی اللہ عنہ 'اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ 'کو جب شہید کیا جانے لگا تو ان سے الگ الگ پوچھا گیا کہ کیا تجھ کو یہ پسند ہے کہ تیرے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گردن مار دی جائے اور تجھ کو چھوڑ دیا جائے تاکہ تو اہل وعیال میں خوش وخرم رہے۔ ہر دو صحابہ نے الگ الگ ایک ہی جواب دیا کہ واللہ العظیم مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ جہاں وہ ہیں انہیں میری جان کے فدیہ میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ (۴)

یہ تھا نظریے کی صداقت پر ایمان اور اس کے ساتھ مکمل وابستگی۔ ان کے سر کٹ تو سکتے تھے لیکن اس کی

توہین برداشت کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ صحابہ کی زندگیوں کو پڑھیں۔ ان میں سے ہر شخص اپنے ہادی علیہ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور نظریے کے آسمان پر ایک چمکتے ہوئے ستارے کی مانند تھا وہ سب بنیان مرصوص ایک سچی تصویر تھے۔

آج ہمیں بھی اگر اپنے ملی استحکام کی ضرورت ہے۔ اپنے قومی تشخص کو دنیا سے منوانا ہے تو ہمیں بھی لازمی طور پر رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کی طرح لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بنیاد پر وانتم الاعلون کے مصداق اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ عزوجل کی پسندیدہ قوم ہونے کا ثبوت فراہم کرنا ہوگا۔

۳۔ مضبوط دفاع اور مسئلہ کشمیر کا حل

بھارت جو پاکستان کا ازلی اور ابدی دشمن ہے وہ ہمیشہ اس تاک میں رہا ہے اور رہے گا کہ ہر ممکن طریقہ سے پاکستان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ اسنے ذہنی اور قلبی طور پر پاکستان کو کبھی تسلیم کیا ہے اور نہ کبھی کرے گا۔ اندرا گاندھی نے سقوط مشرقی پاکستان کے فوراً بعد کہا تھا کہ ابھی ہم اپنی قوم کو اور بھی کئی خوشخبریاں سننے کو دیں گے۔

بھارت کے علاوہ بھی کفر کی ہر طاقت کو پاکستان کانٹے کی طرح چبھ رہا ہے۔ تمام غیر مسلم قوتیں پاکستان کو اسلام کا قلعہ تصور کرتی ہیں۔ وہ اس کی دیواروں کو غیر مستحکم کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ ان ہی کا ایجاد کردہ مسئلہ کشمیر بھی ہمارے عدم استحکام ایک بہت بڑی اور بنیادی وجہ ہے۔ انگریز جاتے جاتے اس قلعہ کی بنیادوں میں وہ ڈائنامائیٹ لگا گیا ہے جو کسی وقت بھی پھٹ کر ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔

لہٰذا ان تمام حقائق کے پیش نظر ہمارا ناقابل شکست دفاع ہی ہماری بقاء اور ہمارے استحکام کا ضامن ہو سکتا ہے کیونکہ کمزور سے تو زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں بھی بحیثیت مسلمان ہمیں مکمل رہنمائی سیرت طیبہ کے مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

آپ علیہ ﷺ کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کسی لمحہ بھی اپنے دفاع سے غفلت نہیں برتی۔ جب ضرورت پڑی تو بدر اور احد کے میدانوں میں گھر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ جب مناسب سمجھا تو قلعہ بند ہو کر اور خندقیں کھود کر اپنا دفاع کیا۔ جب موقع ملا اور حالات نے مجبور کر دیا تو فتح مکہ اور خیبر کی صورت میں دشمن کی کمر ہمیشہ کے لیے توڑ کر رکھ دی۔ جب ناگزیر ہو گیا تو بنی قینقاع، بنو نظیر اور بنو قریظہ جیسے دشمنوں سے اسلامی ریاست کو ہمیشہ کے لیے پاک کر دیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ و عدو کم و آخرین من دونھم...... (سورۃ الانفال۔ ٦٠)

اور تم لوگ' جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے ...ن کے لیے تیار رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداد کو خوف زدہ کرو ...س تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔

فاذا انسلخ الا شهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث و جد تمو هم و خذوهم و احصرو هم و ...والهم كل مر صد(سورة التوبة :٥)

پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان ...خبر لینے کے لیے بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو۔ اللہ درگزر کرنے والا ...ر رحم فرمانے والا ہے۔

اب یہاں رب دو جہاں کے ان ارشادات اور حبیب رب دو جہاں کی سیرت کی روشنی میں پاکستان کے ...یخی اور جغرافیائی حالات اور موجودہ دور کی حیرت انگیز سائنسی ترقی کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں یقین کر لینا چاہیے ...استحکام پاکستان سے ذرا سی غفلت بھی ہمیں وہ نقصان پہنچا سکتی ہے جس کی شائد ہماری نسلیں بھی تلافی نہ کر ...یں۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
پر نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف

ہم فتح مکہ اور فتح خیبر کی سنتیں زندہ کر کے ہی کشمیر کو دشمن کے چنگل سے نجات دلا سکتے ہیں۔ منافقین اور ...من کے ایجنٹوں کو جو پاکستان کا کھا کر پاکستان سے دشمنی کرتے ہیں انہیں بنو قریظہ کے انجام سے دوچار کر کے ہی ...لامی ریاست کے دفاع کو مضبوط کر سکتے ہیں۔

سورۃ الانفال اور سورۃ التوبۃ کی محولہ بالا آیات کے حوالے سے ہم ہر قسم کی جدید دفاعی ٹیکنالوجی حاصل ...رنے اور اپنے استحکام کو معتبر بنانے کا ہر حق فائق رکھتے ہیں۔ ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

۴۔ کڑا احتساب اور مکمل انصاف

اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ (المائدة)

آج پاکستان کے اندر لاقانونیت اپنے عروج پر ہے۔ کسی کی عزت محفوظ ہے نہ کسی کے جان و مال کو تحفظ حاصل ہے۔ قوم کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جا رہا ہے۔ آجر اپنے مزدور کا اور جاگیردار اپنے مزارع کا خون چوس رہا ہے۔ امیر اور اعلیٰ مراتب پر فائز لوگ غریب کو انسان سمجھنے پر بھی تیار نہیں۔ ایک طرف بڑے لوگ

کروڑوں روپے ہڑپ کر کے ڈکار بھی نہیں لیتے اور حکومت کے ایوانوں میں راج بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف محنت کش غریب اپنے خون اور پسینے سے پاکستان کو سینچتے بھی ہیں اور پھر ایک ایک لقمے کو ترستے بھی ہیں۔ ہم اپنے گھر کی دیواروں سے اینٹیں بھی کھینچیں اور خواب دیکھیں گھر کے استحکام کا۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہاں قانون نام کی کوئی شے ہے ہی نہیں۔ جیسے جنگل میں طاقتور کمزوروں کا شکار کرنے کے لیے دوڑتے پھر رہے ہوں۔

قرآن مجید میں ایک جگہ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کو ظلم، کفر اور فسق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنتِ عبداللہ نامی ایک عورت کے چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا ”اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ (۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم سے پہلی امتیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ وہ بڑوں کو معاف کر دیتی تھیں اور کمزوروں کو سزائیں دیتی تھیں“۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کو بنی سلیم کے صدقات پر عامل بنا کر بھیجا۔ جب وہ وصول کر کے واپس آئے تو انھوں نے دو قسم کا مال رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا اور کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھے تحفۃً ملا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ ملاحظہ فرمایا تو کہا ”گھر بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا“ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس قسم کے لین دین کو سختی سے منع فرمایا۔ (۷)

عامل مصر حضرت عیاض بن غنم نے قیمتی لباس پہننا اور محل میں رہنا شروع کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کمبل کا کرتہ پہنا کر ان سے بکریاں چروائیں۔ (۸)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک شاعر اشعث بن قیس کے قصیدہ پڑھنے پر اسے دس ہزار درہم کی رقم انعام کے طور پر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا احتساب کیا اس سے کون واقف نہیں!

ان تمام واقعات اور احادیث نبویہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ آج ہمیں بھی اگر پاکستان کو صحیح اسلامی ریاست بنانا ہے تو ہمیں بھی بلا لحاظ مقام و منصب قانون کا احترام خود کرنا اور کرانا بھی ہو گا۔ قانون کی حکمرانی کو قائم کرنا ہو گا۔ کیونکہ لاقانونیت وہ زہر ہے جو بالآخر ریاستی استحکام کو ہلاک کر کے رکھ دیتا ہے۔

عوام کے بنیادی حقوق کا تحفظ

ایک فلاحی اسلامی ریاست کے بنیادی فرائض میں شامل ہے کہ وہ عام آدمی کو نہ صرف ان کے بنیادی
فراہم کرے بلکہ ان کا تحفظ بھی کرے۔ ہر شخص کو ریاستی قانون کے تحت آزادی سے جینے کا حق حاصل ہو۔ ہر
و کھانے کے لیے روٹی اور سر چھپانے کے لیے چھت میسر ہو۔ بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرنا اور عوام کو
اموں روزمرہ کی ضرورت کی اشیاء مہیا کرنا بھی حکومت کا اولین فرض قرار پاتا ہے۔ کوئی بیمار پڑ جائے تو اس
اور اس کی دیکھ بھال کا فریضہ بھی ریاست ادا کرتی ہے۔ بچوں کو تعلیمی سہولتیں بہم پہنچاتی ہے۔ لیکن' یہاں تو
ہی الٹ ہے۔ یہاں تو غریب کے منہ سے نوالا بھی چھین لیا جائے تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔
لٹتے رہتے ہیں لیکن مزید لٹنے کے خوف کے سبب قانون کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی ریاست تشکیل دی اس میں مواخات کی بنیادوں پر استوار انسانی
ے کو ریاستی تحفظ کا بے مثال احساس فراہم کیا۔ آپ ﷺ نے محض چند سالوں میں عرب کی کایا پلٹ کے رکھ
جہاں انسانیت ظلم کی چکی میں پس رہی تھی۔ وہاں ہر طرف اخوت' عدل' انصاف اور مساوات کی حکمرانی نظر
لگی۔ جہاں لوگ بھوکے مرتے تھے وہاں دینے والے تو بہت تھے' لینے والا مشکل سے ملتا تھا۔ صنعا سے لے کر
موت تک عورت اکیلے سفر کرتی تھی لیکن اسے کسی راہزن کا خوف نہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اگر فرات کے کنارے ایک کتا بھی پیاسا مر گیا تو قیامت کے روز مجھ
واب طلب کیا جائے گا۔

اس لیے اگر ہمیں پاکستان کو ریاستی استحکام کے ہتھیار سے لیس کرنا ہے تو ہمیں بھی اپنے ہاں وہی معاشرہ
کرنا ہو گا جو ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے تشکیل دیا تھا۔ ہر شخص کو اس کی انفرادی اہمیت کا احساس دلا کر
کے دل میں اپنا اور ریاست کا حقیقی احترام پیدا کرنا ہو گا اور یہ بھی صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکے گا جب
فرد اور حکومت کے مابین حقوق و فرائض کا وہ رشتہ استوار ہو جو رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے
ن کیا تھا۔

اس کے علاوہ ہمیں زندگی کے ہر دوسرے شعبے مثلاً تعلیم' ثقافت' ادب' معیشت' معاشرت اور سیاست
ہ میں بھی وہی اسلوب حیات اختیار کرنا ہو گا جس کا نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے چھوڑ گئے
۔ ہمیں یقین کرنا ہو گا کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اس کی بقا' استحکام اور ترقی کا راز بھی صرف
م کے نفاذ اور اس کے سرمدی اصولوں پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ صرف اسلامی انقلاب ہی ہماری مشکلات کا
اور ہمارے استحکام کا ضامن ہو سکتا ہے۔

آخر میں ہم اپنی تحریر کو سید سلیمان ندویؒ کی اس بے مثال تحریر کے ہمراہ ختم کرتے ہیں جس میں ان
نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر مسلمان کے لیے واحد ذریعہ نجات قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ (۱۰)

"اگر دولت مند ہو تو مکے کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو۔ اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو۔ اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر ایک نظر ڈالو...... اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمن کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو...... اگر عدالت کے قاضی اور پنچائت کے ثالث ہو تو کعبے میں طلوع آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو...... مدینے کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا' امیر و غریب برابر تھے........... غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کے لیے نمونہ تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے ساز و سامان' تمہارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

حوالہ جات

(۱) استحکام پاکستان از ڈاکٹر اسرار احمد

(۲) آواز دوست ص ۴۵

(۳) استحکام پاکستان از ڈاکٹر اسرار احمد ص ۴۷

(۴) فضائل اعمال از مولانا محمد زکریا۔ ص ۷۰

(۵) نقوش ص ۱۹۴

(۶) نقوش ص ۲۲۳

(۷) نقوش ص ۳۰۳

(۸) تاریخ اسلام از ڈاکٹر حمید الدین

(۹) ایضاً

(۱۰) خطبات مدراس از سید سلیمان ندویؒ

نوٹ :

اس مضمون کی تیاری میں حوالہ جات کے علاوہ مندرجہ ذیل رسائل و جرائد سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۔ ہفت روزہ ہلال سیرت نمبر

۲۔ ہفت روزہ ہلال آزادی نمبر

۳۔ نقوش رسول نمبر

۴۔ کلیات اقبالؒ

۵۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شبلی نعمانی۔ سید سلیمان ندوی

۶۔ تاریخ اسلام۔ از ڈاکٹر حمید الدین